
ماہنامہ
پاکیزہ
2016
انجم انصار اور رفعت سراج کے ناولوں کی نئی اقساط
سعدیہ عجمی، نگہت اعظمی و عقیلہ حق کی خصوصی تحریریں
قابل اور باصلاحیت ٹی وی میزبان شگفتہ یاسمین سے دلکش ملاقات
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY



ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی

نگرانِ اعلیٰ معراج رسول
مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول
مدیرہ: انجم انصار
معاون: آمنہ حماد

MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شعبۂ اشتہارات
منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789
نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
رانا لئیق حمید 0323-2895528
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچہ (پاکستان) 60 روپے
قیمت فی پرچہ (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات
زرِ سالانہ (اندرون ملک) 800 روپے ..... جلد نمبر 44 شمارہ 06: ستمبر 2016ء

اداریہ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313. Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

مجھے کچھ کہنا ہے......!

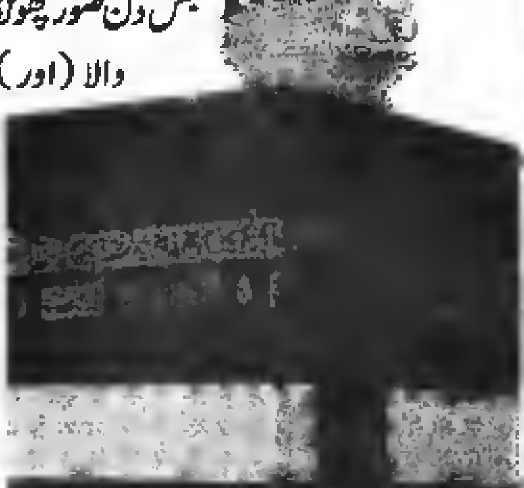
بفضل اللہ تعالیٰ حج کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں اور حج پر جانے والوں کی خوشیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ عبادت بہت اہم اور جذباتی کیفیت سے متعلق ہے......اس لیے اس عبادت کی ادائیگی کا بہت زیادہ اہتمام ضروری ہے......کسی ایک جگہ کی لغزش اس عبادت کی کیفیت کو زائل کر دیتی ہے۔ حج کے دنوں میں صبح شام ایک ہی صدا حرم کے اطراف میں گونجتی ہے جو تمام حاجیوں کے دل و زبان سے ادا ہوتی ہے "اے اللہ، تیرے دربار میں، میں گناہ گار حاضر ہوں، تمام تعریفیں و حمد تیرا ہی حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔"

اللہ کی حقانیت اس کی بزرگی و برتری اور وحدانیت کا اقرار اور غیر خداؤں سے انکار، خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کے آگے سر بسجود ہونے کا نام ہی در حقیقت حج ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حج کی ادائیگی میں جہاں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں وہیں ان کی ایک بہت بڑی حکمت اتحاد امت مسلمہ بھی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان اس موقع پر جمع ہوتے ہیں، جن میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ایک ہی جگہ تمام تفرقات سے بالاتر ہو کر ایک ہی صف میں ایک ہی امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ حج ہمیں اتفاق، اتحاد اور امن و آشتی کا مکمل درس دیتا ہے......اور ہم مسلمان آج یہ سبق خود ہی بھول رہے ہیں، آج ہمیں آپ سے یہی کہنا ہے کہ کبھی اپنے مسلمان، بہن، بھائیوں کی یہ سوچ کر مدد کریں کہ یہ ہمارے دینی بہن، بھائی ہیں......جن کی مدد کرنا ہمارا فرض بھی ہے......تو ہمارے دل کو جو خوشی اور طمانیت حاصل ہو گی وہ بیان نہیں کی جا سکتی......یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیں......جی ہاں......!

مدیرہ

انجم انصار

اور تمہاری قوم نے اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے تم (ان سے) کہہ دو کہ میں تم پر (کوئی) نگہبان نہیں ہوں (٦٦) ہر چیز کی ایک میعاد ہوتی ہے اور (قیامت کا بھی ایک وقت مقرر ہے) عنقریب تم جان لو گے (٦٧) اور (اے نبی ﷺ) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ اس کے سوا کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں اور (ہمارا یہ حکم) تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد کرنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو (٦٨) اور جو لوگ پرہیز گاری کرتے ہیں ان پر ان (ظالموں) کے حساب سے کچھ (مواخذہ) نہیں ہے ولیکن (صرف) نصیحت کرنا (انہیں لازم ہے) تاکہ وہ پرہیز گاری کریں (٦٩) اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل بنا رکھا ہے اور انہیں دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور قرآن سے (لوگوں کو) نصیحت دو (تاکہ ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص اپنے عمل کے سبب سے ہلاک ہو جائے (اور اس وقت) اللہ کے سوا کوئی اس کا کارساز نہ ہو اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر عوض میں سارے (جہان) بدلے (میں) دے، ان سے نہ لیے جائیں گے یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے سبب سے ہلاک کر دیے گئے ان کے لیے گرم پانی ہو گا اور درد دینے والا عذاب، سبب اس کے کہ کفر کرتے تھے (٧٠) کہو کہ کیا ہم اللہ کے سوا اس سے مناجات کریں جو نہ ہمیں فائدہ اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت کی ہم اپنے پچھلے (دین) پر واپس کر دیے جائیں اس شخص کی طرح جسے شیطان نے جنگل میں گمراہ کر دیا ہو حیران ہو اس کے کچھ رفیق اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آؤ کہہ دو کہ وہ اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سارے جہان کے پروردگار کی فرمانبرداری کریں (٧١) اور تم نماز پڑھو اور اللہ سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم (سب مرنے کے بعد) اٹھائے جاؤ گے (٧٢) وہی ہے جس نے سچائی کے ساتھ آسمان پیدا کیے اور زمین (پیدا کی) اور جس دن (کسی چیز کو) کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے اس کی بات سچی ہے اور اسی کی بادشاہت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا وہ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی (باتوں) کا اور وہ حکمت والا (اور) باخبر ہے (٧٣) اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آذر سے کہا کہ (اے باپ) کیا تم بتوں کو (اپنے) معبود بناتے ہو میں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (٧٤) اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھلاتے تھے تاکہ وہ (ہماری وحدانیت کا) یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے (٧٥)



(سورۃ انعام آیت نمبر ٦٦ تا ٧٥)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سید الفاتحین ؐ

افضل الانبیا سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارک میں سے ایک نام **فاتح** بھی ہے جس کا مفہوم، فتح کرنے والے... کھولنے والے کے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (۱) الفتح

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم کو فتح دی اور فتح بھی صریح واضح۔ (یہ فتح مکہ کے حوالے سے سورہ ہے جس میں اس عظیم الشان فتح کا پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے)

الحدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آؤں گا اور فاتح بن کر کہوں گا دروازہ کھولو۔ جنت کا خازن عرض کرے گا کہ آپؐ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ خازن عرض کرے گا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھولنے کا حکم دیا گیا ہے آپؐ سے پہلے میں کسی کے لیے نہیں کھولوں گا۔ (مسلم)

لین پول نامی مغربی مورخ کی رائے کے مطابق

حقائق تلخ ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس دن اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور جو ان کی عظیم ترین فتح تھی۔ وہی دن دراصل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات پر فتح کا دن تھا۔ آپؐ نے مکہ کے لوگوں کو عام معافی دے دی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ناقابل بیان مظالم اور اذیتوں کا آپؐ نشانہ بنے رہے تھے۔ آپؐ نے مکہ کی پوری آبادی کو امان دے دی پوری انسانی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ دنیا کا کوئی فاتح اس طرح مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔

الفضائل: یہ اسم مبارک فاتح ۷۹۴ مرتبہ سات یوم تک بلاناغہ ہر نماز کے بعد پڑھنے سے دشمن مغلوب ہوگا اور وہ صلح پر آمادہ ہو جائے گا۔

۲۔ رات کو سونے سے قبل باوضو حالت میں بکثرت پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔ اور ان پر مخفی راز کھل جائیں گے۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اقتباس



گمشدہ محبت

قسط 8

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......



دو تین دن نہیں، پورے دس دن ریحان نے اس سے معذرت کی تھی۔ جب اس کی سمجھ میں یہ بات آئی تھی کہ دوستوں کی طویل فہرست میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے ہماری ذہنی ہم آہنگی ہونا ضروری نہیں ہوتا۔
اور حارث مان گیا تھا کہ وہ شہلا سے دور، دور سے دوستی ضرور رکھے گا...... تاوقتیکہ اسے ساجد کی حقیقت نہ معلوم ہوجائے۔ حارث نے اپنے آپ کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جیسا چل رہا ہے...... اسے ویسا ہی چلنے دیا جائے۔
آخر بینکوں میں بھی تو بھانت، بھانت کے لوگ آتے ہیں اور اپنے تمام کلائنٹس سے خوشگوار مراسم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
مگر شہلا تو زمین پر قدم رکھنے کے بجائے بادلوں پر قدم رکھ رہی تھی اور اب اسے حارث کے سوا کوئی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔
اس کی سالگرہ کا دن اسے اور امی کے علاوہ کسی تیسرے فرد کو معلوم نہیں تھا...... مگر شہلا نے بذریعہ ڈاک کرتا شلوار، پرفیومز، کیک کے ساتھ پتا نہیں کیا کچھ اسے بھیج دیا تھا اور موبائل پر سالگرہ کے سانگز علیحدہ بھیجے جارہے تھے۔
''بیٹا...... یہ اتنا سب کچھ کس نے بھیجا ہے تمہیں۔'' امی بھی جہازی پیکٹ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔
''آپ ریحان کو تو جانتی ہی ہیں ناں...... یہ ساری الٹی سیدھی حرکتیں وہی کیا کرتا ہے...... اسی کی وجہ سے یہ پیکٹ آیا ہے۔'' وہ اپنے آپ کو نارمل رکھتے ہوئے بولا۔
''مگر وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟ اس میں اس کا کیا فائدہ ہے۔ اس بیچارے کے تو خواہ مخواہ ڈھیر سارے پیسے خرچ ہوگئے ہوں گے۔''
''اگلے ماہ موصوف کی سالگرہ جو ہے، اس نے کہا ہے کہ ڈبل کرکے مجھے وش کرنا۔'' اس نے بات بنائی۔
''مگر اس سے قبل تو اس نے اس طرح تمہیں سالگرہ پر وش نہیں کیا۔'' امی کی حیرت کسی طور ختم نہیں ہورہی تھی۔
سالگرہ کارڈ اس نے سرعت سے نکال لیا تھا...... ورنہ وہ ایک لمحے میں سمجھ جاتیں کہ سرخ مارکر سے دل بنا کر اس میں شہلا نے اپنی تصویر چسپاں کی تھی۔
''امی، کسی کو پاگل ہوتے ہوئے کوئی دیر تھوڑی لگا کرتی ہے۔'' وہ اس پیکٹ کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا اور اپنی الماری میں اس طرح پھینک دیا...... جیسے اسے کھائی میں ڈال دیا ہو۔
''بے وقوف لڑکی...... تم کو اس بات کا خیال بھی نہیں کہ اگر تمہارے کارڈ پر لکھی ہوئی چیپ سی تحریر امی پڑھ لیتیں...... تو پتا نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچتیں۔''

☆☆☆

''کیا سوچ، سوچ کر مسکرائے جارہی ہو۔'' کریم بیڈروم میں داخل ہوا تو راحیلہ کو خاموش مسکراتے دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔
''میری دعائیں پوری ہوگئیں...... اب جلد میری آپا کی شادی حارث بھائی کے ساتھ ہوگی۔''
''ہاں، ہوچکی شہلا کی شادی...... جس طرح وہ شخص پہلے بھاگ گیا تھا...... اب پھر دوبارہ بھاگ جائے گا۔'' کریم نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔
''نہیں، اب ایسی بات نہیں ہے، کل رات وہ فون پر آپا سے پوچھ رہے تھے کہ ان کی سالگرہ کب ہوتی ہے، شاید وہ اس دن اپنی امی کو لے کر گھر آئیں گے۔''
''نہیں لائے گا وہ کسی کو بھی۔''
''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''
''مجھے معلوم ہے ناں...... پیسے والے لڑکے غریب گھرانے کی لڑکیوں کو کس طرح بے وقوف بناتے ہیں۔''

"ہونہہ، میری آپا بے وقوف بننے والی نہیں ہیں۔" راحیلہ نے کسیلے لہجے میں کہا۔
"لگائی ہو شرط...... اسی بات پر کہ شہلا کی شادی حارث سے ہو گی یا نہیں......"
"ان باتوں پر شرطیں نہیں لگائی جاتیں...... اگر اللہ چاہے گا تو اُن کی شادی ضرور حارث بھائی سے ہی ہو گی۔"
"مگر میں لگاتا ہوا شرط...... کہ نہیں ہو گی اور کبھی نہیں ہو گی۔"
"اور اگر آپ شرط ہار گئے جو کہ یقیناً ہار ہی جائیں گے تو پھر کیا سزا رکھی جائے آپ کے لیے۔" راحیلہ نے ہمت بھرے لہجے میں کہا۔
"جو چاہے دے دینا...... مجھے منظور ہو گی۔"
"یاد رکھیے گا آپ اپنی یہ بات۔" وہ ہنسی۔
"ہاں، یاد رکھوں گا کہ میں نے حارث کی آنکھوں کی بے اعتنائی پڑھ لی تھی۔ جبھی تو یہ سب کہہ رہا ہوں میں۔"
"صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے...... اس کا پتا اکثر بہت بعد میں معلوم ہوا کرتا ہے...... اس لیے آپ ہارنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"
"ٹھیک ہے، تم بھی یاد رکھنا، جس طرح بڑھ، بڑھ کر بول رہی ہو۔ بہت جلد سر جھکا کر میری باتیں سن رہی ہو گی اور تمہاری آنکھوں سے پرنالہ علیحدہ بہہ رہا ہو گا۔" کریم نے سفاکی سے کہا۔
"اللہ نہ کرے......" وہ بڑبڑائی اور خوف زدہ سی ہو گئی۔

☆☆☆

امی کی طبیعت قدرے خراب تھی...... اور خالہ بے حد افسردہ سی تھیں ان کی قریبی دوست فوزیہ کی اچانک ڈیتھ ہو گئی تھی۔ خالہ کی یہ دوست ان سے بے حد محبت کرتی تھیں اور گاہے بگاہے ان کے پاس آتی رہتی تھیں...... چونکہ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں...... اس لیے اپنی تنہائی سے خاصی پریشان رہا کرتی تھیں۔
"صبا اگر آج تم آفس نہ جاؤ تو......" امی نے مجھے آفس جاتا دیکھ کر کہا۔
"کیوں امی......"
"بس ایسے ہی میرا دل گھبرا رہا ہے۔"
"آج پیر ہے، آفس میں کام زیادہ ہوتا ہے، میں کل چھٹی کر لوں گی۔"
"مگر میرا دل گھبرا رہا ہے۔" امی نے پھر کہا۔
"آپ ٹی وی کی خبریں دیکھنا چھوڑ دیں...... ڈپریشن میں کمی آئے گی۔"
"مگر تمہارا اخبار پڑھنا تو نہیں چھوڑ سکتی ناں...... اب تو اخبار پڑھ کر بھی دل گھبراتا ہے...... اور خاص طور پر تمہارا کالم پڑھ کر تو مجھے ڈر سا لگنے لگا ہے۔"
"جنہیں ڈرنا چاہیے، جب وہ نہیں ڈرتے...... تو آپ کیوں ڈر رہی ہیں۔"
"بیٹا بڑے لوگوں کو کچھ نہیں ہوتا...... عتاب تو ہمیشہ غریبوں پر آیا کرتا ہے۔"
"مگر اب ہم غریب نہیں ہیں۔" میں امی کی بات ہنسی میں اڑاتی ہوئی چل دی۔
سگنل پر گاڑی رکی تو مجھے یوں لگا جیسے میرے برابر والی گاڑی عامر کی ہو۔ میں نے بغور دیکھا...... اس کی گاڑی میں بچے بھرے ہوئے تھے...... وہ شاید اپنے بچوں کو اسکول چھوڑنے جا رہا ہو گا۔
"ہوں...... اب میں راہ چلتوں کی شکلوں میں بھی عامر کو ڈھونڈنے لگی ہوں...... حد ہو گئی ہے......" میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔
"اگر عامر نے شادی کر لی تو......" دل میں یہ خیال ابھرا۔

''تو...... اس کے بعد دیکھا جائے گا۔''

''اب ایسا تو ہونے سے رہا کہ میں اس سے یہ کہوں کہ میں آ گئی ہوں اب اپنی بیوی، بچوں کو کہیں دور پھینک دو۔''

''اللہ نہ کرے...... کہ ایسا کچھ ہو...... یا میں ایسا کچھ کہوں......'' آج راستے میں ٹریفک زیادہ تھا...... اور میرے دماغ میں بھی خیالات کا ہجوم تھا۔

آفس پہنچی...... تو سامنے ہی سے ندیم خان اپنے روم کی جانب جاتے نظر آتے۔

''سر صبح بخیر......'' سلام کے بعد میں نے ان سے کہا۔

انہوں نے اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی اور سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔

فرزانہ نظر آئی...... تو میری شکل دیکھتے ہی بولی۔

''آج تو تم نے نہیں آنا تھا...... تو کیوں آ گئیں......؟''

''تم سے کس نے کہا کہ مجھے آج چھٹی کرنی تھی۔'' میرے لہجے میں حیرت سی گھلی ہوئی تھی۔

''نائمہ سے تم نے ہی کہا تھا...... امی کی طبیعت خراب چل رہی ہے، اس لیے تم چھٹی کرو گی۔''

''وہ تو میں تذکرتا اسے بتا رہی تھی۔''

''بھئی مجھے کیا معلوم...... کہ تم کون سی بات تذکرتا کرتی ہو اور کون سی ضرورتاً اور کون سی محسباً......'' وہ تمسخرانہ لہجے میں مزید بولی۔ ''تمہاری چھٹی کے بارے میں، میں سر ندیم کو بھی بتا چکی ہوں...... اور وہ کہہ رہے تھے بے شک تم تین دن کی چھٹی کر دو یا دس دن کی اس سے آفس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''یا اللہ ذرا سی بات کا اتنا بڑا افسانہ۔'' میں نے اپنا سر تھام لیا...... ہمارے آفس کا ماحول کچھ دنوں سے واقعی کسیلا سا ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا کہ میں ندیم خان سے ضرور کہوں گی...... کہ یہ فرزانہ کچھ زیادہ ہی اوور ہوتی جا رہی ہے۔ اور مجھے تو برداشت ہی نہیں کرتی۔

اور جب کہا تو وہ لاتعلقی سے بولے۔

''مس صبا، مجھے لڑکیوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں۔ وہ بولتی کچھ ہیں اور سمجھتی کچھ ہیں...... ہو سکتا ہے کہ آپ کو مس فرزانہ کے بارے میں کوئی مغالطہ ہوا ہو...... جیسے مجھے بھی اکثر ہو جاتا ہے، مجھے بھی لڑکیوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''نہیں سر...... وہ بے بات کی بات کرنے لگی ہے۔''

''اور آپ اسے ڈیل نہیں کر پا رہی ہیں، حیرت ہے بھئی......'' وہ شاید تمسخرانہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

مگر مجھے یوں لگا...... جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہے ہوں اور مجھے اکسا رہے ہیں کہ میں فرزانہ سے لڑوں۔

''سر آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں کسی سے لڑ تو نہیں سکتی۔''

''نہیں بھئی، آپ غلط کہہ رہی ہیں...... میں آپ کو بالکل نہیں جانتا...... بالکل بھی نہیں......'' ان کا لہجہ بھی پھیکا، پھیکا سا تھا۔ ''ویسے بھی کسی کے دل میں کیا ہے دوسرا کیسے جان سکتا ہے۔ نہیں جان سکتا...... بالکل بھی نہیں جان سکتا۔''

''سر پورے دو سال ہونے والے ہیں آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے...... آپ کو اپنے ورکرز کے بارے میں اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔''

''مس صبا، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، میں کسی کے کام کی کارکردگی کے سوا پرسنلی کچھ بھی نہیں جانتا......''

''ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے آپ مجھے ایک انتہائی برا شخص سمجھتی ہوں...... آپ کے نزدیک میں کوئی پاگل ہوں اور......''

''سر یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......'' میں ان کی بات کاٹ کر بولی۔ ''آپ تو اس اخبار کی شان، آن اور جان ہیں......'' اور وہ یوں چپ ہوگئے جیسے لفظ ان کے حلق میں اٹک گئے ہوں۔

''مس صبا یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی آپ بڑی سچائی کے ساتھ جھوٹ بھی بول لیا کرتی ہیں۔'' اور ان کے اس جوک پر میں خواہ مخواہ ہی ہنس دی۔

کسی کے لہجے میں اگر فرق آجائے تو سامنے والے کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسے اگنور کررہا ہے مگر مجھے بالکل بھی یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ ندیم خان مجھ سے خفا ہیں...... یا میری موجودگی میں وہ اکتاہٹ محسوس کررہے ہیں، میرا رویہ تو پہلے جیسا ہی تھا۔

میرے نئے لکھے ہوئے کالم پر زہر آلود خطوط آئے...... تو میں ان کے پاس لے کر گئی اور کہا...... ''سر اب مجھے ہتھ ہولا رکھ کر لکھنا چاہیے...... دیکھیے تو ان خطوط میں کیسی کیسی دھمکیاں دی گئی ہیں۔''

''اور آپ ان خطوط کو پڑھ کر ڈر گئیں...... ہے ناں۔'' لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

''میں کیوں ڈروں گی...... میں کون سا اپنے نام سے کالم لکھا کرتی ہوں۔''

''سب ہی جانتے ہیں ناں کہ میں لکھ رہا ہوں کالم......''

''جب ہی تو میں پریشان ہورہی ہوں کہ کوئی آپ کو نقصان نہ پہنچادے...... آج کل سچ کی آواز کون سننا چاہتا ہے۔''

''آپ کو میرے بارے میں ہرگز پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے چشمہ اتار کر اسے بغور دیکھا۔

''سر...... آپ ہی تو کہتے ہیں کہ دشمن کو کبھی کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔''

''مگر میں تو جس کو دوست سمجھتا رہا...... وہ بھی دشمن جان نکلا......'' ندیم خان نے یہ سب دل میں سوچا ضرور...... مگر چپ رہے مگر ان کی خاموشی میں بھی ایک اذیت سی رچی تھی...... جسے شاید وہی محسوس کرسکتے تھے۔

''کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''ہاں، آپ بہت سی باتیں غلط کہتی رہی ہیں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''تو میں اسی انداز میں لکھتی رہوں...... ؟ آپ کو ان دھمکی آمیز خطوط کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے۔'' مجھے ان کا یہ انداز قطعی اجنبی سا لگ رہا تھا۔

''جی...... بالکل۔'' اب وہ اپنے کام میں اتنے محو ہوگئے تھے کہ انہیں یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ میں ان کے مدمقابل بیٹھی ہوئی ہوں۔

''سر میں جاؤں......؟'' یہ جملہ میں نے اس وجہ سے کہا...... کہ شاید وہ میرے کالم کے بارے میں کوئی مشورہ دیں گے۔

''اوہ...... آپ ابھی گئی نہیں۔'' انہوں نے یوں چونک کر مجھے دیکھا کہ میں شرمندہ سی ہوگئی...... مگر حیرت سے انہیں دیکھا ضرور...... اس انداز میں تو انہوں نے کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔

مگر وہ تو اس طرح محو ہوکر فائلوں کے ڈھیر میں منہ دیے بیٹھے تھے کہ انہیں شاید احساس تک نہیں تھا کہ میں ایک ٹک انہیں دیکھے چلی جارہی ہوں۔

میں کیوں بیٹھی رہی...... اور اب میں کیوں کھڑی ہوں؟ میں شاید یہ سب اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔ میرا خیال تھا...... سر ندیم ہمیشہ کی طرح اس موضوع پر مجھے کچھ نہ کچھ بریفنگ ضرور دیں گے۔

وہ شاید زیادہ مصروف تھے...... یا بے حد تھکے ہوئے...... یا ان دنوں آفس میں کام کا انبار ان کو گھیرے میں لیے

ہوئے تھا...... اس لیے وہ قدرے ریجڑ جڑے بھی نظر آرہے تھے۔ اس لیے انہوں نے یوں ہی دیو کیا۔ میں نے دل میں سوچا...... اور سرعت سے ان کے آفس سے باہر نکل آئی۔

شہر کے حالات تو خیر ہمیشہ کے جیسے تھے...... مگر ہمارے اخبار کے حالات خاصے پُر اسرار سے چل رہے تھے...... بریکنگ نیوز ہر روز دھمکی آمیز آرہی تھیں۔

''اگر آپ نے اس طرح کی خبریں شائع کیں تو ہم یہ اخبار بند کروادیں گے۔''

''اگر یہ اخبار بند ہوگیا تو میں کسی دوسرے اخبار میں تو ہرگز جاب نہیں کروں گی۔ ہاں پروڈکشن ہاؤسز بھی نہیں جانا۔ ایک تجربہ ہی بہت تھا، کسی میگزین کی ادارت بھی قبول نہیں کرنی۔ اب رہی کسی چینل کو جوائن کرنے والی بات تو اس کی اجازت امی دیں گی اور نہ ہی خالہ...... اور نہ ہی خوب بن سنور کر روزانہ جانے کی مجھ میں ہمت ہے۔'' میری جو سہیلیاں چینلوں میں جاب کررہی تھیں...... وہ کتنی بزی رہنے لگی تھیں...... کہ انہیں شاید فرصت نام کی چیز حاصل ہی نہیں تھی۔

''اوہو آج شاید سونے کے لیے آفس آئی ہو تم......'' سامنے سے آتی ہوئی فرزانہ نے مجھے یوں اپنے آپ میں گم آنکھیں موندے دیکھا تو جملہ مارتے ہوئے گزر گئی۔ اور میں چونک کر یک دم سوچنے لگی کہ ہمارے آفس کا ماحول شاید اب ہر روز کسیلا سے کسیلا ترین ہورہا ہے کہ اب کوئی کسی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

☆☆☆

''آپ تو اسکول میں جاب کرتی تھیں، وہ کیوں چھوڑ دی؟'' حارث اور شہلا باہر کسی کیفے میں بیٹھے آئس کریم کھارہے تھے تو حارث نے ریحان کے لیکچر کو یاد کرتے ہوئے اس سے پوچھ ڈالا۔

''بس وہاں ٹینشن سی ہوگئی تھی۔ اس لیے جاب چھوڑ دی تھی۔''

''ٹینشن تو ہر جاب میں ہوا کرتی ہے، اس کے لیے کوئی جاب تھوڑی ناں چھوڑی جاتی ہے۔''

''ہاں امی بھی یہی کہہ رہی تھیں مگر اسکول اونر کا بیٹا خواہ مخواہ مجھ سے فری ہورہا تھا۔ اس لیے یہ سب مجھے اچھا نہیں لگا۔''

''تو دوسری جاب بھی اس وجہ سے نہیں ڈھونڈی کہ کسی اور اونر کا بیٹا تمہارے پیچھے نہ لگ جائے۔''

''اُفوہ آپ تو بات ہی پکڑ لیتے ہیں۔'' شہلا، حارث کی بات پر ہنسی بھی اور کھسیائی بھی۔

''یہ کہو ناں جاب کرنا تمہیں پسند نہیں ہے۔''

''پسند تو ہے بلکہ ہمارے گھر کی تو شدید ضرورت بھی ہے...... مگر جاب ملتی کہاں ہے؟''

''اپلائی کروگی تو ملے گی ناں...... کوئی گھر میں آکر تو نہیں کہے گا، آؤ ہمارے اسکول......''

''آپ کو کیا پتا، میں نے کتنی جگہ اپنا سی وی دے رکھا ہے مگر کسی نے بھی کال نہیں کی۔''

''اچھا...... اپنا سی وی مجھے بھی دے دو...... میرے دوست کی کمپنی ہے شاید وہاں مل جائے جاب...... مگر میں سفارش نہیں کروں گا......''

''پھر تو مل چکی، سفارش کے بغیر تو جاب کرنے کا کہیں تصور تک نہیں ہے۔''

''مجھے ملی تھی بغیر سفارش کے...... جب میں نے بینک میں نوکری کی تھی۔''

''ٹھیک ہے آپ میرا سی وی دے دیجیے...... نصیب میں ہوئی تو مل جائے گی ورنہ مجھے آفس ورک تو صرف اسکول کا ہی آتا ہے۔''

''وہاں کوئی ٹیکنیکل ورک تو نہیں ہوگا شاید...... دراصل وہ ایک سراغ رساں کمپنی ہے وہاں مختلف لوگوں کا بائیوڈیٹا اکھٹا کیا جاتا ہے۔''

''نہ بابا نہ، میں ایسی جگہ تو میں کبھی جاب نہیں کروں......''

''وہ کیوں......؟''

''مجھے ایسے لوگوں سے ڈر لگتا ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی کی ٹوہ میں پڑے رہتے ہیں۔''

''تو ٹھیک ہے مت کرو......ویسے بھی کون سی تمہیں وہاں لازمی جاب مل جانی تھی۔'' حارث نے بہت بے پروائی سے کہا۔

''میں نے سنا ہے کمپنی میں تنخواہ بہت اچھی ہوا کرتی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم......''

''اسکول والے تو دونوں شفٹوں میں آفس کلرک کی جاب کے پندرہ ہزار دیتے تھے......اتنے تو مل ہی جائیں گے ناں......؟''

''ہاں اس سے کچھ زیادہ مل جائیں گے اور ٹائم بھی نو سے ڈھائی تک کا ہوگا......بعد میں ٹریننگ پر بھیجا جائے تو ٹائم بڑھ سکتا ہے......مگر یہ سب اسی وقت ہوگا جب آپ کو سلیکٹ کر لیا جاتا ہے۔''

''یہ تو مزے کی نوکری ہے، کاش مجھے مل جائے۔''

''میں تو اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''میری اپلی کیشن تو وہاں تک پہنچا سکتے ہیں ناں؟''

''ہاں بس اتنا ہی کر سکتا ہوں۔'' حارث اپنی مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''اللہ کرے مجھے جاب مل جائے......اپنا جہیز ہی بنا لوں گی، اگر کم جہیز لے کر گئی تو آپ کی امی کے ارمان ادھورے رہ جائیں گے۔''

اور حارث کا پھر سر گھوم گیا۔

''یہ تم کو شادی کرنے کا کتنا شوق ہے، ہر وقت اپنی شادی کی باتیں کرتی رہتی ہو۔''

''میری چھوٹی بہن کی شادی ہوگئی اور میری نہیں ہوئی تو لوگ باتیں تو بناتے ہیں ناں......''

''اور تم لوگوں کی باتوں کی پروا کرتی ہو؟''

''پروا کون نہیں کیا کرتا......آپ نہیں اس طرح سوچتے کیا؟''

''ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' حارث کو بے اختیار وہ سب باتیں یاد آگئیں جب بینک میں چیک کے فراڈ کے بعد اسے لوگوں کی باتیں سننے کو ملی تھیں اور لوگوں کی باتیں سن کر اسے کتنا افسوس ہوا تھا۔

''شہلا تم اپنا سی وی مجھے میل کر دو اور میں اسے جمع کرا دوں گا۔''

''وہ تو میں آج ہی آپ کو پوسٹ کر دوں گی اپنے کمپیوٹر سے۔''

''چلیں اب......'' اسے مزید بیٹھا دیکھ کر وہ اس سے بولا۔

اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ورنہ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ حارث بولتا رہے اور وہ سنتی رہے......

☆☆☆

''خدا کا شکر ہے آج تم نے ڈھنگ کے کپڑے بھی پہنے اور اپنے آپ کو سجایا اور سنوارا بھی ہے۔ آج لگ رہی ہو تم نئی نئی دلہن......'' چھوٹی خالہ اسے سرشار اور تیار سا دیکھ کر بولیں۔

''آج میں واقعی بہت خوش ہوں......'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں ناں کہتی تھی کہ کریم تمہاری طرف ضرور مائل ہوگا۔'' خالہ نے مسکرا کر اس سے کہا۔ ''آخر کون، کب تک......اتنی اچھی اور اتنی سلیقہ مند بیوی سے بھاگ سکتا ہے۔ دیکھو تم نے میرا کہا مانا تو وہی ہوا ناں......''

''خالہ یہ بات نہیں ہے...... آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ کریم جیسے تھے ویسے ہی ہیں...... انہیں آج بھی میں پسند نہیں ہوں۔ ان کے مزاج میں رتی بھر بھی فرق نہیں پڑا ہے۔'' اس نے جیسے کُھل کر انہیں بتایا۔

''تو پھر...... تمہاری یہ خوشی، یہ تیاری، یہ مسکراہٹ کس کے لیے ہے؟'' وہ حیرت کے ساتھ قدرے دکھ سے بھی پوچھ رہی تھی۔

''اپنی آپا کے لیے...... میری آپا خوش ہیں اور میں ان کو خوش دیکھ کر خوش ہوں۔ ان کو ان کی محبت مل گئی...... اور میری دعائیں پوری ہو گئیں۔''

''تو کیا تم نے اپنی بہن کے لیے ہی دعا مانگی تھی...... اپنے لیے نہیں مانگی تھی۔''

''خالہ، اپنے لیے بھی مانگی تھی...... مگر اس کا پورا ہونا شاید ناممکنات میں سے ہے۔''

''مگر میں نے تو یہی سنا ہے...... جب ہماری کوئی ایک دعا پوری ہوتی ہے تو اس سے جڑی دوسری دعائیں بھی ضرور پوری ہوا کرتی ہیں؟''

''اب میں کیا کہہ سکتی ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور کیا نہیں...... مگر اللہ کا صد شکر ہے کہ میری بہن کے ساتھ تو اچھا ہوا اور مزید اچھا ہونے کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے ہیں۔'' راحیلہ کا لہجہ فخریہ اور خوشی سے لبریز تھا۔

''کیا شہلا کی شادی ہو رہی ہے؟''

''شادی بھی ہو جائے گی۔ ابھی تو انہوں نے ایک بڑی اچھی کمپنی میں جاب کی ہے۔''

''اے لو...... کمپنی میں جاب کر لی...... پہلے تو اسکول میں نوکری کرتی تھیں...... اب دفتروں میں ماری ماری پھریں گی۔''

''خالہ، بڑے آرام کی جاب ہے، کمپنی کی گاڑی صبح نو بجے لینے آتی ہے اور دوپہر دو ڈھائی تک گھر بھی چھوڑ دیتی ہے۔ اور وہاں کام بھی بہت ہلکا پھلکا سا ہے...... اور تنخواہ بھی پہلے سے ڈبل ہے...... آپا کو تو وہاں کام کر کے بہت مزہ آ رہا ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے...... اب شہلا اپنا جہیز خود ہی بنائے گی۔''

''نہیں خالہ...... حارث بھائی جہیز کے سخت خلاف ہیں...... انہوں نے پہلے سے ہی کہہ دیا ہے کہ ان کے گھر میں اتنا کچھ ہے کہ وہ کوئی جہیز لیں گے ہی نہیں۔''

''ارے ایسا باؤلا لڑکا، کہاں سے ڈھونڈ لیا...... ہم نے تو اپنی ہر لڑکی کو بساط بھر جہیز دیا اور پھر بھی لینے والوں نے یہی کہا کہ جہیز کم دیا گیا۔''

''آج کل لالچی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے ناں، اس لیے اس قسم کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... مگر بیٹا...... میں جو تم سے کہہ رہی ہوں کہ اپنا زیادہ سے زیادہ خیال رکھو...... کریم اپنی غلطی پر ضرور پشیمان ہوگا......'' چھوٹی خالہ نے محبت بھرے لہجے میں اس سے کہا...... وہ کیسے بھول سکتی تھیں...... کہ ان کی بہو نے دوران علالت انہیں بیڈ پین تک دیا تھا...... اور ان کا کوئی کام بھی اکتاہٹ بھرے انداز میں نہیں کیا تھا۔

''خالہ...... جو شخص اپنی غلط بات کو غلط ہی نہیں سمجھے تو وہ پشیمان کیسے ہو سکتا ہے، وہ تو خود کو ارفع و اعلیٰ سمجھتے ہیں اور ان کی ہر بات ٹھیک ہوا کرتی ہے۔''

''بیٹا وقت سب سے بڑا استاد ہے، ایسے لوگوں کو وقت سمجھایا کرتا ہے۔''

''پتا نہیں، کون کب سمجھے گا۔ اور سمجھے گا بھی یا نہیں......'' وہ بے دلی سے اٹھ کر کام میں لگ گئی کہ بعض دفعہ دل و دماغ کی یورش سے پناہ پانے کے لیے...... اسے کام میں جت جانا زیادہ سہل لگا کرتا تھا۔

☆☆☆

شہلا بہت خوش تھی..... آفس میں کام کرنے میں تو اسے اتنا لطف نہیں آرہا تھا..... مگر وہاں روزانہ حارث سے بھی ملاقات ہورہی تھی۔ وہ گاہ بہ گاہے...... کسی کام سے بھی اِدھر آتا...... تو اس کے آفس کا چکر ضرور لگالیتا۔

''اسکول کے مقابلے میں آفس کی جاب کیسی لگ رہی ہے؟'' ایک دن حارث نے اس سے پوچھا۔

''بہت ہی اچھی......''

''اسکول والا شوروغل نہیں ہے، اس لیے ایسا کہہ رہی ہو؟''

''نہیں، اسکول کی رونق تو مجھے اچھی لگا کرتی تھی...... مجھے تو یہ جاب اس لیے اچھی لگ رہی ہے کہ آپ تقریباً روزانہ ہی آجاتے ہیں۔''

''وہ تو میں یوں ہی آجاتا ہوں، دراصل میرے سارے کام اسی طرف ہوتے ہیں۔'' وہ گڑبڑایا۔

''ہاں، میں جانتی ہوں جس طرح میں ہر روز آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں...... اسی طرح آپ بھی......'' شہلا نے اس کی بات کاٹی۔

''لاحول ولاقوة......!'' وہ دل ہی دل میں جھنجلایا مگر بولا کچھ نہیں۔

''اس آفس میں کام وام تو ہے نہیں...... کہیں یہ آفس بند تو نہیں ہوجائے گا......'' ایک دن حارث آیا تو شہلا نے اسے بڑے رازدرانہ لہجے میں بتایا۔

''بہت جلد آپ کو آفس کے کام سے کہیں بھیجا جائے گا تو گھبرا مت جائیے گا...... یہ سراغ رسانی کا آفس ہے، یہاں جب کام ہوتا ہے تو بہت ہوتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو بالکل نہیں ہوتا۔''

''میں کام سے گھبرانے والی نہیں ہوں...... آپ نے دیکھا نہیں کہ جس اسکول میں، میں جاب کرتی تھی وہاں کی دونوں شفٹوں میں کام کیا ہے میں نے...... اور کبھی تھکن کا رونا نہیں رویا۔''

''مگر یہاں کی جاب...... اسکول کی جاب سے خاصی مختلف ہے۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مگر میں سب کرلوں گی۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

اور جب ریحان نے اسے بتایا کہ اسے کس طرح ساجد کے پروڈکشن ہاؤس میں جاب حاصل کرنی ہے...... تو اس کے ہاتھوں کے واقعی طوطے اڑ گئے تھے۔

''اتنے ماڈ لباس پہن کر اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر تیار ہوکر تو میں گھر سے باہر بھی نہیں نکل سکتی۔''

''تو آفس آکر تیار ہوجایا کرنا......'' حارث نے کہا۔

''نہیں حارث...... اس طرح ساجد کو شک ہوسکتا ہے، وہ اتنا سیدھا شخص نہیں ہے جتنا وہ پوز کرتا ہے۔''

''مگر شہلا اس طرح بن سنور کر نہیں نکل سکتی۔''

''تو اس کے لیے کچھ سوچنا ہوگا۔''

''حارث بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں...... میں اس طرح گھر سے نکلی تو میرے محلے کے لوگ ہی باتیں بنائیں گے۔''

''یار اتنی خوب صورت لڑکی کے لیے کوئی بننا سنورنا ضروری نہیں ہے۔'' حارث نے روانی میں کہا تھا مگر شہلا کے دل میں تو پھلجڑیاں ہی چھوٹنے لگیں۔

حارث کو وہ اچھی لگی اور وہ اسے خوب صورت بھی سمجھتا ہے۔ اب شہلا محبت بھری نظروں سے حارث کو دیکھے چلی جارہی تھی۔ حارث اپنی ہی پریشانیوں میں گھرا بیٹھا تھا اور ریحان یہ سب دیکھ کر میٹنگ سے باہر نکل گیا تھا۔

اُدھر رقیہ بیگم بھی خوش تھیں...... شہلا کی جاب آدھے دن کی تھی اور تنخواہ بھی ڈبل مل رہی تھی جو وہ ماں کے ہاتھ پر رکھ کر پوچھتی بھی نہیں تھی کہ آپ نے اس کا کیا کیا...... ایک دن وہ آفس سے آکر اپنے کپڑے پریس کررہی تھی کہ کریم آگیا۔

''تمہیں جاب تو بہت اچھی مل گئی ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں اللہ کا کرم ہے، اسکول کے مقابلے میں یہ جاب زیادہ اچھی ہے۔"

"حارث نے لگوائی ہے، جب ہی تو مل گئی...... ورنہ اتنی آرام وہ نوکریاں کہاں ملا کرتی ہیں کہ خالہ محلے کے دو، تین گھر گھوم آئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی نوکری نمٹا کر واپس بھی آجاتی ہو۔"

"ہاں، یہ میری قسمت ہے...... کہ اللہ نے ایسی آسانیاں مجھے عطا کی ہیں...... اور میرے منگیتر نے میرے لیے یہ نوکری ڈھونڈی ہے۔"

"اگر تمہیں اپنی بہن راحیلہ سے محبت ہے اور اگر تم یہ بھی چاہتی ہو کہ اس کے مالی حالات بہتر ہوں تو تم اس کو بھی ایسی جاب دلوا دو ناں......"

"کریم بھائی...... چار دن پہلے تک تو آپ میری نوکری کے خلاف تھے۔ اور میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بول کر گئے تھے اور آج آپ مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے اپنی بیوی کو بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"وہ اس لیے کہ اس کے خواب اس کی چادر سے کہیں زیادہ ہیں...... اور وہ ہر وقت تمہارا مقابلہ کرتی رہتی ہے اگر اسے جاب نہ ملی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔"

"مگر راحیلہ کو تو کبھی جاب کرنے کا شوق ہی نہیں تھا۔" اسے کریم کی باتوں پر حیرت تھی۔

"وقت کے ساتھ، ساتھ ہر شخص کی ترجیحات بھی بدل جایا کرتی ہیں۔" کریم تو کہہ کر چلا گیا تھا مگر ذکیہ بیگم...... سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ آخر کریم نے ایسا کہا تو کیوں کہا...... اور پھر وہ خود ہی فیصلہ کر کے بولیں۔

"کریم لالچی تو تھا ہی، اب حرص خورہ بھی ہو گیا ہے اور اگر راحیلہ نے جاب کر بھی لی تو وہ ساری زندگی اس شکنجے میں کسی رہے گی۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟" شہلا نے ماں سے پوچھا۔

"بیٹا...... میں نے بے شمار ایسی خواتین دیکھی ہیں...... جو نوکری چھوڑنا بھی چاہیں تو ان کے شوہر انہیں چھوڑنے نہیں دیتے تب گھر اور باہر کی ذمے داریاں اٹھاتے، اٹھاتے ان کی اپنی کمر ٹوٹ جاتی ہے مگر ان کے شوہروں کو ان پر رحم نہیں آیا کرتا......"

"مگر کریم بھائی تو کہہ رہے تھے کہ ایسا راحیلہ چاہتی ہے۔" شہلا نے مزید حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ بول رہا ہے وہ، راحیلہ بتا رہی تھی کہ وہ دو تین مرتبہ تمہارے آفس جا کر دیکھ کر آیا ہے کہ تم وہاں کیا کام کر رہی ہو۔"

"مگر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔"

"بڑا چالاک ہے وہ...... معلومات کرنے گیا ہوگا...... کہ تم وہاں پر کیا کام کر رہی ہو......؟ کتنی تنخواہ ہے وغیرہ...... اور جب مطمئن ہو گیا تو اس نے سوچا ہوگا کیوں نہ راحیلہ کو بھی کام پر لگا دیا جائے۔"

☆☆☆

"رئیسہ بیگم کو بخار ہو گیا تھا جو اُن کی بد پرہیزیوں کے سبب ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ عامر، ماں کی وجہ سے خاصا پریشان تھا اور اس کی پریشانی میں مزید اضافہ اس کی خالہ نے آ کر کر دیا تھا کہ انہوں نے پہلے ہی خواب میں دیکھ لیا تھا کہ اب میری بہن نہیں بچے گی۔ خاندان کی جتنی بھی ناگہانی اموات عرصہ دراز پہلے ہوئی تھیں انہوں نے ان کی موت کا سبب بھی ہلکا سا بخار بتایا جو ایسا آکر ان کے وجود میں بیٹھ گیا تھا جو اُن سب کی موت کا سبب بنا تھا۔

"میں امی کو اچھے اسپیشلسٹ کے پاس لے کر جا رہا ہوں اور وہاں سے لائی گی ادویات جب کھائی ہی نہیں گئیں تو بخار کیونکر اترتا...... یوں بھی وائرل فیور ہے جو اپنی معینہ معیاد پر ہی اترتا ہے۔"

عامر کی بڑھتی ہوئی پریشانی نے رئیسہ بیگم کو بھی قدرے پریشان تو ضرور کر دیا تھا مگر ایموشنل بلیک میلنگ کا یہ بہت اچھا

وقت تھا...... اب وہ اس کی شکل دیکھتے ہی ایک ہی بات کہتیں۔ ''میں مر جاؤں تو میری بھتیجی سے ضرور شادی کر لینا ورنہ میں تمہارے لیے مرنے کے بعد بھی بے چین رہوں گی۔ چلو زندگی میں نہ سہی مگر مرنے کے بعد میری بات ضرور ماننا۔''

''آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں...... اور جہاں دل چاہے میری شادی کر دیں...... مگر پلیز ایسی باتیں نہ کریں......'' وہ آبدیدہ سا ہو گیا تھا۔

عامر کے جملے تھے یا کوئی صحت بخش ٹانک رئیسہ بیگم دو دنوں میں بھلی چنگی ہو گئیں۔ اور اپنی بھتیجی کو نہ صرف انگوٹھی پہنا آئیں بلکہ ڈھیر ساری مٹھائی اپنے اریب قریب تمام ملنے والوں میں بانٹ دی۔

شادی ربیع الاول میں ہونا قرار پا گئی...... اور عامر نے کسی معاملے میں کوئی بات نہیں کی تھی...... اور یہ سب رئیسہ بیگم کو بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

''آخر صبا کے اثرات میرے بیٹے کے سر سے اتر ہی گئے...... بیوی گھر میں آجائے گی تو تھوڑی بہت کسر بھی ختم ہو جائے گی۔'' اور جب رشتہ طے ہونے کے بعد فرزانہ منگنی کی انگوٹھی پہن کر شرمائی لجائی رئیسہ بیگم کے گھر میں داخل ہوئی تو عامر اس کے یہ انداز دیکھ کر بولا۔

''مجھ سے شادی کرنے سے پہلے ایک مرتبہ یہ ضرور سوچ لینا...... میں بے حد معمولی سا شخص ہوں...... اور تم جیسی خوب صورت لڑکی سے ایک سے بڑھ کر ایک اچھا لڑکا شادی کا خواہش مند ہو سکتا تھا، یہ نہ ہو کہ بعد میں مجھے برا بھلا کہو......''

''عامر، آپ کو کیا پتا، آپ میرے لیے کتنے خاص الخاص ہیں۔''

''مجھے تو واقعی نہیں معلوم تم ہی بتا دو۔'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

''آپ کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''ایسی بات تم کیسے کہہ سکتی ہو، میں نے تو کبھی تم سے ایسا وعدہ نہیں کیا تھا......'' اسے واقعی حیرت ہو رہی تھی۔

''یہ میری ہی محبتیں تھیں جو آپ میرے نصیب میں آئے اور عنقریب ہماری شادی بھی ہو جائے گی۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' ایک سرد سی آہ اس کے لبوں سے نکلی۔ ''یا پھر میری محبتوں میں کوئی کمی رہی ہو گی جو مجھے صبا مل ہی نہیں پائی۔''

''صبا آپ کا ماضی تھی اور میں آپ کا حال اور مستقبل دونوں ہوں...... اب پلیز اسے بھول جائیں۔''

''اب اگر تم یہ بھی کہہ دو کہ میں اپنے آپ کو بھی بھول جاؤں تو کیا یہ سب بھی مجھے کرنا ہو گا؟'' وہ انتہائی نرم لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''جب آپ کو دیکھ کر میں اپنی ہستی بھول جاتی ہوں تو ایسا وقت تو آپ پر بھی آئے گا کہ آپ کو میرے سوا واقعی کوئی نظر ہی نہیں آئے گا۔''

''اچھا، اب ایسا بھی ہونے والا ہے۔''

''بالکل...... اب آپ دنیا کو میری آنکھوں سے بھی دیکھیں گے اور میری طرح محسوس بھی کیا کریں گے؟'' فرزانہ دھیمے لہجے میں شرمائے اور اترائے انداز میں اس کے کانوں میں اپنے حساب سے جیسے رس گھولنے کی سعی کر رہی تھی۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مجھے اپنی آنکھیں کہیں رہن رکھ دینی پڑیں گی۔''

''آنکھوں کے ساتھ، ساتھ اپنا دل بھی......'' وہ ہنسی۔

اور وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہا...... کہ وہ ہنستے ہوئے اچھی لگ رہی تھی مگر صبا ہنستے ہوئے بہت ہی اچھی لگا کرتی تھی۔ اور جب وہ آنکھیں بند کر کے وفورِ عشق سے کھلکھلایا کرتی تھی تو اس کی دراز پلکیں کتنی خوب صورت لگا کرتی تھیں۔ شرارت سے وہ نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے جب بولا کرتی تھی تو وہ اس کے ہونٹ پر پڑنے والے گاجری نشان کو دیکھتا رہ جاتا

تھا۔ جو ہونٹ کاٹنے کے سبب در آتا تھا۔

عامر کا رشتہ طے کر کے رئیسہ بیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا...... فرزانہ گاہے بہ گاہے گھر آ جاتی...... یا اپنے گھر پر کوئی نہ کوئی دعوت ارینج کر لیتی۔

عامر، اس کے بلاوے پر ماموں کے گھر بھی جا رہا تھا اور فرزانہ کے مستقبل کے پلانز کو سنجیدگی سے سن بھی رہا تھا۔

''امی، فرزانہ کہہ رہی ہے کہ شادی سے پہلے مجھے زیرو میٹر گاڑی لے لینی چاہیے...... میری گاڑی کا ماڈل خاصا پرانا ہے۔''

''ٹھیک ہے لے لو۔'' رئیسہ بیگم نے سرشاری سے کہا کہ کوئی تو ایسا موقع آیا کہ عامر نے اپنے بارے میں گاڑی کے حوالے سے ہی سوچا ورنہ اسے نہ اپنی پروا تھی اور نہ ہی اپنے سے وابستہ چیزوں کی۔

عید کے بعد ماموں نے ایک پکنک رکھی تھی...... سب بہن، بھائیوں کو مدعو کیا تھا...... اور رئیسہ بیگم کو لگ رہا تھا فارم ہاؤس میں کی گئی ایک پکنک کی دعوت چوتھی کی دعوت ہو۔ فرزانہ کسی دلہن کی طرح تیار تھی۔ میچنگ جیولری تک پہنی ہوئی تھی اور وہ عامر کا ہاتھ تھام کر یوں گھوم رہی تھی جیسے اس کے علاوہ وہاں کوئی دوسرا ذی نفس موجود ہی نہیں ہو۔

عامر اس کی حرکتوں پر ہچکچا رہا تھا مگر وہ کسی طور نہیں مان رہی تھی اور پھر جب وہ اپنی ہائی ہیل پہنے، پینے بیر توڑنے کو اچکی تو اپنا بیلنس سنبھال نہیں سکی۔

اور وہ عامر کے ہاتھوں میں تھی۔

''پکنک میں لوگوں کو جوگرز پہن کر جاتے دیکھا ہے یہ ہیل والی سینڈل پہن کر کون جایا کرتا ہے۔'' عامر نے اس سے کہا۔

''اب یہ سینڈل اس پرپل سوٹ کے ساتھ خریدی تھی تو اس کے ساتھ ہی پہننی تھی ناں...... اگر میں نہ رکھتی نہیں تو آپ نے میری سینڈل کی طرف دیکھنا بھی نہیں تھا۔''

''اوہ...... تمہیں بھی دیکھوں اور تمہاری سینڈلوں کو بھی۔'' عامر کی اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔

''بالکل، مجھ سے وابستہ ایک، ایک چیز کا خیال رکھنا آپ کی ہی تو ذمے داری ہو گی۔''

''یہ تو بڑے مشکل کام ہیں۔''

''یہ اتنی سی بات...... آپ کو مشکل کام لگ رہی ہے۔'' ابرو چڑھا کر ناز سے پوچھا گیا۔

''بالکل...... اکتاہٹ سے بھرپور لہجے میں کہا گیا۔

''ہاں بھئی...... میں اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا شخص...... اپنا خیال نہیں رکھ پاتا...... میں کہاں دوسروں کو اتنی باریک بینی سے دیکھ سکتا ہوں۔ نور، اب بھی سوچ لو یہ نہ ہو کہ بعد میں۔''

''سنیں اب آپ ڈوبے ہوئے شخص نہیں رہے ہیں۔'' بات کاٹ کر کہا گیا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ جیسے اس کی بات ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔

''پہلے کبھی آپ ڈوبے ہوں گے مگر آپ کو نکال لیا گیا ہے۔ اور اب آپ میرے عامر بننے جا رہے ہیں...... صرف میرے۔ اور یوں بھی شادی تو نام ہی ذمے داریوں کا ہے، آپ کا خیال رکھنا اب میری ذمے داری ہو گی اور میری ذمے داری اب آپ کی ہو گی۔ اور ان کاموں کے لیے پہلے سے تیار ہو جائیں تو کیا برا ہے۔''

''زندگی کا کام چلنا ہے، اب وہ مجھے کس سمت میں چلانا چاہ رہی ہے اس کے لیے میں اپنے آپ کو تیار کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔''

''عامر خوشیاں ہماری راہ دیکھ رہی ہیں...... اب آپ کو فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔''

وہ خاموش رہا۔

''آپ کے لیے میں نے اتنا انتظار کیا کہ اس کا احساس تک شاید آپ کو نہ ہو۔ آپ کو نہ کبھی پروا رہی اور نہ ہی میرا خیال...... کہ میں آپ کی ایک نظر کے لیے کتنی پریشان رہی ہوں۔ آپ تو بس اس ایک غیر حاضر وجود کے لیے دنیا ہی چھوڑ

کر بیٹھ گئے تھے اور میرا رواں، رواں آپ کی توجہ بھٹک میں مل جانے کے لیے بھی تیار رہتا تھا۔ آخر اللہ کو مجھ پر رحم آیا...... اور میرا انتظار ختم ہوا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو، انتظار کے لمحات انتہائی جاں گسل ہوا کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو شاید احساس ہی نہیں ہو پاتا۔''

''مگر اب آپ نے بے حس بن کر نہیں رہنا۔'' وہ اس کے اتنے قریب بیٹھی تھی کہ اس کے بال اس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔

''میں بے حس ہوں کیا......؟'' وہ چونک سا پڑا۔

''پہلے تو واقعی تھے......'' وہ ہنسی۔

''کیا تم میری بات کر رہی تھیں۔'' اب وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیسے اپنے بالوں کی دراز چوٹی کو اپنی انگلی پر گھماتے ہوئے شوخ سے لہجے میں اس سے باز پرس کر رہی تھی۔

''نہیں...... میں محلے والوں کی بات کر رہی تھی۔'' مصنوعی غصے سے کہا گیا۔ اور وہ ہنس پڑا۔ زندگی سے بھرپور ہنسی۔ ایسی ہنسی جو اس کے لبوں پر عرصہ دراز کے بعد دکھی تھی۔

''پتا ہے کل میں نے آپ کے لیے خوب شاپنگ کی۔'' وہ لاڈ بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔

''مگر کیوں بھئی...... میں نے تو تم سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔''

''وہ اس لیے کہ آپ اپنے کپڑوں کی جانب سے بہت بے پروا ہیں اور آف وائٹ رنگ کے سوا کوئی رنگ بھی نہیں پہنتے ہیں۔''

''آفس میں یہ رنگ اچھے لگتے ہیں، بندہ سوبر سا لگتا ہے۔''

''مگر مجھے نہیں پسند...... اگر میں نیلا سوٹ پہنوں گی تو آپ کی شرٹ کا رنگ بھی نیلا ہونا چاہیے...... اور اگر میں کالا سوٹ پہنوں گی تو آپ بھی کالی شرٹ پہنیں گے۔''

''اور اگر تم سرخ جوڑا پہنو گی تو پھر......؟'' وہ جملہ منہ میں داب کر مسکرا کر بولا۔

''ہاں تو پھر......؟ آپ کو بھی سرخ شرٹ پہننی ہوگی۔'' وہ مسکرائی۔

''جو کر بنانا چاہتی ہو مجھے...... اور ایسا کبھی نہیں ہونے والا۔''

''اور اب جو ہوگا...... وہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''ایسا کیا ہوگا؟'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔

''جب ہوگا تب ہی جانیے گا......'' اس کی ناز بھری شرمیلی آواز کانوں میں گونجی۔

☆☆☆

شہلا اپنی دانست میں خوب اچھی طرح تیار ہو کر ساجد کے پروڈکشن ہاؤس پہنچی تھی مگر اس سے کسی قسم کی بات کیے بغیر ہی واپس لوٹا دیا تھا کہ یہاں کسی قسم کی کوئی ویکینسی خالی نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت ہے۔

''تم وہاں بات کرنے کی کوشش تو کرتیں۔'' ریحان نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

''ان لوگوں نے جب صفا چٹ کہہ دیا کہ ہمارے ہاں کوئی ویکینسی خالی نہیں ہے تو میں کس سے بات کرتی۔'' شہلا نے سادگی سے کہا۔ ''انہوں نے تو میری بات سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ جا سکتی ہیں۔''

''ہم نے تمہیں سمجھایا تھا ناں ہماری کمپنی ساجد صاحب کے پرسنل کوائف رازداری سے اکٹھا کر رہی ہے، اس کے لیے تمہیں بتایا گیا تھا کہ وہاں ساجد صاحب سے بات کرنے کی کوشش کرنا۔''

''کیا کسی سے زبردستی بھی بات کی جا سکتی ہے؟'' شہلا نے جز بز ہو کر کہا۔

''ہاں، جس سے بات کرنی ضروری ہو تو اس سے بات کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے۔''

''تو میں وہاں روزانہ جاؤں گیا؟'' شہلا اب الٹا ریحان سے ہی سوال کر رہی تھی۔

''یہ سب تو میں نے نہیں کہا۔''

''سر، میں تو آپ کی کمپنی میں جاب کرنے آئی تھی مگر آپ مجھے دوسری جگہ بھیج رہے ہیں...... یہ سب مجھے خود اچھا نہیں لگ رہا۔''

''آپ یہ سمجھ کیوں نہیں لیتیں...... وہاں جا کر کام کرنا بھی آپ کی اسی جاب کا ہی حصہ ہے۔ جب تک آپ وہاں کام کریں گی آپ کو یہاں دُگنی تنخواہ ملے گی۔''

''رئیلی؟'' شہلا تو یہ سن کر ہی خوش ہو گئی تھی۔

''تو کیا کل میں دوبارہ ان کے لیے آفس میں جا کر اپنا سی وی دینے کی کوشش کروں......؟'' اس نے سرشار لہجے میں پوچھا۔

''فی الحال نہیں......'' ریحان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں سر؟''

''وہ اس لیے کہ وہاں کا اونر کوئی بے وقوف شخص نہیں ہے، وہ پہلے تمہارے بارے میں پوری کوائف اکٹھے کرے گا اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ تم ایک سراغ رساں کمپنی میں جاب کرتی رہی ہو تو وہ اسی وقت تمہیں نکال باہر کرے گا۔''

''پھر تو وہاں جاب حاصل کرنا خاصا مشکل ہے۔'' شہلا کی ساری گرمجوشی پل بھر میں بیٹھ گئی۔

''ہاں مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔''

''دیکھتے ہیں کہ ہم آگے کیا کر سکتے ہیں...... فی الحال آپ ہفتہ بھر کی گھر میں بیٹھ کر چھٹی منائیں۔''

''ارے واہ...... یہ تو بہت اچھا آفس ہے......'' شہلا نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''اتنی اچھی جاب اگر راحیلہ بھی کر لیتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں حارث کہہ رہے تھے کہ یہاں اب کوئی ویکنسی ہی نہیں ہے۔ اگر میں راحیلہ کو جاب دلوانے کی کوشش بھی کروں تو شاید حارث ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ خیر...... پہلے میں اپنے قدم جمالوں راحیلہ کے لیے بعد میں دیکھوں گی۔ مگر دیکھوں گی ضرور۔ اچھا ہے وہ جاب کے بہانے ہی سہی اپنے گھر سے باہر تو نکلے...... جو اس کے لیے زنداں کی حیثیت رکھتا ہے۔'' اور جب اس نے ریحان سے جاب کی بات کی تو اس نے حیرت سے اسی سے پوچھ ڈالا۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا...... یہاں کوئی جاب خالی ہے، آپ کو بھی بس حارث کے کہنے پر رکھ لیا...... پرانا دوست ہے، ایک عرصہ ہم ساتھ رہے ہیں، اب اس کے کہے کو منع تو نہیں کیا جا سکتا ناں......''

''اچھا اگر جاب نکلے تو آپ کو میری بہن کو رکھنا ہے۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''ہماری اس کمپنی میں گنتی کے لوگ ہیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہی ہیں...... جب یہ لوگ چلے جاتے ہیں تو کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا جیسے کسی اسکول کی چھٹی ہو گئی ہے۔''

''مجھے تو یہ معلوم ہے کہ ایک خاتون یہاں سے باقاعدگی سے تنخواہ لیتی ہیں مگر آفس نہیں آتی ہیں۔''

''اوہ...... اچھا مسز ناصر کو کہہ رہی ہو۔''

''ہاں...... میں نے انہیں ہر ماہ تنخواہ لینے کے لیے آتے دیکھا ہے۔''

''مگر آپ کو نہیں معلوم...... وہ ہمارے آؤٹ ڈور کے کام کیا کرتی ہیں۔''

''اچھا...... مجھے تو یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر میں بیوٹی پارلر کا کام کرتی ہیں۔''

''بڑی معلومات ہیں بھئی، کام کرتے ہوئے ابھی جمعہ، جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے مگر سب کے بارے میں جان گئی ہو......'' ریحان نے ہنس کر کہا تو وہ کھسیا کر مسکرا دی۔

☆☆☆

''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا...... اور ایسا وہ کر ہی نہیں سکتی......'' ریحان کی بات سن کر حارث نے واضح انکار کر دیا تھا۔

''اتنا زبردست موقع ہاتھ آیا ہے، ساجد خان دیگر لوگوں کے ساتھ کئی ماڈلز کی کیٹ واک کے جج بنے ہیں اور اگر اس میں شہلا بھی حصہ لے، لے تو وہ ساجد کو ضرور متاثر کرے گی۔''

''یار متاثر کرنا نہ کرنا تو دوسری بات ہے، ایک لوئر مڈل کلاس کی لڑکی کس طرح کیٹ واک کر سکتی ہے...... اور اگر بالفرض اس نے کر بھی لی...... تو اس کا خاندان اس کا ناطقہ بند کر دے گا...... اور وہ تو خواہ مخواہ بدنام بھی ہو جائے گی۔ اور میں بھی کسی کے لیے پریشانیاں پیدا کرنا نہیں چاہتا۔''

''میں نے ساری معلومات حاصل کر لی ہیں...... شادی کے ملبوسات کی ماڈلنگ ہے...... ہم اس کے میک اپ اور لباس کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اس کا چہرہ پہچان میں نہ آنے پائے...... اور اس کا نام بھی شہلا کے بجائے صرف سین رکھ دیں گے۔''

''تم کیا کرو گے اور کیا نہیں...... میں ان تمام معاملات سے دور رہنا چاہتا ہوں...... تم اس ضمن میں خود بات کرنا چاہو تو ضرور کرو...... مگر میرا سو فی صد یہی خیال ہے کہ شہلا کسی صورت نہیں مانے گی...... اس کی جان کے پیچھے ویسے ہی اس کا بہنوئی پڑا ہوا ہے...... دیگر خاندان والے بھی یقیناً اسی نہج کے ہوں گے...... ایک ایسی لڑکی جس میں کانفیڈنس رتی بھر بھی نہیں ہے...... وہ ماڈلنگ خاک کرے گی اور اگر وہ وہاں تک چلی بھی گئی تو اس کو ریہرسل میں ہی نکال دیا جائے گا اور وہاں کی انتظامیہ تمہاری کتنی ہی جاننے والی کیوں نہ ہو، وہ ایسا رسک بھی نہیں لے گی کہ ایک بے وقوف سی لڑکی کو صرف اس کی خوب صورتی کی بنا پر لے کر اپنا پروگرام خراب کروا لیا جائے۔''

''اب تم مزید تقریر کرنا بند کرو...... میں کیا کرتا ہوں اور کیا کرنے والا ہوں یہ تم کو ایک ہفتے بعد پتا چلے گا۔''

اور جب شہلا نے حارث کو فون کر کے ماڈلنگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے قطعی لاتعلقی کا اظہار کر دیا۔

''مجھے نہیں معلوم تمہارے آفس کے کیا پروگرامز ہیں...... اور تم بھی اگر ان چیزوں میں حصہ لو گی تو اس سے اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھنا ورنہ خواہ مخواہ کی پریشانیاں مول لو گی۔'' اپنے طور پر وہ اسے سمجھانے کی سعی کر رہا تھا۔

''یہ تو مجھے سب پتا ہے مگر میں تو چاہ رہی تھی کہ پروگرام کے دن اگر آپ بھی وہاں تقریب میں آ جاتے تو مجھے اچھا لگتا۔''

''میں کیوں آؤں گا وہاں...... خواتین کی ماڈلنگ سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''مگر مجھ سے تو آپ کو دلچسپی ہے ناں؟'' لہجہ ذوق بھرا تھا۔

''تو صرف تمہاری وجہ سے میں وہاں آ کر بور ہو جاؤں۔''

''حارث کیا آپ مجھے دلہن بنا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں؟'' اب یہ اس کا دوسرا سوال تھا۔ جسے سن کر ہی وہ متوحش سا ہو گیا۔

''یہ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں آپ؟''

''میں وہاں دلہن کے لباس زیب تن کروں گی اور آپ ہی مجھے نہیں دیکھیں گے...... تو مجھے وہاں شرکت کر کے خاک مزہ آئے گا۔''

''ریحان بتا رہا تھا کسی ٹی وی چینل پر اس پروگرام کی براہِ راست ریکارڈنگ بھی دکھائی جائے گی...... میں دیکھ لوں گا۔''

''تو...... آپ وہاں نہیں آئیں گے؟''

اب حارث کیا کرتا...... کہ وہ ساجد کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا...... تو ایسے پروگرام میں وہ کیوں شرکت کرتا مگر پھر بھی بات کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ''ہاں کوشش تو ضرور کروں گا۔''

”ایمان سے؟“ جذب بھرے لہجے میں کہا گیا۔

”یہ سب تو میں نہیں کہہ سکتا ویسے تم کس قسم کا ڈریس پہن رہی ہو؟“

”بڑے چمکتے دمکتے کپڑے ہیں، بس مجھے اپنے بہت بھاری سے لہنگے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر خراماں خراماں چلنا ہے...... جیسے کوئی شہزادی اپنے باغ میں ٹہل رہی ہو، یہی سب مجھے بتایا گیا ہے۔“

”تم سے یہ سب ہو جائے گا؟ میرا مطلب ہے، بے شمار نظروں اور لاتعداد کیمروں کی روشنیوں کی زد میں آ کر تم چل پاؤ گی؟“

”حارث آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، جس اسکول میں، میں جاب کرتی تھی وہاں لڑکیوں کے ڈراموں کی انچارج میں ہی تھی...... میں اسٹوڈنٹس کو ریہرسل کروایا کرتی تھی۔“ وہ توقف سے بولی۔

”اس کا مطلب ہے کہ ماڈلنگ کرنا تمہارے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ حارث حیرت بھرے لہجے میں بولا۔

”بالکل بھی نہیں...... جب میں نے انتظامیہ کے سامنے ماڈلنگ کی تو وہ کہنے لگے آپ کو تو سکھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔“ اس نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔

”میں خواہ مخواہ ہی تمہاری طرف سے پریشان ہو رہا تھا۔“ اس نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

”آپ کیوں پریشان ہو رہے تھے؟“ نہ جانے وہ کیسے اس کے دل کی بات سمجھ بیٹھی۔

”کچھ نہیں...... بس ایسے ہی......“ وہ کھسیانا سا گیا۔

”بتائیں ناں...... آپ کیوں میرے لیے پریشان ہو رہے تھے۔“

”بس ایسے ہی...... کہیں کوئی فیملی ایشوز نہ ہو جائیں اور آپ کو کوئی مسئلہ ہو۔“

”آپ پریشان نہ ہوں ایسا کچھ نہیں ہوگا...... سر ریحان نے مجھے بتا دیا ہے کہ اول تو مجھے کوئی پہچان نہیں پائے گا اور

بالفرض کسی نے پہچان لیا تو اسکولوں اور کالجز کی لڑکیاں بھی تو مختلف ڈرامائی پروگرامز میں ایسے ہی سوانگ بھرا کرتی ہیں...... میری بہن کی دوستیں اپنے اسکول کے مینابازار میں غلام بنی تھیں وہ تو بعد میں پتا چلا تھا...... مردانہ قدوکاٹھ کی وجہ سے ان کی ٹیچر نے انہیں مرد بلکہ غلام کا کردار دیا تھا...... میں تو بہت عرصے تک گھر میں ان کا مذاق اڑاتی رہی تھی کہ غلام کے ہاں سے خیر آئی ہے، غلام کی امی کا فون آیا ہے، جس پر امی خاصی ناراض ہوا کرتی تھیں کہ میں چھوٹی خالہ کے گھر کی عزت نہیں کیا کرتی ہوں۔''

''دوسروں کا تو مذاق اڑاتی رہتی ہو...... اب کہیں تمہارا مذاق نہ بنے۔'' دل کی بات اس نے اس کی ساری کتھا سن کر کہہ ہی دی۔

''ارے واہ...... آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے...... میں شہلا ہوں...... اپنے کالج کے زمانے کی آل راؤنڈر اسٹوڈنٹ...... میرے سامنے یہ ماڈلنگ ہے کیا چیز...... اور وہ بھی نئی لڑکیوں کی ماڈلنگ...... جو ساری کی ساری اس معاملے میں اناڑی بھی ہیں اور خاصی نروس بھی...... وہ میرے سامنے کہاں چل پائیں گی...... آپ دیکھیے گا...... پانچ اکتوبر کی شام کو ہر جگہ صرف شہلا، شہلا کا ہی نام ہوگا۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' اس نے ہنس کر بات ختم کردی تھی کہ یوں بھی فون کرکے یا اس کا فون ریسیو کرکے وہ ہمیشہ پھنس جایا کرتا تھا۔ وہ پانچ منٹ کی بات پورے گھنٹے میں کرنے کی عادی تھی۔

اور ایسا بھی اکثر ہوتا تھا کہ وہ بولتی رہتی تھی اور وہ صرف ہوں، ہاں کرتا رہتا اور بعض دفعہ تو چپ بھی سادھ لیا کرتا تھا۔ اور اب اس سے فون پر بات کرنے کے بعد واقعی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

اگر اس پروگرام میں شرکت کرنے والی دیگر لڑکیاں پریشان تھیں یا بقول اس کے وہ نروس بھی تھیں مگر شہلا تو احساسِ برتری کا شکار نظر آرہی تھی...... جو احساسِ کمتری کی ہی ایک شکل ہوا کرتی ہے اس کا دل نہ جانے کیوں پریشان سا تھا...... اور اسے ایسا لگ رہا تھا کہ مقررہ دن کوئی ان ہونی ہو کر رہے گی۔

''اللہ نہ کرے...... ایسا کچھ ہو......'' وہ از خود اپنے آپ کو دلاسا دے رہا تھا۔

☆☆☆

اور پھر وہ دن بھی آگیا۔ حارث اور ریحان اپنے آفس میں ٹی وی کی اسکرین کے سامنے بیٹھے تھے۔ پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ اور بظاہر نروس ہونے والی لڑکیاں بڑے اعتماد کے ساتھ ریمپ پر واک کرتی نظر آرہی تھیں اور ان کو دیکھ کر بالکل بھی ایسا نہیں لگ رہا تھا...... کہ یہ ان کا پہلا، پہلا تجربہ ہے۔ ان کا اعتماد اور انداز واقعی دیکھنے کے قابل تھا۔ حارث نے اس سے قبل ایسے پروگرامز سرسری سے ضرور دیکھے ہوں گے مگر آج وہ اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس پروگرام کا اصل جج وہ خود ہی ہو اور پھر وہ لمحہ بھی آگیا...... جب دلہن بنی شہلا اسٹیج پر نمودار ہوئی۔

''واؤ کیا حسین لڑکی ہے، یار اگر وہ تمہاری محبوبہ نہیں ہوتی ناں تو میں بصد خوشی اس سے شادی کرنے کو تیار ہوتا۔'' ریحان نے شوخ سے لہجے میں اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''اے مسٹر...... وہ میری کوئی محبوبہ نہیں ہے...... ہاں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو...... اور اس پگلو پر تمہارا دل آگیا ہے تو میری اجازت ہے، تم بخوشی اس سے شادی کرسکتے ہو...... ویسے بھی اسے شادی کرنے کا شوق شاید بچپن سے ہی ہے۔''

''مگر وہ تو نہیں کرے گی ناں...... اس کے دل و دماغ میں تو تم ہی تم ہو۔'' ریحان ہنسا۔

حارث، اب ریحان کی بکواس کے بجائے اسے توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ شہلا انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنا شرارہ سنبھالے واک کررہی تھی...... اس نے یقیناً ہائی ہیل بھی پہنی ہوئی تھی...... اس لیے اس کا قد بے حد لمبا لگ رہا تھا۔

دبلی پتلی لمبی سی خوب صورت لڑکی...... جب عروسی جوڑا پہن لے تو وہ مہا خوب صورت لگنے لگتی ہے۔ اور یہاں تو

خوب صورت ادائیں بھی تھیں...... وہ چکتی مٹکتی، دور دیہ مہمانوں کو دیکھ رہا تھا ہلاتی اب واپس جا رہی تھی۔

حارث نے دیکھا بائیں جانب سب سے آگے کی نشست پر بیٹھا ہوا ساجد اسے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ بلکہ دیگر مہمانوں کے ساتھ مسلسل تالیاں بھی بجا رہا تھا۔

اب اتراتی لہراتی شہلا، ساجد کے سامنے سے گزرنے والی تھی۔ حارث نے دیکھا...... ساجد اپنی نشست سے اسے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور پھر وہ ہوا جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اونچی ہیل پر کیٹ واک کرتے ہوئے شہلا کا پاؤں پھسلا...... اور وہ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی سعی کرتے ہوئے بے اختیار نیچے گری ... جسے فوری کھڑے ہو کر ساجد نے اپنے بازوؤں میں تھام لیا...... ٹی وی کیمرے نے یہاں تک تو دکھا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کا کیمرہ دوسری ماڈل گرل کو کور کرنے لگا تھا جو دوسرے عروسی لباس میں ملبوس بجلیاں گراتے داخل ہو رہی تھی۔

حارث کی حالت عجیب تھی...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بھاگ کر وہیں چلا جائے...... جہاں وہ گری تھی۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گے......'' ریحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مگر شہلا کو اس ذلیل شخص نے تھام لیا ہے...... پتا ہے تمہیں وہ کتنا کمینہ شخص ہے۔''

''وہ کچھ نہیں کر سکتا...... اور نہ اسے کچھ ہوگا...... وہاں ہماری سینئرز ور کر مسز ناصر دیگر لوگوں کے ساتھ شہلا کی حفاظت کے لیے بھی موجود ہیں۔''

''میں نے کہا تھا ناں، نہیں کر سکے گی وہ واک......'' حارث زچ ہو کر بولا۔

''ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو تم...... اس واک میں وہ کوئی بھی نمبر حاصل نہیں کر سکے گی...... بلکہ ججز اس کا نام مقابلے میں شریک لڑکیوں میں شامل ہی نہیں کریں گے۔'' ریحان نے کہا۔

''پھر کیا فائدہ ہوا...... تمہیں اس کو بھیجنے کا...... مڑ گیا ناں اس کا پاؤں...... آخر وہ گر ہی گئی ناں......'' حارث ہنوز چیں بہ جبیں تھا۔

''یار، فائدہ...... اتنا تو ضرور ہو گیا کہ ساجد نے اسے اچھی طرح سے دیکھ لیا۔ اب وہ اسے بھول نہیں سکتا۔'' ریحان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، جو لڑکی اول آئے گی وہ سب کو یاد رہے گی۔ مقابلے سے نکل جانے والے تو لوگ کسی کو یاد نہیں رہتے۔''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم...... مگر اتنا اندازہ تو ضرور ہے کہ وہ شہلا کو اب ضرور جاب دے گا۔''

''ہونہہ، دے چکا وہ جاب...... خام خیالی ہے تمہاری۔'' حارث نے منہ بنا کر کہا تھوڑی دیر بعد ساجد اول آنے والی ماڈل کو نہ صرف میڈل دے رہا تھا بلکہ اس کے کان میں بھی مسکراتے لبوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اور ریحان نے یہ سب دیکھ کر ٹی وی ہی آف کر دیا اور سوچتے ہوئے بولا۔

''شاید شہلا بھی کوئی میڈل حاصل کر لیتی اگر وہ گر نہ جاتی تو......؟''

''وہ پگلی عام زندگی میں ہائی ہیل پہن کر نہیں چل سکتی تھی تو وہاں کیسے چل پاتی...؟''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' ریحان نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔

''شاید نہیں یقیناً۔'' حارث کا لہجہ کسیلا سا تھا۔

''اب اس کو ساجد کے ہاں نوکری و وکری بھی نہیں ملنے والی۔'' ریحان دھیمے لہجے میں بولا۔

''میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ وہ بے وقوف سی لڑکی ہے۔''

''ہوں۔'' ریحان اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

''اس ماہ کے اندر، اندر تم بھی اپنے آفس سے فارغ کر دو اسے...... خواہ مخواہ اپنا پیسہ کیوں بہا رہے ہو...... بہت

ہو گیا۔"

"مگر پھر تو بیچاری وہ...... جاب لیس ہو جائے گی۔" ریحان نے کہا۔

"ہو جانے دو...... تم نے کیا اس کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔"

"تم وعدہ کرو...... اس کے لیے کسی اسکول میں جاب ضرور ڈھونڈ دو گے...... تب ہی میں نکال پاؤں گا ورنہ وہ کیا کرے گی۔"

"اور اگر اس کے لیے میں کوئی جاب نہیں ڈھونڈ پایا تو؟"

"پھر کچھ عرصے اور انتظار کروں گا اور اس کے بعد اس کی جاب ختم کروی جائے گی۔" ریحان نے کچھ سوچ کر مگر ذوق بھرے لہجے میں کہا۔ یہ جملے کہہ کر ریحان کھڑا ہو گیا...... اور باہر جانے کے لیے اپنی گاڑی کی چابی بھی اٹھالی۔

"یہ کچھ عرصے انتظار کرنے کی کوئی وجہ تو ہوگی۔" حارث نے اس سے پوچھا۔ "اتنے دیالو تو تم کبھی نہیں رہے...... اب کیوں بن رہے ہو، کوئی خاص وجہ تو ضرور ہوگی۔"

"ہاں یار...... جب میرا ایک بے وقوف دوست دوسرے بے وقوف سے شادی کرنے پر رضامند ہو جائے گا تو اسے جاب سے نکال باہر کروں گا۔" یہ کہہ کر ریحان رکا نہیں...... اور تیزی سے اپنے آفس سے باہر نکل گیا۔

اور یہ پہلا موقع تھا جب اس کے دل جلا دینے والے جوک پر وہ غصہ کرنے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

سرندیم اپنے آفس میں داخل ہوئے تو ٹیبل پر ڈھیر سارے بوکے قرینے سے رکھے تھے۔

"یہ سب کیا ہے بھئی......؟" انہوں نے پیون سے پوچھا۔

"پتا نہیں سر...... مس صبا ہی یہ سجاوٹ کر رہی تھیں......" اس نے بتایا۔

اس نے صبا کو کال کی...... اور قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"سنیے...... میں کوئی کم عمر لڑکی...... یا چھچھورا سا لڑکا نہیں ہوں جو اپنے آفس میں کام کرنے کے بجائے خرافات جمع کر کے خوش ہوں گا...... ہٹائیں وہ سب میری ٹیبل سے۔"

"سر...... آپ پھولوں کو خرافات کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں، جو بھی میرے کام میں حائل ہو وہ پھول نہیں خار ہے۔"

"سر، آج آپ کی سالگرہ ہے۔"

"تو پھر......؟"

"آپ بھی تو اپنے ورکرز کی ایسی خوشیوں کا کتنا خیال رکھا کرتے ہیں۔"

"میں تو ایک پاگل شخص ہوں، میری کیا آپ مثال لے کر بیٹھ گئیں۔"

"ایسا تو نہیں سر......"

"پلیز آپ ہٹوائیں وہاں سے...... مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" اور جب کچھ دیر بعد وہ وہاں سے سارے بوکے لے کر پلٹ رہی تھی تو اس نے پوچھا۔

"سر میں آپ کے لیے کیک بیک کر کے لائی تھی وہ تو کھائیں گے ناں آپ......؟"

"سوری مس صبا...... میرے حلق میں کچھ تکلیف ہے، میں کیک نہیں کھا سکوں گا۔"

"اوہ تو پھر آپ کے لیے سوپ منگوا کر بھیجوں حلق کی سنکائی ہو جائے گی۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میری امی نے میرے لیے بہت اچھا سوپ بنایا تھا...... جو میں پی کر آیا ہوں...... اور اپنے آپ کو اب بہتر بھی محسوس کر رہا ہوں۔"

''مگر سر آج آپ کی سالگرہ بھی تو ہے ناں......''

''ہوگی...... مجھے ان چیزوں کا کوئی شوق نہیں ہے...... بلکہ اب تو میں یہ سب خرافات سمجھا کرتا ہوں۔''

''خرافات......؟'' اس نے دکھ سے کہا۔

''بالکل وقت کے ساتھ بہت سی باتوں کی سمجھ جو آگئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کام میں ایسا محو ہوگیا کہ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ مس صبا اسے ترحم سے دیکھتی ہوئی گئی تھی۔

☆☆☆

وہ پورے چار دن بعد آفس آئی تھی۔

''کیا میڈل جیتا تھا آپ نے...... جس کی خوشی میں چار دن چھٹی منا کر آئی ہیں آپ۔'' ریحان نے شرارت سے حارث کو دیکھتے ہوئے شہلا سے پوچھا۔

''ہاں جیتا تو نہیں...... مگر جیتنے کے قریب ترین ضرور پہنچ گئی تھی۔'' شہلا نے بھی شوخی سے جواب دیا۔

''اچھا آپ یہ بتائیں کہ وہاں کیسے گر گئیں...... کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی۔'' حارث کو خدشہ تھا کہ کہیں فریکچر وغیرہ نہ ہوگیا ہو کہ کنڑے سے گری تھی۔

''چوٹ تو خیر کوئی نہیں آئی...... مگر میں وہاں ریحان سر کی وجہ سے گری تھی...... اگر سر نہ کہتے تو کبھی نہیں گرتی۔''

''کیا میں نے تمہیں دھکا دیا تھا وہاں......'' ریحان نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے......'' وہ مسکرائی۔

''حارث اس دن میں تمہارے ساتھ تھا۔ دیکھو...... یہ محترمہ کیسے جھوٹ پر جھوٹ بولے چلی جارہی ہیں۔''

''سر میں جھوٹ نہیں بولتی...... کیا آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا۔ جب میں ساجد صاحب کے آفس سی وی دینے گئی تھی تو مجھے کسی بھی طریقے سے ان سے مل کر آنا چاہیے تھا۔''

''ہاں کہا تھا...... تو پھر......؟''

''بس اسی لیے تو میں گر گئی۔''

''کیا مطلب...... تم اچانک گری نہیں تھیں......؟'' حارث اب اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''جی ہاں، میں نے جب ساجد صاحب کو تالیاں بجاتے دیکھا تو سوچا...... کیوں نہ ان کے قریب گر جاؤں......''

''تو پھر......؟'' ریحان نے سانس روک کر پوچھا۔

''تو میں گر گئی۔ انہوں نے مجھے سہارا دیا اور اندر روم تک لے کر گئے اور پوچھنے لگے کہ کیسے گر گئیں؟ میں نے کہا جلد بازی میں میرا پیر مڑ گیا...... مگر افسوس اب مجھے میڈل ملے گا اور نہ پچاس ہزار روپے۔ اب میں اپنی ماں کا علاج کیسے کرواؤں گی۔''

''آپ یہاں جاب کر لیجیے...... آپ کو اس سے کہیں زیادہ پیسے مل سکتے ہیں۔'' تب انہوں نے کہا۔

''سر مجھے کون جاب دے گا...... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بغیر سفارش کے کہیں جاب نہیں ملا کرتی۔'' میں نے مسکین لہجے میں کہا۔

''کہیں جاب کی ہے تم نے؟'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''یس سر، ایک اسکول میں کلرک تھی...... دونوں شفٹوں کا کام دیکھا کرتی تھی۔''

''اوہ۔'' انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنے والٹ سے اپنا کارڈ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ ''نیکسٹ منڈے میرے آفس آجانا، دیکھیے یہ ہے ان کا کارڈ۔'' شہلا نے ریحان کے سامنے وہ کارڈ نچاتے ہوئے کہا۔

''میں تو تم کو واقعی بے وقوف سمجھتا تھا اور غلط تھا۔'' ریحان نے حارث کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



''تم کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' حارث نے کہا۔
''اب تو مجھے وہیں جانا ہے مگر جانے سے پہلے ملنے تو آنا تھا ناں۔''
اب نہیں ملوگی...... اور نہ اپنے موبائل سے ہمیں فون کروگی۔''
''پھر آپ سے رابطہ کیسے کروں گی؟'' وہ تو پریشان ہوگئی۔
''دوسرے موبائل سے اور وہ میں تمہیں ابھی منگوا دیتا ہوں۔''
''حارث ٹھیک کہہ رہا ہے، ہم تم سے تمہارے موبائل پر رابطے میں رہیں گے۔ اور تم روزانہ کی رپورٹنگ ہمیں گھر آنے کے بعد دیا کروگی۔'' ریحان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''ایک لحاظ سے میرے لیے یہ برا ہوا کہ ساجد صاحب کے ہاں جاب حاصل کرنے کی وجہ سے میں حارث سے مل ہی نہیں پاؤں گی......''
''میں نہیں کہہ رہا کہ تم وہاں جاب لازمی کرو......'' حارث نے کہا۔ ''تمہارا دل چاہے تو کرو اور دل نہ چاہے تو مت کرو...... اور یوں بھی میرا دل ساجد کو بھی ایک شریف شخص سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔''
''ارے یار...... کچھ ہی دنوں کی بات ہے، یہ بہت جلد اس کا پورا کچا چٹھا معلوم کر آئے گی اور پھر کسی بھی بہانے سے وہاں کی جاب چھوڑ دے گی۔'' ریحان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
''سر، میں جاب چھوڑنے کے لیے بہانہ کیا بناؤں گی؟''
''ابھی آپ نے جاب اسٹارٹ کی ہے نہیں چھوڑنے کی فکر ہوگئی ہے۔'' ریحان کو اس کی جلد بازی پر ہنسی آگئی۔
''جب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ جاب کرتے ہوئے اپنے دل سے بھی پوچھ لینا......''
''اب اس کے پاس دل کہاں ہے، جو وہ پوچھے گی۔'' ریحان نے رازداری سے حارث سے کہا۔
اور وہ ملامت بھری نظروں سے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا تھا۔
''سر، آپ نے بتایا نہیں کہ میں جاب چھوڑنے کا کیا بہانہ بناؤں گی۔'' شہلا نے پوچھا۔
''ارے وہی بہانہ...... جو ہمارے ہاں زیادہ تر لڑکیاں کیا کرتی ہیں۔''
''لڑکیاں کیسا بہانہ کرتی ہیں؟''
''یہی کہ اُن کی شادی ہونے والی ہے...... اور شوہر صاحب کو ان کی جاب کرنا پسند نہیں ہے...... اس لیے وہ جاب چھوڑ رہی ہیں۔''
''مگر...... میں تو یہ بہانہ نہیں کرسکتی۔''
''کیوں نہیں کرسکتیں؟''
''وہ اس لیے کہ حارث کو تو میرا جاب کرنا بہت پسند ہے۔''
ریحان نے اس کی بات اپنی ہنسی واپ کرنی اور مزید مسکرانے کے لیے مڑ کر حارث کو دیکھا تو وہ اپنی کرسی چھوڑ کر باہر جا رہا تھا۔
شاید اسے شہلا سے اسی قسم کے جواب کی توقع تھی جسے وہ ریحان کے سامنے سننا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

بعض دفعہ ایسا لگتا ہے کہ وقت بھاگ رہا ہے...... اور ہم اور ہمارے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ آج صبح فجر کی نماز پڑھے بغیر ہی میں اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی...... اسی لیے میرا ہر کام ہی غلط ہو رہا تھا۔ پہلے دوپٹا جلا پھر آفس جانے کے لیے نکلی تو آدھے راستے میں یاد آیا کہ فلاں چیز لینا تو بھول ہی گئی ہوں...... گھر سے نکل رہی تھی کہ پاؤں مڑا چپل

ٹوٹی واپس پلٹی کہ ... گھر سے سینڈل تبدیل کر کے چلی...... تو راستے میں ایکسی ڈینٹ دیکھ کر خواہ مخواہ طبیعت خراب ہوئی۔ ابھی آفس پہنچی ہی نہیں تھی کہ گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ناچار، آفس فون کیا...... گاڑی منگوائی اور آفس پہنچی تو وہاں فرزانہ اور ساجد کی لڑائی چل رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر طبیعت میں مزید پریشانی رچ گئی۔

ندیم خان آفس آئے تو وہ بڑبڑاتے ہوئے داخل ہوئے۔ انہیں گندگی سے انتہائی چڑ تھی...... اور آج ان کے آفس کی کسی نے اچھی طرح ڈسٹنگ نہیں کی تھی اور انہیں آتے ہی چھینکیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان کی ناراضی ہمیشہ ان ہی باتوں سے شروع ہوا کرتی تھی۔

''سر آپ دوسرے کمرے میں چلے جائیں، میں آپ کا روم اچھی طرح سے کلین کرواتی ہوں۔'' میں نے جا کر کہا مگر ان کے سر پر غصہ اتنا شدید سوار تھا کہ وہ مجھ سے بھی انتہائی برہمی سے بولے۔

''مس صبا...... آپ اپنے کام سے کام رکھا کریں...... جو آپ کا کام ہے، آپ وہی کیجیے، میرے کمرے کی صفائی کروانا نا آپ کا کام ہے اور نہ ہوگا۔''

اور میں چپ چاپ نکل آئی کہ نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ بندہ کسی کے اچھے کے لیے کچھ کرنا بھی چاہے تو بھی اسے باتیں سننے کو مل سکتی ہیں۔

''ٹھیک ہے رہو تم گندگی میں۔ اچھا ہے پیون نے صفائی نہیں کی۔ اللہ کرے وہ کل بھی نہ کرے اور تم خوب چھینکیں مار مار کر اتنی مارو کہ دو دن تک تم نزلے کی وجہ سے آفس تک نہ آؤ۔'' اپنے کمرے میں آ کر میں بھی مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

ندیم خان کی باتوں کے ساتھ مجھے ناعمہ پر بھی غصہ آ رہا تھا جو اُن کو دیکھ کر تمسخرانہ لہجے میں مجھ سے کہہ رہی تھی۔

''ہاں صبا، سر ندیم ٹھیک تو کہہ رہے ہیں...... تم اپنا کام دیکھو...... اب تمہارا کام تو سر کے کمرے کی ڈسٹنگ کروانا نہیں ہے ناں......''

''اس آفس میں ایک سے ایک چمچے بھرے ہوئے ہیں، اس اخبار کا نام تو روزنامہ چمچے ہونا چاہیے تھا۔ یہ ناعمہ صاحبہ کو تو ہر وقت ہی سر ندیم کا چمچہ بننا پسند ہے۔ چغلو کہیں کی...... ہر ایک کی بات میں کودنا اپنا فرضِ اولین سمجھا کرتی ہے۔ خیر، میری بلا سے۔''

ندیم خان اپنے روم میں بیٹھا...... اس کی ہر بات کو کمال سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ مگر پہلے کی طرح اس کی اس طرح کی باتوں کو سن کر نہ اس کے لبوں پر کوئی مسکراہٹ دکھی تھی اور نہ ہی وہ عادتاً اپنا چشمہ اتار کر ہنسا تھا۔

آفس میں آنے کی ابتدا ہی شور شرابے سے ہوئی تھی...... اور جوں جوں وقت گزر رہا تھا...... اس شور شرابے میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

پیون، اپنی چائے کی گول ٹرے لہراتا ہوا ہمیشہ کی طرح سیڑھیاں چڑھا اور اترا کرتا تھا...... اور آج وہ ٹرے سمیت نیچے آ گرا تھا...... اور اس کا کہنا تھا کہ کسی نے اسے دھکا دیا ہے...... جبکہ دور دور تک کوئی سیڑھیوں پر نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے ہمارے آفس میں جن اور بھوت بھی کام کرتے ہوں انہوں نے شرارتاً دھکا دیا ہو۔'' یہ ناعمہ کی رائے تھی۔

''ناعمہ بھئی! اتنی زیادتی مت کیا کرو اب اکیلے جن اور بھوت تھوڑی ناں ہوں گے...... ان کی منگیتر، ان کی بیویاں یا ان کی سہیلیاں بھی تو ان کے ساتھ ہوں گی......'' فہد، ناعمہ سے بحث کر رہا تھا جو شاکر کی ہائے، ہائے میں دب گئی تھی۔

مرے پہ سو درّے اور...... اس دن میرا تازہ کالم بھی شاید کچھ زیادہ ہی کڑوا تھا...... یا جن لوگوں کو سچ برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی...... ان کے لیے وہ تازیانہ ثابت ہوا تھا۔

سارا ہی دن...... دھمکی آمیز فونز کا تانتا سا بندھا رہا...... اور یہ کہا جاتا رہا کہ آئندہ روز فرنٹ صفحے پر معذرت کی جائے کہ یہ سب بالکل غلط لکھا گیا ہے اور ہماری تمام معلومات ایک مفروضے پر قائم تھیں۔ اور کسی نے ایسا زور زبردستی کے تحت لکھوایا تھا...... وغیرہ، وغیرہ......

’’سر میرا خیال ہے ایک چھوٹی سی معذرت لگا دی جائے کہ ہمارے کسی مضمون کی اشاعت سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں...... آج کل جیسے حالات چل رہے ہیں اس میں لکھنے والوں کو بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی چلنا چاہیے۔‘‘ میں یقیناً اپنے حساب سے انہیں درست مشورہ ہی دے رہی تھی۔

’’مس صبا آپ کو اس اخبار میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟‘‘ انہوں نے چشمہ اتار کر پوچھا۔

’’سر 18 دسمبر کو پورے دو سال ہو جائیں گے......‘‘ میں نے حساب لگا کر بتایا۔

’’اور آپ کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ایڈیٹر کا صرف مراسلہ نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہوتا مگر جو مضامین ایڈیٹوریل صفحہ پر شائع کیے جاتے ہیں وہ صرف ایڈیٹر کی مرضی اور منشا سے ہی لگائے جا سکتے ہیں۔‘‘

’’سر میں تو لڑائی جھگڑے سے بچنے کی وجہ سے کہہ رہی تھی......‘‘ ان کی باتیں سن کر میں کھسیا کر بولی۔

’’اگر ہم ڈر گئے ناں تو پھر تو چل چکا اخبار......‘‘ وہ مجھے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے اہانت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوں۔

تب میں شرمندہ سی ہو کر اپنے کیبن میں آ گئی۔

پھر ظاہر ہے کہ اگلے دن اخبار میں ایسی کوئی معذرت نہیں لگائی گئی۔

میرا خیال تھا آج مزید دھمکی آمیز فون کالز آئیں گی مگر دوسری جانب چپ سادھ لی گئی۔

شام پانچ بجے کا وقت تھا...... دوسری شفٹ آنا شروع ہو گئی تھی۔ صبح والے جا رہے تھے اور دوسرے دور کے آ رہے تھے۔ میں اپنے بیگ میں اپنی چیزیں سمیٹ کر رکھ رہی تھی اور اپنی فائلیں اپنے لاکر میں رکھنے میں مصروف تھی...... کہ ایک چھریرے سے جسم کا لڑکا سرعت سے اندر آیا...... اور نئے پیون سے بولا۔

’’ساجد صاحب کہاں بیٹھتے ہیں...... مجھے ایک بریکنگ نیوز دینی ہے۔‘‘

’’وہ سامنے کمرے میں ہیں۔‘‘ پیون نے اشارہ کیا اور اوپر کی جانب چل دیا۔

’’آخر ایسی کون سی نیوز آئی ہے؟‘‘ میں نے دل میں سوچا...... اور برق رفتاری سے ندیم خان کے آفس میں داخل ہوئی۔

’’ہم نے کہا تھا ناں...... تم اپنے اخبار کے فرنٹ صفحے پر معافی مانگو گے...... تو کیا ہماری بات سمجھ میں نہیں آئی؟ جو معافی نہیں مانگی گئی۔‘‘ اب وہ لڑکا، ندیم خان کے مقابل کھڑا تھا اور غصیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

’’آپ بیٹھیں...... پھر بات کرتے ہیں، ہمارے اخبار کی پالیسی کیا ہے؟ اور ہمیں کن امور کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔‘‘ ندیم خان اس سے شائستگی بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

’’او مسٹر...... یہ سب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہے بلکہ ہر فون پر معافی مانگنے کو کہا گیا تھا تو پھر اس اخبار کو معافی مانگنی چاہیے تھی ناں۔‘‘

’’ٹھیک ہے، ہم آپ کے خیالات بھی اپنے قارئین تک ضرور پہنچائیں گے۔ مگر آپ بیٹھ کر بات تو کریں...... آپ کا موقف کیا ہے...... اور آپ یہ سب کس وجہ سے کر رہے ہیں؟‘‘ ندیم سر اس کا جلال کم کرنے کی پوری سعی کر رہے تھے۔

اس اثنا میں دوسرا لڑکا آفس میں داخل ہوا...... اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اس کے داخل ہونے کا جارحانہ انداز میں دیکھ چکی تھی کہ کس طرح نبیل کو لات مار کر اس نے پیچھے کیا تھا۔ اس نے پسٹل نکالی اور فائر کر دیا۔

مگر اس سے قبل ہی میں ان کی گھومنے والی کرسی کو پیچھے دھکا دے کر گرا چکی تھی۔

سو گولی ندیم خان کے بجائے میرے لگ گئی۔ کہاں لگی تھی یہ مجھے معلوم نہیں۔ ایک خون کا فوارہ ابلتے ہوئے تو میں نے ضرور دیکھا تھا۔ اور ندیم خان کی چیخ بھی ضرور سنی تھی۔ مگر اس کے بعد کیا ہوا تھا یہ مجھے بالکل معلوم نہیں تھا۔ میں تو اسی لمحے اپنے ہوش و حواس کھوتی چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

اور تمام کے تمام کاغذ جو رات بھر میں نے اپنی
بے مقصد سوچوں کو لکھتے کالے کیے تھے بس ایک ہوا
کے جھونکے سے باغی ہو کر زمین پر آپڑے تھے......کبھی
ان بے جان، ہلکے، قلم کی سیاہی سے کالے کیے گئے
کاغذوں کو ہوا کی زد میں اڑتے دیکھا ہے؟
جس پر جتنی زیادہ سیاہی ہوگی جو جتنا زیادہ الفاظ
سے بھرا ہوا ہوگا......وہ اتنا ہی دور جا گرے گا کہ کبھی
آپ سمیٹنے میں اسے نظر انداز ہی کر دیں......اور پھر

سوال؟

باجرہ ریحان



صدیوں بعد وہ کاغذ اچانک سے آپ کی نظروں میں اڑتا پھرتا آجائے گا...... آپ اسے اٹھا کر دیکھیں اور یاد کرتے پر بھی یاد نہ کرسکیں کہ آیا یہ کوئی کہانی کا حصہ تھا جو اس وقت لکھا جارہا تھا یا زندگی کا کوئی لمحہ...... مجھے یقین تھا کہ میں بھی چند ایک کو کھوچکی ہوں...... میں نے باقی ماندہ سمیٹے ہوئے کاغذوں کو میز پر کتاب کے نیچے دباتے ہوئے کھڑکی سے جھانکا...... بارش کی آمد، آمد تھی...... ہوا میں مٹی کی دھیمی مسحور کن خوشبو بس چکی تھی...... میں نے ایک لمبی سانس کھینچ کر انہیں پلٹ کر دیکھا...... وہ یونہی پھرتی، پھرتی سے بھاگ دوڑ کررہے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ناشتا جو کہ میں بنا کر میز پر اُن کے تیار ہونے سے پہلے لگا دیتی ہوں...... صبح کی چائے وہ بستر پر آنکھ کھلتے ہی پی لیتے ہیں، کپڑے رات میں ہی استری کر کے داش ردم میں لٹکا دیتی ہوں...... جوتے موزے اپنی جگہ پر ہمیشہ یوں ہی ملتے ہیں جیسے کسی نے اُن کو وہاں گوند سے چپکا دیا ہو...... پھر وہ کیا چیز ہے؟ جو اُن کو صبح، صبح اس طرح دوڑاتی ہے؟ میں نے اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش تک نہیں کی...... کیونکہ میں صبح کے مانند ستارے کے مانند ہر دن کا آغاز کرنے کی عادی ہوچکی ہوں۔

جیسے ایک بڑا قرض لے کر کوئی لمبی مسافت کو چلے...... میں نے انہیں ناشتے کی میز پر بیٹھے ایک بار پھر دیکھا...... وہ روزانہ کی طرح اپنی نظر کی عینک کو احتیاط سے اپنے بیگ میں رکھ رہے تھے پھر فائلز کی باری آئی، ایک عدد رومال، بٹوا اور وہ بے رنگ سا پین......

وہ روزانہ کسی عبادت میں کی جانے والی تُلی تُلی حرکات کی طرح گھر آکر اپنا سامان پڑھنے کی میز پر بیگ سے نکال کر سجادیتے اور صبح اسی طرح واپس بیگ میں رکھ لیتے...... ان کی معمول کی حرکات دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا...... میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا۔

''اے دل...... نہیں...... کبھی نہیں...... یہ شخص پتھر کی صورت اپنی جگہ سے کبھی ہلا بھی تو ٹھوکر لگنے پر...... اس کو اپنی جگہ سے اس کے یا میرے جذبات نہیں ہلا سکتے...... یہ آج بھی اسی مشینی انداز میں کام پر چلے جائیں گے۔ ان کے گلے میں لٹکتی کھلی ہوئی ٹائی میرے ہاتھوں کی منتظر تھی...... میں ان کے قریب گئی تو وہ ہمیشہ کی طرح بیگ میں اپنا سامان بھر چکے تھے اور پھر مجھے آتا دیکھ کر گردن اکڑائے اپنی جگہ پر جمے کھڑے تھے۔ میں ایک ہاتھ سے ان کی ٹائی باندھنے لگی اور دوسرے سے ان کی شرٹ کے کالر کو بٹھا رہی تھی اور شرٹ کے آخری بٹن کو بند کرتے وقت میں نے اُن کی گردن پر اپنے ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالا...... جو اُن کے لیے نیا تھا۔ ان کی نظریں جھکیں اور میری اٹھتی آنکھوں سے جاملیں...... ہلکا سا مسکرائے اور بولے۔

''جانتا ہوں، دیر ہوگئی ہے آج، ناشتا نہیں کرسکوں گا۔'' میری آنکھیں شرم سے بوجھل ہوکر جھک نہ جاتیں تو آنسوؤں سے چھلک ضرور جاتیں...... میرے خاموشی سے راستے سے ہٹ جانے پر معمول کی طرح بیگ اٹھایا اور خدا حافظ کہتے چلے گئے۔

اس وقت تک بارش شروع ہوچکی تھی...... گھر میں کچھ دنوں کے لیے آئے ہوئے ان کے چند رشتے دار آہستہ، آہستہ ناشتے کی میز پر جمع ہونے لگے...... میں نے روزمرہ کا کام شروع کرنے سے پہلے حسبِ موسم گانے لگا دیے تھے...... اتنے میں ان کی چچا زاد کزن اپنے بچوں کو کرسی پر جماتے ہوئے چہکی۔

''ارے واہ بھابی کیا گانا ہے...... موسم ہے عاشقانہ...... اے دل کہیں سے اُن کو ایسے میں ڈھونڈ لانا...... کیوں بھئی فون کرکے بھائی صاحب کو واپس نہ بلالوں آفس سے؟'' میں اس کی بیٹی کو دودھ کا گلاس پکڑاتے، پکڑاتے مسکرا اٹھی...... گوکہ زخم تازہ تھا...... پھر بھی صبر آچکا تھا۔

''ارے نہیں نہیں، بہن بس رہنے دو۔'' میں نے تحمل سے جواب دیا۔

اس کو میں کیا بتاتی کہ موسم تو اللہ کی مہربانی سے عاشقانہ ہو بھی سکتا ہے مگر شوہر نہیں...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ کبھی عاشقانہ مزاج بھی رکھتے تھے۔ شاید اب

بھی ان کو ان کے یار دوست ایسا ہی سمجھتے ہوں۔ کیونکہ بظاہر ہم دونوں میاں، بیوی ایک دوسرے کے ساتھ مطمئن اور خوش نظر آتے ہیں...... وہ مجھ سے مل کر اور میں ان سے مل کر مکمل ہو چکی ہوں...... اور یوں مکمل ہو جانے کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو کھو دیا...... ادھورا کر دیا...... اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ دو لوگ ہزاروں میل کے فاصلوں پر رہ کر بھی ایک دوسرے سے قریب رہے ہوں؟ ان کے وہ دعوے کہ وہ مجھے جانتے ہیں، وہ میری کہی ان کہی کو سمجھ سکتے ہیں...... کیا محض دکھاوا تھا......؟ میں سوال کرنا جائز نہیں سمجھتی...... سوال انسان کو بہت ذلیل کرتے ہیں...... ہاں کچھ کھوئے ہوئے کاغذ ہیں جو وقت بے وقت اچانک کہیں سے نمودار ہو کر نظروں میں اڑتے پھرتے ہیں پھر کیا ہاتھ بڑھا کر اٹھا لوں...... پڑھ لوں...... یا بغیر دھیان دیے پھاڑ کر پھینک دوں؟ وہ پہلا اور آخری دن...... جب میں ان کے آفس گئی تھی۔

وہ اپنے کیبن میں تھے۔ جہاں وہ اپنے بزنس کو برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے جتن کرتے...... جہاں سے انہوں نے مجھے کتنے ہی فون کیے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ وہ کیسے ترقی کر کے ایک چھوٹی سی فیکٹری سے گارمنٹ مل کے مالک بن گئے۔ وہ سب باتیں جو وہ مجھ سے کرتے تھے ایسے جیسے انہیں سنانا اور سنتے چلے جانا میرا فرض ہے...... جیسے اپنی سب باتیں وہ ایک امانت کے طور پر...... ایک تحفے کی صورت مجھے سونپ رہے ہوں...... میں سمجھتی تھی کہ اتنا کچھ امانت رکھ لینے کے بعد میں ان کی کام کی زندگی میں بھی شامل ہو گئی ہوں...... کام کی جگہ...... آفس، جہاں میں بھی جا سکتی ہوں جہاں وہ مجھ سے مل سکتے ہیں گو کہ میں نے اس ایک دن...... جب انہوں نے مجھے آفس پہنچنے پر باہر انتظار گاہ میں بٹھوایا تو میرا منہ کس طرح اتر گیا تھا...... میں تو سمجھتی تھی کہ میرے وہاں آفس پہنچتے ہی وہ دروازے سے ہی مجھے خوشی، خوشی اندر لے کر آ جائیں گے...... ایک، ایک کام کرنے والے سے ملوائیں گے...... مگر ایسا کچھ نہیں ہوا...... یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو صرف چند دن پہلے فون پر بتا رہے تھے کہ وہ میرے لیے ہی تو اتنی محنت کر رہے ہیں۔

بلاشبہ وہ ایک کامیاب انسان تھے جو ایک مشہور اور ینگ بزنس مین...... جس پہ چند دوسرے کامیاب بزنس مین کی اس لیے نظر کرم تھی کہ وہ اسے اپنی بیٹی، بہن یا سالی کے لیے پھانسنا چاہ رہے تھے...... اور وہ سمجھدار...... بردبار پیسے کہ سب سے راہ و رسم رکھ کر بھی ان کے گھروں میں گمنام رہے...... مجھے ان کی سادگی اور ہمارے رشتے کے ساتھ ان کی وفاداری پر فخر تھا...... میں تھی ہی کیا...... انتظار گاہ میں بیٹھی میں یہی سوچ رہی تھی...... ان چند لمحوں میں مجھے اپنی اوقات کا اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا۔ میں ان کا خود سے موازنہ کر رہی تھی کہ ان کی سیکرٹری نے آ کر مجھے اندر جانے کا اذن دیا...... جب اتنے آفس روٹین سے مجھے اندر لے جایا جا رہا تھا تو میرا بھی فرض تھا کہ ایک مہذب انسان ہونے کا ثبوت دوں...... میں نے ان کے کیبن کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

”یس کم ان......“ وہ فائل پر سر جھکائے تیزی سے قلم چلا رہے تھے۔ میں ابھی اندر داخل ہوئی تھی کہ انہوں نے فائل سے سر اٹھائے بغیر بیٹھ جانے کا حکم سنا دیا۔

”تو تم میرے منع کرنے کے باوجود بھی آ ہی گئیں؟“

”اس میں حرج ہی کیا ہے؟“ میں نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

”آخر یہ تمہیں کیا سودا سمایا ہے؟ کہاں آج کل کا ماحول بہت گندا ہو گیا ہے، اب عورتوں کی ہمارے معاشرے میں وہ وقعت نہیں رہی...... اب مردوں کی نظر سے شرم کا پردہ ہٹ چکا ہے، کتنی بار تم کو سمجھا چکا ہوں مگر تم کو پتا نہیں کیوں یہ دھن سوار ہو گئی ہے؟ نوکری، نوکری، نوکری...... کیا کرو گی نوکری کر کے؟ ہاں چند روپے مل جائیں گے اور چند روپوں کی خاطر تم خاندان کی عزت نیلام کرتی پھرو گی...... اوپر سے مجھ سے اجازت مانگ رہی ہو؟ یہ کیا بے وقوفی کی رٹ لگا رکھی ہے۔“

میں حیران تھی...... یہ وہی شخص ہے جس کی اعلیٰ تعلیم ملک سے باہر ہوئی...... جہاں اس نے عورتوں کے شانہ بشانہ کام بھی کیا...... کیا یہ وہی شخص ہے جس نے ایک محفل میں تمام مردوں کو یہ کہہ کر چپ کروا دیا تھا ”عورت کی بھی معاشرے میں ایک حیثیت ہے اگر اس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے تو اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی کا پروفیشن چن سکے...... اور اس میں بغیر کسی تامل کے نوکری بھی کر سکے...... یہ کیا بات ہوئی کہ ہم نے عورتوں کو صرف چند ہی پروفیشن کے لیے مخصوص کر دیا ہے...... یونیورسٹی کے ہر تعلیمی شعبے میں عورتوں کی وہی تعداد کیوں نہیں ہوتی جو میڈیکل یا فیشن ڈیزائنگ کے شعبے میں ہوتی ہے اور کچھ نہیں تو کسی اسکول کی ٹیچر بس......“ اس کی تقریر سن کر میں اسی دن سے اس کو سراہنے لگی تھی۔

وہ بڑی پھوپی کا بیٹا تھا اور ہمیشہ سے الگ تھلگ سا رہتا تھا...... بڑی پھوپی اپنی جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ جس کے بعد بابا جانی ان کو ہمارے ہاں لے آئے تھے...... سارا، سارا دن بڑی پھوپی ہر کام میں پیش، پیش رہتیں...... جبکہ وہ جب تک گھر میں رہتا ہر دو منٹ بعد چھوٹے سے چھوٹے کام کے لیے بازار دوڑایا جاتا تھا...... کبھی بڑے بھیا کا سگریٹ تو کبھی باجی کی کاپی...... کبھی مرچ ختم ہو جاتیں تو کبھی کسی کا چھولے کھانے کو دل چاہنے لگتا...... کام کرنا اور پھر کتابوں میں گم ہو جانا...... اس نے کبھی باجی کے ساتھ ٹیبل ٹینس نہیں کھیلا نہ کبھی بڑے بھیا کے ساتھ سینما جانے کا شوق دکھایا...... اور میں...... میں تو جیسے اس کو نظر ہی کم آتی تھی...... اور سچ بات ہے کہ میری نظروں میں بھی وہ کم ہی سماتا تھا...... پھر وہ اسکالر شپ لے کر ملک سے باہر پڑھنے چلا گیا اور پھر اکثر امی جان کہتی سنائی دیتیں کہ وہ ہوتا تو ہم اتنے بے بس نہیں ہوتے ابھی پیسہ دیتے جھٹ سامان حاضر کر دیتا۔

بڑی پھوپی بس خط کتابت تک پڑھی لکھی تھیں...... دونوں ماں، بیٹے میں خط کتابت ہوتی رہی...... اور پھر جب وہ پڑھ کر واپس آیا تو اس نے الگ مکان لے کر بڑی پھوپی کو پچیس سال بعد اپنی چھت دی...... اس زمانے میں، میں میٹرک کر رہی تھی اور شاید وہ ہی وقت تھا جب میں نے اس کے بارے میں سنا اور سن کر سمجھنا شروع کیا تھا...... بڑی پھوپی اکثر ملنے آجاتیں اور آکر اس کے قصے سناتی رہتیں...... باجی تو شادی کر کے اپنے پیا دیس سدھار چکی تھیں بڑے بھیا ہمیشہ کے مصروف کوئی بہانہ بنا کر اٹھ جاتے...... رہ گئی میں...... اور امی جو بڑی پھوپی سے بہت انسیت رکھتی تھیں۔ دونوں باتوں میں لگ جاتیں جیسے صدیوں سے ملاقات نہ ہوئی ہو جبکہ میں ٹی وی پر چینل بدلتی رہتی...... جب مجھے کوئی بات سننی ہوتی تو میری تیزی سے چلنے والی ریموٹ پر انگلیوں کی رفتار دھیمی پڑ جاتی...... آواز بھی کم کر دیتی...... جبکہ اس کی بات جب بھی بڑی پھوپی چھیڑتی تھیں میں ایک ہی چینل پر اٹک جاتی۔

اور پھر اس ایک واقعے کے بعد تو میں ویسے بھی اس کو بھلانا نہیں چاہتی تھی...... نہ ہی بھول سکتی تھی...... وہ ہمارے خاندان کا سب سے لائق بچہ ابھر کر سامنے آیا تھا...... اس نے نہ صرف اپنی والدہ کو بلکہ بابا جانی کو بھی سرخرو کر دیا تھا...... اس کی لائقی کے ہر جگہ ڈنکے بج رہے تھے...... وہ ہر طرح سے مختلف تھا...... اس کی سوچ مثبت تھی...... وہ حق بات بڑے آرام سے کہہ ڈالتا تھا...... وہ باقاعدگی سے بابا جانی کے پاس حاضر ہوتا...... اپنے بزنس کے بارے میں تفصیل سے بتاتا اور بابا جانی اس کی ہر بات پر ہاں میں ہاں ملاتے تھے...... اس کی مصروفیت بھی اس روٹین میں حرج نہ ڈال سکی اور یہ بات اس کو ہمارے خاندان میں اور بھی معتبر کر چکی تھی۔

انٹر کے بعد جب مجھے گھر بیٹھ جانے کو کہا گیا تو میں بلبلا گئی...... مجھے تو ابھی آرکیٹیکچر میں ڈگری لینی تھی اور پھر آرکیٹیکٹ بننا تھا۔ خوب صورت عمارتیں بنانی تھیں...... اور بڑے، بڑے پل کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈالنا تھا...... میں یونیورسٹی سے باقاعدہ ڈگری لینے کی تیاری کر رہی تھی...... سب سے بڑا مسئلہ امی جان کا تھا مگر اس

نے کچھ اس طرح بابا جانی کو نقشے میں اتارا کہ وہ مجھے اجازت دے بیٹھے...... مجھے بڑی حیرت ہوئی...... اسے میرے ارادوں کی خبر کیسے ہوئی مگر جیسے بھی ہوئی خوب ہوئی...... میرے نمبر اچھے تھے لہٰذا داخلہ بڑی آسانی سے مل گیا اور میں آرکیٹیکٹ کی تعلیم کے لیے باقاعدہ یونیورسٹی جانے لگی...... وہ جب بھی گھر آتا ای جان ایک ہی رونا روتیں کہ اللہ جانے یہ کیسی پڑھائی ہے کہ اس میں مجھے سارا، سارا دن عجیب و غریب قسم کے نقشے تو کبھی الٹی سیدھی لکیریں تو کبھی گتے کے ٹکروں سے چھوٹے، چھوٹے گھر بنانے پڑتے ہیں۔

''یہ اس کی تعلیم کا حصہ ہے ممانی جان آپ اتنی فکر نہ کیا کریں......'' وہ ہنس، ہنس کر ای جان کو دلاسا دیا کرتا...... ساتھ کے ساتھ میری اس سے دوستی ہو گئی...... اب اکثر فون پر باتیں بھی کر لیتے تھے...... وہ مجھے بتاتا کہ اس نے کون، کون سے ٹینڈر حاصل کر لیے...... کس کو چھوڑ دیا...... اس کو اب کون شپمنٹ کہاں بھیجنی ہے...... میں اس کو انہماک سے سنتی جاتی...... کبھی میں اس سے اپنی پڑھائی کے بارے میں بھی بات کرتی تو وہ یہ کہہ کر بات بدل دیتا کہ اسے آرکیٹیکچر کے بارے میں کیا معلوم...... گو کہ دیکھا جائے تو معلوم تو مجھے اس کے بزنس کے بارے میں کچھ نہیں تھا مگر میں اپنی سی کوشش کر کے سنتی بھی اور ساتھ، ساتھ سمجھنے کی بھی کوشش کرتی تھی۔

وہ چار سال بہت خوب صورت گزرے...... سب کچھ اچھا ہی رہا...... زندگی بہت پُرسکون اور حرے میں آگے بڑھ رہی تھی...... آخری سمسٹر کا آخری پرچہ تھا کہ مجھے میرے ایک استاد نے اپنی ہی کمپنی میں بحیثیت جونیئر آرکیٹکٹ کی جاب آفر کر دی...... جس پر میں نے خوشی سے سرشار ہو کر اس سے مشورہ کیا...... اس نے حسب معمول میری بات ٹال دی کہ ابھی سے خود کو کیوں ہلکان کیا جائے...... رزلٹ تو آ جائے...... گو کہ میرے پچھلے ریکارڈ سے واضح تھا کہ میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں گی...... میں نے بھی آرام کرنے کا سوچا اور...

رشتہ

دو دوستوں کا رشتہ آنکھ اور پلک جیسا ہوتا ہے۔
اگر پلک کچھ دیر تک نہ جھپکے تو آنکھ رو دیتی ہے اور اگر آنکھ میں کچھ چلا جائے تو پلک تڑپ اٹھتی ہے۔

مرسلہ: کلثوم ہاشمی، کراچی

کاہلی

بچوں کو کاہلی پر مضمون لکھنے کو دیا گیا۔
دوسرے دن جب کاپیاں چیک کی گئیں تو ایک کاپی پوری خالی تھی۔ اور صفحۂ آخر پر درج تھا، جناب، یہی کاہلی ہے!

مرسلہ: نغمہ ناز، کراچی

رزلٹ کا انتظار کرنے لگی...... میرا رزلٹ آیا تو میری خوشی دوگنی ہو گئی...... میرا ایسا گریڈ تھا کہ مجھے اچھی سے اچھی آرگنائزیشن میں بھی جاب مل سکتی تھی...... اور جب میں نے بابا جانی سے نوکری کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ پڑھائی تک کافی ہے نوکری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک بار پھر میں اس کی مدد کی طلبگار ہوئی اور اس ایک دن اسی لیے اس کے آفس ملنے گئی تھی...... اسے معلوم تھا...... ہم فون پر بھی ایک بار جھگڑ چکے تھے...... پھوپی جان بارات لانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں...... جبکہ میں کچھ سال سکون سے اپنے پروفیشن میں آگے بڑھنے کی دُھن میں تھی...... میں سوچ کر آئی تھی کہ اس کو سمجھاؤں گی...... ہم دونوں مل کر کوئی بیچ کا راستہ نکال لیں گے مگر وہ تو میری بات سرے سے ہی رد کر چکا تھا...... یہ بات میرے لیے ناقابل یقین حد تک جا چکی تھی کہ اس جیسا سیلف میڈ بندہ بھی عورتوں کی نوکری کے خلاف بات کرے گا...... کیا صرف ضرورت ہی عورت کو گھر سے نکالتی ہے...... آخر ایسا کیوں ہے، ہمارے معاشرے میں عورت کے گھر سے باہر نکلنے کو ضرورت ہی کے تحت برداشت کیا جاتا

ہے...... کیا ہمارا اپنا کوئی شوق کوئی مقصد نہیں ہو سکتا......؟ وہ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر پھر سے گویا ہوا۔

''یار، تم سمجھتی کیوں نہیں ہو...... یہ سب بچوں کی باتیں ہیں...... پھر تم کو نوکری کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے...... میں اچھا کماتا ہوں تم کو تمہارے میکے سے زیادہ آرام دوں گا...... اور میں نہیں چاہتا کہ تم نوکری کر کے گھر پر توجہ نہ دو...... میں چاہتا ہوں کہ جب میں تھک کر گھر پر آؤں تو میرا گھر صاف ستھرا مہکتا ملے...... تم مجھے ہنستی مسکراتی ملو...... نوکری کر کے تو تم تھک جایا کرو گی، تم کو کیا معلوم کہ ایسے پروفیشن میں کیسے، کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے...... جب تک کنسٹرکشن چلتی رہتی ہے آرکیٹیکٹ دھوپ، گرمی کی پروا کیے بغیر سائٹ پر دیکھنے جاتا ہے، ایک مزدور جیسا شخص بھی اس کے قریب کھڑا ہو کر ہدایات لیتا ہے...... تم یہ سب کیسے کرو گی...... کبھی سوچا بھی ہے؟ تمہیں پڑھنے کا شوق تھا پورا کر لیا...... نوکری کی ضد چھوڑ دو...... کیا تم ان مزدور ٹائپ لوگوں کے ساتھ ایسی، ایسی جگہوں پر جاؤ گی جہاں پر ابھی بلڈنگ بن رہی ہو مٹی ہو دھول ہو اور تم......؟''

میں اتنا ہی سن کر ایسا زچ ہو چکی تھی کہ کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ ہوتے ہوئے جذباتی ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں سمجھ گئی کہ اس کا مقصد صرف میرے حوصلے پست کرنا تھا۔

''میں نے امی سے کہہ دیا ہے، وہ کل تاریخ لینے آ رہی ہیں......'' اس نے مجھے بے دلی سے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے لگاوٹ سے بتایا۔

میں کچھ بھی کہنے کے موڈ میں نہیں تھی...... میں نے آج تک جس کو اپنا آئیڈیل بنایا تھا وہ ایک دھوکا تھا۔ جس کی دو زبان تھیں...... جس کے دو اسٹینڈرڈ تھے...... جو بہت دھڑلے سے عورتوں کے لیے پروفیشن کی ڈیمانڈ تو کرتے ہیں مگر اپنی عورتوں کو گھر سے کسی سجائی جانے والی چیز کی طرح ایک حد میں، ایک احاطے میں رکھتے ہیں...... اس کے لیے میرا پڑھا لکھا ہونا بس یہاں تک تھا کہ وہ اپنے جاننے والوں میں فخر سے بتا سکے کہ اس نے اتنی پڑھی لکھی عورت سے شادی کی ہے...... اور ہاں اس کی بیوی تو اپنی مرضی سے گھر بیٹھ گئی ہے ورنہ اس نے تو کبھی اس پر کوئی روک ٹوک نہیں لگائی۔

☆☆☆

اسٹیج پر...... نکاح کے بعد مجھے لا کر بٹھا دیا گیا تھا...... شرم سے رنگت خود بخود گلابی ہو رہی تھی جبکہ جھکی، جھکی آنکھوں میں کاجل چبھ رہا تھا...... ہر ایک دو لمحوں بعد کوئی دوست یا کزن آ کر میرے کان میں چپکے سے میرے حسن کی تعریف کر جاتی تھی۔ جس کو سن کر میں بے اختیار مسکرا جاتی...... کھانے کے بعد ہم دونوں کو ایک ساتھ بٹھا دیا گیا...... اور مختلف قسم کے کیمرے لیے لوگ جوق در جوق اسٹیج پر آنے کے لیے لائن لگا کر اسٹیج کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

ہر طرف سے ایک ہی صدا آ رہی تھی...... ''سامنے دیکھیں...... مسکرائیں......'' ہر کوئی آ کر سلامی کے ساتھ مبارک باد کے چند جملے بھی بول جاتا اور جو قریبی تھے وہ یہ پوچھنا نہ بھولتے کہ ہنی مون کے لیے جوڑا کہاں، کہاں جائے گا اور کب تک واپسی ہو گی...... سب معلومات کے بعد بھی معذرت کرتے تھے کہ وہ دراصل شادی کی دعوت کرنی ہے اسی لیے پوچھ رہے ہیں۔ میں مسکراتے، مسکراتے تھک گئی۔

ایک ہی طرح کے مذاق سن، سن کر دماغ پک گیا تھا اور ایک ہی بات بار، بار دل کو جھنجلاہٹ دے رہی تھی...... اتنے لوگوں نے میرے شوہر سے اس کی آئندہ زندگی کے پلان کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس سے نئی زندگی کو آگے بڑھانے اور پھر کس طرح سیٹل ہونے کا پوچھا تھا...... مگر کسی نے ایک بار بھی...... مجھے اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ چھوٹے منہ ہی سوال کر لیتا...... کہ میں شادی کے بعد اپنی پرسنل لائف کے ساتھ، ساتھ اپنی پروفیشنل لائف کا باقاعدہ آغاز کروں گی یا نہیں......؟ اس کا تو شاید سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ناولٹ

پیامِ محبت لائی ہے عید

عذرا فردوس



ہوٹل کا ڈائننگ ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ثمانہ، مائر کا ہاتھ تھامے اپنی مخصوص میز کی جانب بڑھ گئی۔ لائٹ پرپل رنگ کی میکسی میں ملبوس ثمانہ نے غیر محسوس انداز میں ایک مرتبہ اپنا جائزہ لیا، وہ گھر سے خاص تیاری سے آئی تھی مگر اس کے باوجود اسے یوں لگ رہا تھا کہ اب بھی کوئی کسر باقی ہو۔

''میں ٹھیک تو لگ رہی ہوں؟'' ثمانہ فکر مند لہجے میں پوچھنے لگی۔

"بہت زبردست لگ رہی ہو۔" ماثر نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا اتنے میں ویٹر آگیا تو ماثر کھانا آرڈر کرنے لگا تھوڑی دیر بعد میز انواع واقسام کے کھانوں سے سج گئی۔

"سنا ہے کہ تمہاری ممی چاہتی ہیں اسی سال ہماری شادی کردی جائے۔ ماثر، میں اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں ہوں ابھی تو میری ایجوکیشن مکمل ہوئی ہے، میں ابھی کچھ کرنا چاہتی ہوں۔" سمانہ نے کھانا پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔

"تو تم بھی اپنی ممی کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتی ہو، تمہاری ممی بہترین سوشل ورکر ہوسکتی ہیں مگر کامیاب ماں نہیں... جہاں تک میں سمجھتا ہوں تم شادی کے بعد بھی اپنے شوق پورے کرسکتی ہو‘ جاب بھی کرسکتی ہو۔"

"ماثر! تم مجھے صرف اتنا یقین دلادو کہ تم شادی کے بعد بھی مجھے ایسے ہی اہمیت دو گے جیسی اب دیتے ہو‘ شوہر بننے کے بعد مجھ پر اپنا روایتی تسلط نہیں جماؤ گے اور نہ ہی بے جا پابندیاں لگاؤ گے۔ میں تمہارے گھر والوں کو جانتی ہوں‘ وہ میری ممی کی طرح عورت کی آزادی کے حامی نہیں ہیں یقیناً وہ چاہیں گے کہ میں ان کے انداز میں ہی زندگی گزاروں۔" سمانہ کی گفتگو سے ماثر کو اندازہ ہوگیا کہ وہ عدم تحفظ کا شکار ہے اس کے احساسِ عدم تحفظ پر ماثر کا دل پگھل گیا۔

"تم اگر اس حوالے سے پریشان ہو کہ میں روایتی مردوں والا سلوک تمہارے ساتھ کروں گا تو تم یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ معاشرے میں ہم دونوں یکساں طور پر اپنی جگہ پر اہم ہیں فرق ہے تو دائرہ کار کا۔ میں جانتا ہوں کہ بحیثیت شوہر میری کیا ذمے داری ہے، تم میری طرف سے بے فکر ہوجاؤ!"

سمانہ کی تسلی اب بھی نہیں ہوئی تھی تاہم وہ کوئی بات کیے بغیر کھانے میں مصروف ہوگئی۔ کھانے سے فارغ ہوکر سمانہ نے ٹشو پیپر سے اپنے لب صاف کیے۔

"ماثر! تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہے تو کچھ عرصے انتظار کرنا ہوگا، میں کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرلوں تو پھر اپنے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹتی ہوں، مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"دیکھو سمانہ تم میری طرف سے اگر کسی عدم تحفظ کا شکار ہو تو یہ ڈر اپنے دل سے نکال دو۔ تم اپنے بل بوتے پر کچھ کرنا چاہتی ہو تو یہ کام تم شادی کے بعد بھی کرسکتی ہو مگر اپنی گھریلو ذمے داریوں کو نبھاتے ہوئے، اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں۔" ماثر نے اسے پھر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے میں اگلے ہفتے ممی کے پاس کراچی جارہی ہوں۔" سمانہ گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

"یہ اچانک تمہارا پروگرام کیسے بن گیا؟"

"بس ایسے ہی بن گیا ہے، تمہیں تو پتا ہے میں جب کہیں جانے کا ارادہ کرلوں تو ایک لمحہ ضائع نہیں کرتی ویسے بھی نانی چاہ رہی تھیں کہ میں کچھ عرصہ ممی کے ساتھ گزاروں، ممی کی بھی خواہش تھی کہ پہلے کی طرح مجھے کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ کئی سالوں سے میں ان کے پاس نہیں گئی، وہ ہی مجھ سے ملنے میرے پاس آجاتی ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو وہ کتنی مصروف رہتی ہیں۔"

"ہاں‘ ان کی مہربانی ہے جو اپنی مصروفیت میں سے تمہارے لیے وقت نکال لیتی ہیں، سال میں دو تین دن تمہارے ساتھ گزار کر سمجھتی ہیں کہ انہوں نے تمہارے حقوق ادا کردیے۔" ماثر کے لہجے میں چھپا طنز سمانہ نے صاف محسوس کیا۔

"ماثر! تم میری ممی کی کامیابیوں سے جیلس ہورہے ہو، ان کی پرسنالٹی شاندار ہے، وہ عہدِ جدید کی ترقی یافتہ عورتوں کی نمائندہ ہیں۔"

"کیا خیال ہے کسی اچھی جگہ کی آئس کریم کھائی جائے؟" ماثر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارادہ برا نہیں۔" سمانہ نے پرس اٹھایا اور اس کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

"کیسی ہو تم؟ لگتا ہے ٹھیک طرح سے کھا پی نہیں رہی ہو۔" ثمرہ بیگم نے سمانہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچی تھی۔ ثمرہ بیگم نے مصروفیت کے باعث ڈرائیور کو اسے لینے بھیجا تھا۔ اب وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں اس کے چہرے پر تھکاوٹ دیکھ کر انہیں شک ہو رہا تھا کہ وہ ڈھنگ سے کھاتی پیتی بھی ہے کہ نہیں۔

"می میں بالکل ٹھیک ہوں!"

"تم جا کر نہا لو، فریش ہو جاؤ گی باقی باتیں ڈائننگ ٹیبل پر ہوں گی۔" ثمرہ بیگم نے اس کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔ اس نے غور سے ایک نظر اپنی حسین می کے چہرے پر ڈالی، لائٹ سے میک اپ اور بلیک رنگ کی ساڑی اور ہم رنگ سلیولیس بلاؤز میں ان کی شخصیت کا حسن قابلِ دید تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں نانی کی برسوں پرانی کہی بات آگئی۔

"غیر ذمے دار ماں اور لاپروا باپ دونوں ہی بچوں کا مستقبل مٹی میں ملا دیں گے۔"

"کیا سوچنے لگیں؟" ثمرہ بیگم کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

"کچھ نہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

چوبیس سال پہلے سمانہ کی می، پاپا ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ دونوں کی ذات پات مختلف تھی۔ نانا، نانی کی مخالفت ہونے پر بھی ثمرہ بیگم نے فواد احمد سے لو میرج کی تھی۔ فواد احمد مغربی تہذیب اور ماحول سے متاثر تھے، ان کا سارا خاندان ان ہی مغربی رنگوں میں رنگا ہوا تھا۔ خاندان سے باہر شادی کر لینے پر ثمرہ بیگم کے والدین کافی عرصہ ان سے ناراض رہے پر سمانہ کی پیدائش کی خبر ملتے ہی ان کے والدین اپنی نواسی کو دیکھنے لاہور سے کراچی پہنچ گئے۔ فواد احمد نے شادی کے چند مہینوں بعد اپنا بزنس کراچی میں شروع کر دیا تھا۔ سمانہ کے سبب ہی ثمرہ بیگم اور ان کے والدین کے درمیان پھر سے محبت اور تعلق کا رشتہ استوار ہوا۔

وہ چند ماہ کی تھی تب اس کی نانی نے اسے اپنے پاس رکھ لیا، وہ اپنے نانا کے گھر میں بڑی ہوئی۔ می، پاپا کا گھر اس کے لیے کسی رشتے دار کے گھر کی طرح رہا تھا جہاں وہ چھٹیوں میں وقت گزارا کرتی تھی۔ نانا خاصے مذہبی شخص تھے نانی ہمہ وقت بڑا سا دوپٹا اوڑھے رکھتی تھیں چھٹیوں میں جب بھی سمانہ گھر آتی اسے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کا رہن سہن ان کے طور طریقے سب کچھ مختلف اور پرائے سے لگتے جب تک وہ چھوٹی تھی می، پاپا کا تجزیہ اپنے نانا، نانی سے کرتی تھی۔ می سوشل ورک اور اپنی این جی او میں اتنی مصروف ہوتیں کہ انہیں گھر اور بچوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ان کی صبح گیارہ بجے کے بعد ہوتی تھی۔ بچوں اور پاپا کے ناشتے کی تیاری سے لے کر گھر کے تمام کاموں کی ذمے داری ملازموں کے سپرد تھی۔ دوسری طرف نانی کا گھر تھا، وہ صبح فجر کے وقت بیدار ہونے کے بعد عبادت میں مشغول رہتیں، سمانہ کو اسکول بھیجنے سے پہلے وہ خود ناشتا بنا کر اسے کھلاتیں جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی می سے دور رہنے کے باوجود اس کے دل میں ان کے لیے محبت بڑھتی گئی اسے ہر دم اپنی بنی سنوری رہنے والی می بہت اچھی لگتی تھیں۔ سمانہ ایم بی اے کے فائنل ایئر میں تھی۔ تب ہی نانی نے اپنی بہن کے پوتے ماڑ سے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ ماڑ مشرقی اقدار اور روایات کو پسند کرتا تھا اس کے خیالات کو پرکھتے ہوئے سمانہ کو یوں لگ رہا تھا کہ اس کی اور ماڑ کی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆

ثمرہ بیگم بیڈ پر لیٹی چھت کو گھورنے میں مصروف تھیں، ان کے ماتھے پر پڑنے والے گہرے بل ان کے سوچ میں ڈوبے ہونے کا پتا دے رہے تھے، فواد احمد نے فائل اٹھا کر ایک طرف رکھی پھر ان کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے اس وقت کیا سوچ رہی ہو؟"

''سمانہ کے بارے میں سوچ رہی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ وہ ماڑ سے منگنی کر کے خوش نہیں ہے اوپر سے امی شادی میں جلد بازی دکھا رہی ہیں' انہیں سمانہ کو ابھی کچھ وقت دینا چاہیے۔وہ اور ماڑ ایک دوسرے کو سمجھ لیں۔''

''سمانہ نے کیا تم سے کہا ہے کہ وہ ماڑ سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟'' فواد احمد بیوی کو بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

''بظاہر تو اس نے مجھ سے کھل کر نہیں کہا مگر مجھے اس کی باتوں سے لگا کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی پھر آپ تو جانتے ہیں کہ ماڑ کا تعلق کس طرح کے دقیانوسی ماحول سے ہے۔''

''یہ بات تو پہلے سوچنے کی تھی پھر بھی سمانہ کو اختیار ہے کہ اگر وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہے تو میں اس کا ساتھ دوں گا، مجھے تو ماڑ ویسے بھی کچھ خاص نہیں لگا۔تمہاری امی نے جلد بازی میں تمام معاملات خود ہی طے کر لیے۔'' فواد احمد کے لہجے میں ناگواری آ گئی۔

''ڈونٹ وری! اب بھی کچھ نہیں بگڑا میں اولاد کی پسند کو ترجیح دینے والوں میں سے ہوں، آپ آرام کریں' میں لائٹ آف کرتی ہوں۔'' فواد احمد فوراً ہی کروٹ بدل کر سونے لیٹ گئے مگر ثمرہ بیگم بدستور ذہنی کشمکش کا شکار تھیں، تنگ آ کر انہوں نے سائڈ ٹیبل پر پڑی شیشی سے نیند کی گولیاں نکال کر کھائیں اور سو گئیں۔

اگلے دن وہ مسز ملک کے ڈنر میں مدعو تھیں۔

''شائق! یہ ہے ہماری سمانہ۔'' ثمرہ بیگم نے مسز ملک کے بیٹے سے اس کا تعارف کرایا' شائق نے نظریں اٹھا کر ثمرہ بیگم کو دیکھا ان کی آنکھوں میں احساسِ تفاخر لہریں لے رہا تھا پھر اس نے سمانہ کو دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔سمانہ سے وہ چار پانچ سال پہلے ملا تھا۔ شائق کو وہ پہلے سے زیادہ پُرکشش لگی۔

''ہیلو سمانہ!'' شائق نے خود کو سنبھالتے ہوئے نہایت شائستگی سے کہا۔''تمہیں اتنے سال بعد دیکھ رہا ہوں تم تو کافی اٹریکٹو ہو گئی ہو۔''

''تھینکس۔'' وہ شرمیلے لہجے میں بولی تھی۔

وہ دونوں باتیں کرنے لگے تھے اور ثمرہ بیگم دوسری طرف کھڑی خواتین سے باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔

وہ بچپن سے لے کر اب تک جب بھی چھٹیاں گزارنے آتی ایک دفعہ ضرور اس کا مسز ملک کے ہاں جانا ہوتا تھا چار سال قبل شائق انگلینڈ چلا گیا تھا۔وہ شائق کے ساتھ بیتے گزرے دنوں کی یاد تازہ کر رہی تھی۔

''میں تو سمجھی تھی کہ تم نے انگلینڈ میں شادی کر لی ہوگی۔مگر تم بتا رہے ہو کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔''

''کیا کروں، مجھے فرصت ہی نہیں ملی ورنہ ضرور کر لیتا۔'' وہ بات کہہ کر ہنسا تھا۔

''یہ فرصت کا لفظ تم نے اچھا استعمال کیا۔'' جواباً سمانہ بولی۔

''اچھا، تمہیں اپنے خوابوں کا کوئی شہزادہ ملا؟'' سمانہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے سنا تھا تمہاری انگیجمنٹ ہو گئی ہے؟''

''ہاں..... مگر میرا منگیتر میرے خوابوں کا شہزادہ نہیں'' وہ کچھ سوچ کر بولی تو شائق کو فوراً ہی ایک نامعلوم کشیدگی کا احساس ہوا جو اس کے سوال کے فوراً بعد کمرے کی فضا میں پھیلی تھی۔ اس کی بات پر اس کی ماما نے بھی مڑ کر دیکھا تھا۔

''میں یہاں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے وابستہ ہو گیا ہوں، تم میرے ساتھ کام کرنا چاہو گی؟'' شائق نے سمانہ کے موڈ کو دیکھتے ہوئے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

''کس قسم کا کام؟''

''تم چاہو تو کمرشل میں ماڈلنگ کر سکتی ہو، اس میں پیسہ بھی ہے اور شہرت بھی۔''

''پیسہ میرا مسئلہ نہیں، بہر حال میں کچھ کام کر کے نام تو ضرور کمانا چاہتی ہوں۔ویسے مجھے نہیں لگتا کہ میرے گھر والے مجھے ماڈل بننے کی اجازت دیں گے۔''

''گھر والوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟ ثمرہ آنٹی اور انکل کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں انہیں کوئی

اعتراض نہیں ہوگا، ہاں تمہارے منگیتر اور باقی رشتے داروں کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مجھے تمہارا چہرہ فوٹو جینک لگا تھا اس لیے میں نے فوراً آفر کردی، مستقبل میں تم اس فیلڈ میں کافی نام کماسکتی ہو میرا تو کام ہی ایسا ہے کہ مجھے تمہارے جیسے خوب صورت چہروں کی تلاش رہتی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں جلد ہی تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کردوں گی، کیا کسی اور ملک میں جانے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں، فی الحال تو مجھے یہیں پر چند سال گزارنے ہیں، چلو باقی لوگوں سے ملتے ہیں۔'' شائق کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈنر شروع ہوگیا تھا۔ اب ممی اسے اپنے جاننے والوں سے ملانے لگی تھیں وہ بیزاری سے مل رہی تھی، اسے اس طرح کی تقریبات سے الجھن ہوتی تھی۔ رات گئے جب وہ ممی کے ساتھ گھر روانہ ہوئی تو اس نے انہیں شائق کی آفر کے متعلق بتادیا۔

''تم خود سمجھدار ہو، اپنے فیوچر کے متعلق فیصلہ کرسکتی ہو مگر میں تمہیں صرف اتنا کہوں گی کہ تم اچھی طرح سوچ لو، تمہاری نانی سخت اعتراض کریں گی، وہ تو یہی کہیں گی کہ شاید میرے کہنے پر تم ایسا کررہی ہو اور ماڑ کو بھی تمہیں بتانا ہوگا آخر کو وہ تمہارا ہونے والا شوہر ہے۔''

''ممی ابھی آپ کو کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، وقت آنے پر لوگوں کو خود پتا چل جائے گا۔'' ثمرہ بیگم سر ہلا کر رہ گئیں کچھ دیر کار میں خاموشی رہی اس سکوت کو ثمرہ بیگم نے ہی توڑا۔

''مسز ملک کہہ رہی تھیں کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ تم ان کی بہو بنتیں مگر شائق نے اس معاملے میں کبھی انہیں اپنی پسند سے آگاہ ہی نہیں کیا، اس لیے وہ خاموش رہیں خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا شائق نے اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا ہے تو میرے خیال میں تمہیں ماڑ سے فوراً اپنا تعلق ختم کردینا چاہیے۔'' وہ نہایت بے نیازی سے کہہ رہی تھیں جیسے کسی عام سے کام کے لیے کہا ہو۔

''آپ کو پتا ہے اس طرح کے فیصلے سے نانی کو دکھ ہوگا۔''

''سوئٹی! تم فکر مت کرو، انہیں تو میری شادی پر بھی اعتراض ہوا تھا۔ تم دیکھو میں اور تمہارے پاپا آئیڈیل زندگی گزار رہے ہیں۔'' ممی کی بات سن کر سمانہ کا بے چین ذہن خاصا پُرسکون ہوگیا اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی اور اے سی کی ٹھنڈک اپنے اندر اتارنے لگی۔

☆☆☆

''ہیلو سمانہ! کیسی ہو؟'' سمانہ نے موبائل کان سے لگایا دوسری طرف ماڑ نے گنگناتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، تم اپنی سناؤ کیسے دن گزر رہے ہیں؟''

''بندے کا ہر دن تمہاری یاد میں گزر رہا ہے۔ دو دن سے تم سے بات نہیں ہوئی تھی، میں نے سوچا تمہیں فون کرلوں لگتا ہے کہ تمہیں میری کوئی بات بری لگ گئی ہے، آئی ایم ریئلی ویری سوری!''

''شکر ہے تمہیں اپنے رویّے کی تلخی کا احساس جلد ہوجاتا ہے۔ بعض معاملات میں تم جب اپنی قدامت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہو تو مجھے غصہ آجاتا ہے۔''

''اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ تم کب آرہی ہو؟''

''ابھی تو فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں۔''

''واٹ؟ تو کیا اتنی ساری چھٹیاں تم وہاں گزارو گی۔ میرا خیال ہے تمہیں فوراً وہاں سے روانہ ہوجانا چاہیے ایک ہفتے میں تمہارے خیالات میں اتنی تبدیلی آگئی ہے مزید کچھ دن وہیں گزارے تو کہیں مجھ سے شادی سے انکار نہ کردو اس لیے میرا مشورہ مانو اور فوراً روانہ ہوجاؤ۔''

''تم اچھا مذاق کرلیتے ہو مگر میں تمہیں بتادوں اس دفعہ میں بقرعید یہیں پر کروں گی۔'' سمانہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے بولی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا مجھے اپنے پیرنٹس کو لے کر

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کراچی آنا ہوگا تاریخ رکھنے کے لیے کیونکہ میری ممی عید کے فوراً بعد ہی شادی کا کہہ رہی ہیں۔'' مائر کے لہجے کی شوخی مزید بڑھ گئی۔

''مائر! میں اس بارے میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ ابھی میں فیصلہ نہیں کر سکی ہوں کہ اتنی جلدی شادی کروں گی کہ نہیں۔'' سمانہ کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

''سمانہ! تمہیں جو کچھ کرنا ہے شادی کے بعد کر سکتی ہو، میں نے کہا ناں میں تمہارے خوابوں کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنوں گا، آئی پرامس یو!''

''فرض کرو میں شوبز سے وابستہ ہونا چاہوں تو تم میرا ساتھ دو گے؟'' دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ سمانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''میں نے تو محض ایک بات کہی تھی مگر تمہاری خاموشی دیکھ کر یوں لگ رہا ہے تمہیں خاصا گہرا شاک پہنچا ہے۔''

''سمانہ پلیز آئندہ ایسا مذاق مت کرنا، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور تمہیں کسی صورت کھونا نہیں چاہتا، میرے گھر والے تمہاری اس قسم کی فیلڈ سے وابستگی پر اعتراض کریں گے..... نتیجے میں ہمارا تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔''

''اوکے، مجھے ممی سے ضروری بات کرنی ہے تم سے بعد میں بات ہوگی۔''

''خدا حافظ!'' دوسری طرف سے مائر کی آواز ابھری۔ موبائل آف کر کے سمانہ نے بیڈ پر پھینکا اور اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں ٹہلنے لگی۔ ممی اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں وہ انہیں اپنے کل کے پروگرام کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی رات کے ساڑھے بارہ بجے رہے تھے۔ اس وقت اسے پاپا کے موبائل کی رنگ ٹیون سنائی دی پاپا اپنا موبائل ڈائننگ ٹیبل پر بھول گئے تھے سمانہ نے موبائل آن کر لیا۔

''ہیلو! میں زوبیہ بول رہی ہوں، میں ہوٹل میں آپ کا انتظار کرتی رہی آپ دس منٹ کا کہہ کر گئے تھے ایک گھنٹے سے اوپر ہو گیا تو میں وہاں سے نکل گئی۔ میری بات سن لیں کل آپ کو میرے ساتھ شاپنگ اور ڈنر پر چلنا ہوگا اور آپ چپ کیوں ہیں؟'' سمانہ نے جھٹ موبائل آف کر دیا اس کے بعد بھی دوبارہ بیل بجی مگر اس نے نہیں اٹھایا۔

''پاپا نے اس عمر میں بھی پہلے کی طرح خواتین سے دوستی کر رکھی ہے۔'' یہ سوچتے ہوئے غصے کی ایک لہر اس کے دماغ میں ابھری اسے نانی کی پپا کے متعلق کہی ہوئی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ''نہیں، پپا اس عمر میں ایسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہو سکتے جوان بیٹی کے باپ ہوتے ہوئے وہ ایسی حرکتیں نہیں کر سکتے۔'' سمانہ کے ذہن نے فوراً رد کر دیا یہ کہہ کر اس نے اپنے دل کو تسلی دے ڈالی کہ ہو سکتا ہے کہ رانگ نمبر کال ہو۔ صبح وہ گیارہ بجے ہی شائق کے آفس پہنچ گئی۔ پورا دن اس کا مصروف گزرا۔ اسکرین ٹیسٹ اور فوٹو سیشن میں اسے دن گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا رات نو بجے وہ فارغ ہوئی تو شائق بھی اس کے ساتھ نکلا۔

''سمانہ اگر تم پسند کرو تو ہم دونوں ہی ڈنر چلیں۔''

''ہاں، کیوں نہیں۔'' سمانہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی دن بھر کام میں مصروف رہنے کے بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی ایسی جگہ کچھ وقت گزارے کہ دن بھر کی تھکان دور ہو جائے۔ شائق کے ساتھ سمندر کے کنارے ٹہلتے ہوئے اور پھر ڈنر کرنے کے بعد وہ ایک دم فریش ہو گئی۔ شائق اسے اپنے فیوچر کے پلان کے متعلق بتا رہا تھا، وہ بڑی دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے آزادیِ نسواں کے بارے میں خیالات جان کر سمانہ کو عجیب سرشاری محسوس ہو رہی تھی وہ مائر اور شائق کے خیالات کا موازنہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

دل میں پھیلی اداسی کے سبب مائر وقت سے پہلے شام کو آفس سے گھر آ گیا گھر میں پھیلی خاموشی نے اس کی اداسی کو کچھ اور گہرا کر دیا۔ چھوٹا بھائی دائم اپنی پڑھائی میں مصروف تھا، ممی اور آپی شاپنگ کرنے گئی تھیں۔ موسم گرما زوال پر تھا مگر شام کا وقت ہونے کے

باوجود حبس تھا مائر لان میں بیٹھ گیا اس دوران ادھیڑ عمر ملازمہ چائے کی ٹرالی لے کر آ گئی۔

"صاحب! چائے پی لیں۔" مائر اسے خالی، خالی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دماغ غیر حاضر تھا آج اس کو اپنے دوست کی زبانی اطلاع ملی تھی کہ سمانہ ماڈلنگ کر رہی ہے اس نے وہ میگزین بھی دکھایا تھا جس میں سمانہ کی تصویریں چھپی تھیں، اپنے دوست شہریار کی زبانی ہی اسے پتا چلا تھا کہ اس کا کمرشل بھی چل رہا ہے۔ سمانہ نے اس بارے میں اسے بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یہ سوچ کر اسے گہرا دکھ پہنچا تھا اسی وجہ سے وہ جلدی گھر آ گیا تھا مگر دماغ بدستور الجھا ہوا تھا۔ اس نے چائے کا کپ ہاتھ میں لیا اور چھوٹے، چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔ چائے پینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ اسے سمانہ سے اس معاملے پر بات کرنا تھی اس نے لیٹے لیٹے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل کی ہی فلائٹ سے کراچی روانہ ہو جائے گا۔

☆☆☆

"یوں اچانک تمہارا کراچی کیسے آنا ہوا؟" ثمرہ بیگم، مائر سے گفتگو میں مصروف تھیں۔

"بس اچانک پروگرام بن گیا، لگتا ہے آپ کو میرا یوں آنا اچھا نہیں لگا؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں، میں نے سمانہ کو فون کر دیا ہے وہ آتی ہی ہوگی۔ اصل میں وہ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے وابستہ ہو گئی ہے۔"

"آپ صاف کیوں نہیں کہتیں کہ وہ ماڈلنگ کر رہی ہے۔" مائر کا لہجہ درشت تھا۔

ہاں تو کیا ہوا، دنیا بہت بدل گئی ہے تم اپنے دقیانوسی خیالات چھوڑ دو ورنہ مشکل ہے تمہارا سمانہ سے نبھا ہو سکے۔" انہیں مائر کے بات کرنے کا انداز ناگوار لگا تھا۔

"سمانہ کو ماڈلنگ کرنا تھی تو میری اجازت سے کرتی اس طرح چوری چھپے کرنے کی کیا ضرورت تھی،

دلنشیں زیور

حجاب وہ زیور ہے جو عورت کو پُروقار بناتا ہے۔ اس کی خوب صورتی و دل کشی اور عزت و تمکنت بڑھاتا ہے۔ اور کیوں نہ بڑھائے جسے دینِ اسلام نے عورت کے لیے لازم قرار دیا ہو، جسے اپنانے کا حکم ہوا ہو تو اسے اپنا کر عورت کی شان، مان اور انفرادیت میں اضافہ ہونا تو واجب ٹھہرا۔ قرآن کریم میں واضح حکم موجود ہے۔ "اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔" تو فرمانِ ربی کی پیروی کرنے والی خواتین، دوسروں سے ممیز نہ ہوں؟ ان کی شخصیت اور رعب باقیوں سے جدا نہ ہوں، وہ الگ سے پہچانی نہ جائیں؟ قابلِ فخر اور قابلِ قدر نہ ہوں یہ ممکن ہی نہیں۔ سو ہر باحجاب خاتون کو اپنے اس عمل پر فخر ہونا چاہیے۔ حیا، شرم، نگاہ میں بھی ہو اور عمل سے بھی ظاہر ہو تو بھلا ممکن ہے کہ کسی کو پہلی نگاہ ڈالنے کی جرأت ہو جائے؟ حجاب بظاہر ڈیڑھ دو گز کا ایک کپڑا سہی مگر ایک عورت کے لیے کس قدر بڑا احساسِ تحفظ ہے۔ اس کا اندازہ کوئی باحجاب عورت ہی لگا سکتی ہے۔ وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ دنیا میں بہت سی کتابیں ہیں لیکن غلاف صرف قرآن کریم ہی پہ چڑھایا جاتا ہے۔ بہت سی عمارات ہیں ڈھانپا صرف خانہ کعبہ کو ہی جاتا ہے۔ متعدد مذاہب کی ماننے والی خواتین موجود ہیں لیکن پردے کا حکم صرف مسلمان خواتین ہی کے لیے ہے تو اپنے اس امتیاز اور انفرادیت پر ہمیشہ فخر کریں، اسے بوجھ نہیں اعزاز سمجھیں۔

مرسلہ: دُرِ نایاب، کراچی

کیا مجھے پتا نہیں لگتا۔''

''سمانہ ابھی صرف تمہاری منگیتر ہے بیوی نہیں جو تم ابھی سے اس پر پابندیاں لگا رہے ہو، میری بیٹی کے بھی کچھ خواب ہیں جو وہ شادی سے پہلے پورے کرنا چاہتی ہے اس سلسلے میں اسے صرف میری اجازت درکار ہے نہ کہ تمہاری۔''

''ہائے مائر! تم یوں اچانک چلے آئے۔'' ثمرہ بیگم مزید کچھ کہتیں کہ سمانہ آ گئی۔

''تم سے ضروری بات کرنا تھی اس لیے آنا پڑا۔'' مائر اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا بلیو جینز پر فٹڈ ٹاپ پہنے اس کی آنکھوں میں ایسی اجنبیت تھی کہ وہ کہیں سے پہلے والی سمانہ نہیں لگ رہی تھی۔

''سوئٹ ہارٹ! تم مائر کو کمپنی دو۔ مجھے ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔'' ثمرہ بیگم ایک ادا سے کہتی ہوئی چلی گئیں۔ ڈرائنگ روم میں مائر اور سمانہ تھے۔ سمانہ اپنا پرس سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر دھم سے بیٹھ گئی۔ اور سر صوفے کی پشت سے لگا کر گویا اپنی تھکاوٹ دور کرنے لگی۔ اس دوران مائر بولنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ گہرے سکوت کے بعد وہ سمانہ پر ایک دم برس پڑا۔

''تمہیں ماڈلنگ چھوڑنا ہوگی۔ بس میں جلد سے جلد تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تمہاری مصروفیات مزید بڑھ گئیں تو تم تو مجھے گھاس نہیں ڈالوگی۔'' سمانہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں میں شدید ناپسندیدگی ابھر آئی۔

''فی الحال میں شادی کا جھنجٹ افورڈ نہیں کرسکتی، مجھے بہت آگے جانا ہے اور میری کامیاب زندگی کی مصروفیات اس چیز کی اجازت نہیں دیتیں کہ میں اپنے کیریئر کو شادی کر کے ختم کردوں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''بند کرو اپنی یہ بکواس! تم کیا ہو اور تمہاری کامیاب زندگی کی مصروفیات کیا ہیں، یہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں ابھی تو تم اس گلیمر کی رنگینیوں میں کھوئی ہوئی ہو، بہت جلد تمہیں اس کے ناپائیدار ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''تم جلتے ہو میری کامیابیوں سے!'' مارے غصے کے سمانہ کا چہرہ عجیب سا ہو گیا۔ ''میری ترقی سے جل رہے ہو تم، یہ سب تم سے برداشت نہیں ہو پا رہا۔ تم جانتے ہو میں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں کہ تم سے شادی کر کے محض تمہاری غلامی کروں اور اپنا کیریئر تباہ کردوں۔'' مائر کو اس کی بات پر شدید غصہ آ گیا۔

''میں تم سے جلوں گا؟ واہ بڑی خوش فہمی ہے تمہیں، تم یہ مت سمجھنا میرے لیے لڑکیوں کی کمی ہے جو تمہارے لیے مر رہا ہوں۔''

''یہ مائر، تم نہیں کہہ رہے بلکہ تمہارے اندر کا احساسِ کمتری بول رہا ہے، میں کامیاب اور مشہور ہو گئی ہوں تم سے یہ برداشت نہیں ہو رہا۔''

''سمانہ! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا، یہ بتاؤ تمہیں مجھ سے جڑا رشتہ آگے نبھانا ہے یا نہیں؟'' مائر نے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔

''فی الحال تو مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور تین سال تک میرا شادی کا کوئی ارادہ بھی نہیں، تم اس معاملے میں جلد بازی چاہتے ہو تو میری طرف سے انکار سمجھو۔''

''ٹھیک ہے تم ابھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو تمہاری مرضی۔ مجھ سے زیادہ تمہاری نانی کی خواہش تھی کہ اس معاملے کو جلد از جلد نمٹایا جائے مگر یہاں تو تمہارے ارادے ہی بدل گئے ہیں، سو ہمارے بیچ اب کچھ نہیں بچا۔''

مائر ایک دم جانے لگا۔ سمانہ کو امید تھی کہ شاید وہ رک جائے مگر اس نے جانے میں ایک لمحہ نہیں لگایا مائر کے جاتے ہی اس کا ذہن الجھن کا شکار ہو گیا یہ سوچ کر کہ اس نے صحیح فیصلہ کیا ہے یا نہیں۔ سمانہ سونے سے پہلے فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ مائر سے بات کر کے اسے منا لے گی۔ اگلی صبح جب وہ اٹھی تو ذہن ہلکا ہو چکا تھا نہا کر فریش ہوتے ہی اس نے ناشتا کیا پھر خاصی دیر

تک ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنا میک اپ درست کرتی رہی۔ کار میں بیٹھ کر وہ اس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی جہاں ماژ کا قیام تھا ماژ اسے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں مل گیا۔ رات سمانہ نے اسے فون کیا تھا تو ماژ کے دل میں ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگنا چاہتی ہے۔

"کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟" ماژ نے پلیٹ ایک طرف رکھی اور اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

"ماژ تم فضول میں ایک معمولی بات کو ایشو بنا رہے ہو، میں انگیجمنٹ ختم نہیں کرنا چاہتی بہتر ہے کہ تم میرے خیالات کے ساتھ کمپرومائز کرلو۔ ابھی تمہیں میری شخصیت کے سحر کا اندازہ نہیں مگر فیوچر میں جب تم میرے حوالے سے پہچانے جاؤ گے تو خود پر فخر محسوس کرو گے۔" سمانہ پُرغرور لہجے میں بولی۔

"مگر مجھے ایسا فخر نہیں چاہیے سمانہ، تم بات کو سمجھو میں عورت کے کام کرنے کو بہترین سمجھتا ہوں مگر تم اپنے شوق کی تسکین کے لیے حد سے زیادہ آگے بڑھ رہی ہو۔ تمہاری خودسری تمہیں لے ڈوبے گی۔" سمانہ کی بھویں تن گئیں۔

"میں یہاں تمہیں منانے آئی یہی میری غلطی تھی تم اکیسویں صدی کے مرد ہو ہی نہیں، تم اپنی فرسودہ سوچ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، سچ کہتی ہیں تم خاک ہو میرے آگے، تم نے مجھ کو کیا سمجھ رکھا ہے تم سے ہزار گنا بہتر دسیوں مرد میرے ادنیٰ اشارے کے منتظر ہیں، یقین نہیں تو چلو میرے ساتھ لائن لگی رہتی ہے میرے اردگرد۔"

"شٹ اپ! بہت ہوگیا تم یہاں سے جاسکتی ہو۔ تم ایک خود پسند لڑکی ہو۔ مجھ سے اس طرح کی باتیں کرکے تم یہی ثابت کرنا چاہتی ہو کہ کئی مرد تمہارے قدردان ہیں، تمہارے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں تو یہ تمہاری احمقانہ سوچ کا اثر ہے، بیوقوف ہو تم!"

"اوکے، میں جارہی ہوں اس وقت تم سے کوئی بات کرنا بیکار ہے۔" سمانہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے ہوٹل سے نکلی اور اپنی کار میں ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی طرف روانہ ہوگئی۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ شائق کے کمرے میں پہنچی۔

"کیا بات ہے آج تمہارا چہرہ فریش نہیں لگ رہا، لگتا ہے رات میں ٹھیک طرح سے سوئی نہیں ہو۔"

"ہاں یہی بات ہے، ماژ آیا ہے سخت خفا ہو رہا تھا، وہ جلد ہی شادی کرنا چاہتا ہے ابھی تو میرے کیریئر کی ابتدا ہے میں کیسے شادی کرلوں۔ ویسے بھی وہ چاہتا ہے کہ میں اس فیلڈ کے بجائے کوئی اور کام کروں، مجھے اس کے بیک ورڈ خیالات سے الجھن ہو رہی ہے۔"

"ٹینشن کیوں لے رہی ہو تمہارا خوب صورت چہرہ مرجھا کر رہ جائے گا، ماژ بہت ناقدر شناس شخص ہے جو تمہارے......"

"سوری شائق!" سمانہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ خالصتاً میرا اور ماژ کا مسئلہ ہے مجھے تم سے ڈسکس نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم مجھ سے اپنی ہر پرابلم شیئر کرسکتی ہو، میں تمہارا دوست ہوں میں نے فیوچر کے متعلق بہت سے خواب دیکھ رکھے ہیں میرے خواب تمہارے بغیر ادھورے ہیں، سمانہ تم میرے لیے کتنی اہم ہوگئی ہو... یہ میں وقت آنے پر بتاؤں گا جاؤ تم تیار ہو جاؤ کام شروع کرتے ہیں۔" سمانہ کام میں ایسا مصروف ہوئی کہ ماژ کا خیال وقتی طور پر اس کے ذہن سے نکل گیا ویسے بھی وہ ماژ کو اپنی زندگی سے نکالنے کے لیے ذہن کو آمادہ کررہی تھی۔ رات کو وہ اپنے کام سے فارغ ہوئی تو شائق اس کا منتظر تھا۔

"چلو سمانہ میں تمہیں ڈراپ کردوں۔" شائق نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں، میں خود ڈرائیو کرکے آئی ہوں۔"

"چلو پھر ساتھ ہی نکلتے ہیں۔ ڈنر کرکے تم اپنے گھر چلی جانا۔ اصل میں دن بھرا اتنا مصروف

رہتا ہوں کہ اکثر لنچ نہیں کرتا مگر اب شدید بھوک لگ رہی ہے۔"

"ہاں، کیوں نہیں"، سمانہ خواہش کے باوجود انکار نہ کر سکی اور دونوں اپنی، اپنی گاڑیوں میں اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کا ذہن شائق کے بارے میں سوچ رہا تھا، سمانہ کو وہ خاصا معقول لگتا تھا مگر آفس میں وقت گزارنے پر اسے شائق کے ساتھ کام کرنے والوں کی زبانی معلوم ہوا تھا لڑکیوں کے حوالے سے اس کی شہرت اچھی نہیں تھی تاہم سمانہ کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کے ساتھ شائق کا رویہ انتہائی مہذب تھا۔ ریسٹورنٹ میں قدم رکھتے ہی سمانہ کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اندر کا ماحول بہت پُرسکون اور خواب ناک سا تھا۔

"کیسا گزرا آج کا دن، اپنے کام کو انجوائے کیا تم نے؟" کھانے کے دوران شائق نے پوچھا۔

"ہاں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں یہ کام مزید جاری نہیں رکھ سکوں گی۔"

"ارے کیوں، ایسا بالکل نہیں ہوگا، تم مزید کمرشل کرو گی تمہارا چہرہ اور انداز ایسا ہے کہ تم اس فیلڈ میں آگے تک جاؤ گی۔" شائق کے لہجے کی سختی کو دیکھتے ہوئے سمانہ نے اس سے الجھنا نہیں چاہا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے ڈائننگ ہال میں بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگی اچانک اس کی نظریں ہال کے کونے میں بیٹھے ہوئے شخص پر پڑیں، ایک لمحے کو اسے یقین نہیں آیا کہ اس کے پاپا ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ اس خواب ناک ماحول میں باتوں میں مصروف ہیں، شائق نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ فواد احمد نے بھی ان کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا مگر وہ انجان بن گئے تھے۔

"کیا سوچنے لگیں؟ سب کو اپنی زندگی کو انجوائے کرنے کا حق ہے، تم آرام سے کھانا کھاؤ!" شائق کے کہنے پر اس نے منہ دوسری طرف کر لیا مگر کھانا اسے اب بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کھانا کھاتے ہی وہ لوگ جانے کے لیے اٹھ گئے۔ گھر پہنچ کر وہ کافی دیر باہر لان ہی میں ٹہلتی رہی تھی، ممی بھی اسے اپنے کمرے سے دیکھ کر باہر ہی آ گئیں۔

"کیسا گزرا بیٹی آج کا دن؟ تمہیں دیکھ کر تو یوں لگ رہا ہے کہ کچھ اپ سیٹ ہو۔"

"اچھا گزرا...... پر مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ اور اس نے ممی کو آج ہوٹل میں پیش آنے والا واقعہ اور چند روز پہلے آنے والی کال کے متعلق بھی بتا دیا۔

"ممی، پاپا کی اس عمر میں ایسی حرکتیں میری سمجھ سے باہر ہیں، آپ اسے میری دقیانوسی ذہنیت سمجھیں یا کچھ اور مگر میرا ذہن یہ سب قبول نہیں کر رہا۔"

"سمانہ! ریلیکس ہو جاؤ۔" ممی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تو سمجھی تھی تم اپنے کسی مسئلے کے لیے پریشان ہو مگر یہ تو تمہارے پاپا کے بارے میں ہے، چلو اچھا مذاق ہے۔"

"تو آپ یہ سب کچھ پہلے سے جانتی ہیں؟"

"میں نے ان باتوں کے بارے میں کبھی جاننا ضروری نہیں سمجھا، یہ دیکھو کہ وہ تمہارے پاپا ہیں اور ایک باحیثیت آدمی ہیں۔" سمانہ کچھ نہیں بولی وہ تو ممی کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں اپنے پاپا اور میرے پرسنل معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے' میں نے چوبیس برس تمہارے پاپا کی ان عادتوں کو جانتے بوجھتے ہوئے پُرسکون انداز میں گزارے ہیں، میں اس سکون اور خوشی کو برباد کرنے والی کسی بات میں بھی دخل اندازی نہیں کرتی۔ مجھے اپنے شوہر پر اعتماد ہے۔ وہ بھلے سے کتنے بھی افیئر چلاتے رہیں بحیثیت بیوی میری پوزیشن مضبوط ہے۔ بیٹی زندگی سیدھی اور سپاٹ نہیں ہوتی۔ یہ بہت پیچیدہ ہوتی ہے اگر میں بھی تمہاری طرح جذباتی ہوتی تو اس گھر کا سکون اور وقار کب کا مٹی میں مل چکا ہوتا۔ میں پریشان نہیں ہوتی، میں نے جوانی میں والدین کے فیصلے کے خلاف اپنی پسند سے فواد احمد سے

شادی کی۔ فواد احمد نے مجھے ہر بات کی آزادی دی مگر ان کی ایک ہی شرط تھی کہ نہ وہ میرے معاملات میں مداخلت کریں گے اور نہ میں اس قسم کی کوئی حرکت کروں گی۔ بیوی ہونے کے ناتے میں انہیں اس قسم کی حرکت سے روکنے کی کوشش کرتی تو مجھ سے یہ اختیار چھن بھی سکتا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ کسی صورت میری شادی ناکام کہلائے۔ میرے سرکل کی زیادہ تر خواتین ایسی ہی ہیں جن کی شادیاں ناکام ہو چکی ہیں۔ اور جن کی کامیاب بھی ہیں تو وہ اپنی ہر کیفیت میں تنہا اور تہی دست ہیں۔ اس موضوع پر مزید بات کرنے کی میں ضرورت نہیں سمجھتی اور نہ ہی میں تمہیں اجازت دوں گی کہ تم اخبار والوں کی طرح اس قسم کی سنسنی خیز خبروں کو تلاش کرو۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے جا چکی تھیں اور سمانہ بھی ہارے ہوئے انسان کی طرح چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

ممی یہ سب برسوں سے جانتے ہوئے بھی اسے پاپا کی پرائیویسی خیال کرتی ہیں، پاپا کے ساتھ ان کی زندگی صرف ایک سمجھوتا ہے۔'' بستر پر لیٹنے کے بعد وہ اپنے اور ماریہ کے بارے میں سوچنے لگی ماریہ کو نظر انداز کر کے اور شائق کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر وہ غلطی تو نہیں کر رہی ہے۔

☆☆☆

''تمہاری تصویروں نے دھوم مچا دی ہے۔ کیا فوٹو جینک چہرہ ہے تمہارا۔'' شائق اس کی تعریفوں کے پل باندھنے میں مصروف تھا۔

''یہ تم نے کار کو کہاں موڑ دیا، میں تو گھر جانا چاہ رہی تھی۔'' سمانہ خاموش بیٹھی اپنی سوچوں میں گم تھی کہ دوسرے راستے پر اسے جاتا دیکھ کر اچانک بولی۔

''ہرگز نہیں، تم میرے گھر جا رہی ہو۔ وہاں کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ لگائیں گے پھر میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔'' سمانہ کا جی چاہا کہ بہانہ کر کے منع کر دے مگر کچھ کہہ نہیں پائی آج ڈرائیور اسے آفس ڈراپ کر کے چلا گیا تھا۔ شائق اسے اپنے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ سمانہ نے اپنا ہینڈ بیگ سینٹر ٹیبل پر رکھا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آنٹی گھر پر نہیں ہیں کیا؟''

''نہیں، میں تمہارے لیے کولڈ ڈرنک لاتا ہوں۔'' شائق کمرے سے نکل کر چلا گیا۔ کولڈ ڈرنک لا کر اس نے ٹیبل پر رکھی۔ سمانہ صوفے سے ٹیک لگائے اپنی تھکن اتارنے میں مصروف تھی۔ شائق نے گلاس اٹھا کر گھونٹ بھرنے شروع کیے اس کے ذہن میں ان لڑکیوں کی گنتی شروع ہو چکی تھی جنہیں وہ اپنا شکار بنا چکا تھا۔

''تمہارے ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن بڑی زبردست ہے۔'' سمانہ گلاس اٹھاتے ہوئے بولی۔

''ہاں، یہ سب ممی کا ذوق ہے۔ سمانہ مجھے لگتا ہے کہ تم اپنے منگیتر سے خوش نہیں ہو تب ہی اس کے ذکر سے کتراتی ہو۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟'' شائق نے اسے گھیرنے کی کوشش کی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں، ویسے اگر میں کہوں کہ میں اس سے ناخوش ہوں تو؟''

''میرا مشورہ تو یہی ہے کہ اس سے منگنی فوراً ختم کر دو۔''

''تو کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟'' سمانہ کو امید تھی کہ شائق اسے پرپوز کرنے والا ہے۔

''واٹ، میں بھلا تم سے کیوں شادی کرنے لگا، میں جس پروفیشن سے وابستہ ہوں وہاں شادی...... وہ بھی تم جیسی لڑکی سے...... ویسے بھی تم منگنی شدہ ہو...... کچھ اچھا وقت تو تم نے بھی گزارا ہوگا۔ شادی کا رسک لینے کی کیا ضرورت ہے آؤ بیڈ روم میں چلتے ہیں۔'' شائق خباثت پر اتر آیا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو تم، ہوش میں تو ہو؟'' سمانہ جوشِ غضب سے کھڑی ہو گئی۔

''ہاہاہا......'' شائق بے ڈھنگے انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔ سمانہ نے پوری قوت سے اس کے گال پر تھپڑ جڑ دیا، وہ ایک دم سناٹے

میں آ گیا اس کا دایاں ہاتھ گال پر تھا اور آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت...... سمانہ نے اپنا ہینڈ بیگ تیزی سے اٹھایا اور باہر نکل گئی بہ مشکل ٹیکسی لے کر گھر آ کر اس نے خود کو کمرے میں بند کرلیا اور بستر پر لیٹی آنسو بہاتی رہی۔ شائق کو وہ کیا سمجھتی تھی اس کے خیالات جان کر اسے شدید ذہنی اذیت پہنچی تھی کہ وہ کسی غلط ارادے سے اسے اپنے گھر لے گیا تھا۔ رو کر اس کے دل کا غبار چھٹ چکا تو واش روم جاکر اس نے پانی کے چھینٹے مارے اور چہرے کو تولیے سے رگڑتے ہوئے باہر نکل آئی۔ کچھ دیر وہ یونہی بیٹھی رہی پھر اپنے بیگ سے سیل فون نکال کر اس نے مارّ کا نمبر ملایا کافی دیر بیل جانے کے بعد اس نے فون اٹھالیا۔

''ہیلو! مارّ کیسے ہو تم؟ کافی دنوں سے تم نے فون نہیں کیا۔''

''میں تو ٹھیک ہوں، تمہیں آج فرصت مل گئی جو مجھے فون کرلیا۔'' مارّ کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ سمانہ نے اس کے طنز کو نظر انداز کر دیا۔

''یہ بتاؤ تم میری عیدی لے کر کب آرہے ہو؟''

''کیا مطلب بقرعیدی بھی لوگی؟ اب یہ ممکن نہیں، میں نے تم سے منگنی ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' اس کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

''یہ کون سا مذاق ہے، مجھے تمہارا یہ مذاق بالکل پسند نہیں آیا۔''

''میں کوئی مذاق نہیں کر رہا حقیقت بیان کر رہا ہوں، مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا پھر تم سے تعلق جوڑنے کا فائدہ۔ تم نے میرا غرور، میرا اعتماد اور مان توڑ دیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر تم نے ماڈلنگ شروع کردی، تم کیا سمجھ رہی تھیں کہ تم کچھ بھی کرتی رہوگی اور مجھے پتا نہیں چلے گا۔ جب تم یہ فیصلہ اکیلے کرسکتی ہو تو آگے زندگی میں بہت سے فیصلے ایسے ہوں گے جن کے لیے تم میری ضرورت محسوس ہی نہیں کروگی اور میری طبیعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میری ہونے والی بیوی کے دل میں جو آئے وہ کرتی پھرے اس لیے بہتر یہی ہے کہ مستقبل میں آنے والی مشکلات اور مسائل سے بچنے کے لیے یہ رشتہ ہمیں ختم کر دینا چاہیے۔'' مارّ کی بھاری بھرکم آواز سمانہ کی سماعت میں گھستی چلی گئی چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر مارّ نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''سمانہ! تم نے مجھے بیوقوف سمجھا ہوا ہے، میں تمہیں اپنے وجود کی پوری گہرائی اور سچائی کے ساتھ اپنانا چاہتا تھا مگر لگتا ہے میرا وجود تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔''

''مارّ! پلیز میری بات تو سنو، میں نے جان لیا کہ میں غلط تھی اور تم بالکل ٹھیک۔'' سمانہ کی آواز بے قابو ہونے لگی۔ ''مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کردو، آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا تم مجھ سے جڑنے والا رشتہ ختم مت کرو بس ایک موقع دے دو... صرف ایک موقع میں تمہاری ہر شکایت دور کردوں گی سن رہے ہو ناں ہیلو...... مارّ'' وہ رو دی۔

''لگتا ہے تم اپنی نئی مصروفیات کے باعث فرسٹریٹڈ ہوگئی ہو۔ ابھی تم سو جاؤ صبح جب اٹھوگی تو تمہارے خیالات بدل جائیں گے، میں عید کے بعد انگلینڈ جارہا ہوں۔ میں نے امی کو بتا دیا ہے کہ میں یہ منگنی ختم کررہا ہوں، میری ممی میں تمہاری نانی کو فیس کرنے کی ہمت نہیں اس لیے بہتر ہے کہ تم موقع دیکھ کر انہیں بتا دینا، رہی تمہاری ممی، پاپا کی بات تو انہیں اس رشتے کی کون سی خوشی تھی جو ٹوٹنے کا غم ہوگا۔''

''خدا کے واسطے مارّ، میری بات تو سنو۔'' سمانہ گڑگڑائی۔ ''میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ فرسٹریشن نہیں ہے، میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں تم مجھے معاف کردو، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے بس میں پرسوں لاہور آرہی ہوں، تم مجھے ایک موقع دو۔''

''اوکے خدا حافظ!'' مارّ نے فون رکھ دیا تھا۔ سمانہ نے موبائل سائڈ بورڈ پر رکھا اور اپنی الماری میں سے کپڑے نکالنے لگی تیار ہو کر وہ سپر مارکیٹ کی طرف نکل گئی وہاں سے اس نے مارّ کی پسند کی کئی چیزیں لیں

گھر پہنچی تو ممی اس کی منتظر تھیں۔

''تم اچانک کہاں چلی گئی تھیں میں نے سیمینار سے آتے ہی ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تم بتا کر نہیں گئی ہو، موبائل تم گھر پر چھوڑ گئی تھیں لگتا ہے خاصی عجلت میں نکلی تھیں۔''

''جی ممی! مجھے مائر کے لیے کچھ شاپنگ کرنی تھی، میں نے لاہور جانے کا ارادہ کرلیا ہے پرسوں میں یہاں سے جارہی ہوں۔''

''خیریت، اتنی جلدی تم نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ کل تو تمہاری اپنی نانی سے بات ہوئی تھی تب تو تم نے ان سے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا اچانک ایسا کیا ہوگیا شائق کو بتایا تم نے؟'' ممی کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''نہیں، میں نے اسے بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ میں نے اس سے مزید کمرشل کا معاہدہ نہیں کیا ہے۔ جو میں اس کی پابند ہوں۔ یہاں رہ کر میں یہ حقیقت جان گئی ہوں کہ آپ اور پاپا ایک مصنوعی زندگی گزار رہے ہیں، میں اس طرح کی زندگی کا حصہ نہیں بننا چاہتی۔ بس میں مائر سے جلد ہی شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''مائر کب سے تمہارے لیے اہم ہوگیا۔ جب تم یہاں پر آئی تھیں تو اس کے بارے میں تذبذب کا شکار تھیں، مجھے تو تمہاری ذہنی حالت پر شک ہورہا ہے تم اتنی جلدی اپنے فیصلے تبدیل کرتی ہو۔ یہ فیصلہ بھی تمہارا جذباتی ہوگا۔ مجھے تو تمہارا پہلا فیصلہ ٹھیک لگا تھا شادی کی اتنی جلدی کیا ہے۔ اگر یہ جلد بازی مائر کی طرف سے ہے تو منگنی فوراً ختم کردو۔''

''ممی بہتر ہوگا کہ آپ اس طرح کی بات نہ کریں میں آپ کی طرح کی کمزور اور پیچیدہ زندگی نہیں گزارنا چاہتی......'' سمانہ نے یہ کہتے ہوئے شاپر اٹھائے اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''میں نے اسے امی کے حوالے کرکے بہت بڑی غلطی کی، نوجوان ہوتے ہوئے اس کے خیالات

ستر سال کی عمر والی عورتوں کے سے ہیں، اچھا خاصا شائق کے ساتھ سیٹ ہوگئی تھی اچانک سے اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کرلیا۔'' ثمرہ بیگم، سمانہ کے جانے کے بعد سوچ رہی تھیں۔

دو روز بعد سمانہ لاہور روانہ ہوگئی تھی۔ رات جب فواد احمد اپنی میٹنگز اور ڈنر کے بعد گھر لوٹے تو ثمرہ بیگم نے سمانہ کے واپس لاہور جانے کا بتایا اور یہ بھی کہ اچانک پتا نہیں اسے کیا ہوگیا کہ شائق کو چھوڑ کر مارّ سے جلد از جلد شادی کرنے پر تیار ہے۔ وہ بہت پریشان تھیں۔

''اس لڑکی کے مزاج کا کچھ پتا نہیں چل رہا، وہ جلد ہی مارّ سے شادی کرے گی اور پھر کہیں پچھتائے نہیں۔'' ثمرہ بیگم کافی الجھن کا شکار تھیں۔

''مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہوگا' سمانہ بڑی ہوگئی ہے، ہم اسے اپنے کسی فیصلے پر قائل نہیں کرسکتے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چاہے۔'' فواد احمد انہیں تسلی دیتے ہوئے بولے۔

''مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ زیادہ بڑا سمجھنے لگی ہے، میں نے جانے سے پہلے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو مجھے اس کی باتوں سے یوں لگا کہ ہم دونوں نے والدین ہونے کا کوئی حق ہی ادا نہیں کیا۔ میں سوچ رہی ہوں فرہاد اور شیری کو بھی بورڈنگ ہاؤس بھیج کر ہم نے غلطی تو نہیں کی کہیں کل کو وہ بھی مجھے سمانہ کی طرح باتیں سنانے بیٹھ جائیں کہ ہم نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ والدین کے ہوتے ہوئے بھی ان کا دل ویران رہا۔ وہ اپنی چھوٹی، چھوٹی پرابلمز کو ہم سے شیئر نہ کرسکے۔''

''تم خواہ مخواہ اس بیوقوف لڑکی کی باتوں کو لے کر ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہی ہو۔''

''سمانہ نے آپ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ اس عمر میں.....'' وہ جملہ مکمل نہ کرسکیں۔

''بس کرو اگر میں اپنی کسی کولیگ کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتا ہوں تو کیا برائی ہے ویسے بھی انسان کا دل ہر عمر میں جوان رہتا ہے۔ بہتر ہے تم اس موضوع کو یہیں ختم کردو۔'' جواد احمد کے لہجے میں ڈھٹائی اور سختی در آئی تھی ثمرہ بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے اپنی نظریں چرالیں کہیں جواد احمد کو اُن کی آنکھوں میں چھپا گہرا دکھ نظر نہ آجائے۔

☆☆☆

''خیر تو ہے جب سے تم آئی ہو الجھی ہوئی سی ہو کیا پریشان ہو؟'' مہربانو نے نواسی کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں نانی ایسا تو کچھ نہیں۔'' وہ اپنی دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

''مارّ تم سے ملنے نہیں آیا۔ ایسا کرتے ہیں اتوار کو اس کی فیملی کو کھانے پر بلا لیتے ہیں۔ تمہارے نانا کا بھی مارّ سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔''

''میں کل مارّ کے آفس جاؤں گی اس سے میری بات ہو جائے تو آپ آنٹی کو فون کرکے انوائٹ کرلیجیے گا۔'' سمانہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

دوسرے روز وہ مارّ کے آفس میں بیٹھی تھی۔ مارّ ابھی تک نہیں آیا تھا وہ اس کے روم میں بیٹھی میگزین پڑھنے میں مصروف تھی کہ اچانک دروازہ کھلا۔ کائنات کا تمام حسن گویا کمرے میں سمٹ آیا تھا۔ وہ سمانہ کی ہم عمر لڑکی تھی۔ سمانہ نے بہت چاہا کہ اسے نہ دیکھے، نظر انداز کردے مگر وہ اس پر سے نظریں ہٹانے میں ناکام رہی وہ تھی ہی مجسم حسن، اس کے غیر معمولی حسین چہرے پر جوانی، شادابی اور امارت کی چھاپ تھی۔

''مارّ صاحب کہاں ہیں؟'' آنے والی لڑکی نے کمرے کی صفائی کرنے والے غفور بابا سے پوچھا۔

''صاحب! تھوڑی دیر میں آتے ہی ہوں گے!''

''اوکے یہ کارڈ ان کو دے دینا اور بتا دینا کہ ثمرہ آئی تھی۔'' یہ کہتے ہوئے لڑکی ایڑیوں کے بل گھومی اور واپس چلی گئی۔

''ایسی کتنی لڑکیاں ہیں جو مارّ کی دوست ہیں؟'' اس کے جاتے ہی سمانہ، غفور بابا سے مخاطب ہوئی۔

"آپ تو بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں، ایسی کتنی لڑکیاں ہیں جو صاحب کی زندگی میں آئی اور چلی گئیں صاحب وہ مرد ہیں جو کبھی لڑکیوں کے معاملے میں حد سے آگے نہیں بڑھے، وہ چاہتے تو ایسی کئی لڑکیوں کو دوستی کے بہانے بیوقوف بنا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا ان کی تربیت ایسی نہیں۔"

"آپ تو ان کی بات پر پردہ ہی رکھیں گے۔" سمانہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"میرے پردہ رکھنے سے کیا ہوتا ہے، آپ آفس میں اور کسی سے پوچھ لیجیے اگر صاحب کی شہرت بری ہوتی تو یہ بات چھپی نہیں رہتی۔" اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور مائر اندر داخل ہوا اس نے ایک اچٹتی سی نظر سمانہ پر ڈالی اور اپنی ریوالونگ چیئر پر جا بیٹھا۔ غفور بابا سلام کرتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ مائر اسے نظر انداز کرتے ہوئے فائل اٹھا کر دیکھنے لگا سمانہ نے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

"مائر میں واپس آ گئی ہوں، میں غلط تھی اور تم بالکل ٹھیک، یہ ثابت ہو گیا۔ جن لوگوں کی زندگی سے میں متاثر تھی مجھے پتا چل گیا ان کی زندگی حقیقی خوشیوں سے عاری ہے۔ مجھے معاف کر دو میں یہاں اپنے وجود کی پوری سچائی کے ساتھ تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔"

"کہیں تم جذبات کی رو میں بہہ کر تو فیصلہ نہیں کر رہی ہو۔ جذبات میں آ کر تم بہت سے دعوے تو کر سکتی ہو اور میں بھی کئی باتوں پر بھروسا کر سکتا ہوں مگر زندگی صرف ان جذبات کے تحت نہیں گزرتی۔"

"میں تمہاری بات مانوں گی۔" اس کی بات پر مائر نے اسے حیرت سے دیکھا۔ سمانہ کے چہرے پر شرمندگی اور ندامت صاف عیاں تھی۔

"سمانہ میں تم پر بھروسا تو کر رہا ہوں مگر آئندہ زندگی میں تمہیں ان وعدوں کو بحسن وخوبی نبھانا بھی ہے۔" مائر جو اس سے حقیقی ناراضی ظاہر کر رہا تھا مگر اب اسے یہاں دیکھ کر اور اس کے لفظوں کی سچائی جان کر نرم پڑ رہا تھا۔

"مائر مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں بہت دکھ پہنچایا۔"

"اٹس او کے، تمہیں اپنے رویے کی خود ہی سمجھ آ گئی یہی بہت ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

"تھینک یو مائر! اچھا میں اب چلتی ہوں، نانی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ مائر سے اجازت لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

عید کے دن مائر کے گھر والے مہربانو کے گھر جمع تھے۔ آج شادی کی تاریخ رکھی جانی تھی۔ مہربانو نے ثمرہ بیگم اور داماد کو بھی بلوالیا تھا اور وہ دونوں بیٹی کی خوشیوں میں شریک ہونے دوڑے چلے آئے تھے۔ دو ہفتے کے بعد ان کی شادی کی تاریخ رکھی گئی تھی۔

☆☆☆

"اچھا جناب تو اس بقرعید میں ہماری قربانی بھی ہوگی۔" مائر، سمانہ سے سرگوشی کر رہا تھا اور وہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے کچن میں چلی گئی جہاں بوا جی انواع واقسام کے کھانے تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

سمانہ نے ایک نظر اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی پر ڈالی منگنی کی یہ انگوٹھی مائر نے اس کے لیے بڑے شوق سے خریدی تھی جو اس نے اٹھا کر رکھ دی تھی مگر آج ہی اس نے اسے اپنی مخروطی انگلی کی زینت بنا لیا تھا۔

"مائر! تم اور تم سے وابستہ ہر چیز میرے لیے اہم ہے۔" جاگتی آنکھوں سے آنے والے سنہرے دنوں کا تصور کرتے ہوئے سمانہ بڑبڑائی۔ دل مطمئن تھا کہ اپنی مما کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ نانا، نانی کے خوشیوں سے معمور چہروں کو دیکھ کر وہ حقیقی خوشی کے لطف سے آشنا ہوئی تھی، یہ عید اس کی زندگی کی یادگار عید تھی۔

◆●◆



ناولٹ

پتھر کا دیس

مدیحہ شاہد

آخری حصہ

وسیم بھائی کی شادی ہوگئی تھی اور ان کی بیگم سنبل بھابی نے رامین کا جینا حرام کردیا تھا۔ وہ رامین سے حسد کرتیں...... وسیم بھائی کو اپنی بیگم سے بہت محبت تھی، گھر میں آئے دن جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے، وہ رامین کی خوب صورتی سے خوفزدہ تھیں۔ گھر میں رامین اور شیرو کو ملنے والی اہمیت انہیں بہت بری لگتی...... وہ ایک بار تو میکے جا کر بیٹھ گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو رامین کی شادی کردی جائے یا اسے کسی ہاسٹل بھیج دیا

جائے۔ وہ تب تک نہیں واپس آئیں گی جب تک زامین یہاں سے نہیں جائے گی۔

پھپو اور پھوپا نے انہیں بہت سمجھایا مگر بھابی نے اُن سے بھی بدتمیزی کی...... وسیم بھائی اپنا گھر نہیں خراب کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس گھر کے کماؤ پوت تھے۔ انہوں نے خود زامین کو گھر سے چلے جانے کے لیے کہہ دیا تو پھپو، پھوپا بھی مجبور ہو گئے۔

زامین نے اس دن بہت کڑے فیصلے کیے مشکل وقت اس کی طرف دوبارہ پلٹ آیا تھا۔

وہ اسلام آباد سے فیصل آباد آ گئی۔ اسے وہاں اچھی جاب مل گئی تھی۔ وہ شیرو کو ویمن ہاسٹل میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ صبح سے شام تک جاب پر ہوتی تو شیرو کا خیال کون رکھتا، کون اسے اسکول سے لے کر جاتا اور لاتا...... اس کی کمپنی میں تو دوپہر کا لنچ فری ہوتا تھا مگر اس کی غیر موجودگی میں شیرو کے کھانے پینے کا انتظام کون کرتا...... اس نے سوچا کرائے پر ایک چھوٹا سا گھر لے، لیکن اس نے تو صبح سے شام تک نوکری پر رہنا تھا اور حالات کون سے اچھے تھے وہ یہ رسک نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ شیرو تھوڑا بڑا ہو جائے تو وہ کچھ رقم جمع کرے گی اور اپنا پلاٹ بیچ کر کسی اچھی جگہ گھر لے لے گی۔ وہ شیرو کو دنیا والوں کی زہریلی نظروں اور زبان سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ جو حادثہ اس کے ساتھ ہوا تھا اس میں بھلا معصوم شیرو کا کیا قصور تھا۔

وہ بس یہ جانتی تھی کہ وہ اس بچے کی ماں ہے...... اس کی ذمے داری اٹھانا اسی کا فرض ہے۔ وہ اسے اچھا ماحول دینا چاہتی تھی۔ پھوپا نے شیرو کو بورڈنگ اسکول میں ڈالنے کا مشورہ دیا۔

وہ پھپو سے فون پر بات کر رہی تھی جب انہوں نے اسے پھوپا کا پیغام دیا۔

”بورڈنگ اسکول...... نہیں پھپو، شیرو ابھی بہت چھوٹا ہے، میرے بغیر کیسے رہے گا۔ میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ نہ جانے بورڈنگ اسکول کیسا ہو؟“ وہ لرز کر رہ گئی تھی۔ شیرو سے الگ ہونا اس کے لیے موت کے برابر تھا۔

”زامین بیٹا! اب تمہیں اپنا دل مضبوط کرنا ہوگا۔ بہادر بننا ہوگا...... مری میں بہت اچھا بورڈنگ اسکول ہے۔ اور وہ ملک کے بہترین اسکولوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں بہت ڈسپلن ہے اور ماحول بھی اچھا ہے، ہاں وہ مہنگا کافی ہے مگر بچے کی تعلیم و تربیت سے زیادہ نہیں......“ پھپو اسے تھکے، تھکے سے انداز میں قائل کر رہی تھیں۔

”نہیں پھپو میرا دل نہیں مانتا۔“ اس نے سختی سے ان کی بات رد کر دی۔

”تم تو سارا دن جاب پر ہو گی، شیرو کا خیال کون رکھے گا۔ اگر میں مجبور نہ ہوتی تو تم دونوں کو کبھی یہاں سے جانے نہ دیتی۔“ وہ رنجیدہ ہو گئیں۔ بڑھاپا انسان کو کتنا مجبور اور محتاج بنا دیتا ہے۔

”ہمارا آنا ہی ساتھ لکھا تھا پھپو۔“ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

”تم اس بات پر غور کرنا...... شیرو کے اسکول کا بھی حرج ہو رہا ہے۔ پہلا قدم مشکل ہوتا ہے مگر پہلے قدم کے بعد مشکلیں ختم ہو جاتی ہیں۔“ انہوں نے اسے آزردگی سے سمجھایا۔

زامین نے بس ہوں، ہاں کر کے فون بند کر دیا۔ اس کا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا۔ ویمن ہاسٹل میں مسائل تھے۔ وہ لوگ بچہ رکھنے پر اعتراض کرتے۔ زامین ایک کولیگ کے توسط سے ایک گھر میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے لگی۔ وہ جاب پر شیرو کو ساتھ ہی لے جاتی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ مگر وہ کیا کرتی، اس کے اسکول کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا تھا۔

اس کی لینڈ لیڈی کا رویہ اس کے ساتھ بہت اچھا تھا مگر پھر اسے گھر میں کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔ کچھ پُر اسراری سرگرمیاں، وہ پریشان ہو گئی۔

وہ اکیلی عورت تھی، چھوٹے بچے کا ساتھ تھا۔ کہیں وہ دوبارہ دنیا کی سفاکی کا شکار نہ ہو جائے۔ وہ

خوفزدہ ہوگئی۔ وہ صبح شیرو کو اپنے ساتھ ہی لے جاتی، وہ سارا دن وہاں بور ہوتا، واپس آکر وہ تھوڑا وقت ہی لینڈ لیڈی کے ساتھ گزارتی، اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور بھی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ رات کا کھانا کھا کر وہ بے سدھ ہو جاتی ہے، صبح فجر کے لیے بھی نہیں اٹھ پاتی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہیں کچھ غلط تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے بار، بار خبردار کرتی۔

اگلی شام اس نے اور شیرو نے واپسی پر برگر کھالیا تھا۔ رات کا کھانا حسبِ معمول آیا تھا تو اس نے خود کو نارمل ہی رکھا اور برائے نام ہی کھانا کھایا۔ اور سونے کے لیے چلی گئی۔

اس رات اس کا سر بھاری ضرور ہوا مگر اس نے خود کو زبردستی جگائے رکھا۔ باہر دیر تک چہل پہل ہوتی رہی۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر نکلی۔ لینڈ لیڈی اور دو لڑکیاں ابھی تک لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ دبی، دبی سی آوازیں رات کے سناٹے میں صاف آرہی تھیں۔

''اس لڑکی پر نظر تو رکھ رہی ہو ناں......؟'' لینڈ لیڈی نے سامنے بیٹھی باب کٹ بالوں والی لڑکی سے آہستگی سے کہا۔

''جی میڈم...... ویسے بھی وہ سیدھی سادی سی لڑکی ہے، بس آفس سے گھر اور گھر سے آفس تک ہی آتی جاتی ہے۔'' لڑکی نے مدھم آواز میں کہا۔

''لڑکی خوب صورت ہے...... ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے...... نہ جانے یہ بچہ اس کا ہے یا نہیں...... بچے والی کہانی مجھے تو من گھڑت سی لگتی ہے۔'' میڈم نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ اسی کا بچہ ہے کیونکہ کوئی ماں ہی اپنے بچے کو اتنا پیار کر سکتی ہے، اس کا اتنا خیال رکھ سکتی ہے۔ شاید اس لڑکی کے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے۔'' لڑکی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''شاید کل کوئی اہم دن جو وہ لوگ اب تک بیٹھے پلاننگ کر رہے ہیں۔'' رامین ان کی باتوں سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

''بہر حال جونی نے آج آنا تھا مگر بارش کی وجہ سے اس کی فلائٹ کینسل ہو گئی۔ اب وہ کل شام تک پہنچ جائے گا۔ تم دونوں کو معلوم ہے ناں کہ تم نے کیا کرنا ہے۔'' میڈم پُر اسرار سے لہجے میں کہہ کر مسکرائیں، رامین دیوار کے ساتھ لگی کھڑی پسینے میں شرابور ہو گئی۔ اسے لگا کہ وہ اگلی سانس بھی نہیں لے سکے گی۔

''جی میڈم...... ہم نے تو آج بھی فل پلاننگ کی تھی مگر جونی صاحب ہی نہیں پہنچے......'' ساتھ والی لڑکی نے آہستگی سے کہا۔

''میڈم! جونی صاحب رامین کے لیے آرہے ہیں؟'' باب کٹ بالوں والی لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں، جونی اس کے بچے کو لے جانے آرہا ہے، رامین کو تو میں رینا کے حوالے کروں گی۔'' میڈم نے دھواں اڑاتے ہوئے مکاری بھری رُکھائی سے کہا۔

رامین کی ذات پر ایک قیامت بڑی خاموشی کے ساتھ گزر گئی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی جو فیصلہ وہ کبھی نہیں کر سکتی تھی، وہ لمحوں میں ہو گیا تھا۔ بعض فیصلے جو انسان ساری زندگی نہیں کر پاتا، وہ لمحوں میں خود بخود ہی طے پا جاتے ہیں۔ اس نے بے سدھ سوئے شیرو کے ماتھے پر پیار کیا، وہ ساری رات خاموش آنسو بہاتی رہی۔ اسے نیند کے جھٹکے آتے رہے مگر اس نے اپنی قوتِ ارادی سے خود کو جگائے رکھا۔ آج اگر وہ سو جاتی تو اس کے معصوم بچے کی زندگی تباہ ہو جاتی اور وہ تو اس کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی تھی۔ ایک بار ایک سفاک انسان نے بے سہارا سمجھ کر اسے پامال کیا تھا اور آج اس بے حس معاشرے کی ایک اور سفاک عورت اس کے معصوم بچے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ اپنے لیے نہیں لڑ پائی تھی مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شیرو کے لیے ان سفاک لوگوں سے آخری سانس تک لڑے گی۔ دونوں

لڑکیاں کمرے میں آکر سو گئی تھیں۔ شاید وہ اس کی نگرانی پر مامور تھیں۔

فجر کی اذان میں تھوڑا ہی وقت رہتا تھا۔ اور وہ اکثر اس وقت اٹھ جایا کرتی تھی۔

وہ دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھی، باہر آکر اس نے باری، باری سب دروازے چیک کیے، آج سب دروازے لاکڈ تھے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ یہ لاک کھول نہیں سکتی تھی ورنہ روزانہ وہ لاک کھول کر ہی آفس جایا کرتی تھی مگر آج لاک سسٹم دوسرا تھا۔ اس کے پاؤں من، من بھر کے ہوگئے۔

اچانک اس کے ذہن میں کوندا لپکا...... وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر ٹیرس پر گئی۔ ٹیرس کا دروازہ حسبِ معمول لاکڈ تھا مگر وہ اندر سے کھل بھی سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے دروازہ کھول لیا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ کسی کے جاگنے سے پہلے اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اس نے کمرے میں آکر اپنا پرس کھولا تو اس کا موبائل غائب تھا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ اپنا سارا سامان نہیں لے جاسکتی تھی اس کے اور شیرو کے کپڑے جوتے اور دیگر چیزیں الماری میں رکھی تھیں۔

خطرہ اس کے بہت قریب تھا۔ اس نے الماری میں پڑے بیگ کی جیب سے اپنے ڈاکومنٹس والا لفافہ نکالا کپڑوں کے درمیان رکھے کچھ پیسے نکالے۔ ہینڈ بیگ میں رکھے، اس نے اپنے جوتے بھی ہینڈ بیگ میں ٹھونسے۔ اس نے بہت آہستگی سے شیرو کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے چلتی ٹیرس پر آگئی اور دیوار کے ساتھ، ساتھ چلتی آخری سرے تک پہنچ گئی۔ یہاں سے کسی طرح اسے باہر نکلنا تھا۔ ٹیرس کے آخری سرے کے نیچے لاؤنج کی کھڑکی کا شیڈ تھا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ لٹک کر کھڑکی کے شیڈ تک پہنچ سکتی تھی، اس نے ہمت کر کے کوشش کی اور ریلنگ کے نیچے والے حصے کو پکڑ کر لٹکتے ہوئے کھڑکی کے شیڈ تک پہنچ گئی اور پھر کھڑکی کے شیڈ سے زمین تک کا فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ شیرو کو اس نے اپنے ساتھ دوپٹے سے کس کر باندھا ہوا تھا۔

فجر کی اذانیں بلند ہونے لگیں، گیٹ کے قریب چارپائی ڈالے چوکیدار سو رہا تھا۔ گیٹ کی اونچائی زیادہ نہیں تھی، وہ بہ آسانی اسے پار کرسکتی تھی۔ گیٹ کے قریب چوکیدار کی کرسی رکھی تھی۔ اس نے بنا آواز کری اٹھا کر گیٹ کے پاس رکھی اور اس پر چڑھ کر اس نے بہ آسانی گیٹ پار کرلیا۔ اسے لگا کوئی غیبی مدد اس کے ساتھ، ساتھ ہے ورنہ اتنا بڑا کام وہ بہ آسانی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ تو کسی قسم کا جمناسٹک بھی نہیں جانتی تھی۔ سڑک پر آکر اس نے بیگ سے اپنے جوتے نکال کر پہنے دوپٹا کھول کر اوڑھا اور شیرو کو اٹھائے اندھا دھند بھاگتی چلی گئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جارہی ہے، خطرہ سائے کی طرح اس کے قریب سے گزر کر چلا گیا تھا۔ اسے آج پتا لگا تھا کہ غیبی مدد کس طرح نظر آئے بغیر انسان کے کام آسان کرتی جاتی ہے۔

اللہ نے اس پر اور اس کے معصوم بچے پر رحم کیا تھا۔ وہ رکشے کے ذریعے بس اسٹینڈ پہنچی اور وہاں سے اسلام آباد کی بس میں بیٹھ گئی۔

اسے شیرو کے یوں بے سدھ سونے پر تشویش ہورہی تھی۔ وہ سارا راستہ چادر میں منہ چھپائے بے آواز روتی رہی۔ وہ جو اپنی عزت کے یوں پامال ہوجانے کا ہر وقت شکوہ کرتی رہتی تھی آج اس کا وہ شکوہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ اللہ نے اس کی مدد کی اور اسے بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔ وہ سارا راستہ دعائیں کرتی رہی۔

☆☆☆

شیرو سفر کے دوران اٹھ گیا۔ وہ دل میں دعائیں مانگتی رہی۔ ایک لمبے سفر کے بعد وہ پھپو کے گھر پہنچی۔ یہ شکر تھا کہ سنبل بھابی اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ پھپو اسے اس حالت میں واپس آتا دیکھ کر آبدیدہ ہوگئیں۔ کیا ساری آزمائشوں کے لیے رامین ہی رہ گئی تھی۔ پھوپا گم صم ہوگئے۔ علیزہ اپنے افسوس کو دبائے شیرو کو بہلاتی رہی۔

اور شیرو کو بورڈنگ اسکول میں بھیجنے کا فیصلہ خود

بجو ہو گیا۔اس رات نے بہت سے مشکل فیصلے کر دیے تھے۔وہ سب لاؤنج میں دیر تک بیٹھے رہے، گہری سوچوں میں گم تفکر کی پرچھائیوں میں گھرے ہوئے......علیزہ نے سارا دن شیرو کو بہلائے رکھا تھا۔کبھی کھلونوں کے ساتھ، کبھی کارٹون کے ساتھ......کبھی رنگ برنگی کہانیوں کی کتابوں کے ساتھ......وہ شیرو کو اس کہانی سے دور رکھنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے وہ اچانک وہاں سے یہاں تک آ گیا تھا۔

رامین رو، رو کر تھک چکی تھی۔ اس کی آنکھیں جاڑے کے موسم کی طرح ویران تھیں۔اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب مزید نہیں جی پائے گی۔

''یہ معاشرہ صرف مضبوط اور امیر لوگوں کے لیے ہے......میں نے اسی لیے پہلے ہی کہا تھا کہ شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل کروا دو......وہاں اس کی بہترین پرورش اور تعلیم و تربیت ہو گی۔وہ کب تک تمہارے ساتھ ایک مسافر کی طرح پھرتا رہے گا......اسے سفر کی اس گردش کا حصہ نہ بناؤ......اب تمہیں اپنی زندگی کے متعلق مضبوط ہو کر فیصلے کرنے ہیں۔اگر تم کسی ایک بھی قدم پر کمزور پڑ گئیں تو اس کا نقصان شیر دل کو ہی اٹھانا پڑے گا۔'' پھوپا بے حد سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ان کی پیشانی کی لکیریں مزید گہری ہو گئی تھیں۔رامین خالی، خالی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔

''ہم دو بوڑھے لوگ اب تمہارا سہارا نہیں بن سکتے۔ہمیں تو خود اپنے بیٹے کے سہارے کی ضرورت ہے، میں کسی کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکی ......نہ اپنے بھائی، بھابی کے لیے اور نہ ہی تمہارے اور شیرو کے لیے......'' پھپھو کی آواز بھرا گئی......انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کا دل پھٹ جائے گا۔

''ٹھیک ہے پھوپا جی......جیسے آپ کہیں، میں شیرو کو وہاں داخل کرا دوں گی۔میں نے پانچ سال میں کافی رقم جمع کر لی ہے۔میں اکٹھی اس کی فیس جمع کروا دوں گی۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے......ایک طویل جنگ کے بعد کبھی، کبھی انسان اچانک یونہی ہتھیار ڈال دیا کرتا ہے۔

''میں صبح ہی وہاں فون کروں گا......دیکھو بیٹا کچھ حقیقتیں بہت بھیانک ہوتی ہیں، ہمارے آنکھیں بند کر لینے سے وہ غائب نہیں ہو جاتیں، اپنی جگہ پر موجود رہتی ہیں......تم شیر دل کی ماں بھی ہو اور باپ بھی......تمہیں ماں کی جذباتی ممتا کے ساتھ، ساتھ ایک باپ کی عقل اور فہم بھی رکھنی ہے......زندگی آنسو بہاتے، بہاتے نہیں گزرتی، زندگی میں گرنے کے بعد کھڑا ہونا پڑتا ہے، ہارنے کے بعد ہی کوششیں کرنی پڑتی ہیں، بند گلی سے واپس مڑ کر نئے راستے تلاش کرنے ہوتے ہیں......وقت پر کچھ اور کڑے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔'' پھوپا نے گمبیر لہجے میں زندگی کا نچوڑ اسے بتایا۔رامین نے سر جھکا لیا۔اس کی روح میں گہری تھکن اتر آئی تھی۔

''جب شیر دل کی چھٹیاں ہوں گی تو تم اسے لے کر یہاں آ جانا۔میں نے وسیم سے اس بارے میں بات کر لی ہے، وہ ان چھٹیوں میں سنبل کے ساتھ ان کے میکے میں ہی رہے گا۔کچھ کمپرومائز ہم نے کیا ہے کچھ کمپرومائز اسے کرنا ہے۔'' پھوپا نے مدھم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

ایک فیصلہ ہوا تو باقی سارے فیصلے بھی ہوتے چلے گئے۔اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور جب کوئی ماں اپنے دل پر پتھر رکھتی ہے تو سورج اور چاند اٹھانے والا عرش بھی ہل جاتا ہے۔

''ہم نے علیزہ کی شادی کے لیے کچھ رقم جمع کی ہوئی ہے، وہ رقم ہم شیرو کی ایڈمیشن فیس کے طور پر جمع کروا دیں گے۔'' پھپھو نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''نہیں پھپھو......میں نے ان چند سالوں میں کافی پیسے جمع کر لیے ہیں۔'' وہ بے ساختہ بولی۔وہ کب تک پھپھو کو احسانوں کے لیے مجبور کرتی رہے گی۔

''تم بھی تو میری بیٹی ہو ناں......بھتیجی بھی تو بیٹی ہی ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہمیں رشتوں کا احساس بہت

ڈرے ہوتا ہے۔" پھوپو نے نمناک لہجے میں کہا۔ رامین اٹھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

"جب رشتوں میں احساس جاگتا ہے تو رشتے مجبوریوں میں بکھر جاتے ہیں۔" وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ رامین نے ایک عمر پتھر کے دیس میں گزاری۔ جہاں لوگوں کے دل اور چہرے پتھر کے تھے۔ اس سفر نے اسے آبلہ پا کر دیا تھا۔ اس نے علیزہ اور پھوپا کے ساتھ مری جا کر شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل کروا دیا...... یہ اس کے لیے مشکل ضرور تھا مگر وہ اس مشکل سے بھی گزر گئی۔ اس نے اور علیزہ نے بڑی مشکل سے شیرو کو بورڈنگ اسکول میں رہنے کے لیے منایا تھا۔

"شیرو بیٹا! آپ نے اسکول میں اچھا، اچھا پڑھنا ہے، ٹیچرز کی بات ماننی ہے۔ کسی کو تنگ نہیں کرنا...... آپ کو وہاں مما کے بغیر رہنا ہوگا...... میں ہر ویک اینڈ پر آپ سے ملنے آیا کروں گی۔" اس نے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا، خلافِ توقع شیرو رویا اور نہ اس نے کسی قسم کا احتجاج کیا۔

"مما! میں اس اسکول میں پڑھوں گا اور رہوں گا بھی...... مجھے ثریا خالہ نے بتا دیا ہے۔ اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔" وہ سمجھداری سے بولا۔ رامین کو اس کی اتنی سمجھداری پر حیرت ہوئی۔

"ہاں بیٹا! میں ہر ہفتے آپ سے ملنے آؤں گی پھر ہم دونوں خوب انجوائے کیا کریں گے...... ٹھیک ہے ناں......" اس نے اسے بہلایا۔ شیرو نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہاں آپ نے بالکل نہیں رونا...... اور نہ ہی مما کو یاد کرنا ہے...... میں آپ کو فون بھی کرتی رہوں گی......" اس نے اپنے آنسو دل میں ہی اتار لیے۔

"مما! اگر میں آپ کے ساتھ رہوں گا تو میں اسکول نہیں جا سکوں گا اور پڑھائی بھی نہیں کر سکوں گا......" وہ بے ساختگی سے بولا۔

رامین اس کی بات پر ساکت رہ گئی۔ حالات

شادی میرے بھتیجے، بھتیجی کی

کیا خوب صورت دن تھے کتنا خوشی کا سماں تھا......

بڑے بھائی صاحب اور چھوٹے بھائی کے بچوں کی سو سال سے کی گئی منگنی کے بعد سب کو شادی کے دن کا انتظار تھا کہ دلہن اپنی ایم اے کی تعلیم پوری کر لے۔ بعد میں بچیاں نہیں پڑھتیں۔ بڑے بھائی صاحب کے بقول آسٹریلیا، بیلجیم، فلپائن، امریکا، دبئی سے کزنز...... میرے بہن دولہا، دلہن نے شرکت کے لیے ہفتہ بھر پہلے پہنچنا شروع ہو گئے اور شادی کے تین دنوں تک خوب، خوب رونق میلا، ہلا گلا، کھانا، پینا...... سیر تفریح لاہور، اسلام آباد والے بھائیوں کی فیملی ان سب نے اپنی، اپنی سہولت سے اپنے ہاں ٹھہرا لیا۔ دن میں شاپنگ، رات کو آئس کریم پارٹی غرض جوانوں نے خوب، خوب مزے کیے...... جس میں ہم سینئر لوگ بھی پیچھے نہیں تھے۔ دولھا خود پائلٹ ہے ان کی بہنیں ریاض، آزاد کشمیر سے آئیں۔ مہندی کی رات خوب، خوب رونق رہی۔ لگتا تھا پرستان ہے۔ یہی الفاظ دیسے مرحوم شوہر نے ہماری شادی پر بھی کہے تھے۔ بارات دن نو بجے پشاور روانہ ہوئی۔ ایک بجے سے تین بجے کھانا، رسمیں اور چار بجے دلہن کو لے کر واپسی...... چھوٹا بھائی میرے گلے لگ کر روئے کہ ہماری بیٹی کو آپ لے جا رہی ہیں۔ ہم نے بھی آنسوؤں بھری آنکھوں سے انہیں پرسا دیا کہ اپنے ہی گھر جا رہی ہے۔ دعوت کا انتظام بے حد شاندار تھا۔ بالخصوص پالک گوشت، سیخ کباب اور پشاور کا مشہور پلاؤ اس کے علاوہ لوازمات...... پالک گوشت دیکھ میری کمزوری ہے سو چھوٹے بھائی نے میکے سے ہاٹ پاٹ بھر کر میری گاڑی میں ڈرائیور کے پاس رکھوا دیا تھا۔ بھائیوں کی محبت کی میں ہمیشہ سے قائل ہوں۔ ہم بھی اپنا آپ نچھاور کرنے میں کنجوسی نہیں کرتے۔

اگلے روز عسکری کلب میں ولیمہ تھا، مہندی کا فنکشن بھی یہیں ہوا تھا۔ غرض پورا خاندان دولھا، دلہن کے چہروں پر مسکراہٹیں دیکھ کر تو ہر کوئی شاداں و فرحاں تھا۔ ہمارے ہاں کا ایک رواج کہ ہم لوگ بالکل جہیز کا مطالبہ نہیں کرتے اور پھر بڑے بھائی صاحب نے تاکیداً قسماً کہا تھا کہ میرے گھر میں ہر چیز موجود ہے مگر چھوٹے بھائی نے ضد کر کے بیڈ روم سیٹ، پردوں، قالین کے ساتھ دلہن کی خواہش پر ان کی ضد سے بنوایا جو ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے۔

اللہ اس جوڑے کو خوش و خرم رکھے، آمین۔

فریدہ افتخار، اسلام آباد

اس کے ذہن پر برا اثر چھوڑ رہے تھے۔ اس نے اس کی بات کی نفی نہیں کی۔

''ہاں بیٹا! مجھے تو آفس جانا ہوتا ہے ناں.....اور مجھے شام کو چھٹی ہوتی ہے۔ میں آپ کو اسکول چھوڑنے اور لینے نہیں جاسکتی ناں.....اور آپ کی پڑھائی تو بہت ضروری ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ اس کے ذہن کو تیار کر رہی تھی اور وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی کہ تنہا اور اکیلی مائیں بہت مصروف رہتی ہیں انہیں دوہری ذمے داریاں جو اٹھانی ہوتی ہیں۔

''ہاں مما..... مجھے پتا ہے، اب تو ہم ثریا خالہ کے گھر بھی تو نہیں رہ سکتے ناں..... سنبل آنٹی نے ہمیں وہاں سے نکال دیا ہے۔'' وہ معصومیت سے بولا۔ رامین کے دل کو جیسے کسی نے جکڑ لیا تھا۔ بچوں کا تجربہ اور مشاہدہ غضب کا ہوتا ہے۔ وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی۔

''مما! جب میں بڑا ہو جاؤں گا اور بہت سارا پڑھ لوں گا۔ تو میں ایک بڑا سا گھر بناؤں گا پھر ہم دونوں اکٹھے رہیں گے۔'' وہ معصوم بچہ تھا مگر اس کے خواب بہت بڑے تھے.....رامین کے چہرے پر اک اداس سی مسکراہٹ آگئی۔

''ہاں بیٹا، ٹھیک ہے۔'' اس کی پلکوں کی باڑ نم ہوگئی۔

''جیسا گھر پاور پف گرلز (power puff girls) والے کارٹون میں ہوتا ہے، میں ویسا ہی گھر بناؤں گا۔'' وہ پُرجوش انداز میں بولا۔

رامین نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔ اس کی زندگی اس بچے کی آنکھوں میں سانس لیتی تھی۔ وہ اسے اپنی گردشوں کا حصہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اسے اسکول جانا تھا، پڑھنا تھا، کھیلنا تھا، وہ کیوں اسے اپنے ساتھ، جگہ جگہ خوار کرتی رہتی۔ اس کا دل اداس ضرور تھا مگر پھر بھی مطمئن تھا۔

اس نے شیرو کو بورڈنگ اسکول میں داخل تو کروا دیا مگر پھر کسی رات سکون سے سو نہ پائی۔ وہ پہلے والی نوکری چھوڑ چکی تھی۔ اسے اب لاہور میں بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ تنخواہ بھی اچھی تھی اور اس کا میڈیکل بھی فری تھا۔ پھپو کچھ متامل تھیں مگر پھوپا نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے خیال میں سے ایک برے تجربے کی وجہ سے خوفزدہ ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے تھا اور اسے تو قدم، قدم پر برے لوگ مل سکتے ہیں۔ وہ کب تک لوگوں سے خوفزدہ ہو کر چھپ، چھپ کر زندگی گزارے گی اور یوں وہ لاہور آگئی، وہ زندہ دلوں کے اس شہر میں اپنا دل لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ وہ، دو جابز کرنے لگی۔ تاکہ زندگی کی گاڑی اچھی طرح چل سکے، ہر مہینے وہ ایک مخصوص رقم بچاتی تھی، اسے اپنا گھر جو لینا تھا۔ بے گھری کا دکھ زمانے کی ٹھوکریں کھا کر ہی محسوس ہوتا ہے۔

وہ باقاعدگی سے شیرو سے ملنے جاتی، وہ بھی جیسے اس کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ دونوں ماں، بیٹا خوب باتیں کرتے، اچھا وقت گزارتے، وہ شیرو سے بہت سارے وعدے کرتی، اس سے زیادہ خود کو تسلیاں رہتی۔ وہ اس کا معصوم چہرہ دیکھتی تو اسے یقین ہونے لگتا کہ اس کی زندگی میں بھی بہت اچھا وقت بھی آئے گا۔

وقت گزرتا گیا، شیرو کی سردیوں کی چھٹیاں ہوگئیں۔ وہ آفس سے چھٹی لے کر پھپو کے گھر آگئی۔ وسیم بھائی ان دنوں سنبل بھابی کے ساتھ ان کے میکے شفٹ ہوگئے تھے۔

علیزہ کو اس کے دکھ طیش دلاتے تھے، علیزہ بھی رامین کے ماموں کے گھر نہیں گئی تھی۔ اس نے تیمور کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے کمپیوٹر کے آگے بیٹھی فیس بک پر بہت سے ''تیمور آفندی'' کھولے بیٹھی تھی۔

رامین اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔

''تصویر دیکھ کر پہچانو..... ان میں سے کوئی ایک وہی تیمور آفندی ہوگا۔'' علیزہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے بولی۔

رامین باری، باری سب پروفائلز کو دیکھتی

رہی، ایک پروفائل پر نظر پڑتے ہی اس کی نظریں ساکت رہ گئیں۔

"یہ..... یہ والا.....'' اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"اوہ..... یہ تیمور آفندی.....!'' علیزہ اچھل پڑی۔

"یہ تو میرا پرانا کلاس فیلو ہے..... اور یہ تو حمنی کا بوائے فرینڈ ہے۔'' علیزہ نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں، یہی ہے وہ.....'' رامین کی آواز آہستہ ہوگئی۔

"مائی گاڈ.....'' علیزہ حیران ہوئی تھی۔

"تم فکر نہ کرو رامین..... دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔'' علیزہ نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"آپ کیا کریں گی گڑیا باجی.....!'' وہ حیران ہوئی۔ بھلا علیزہ، تیمور کا کیا کرسکتی تھی۔

"بس تم دیکھنا! میرے ذہن میں ایک پلان ہے مگر اس کے لیے بہت رقم چاہیے..... خیر رقم تو میں جمع کر ہی لوں گی..... اور اس کے لیے مجھے کسی کی مدد بھی چاہیے ہوگی۔'' علیزہ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

"کس کی مدد.....؟'' رامین ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"چاند کی..... اور کس کی.....'' علیزہ، تیمور کا پروفائل پڑھنے میں مصروف تھی۔

رامین، چاند سے بخوبی واقف تھی۔ چاند، علیزہ کا پرانا ہمسایہ تھا اور چاند کی امی پھوپو کی سہیلی تھیں۔ وہ لوگ اکثر آتے جاتے رہتے، علیزہ اور چاند بچپن کے دوست تھے اور یہ دوستی بہت گہری تھی۔

"چاند بھائی کیا کریں گے؟'' اس نے پوچھا۔

"بس وقت آنے پر تمہیں بھی بتادیں گے مگر میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اس تیمور آفندی کو سبق سکھا کر رہوں گی، اس سے تمہارا سارا پیسہ اور زیور نکلوا کر ہی دم لوں گی۔'' علیزہ نے عزم سے کہا، رامین نے بڑی بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا۔ اس معاملے میں پھپو، پھوپا بھی کچھ نہیں کرسکے تھے تو بھلا علیزہ اور چاند کیا کرلیتے۔

"تمہیں یقین نہیں آرہا ناں.....؟'' علیزہ نے اس کی نظروں کو بہ آسانی پڑھ لیا۔

"یہ ناممکن ہے گڑیا باجی.....'' وہ بڑی مایوسی سے بولی۔

علیزہ کے چہرے پر ایک پراسراری مسکراہٹ آگئی۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کیا ممکن ہے اور کیا ناممکن.....'' وہ مبہم انداز میں ہنسی، رامین اس مسکراہٹ سے کچھ نہیں سمجھی۔ شیرو اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

"یہ کس کی تصویر ہے؟'' وہ کمپیوٹر پر نظر آتی تیمور کی تصویر دیکھ کر بولا۔

رامین نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا، سیاہ پینٹ، نیلا سوئٹر اور سفید جرابیں پہنے کھڑا وہ کمپیوٹر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے چھ سال کا نہیں بلکہ سولہ سال کا لڑکا لگا۔

"کوئی نہیں..... بس ایسے ہی کسی کی تصویر کھل گئی تھی۔'' علیزہ نے فوراً وہ پروفائل بند کردی۔ شیرو ہو بہو اپنے باپ کا عکس تھا۔

"ممی.....! ہم پارک کب جائیں گے؟'' وہ اب ماں کے ساتھ اپنی باتوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ رامین نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"تھوڑی دیر تک چلتے ہیں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

"ہاں شیرو..... جب تم دودھ کا گلاس ختم کرلوگے تو ہم پارک جائیں گے۔''

"رامین تم بیٹھو، میں ذرا چاند کو فون کرکے آتی ہوں۔'' علیزہ نے کمپیوٹر آف کیا اور عجلت میں کھڑی ہوگئی۔

رامین کو اپنی چیزیں واپس ملنے کا ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ وہ ان پر صبر کرچکی تھی۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ علیزہ اس بارے میں اتنی پُراعتماد کیوں تھی۔

مگر علیزہ اپنے ارادوں میں ثابت قدم تھی۔ اس نے اور چاند نے مل کر ایک پلان بنایا..... نوکریاں کیں، پیسے جمع کیے..... چاند اپنے بھائی کے شوروم

میں کام کرتا۔ انہیں مناسب وقت کا انتظار تھا جب ان کے پاس کچھ رقم بھی جمع ہو جاتی اور چاند کی تعلیم بھی ختم ہو جاتی۔ چاند، علیزہ سے دو برس چھوٹا تھا۔ اس نے تو میٹرک میں ہی چار سال لگا دیے تھے۔

علیزہ کو ہائی فائی کلاس کی لڑکی بننا تھا۔ اسی حساب سے اس نے شاپنگ کی۔ مہنگا میک اپ، مختلف کلرز کے لینس، مغربی لباس، ہائی ہیل والے جوتے، جیولری، اس نے پارلر کے کئی چکر لگائے۔ وہ ایلیٹ کلاس کی امیر زادی کے کردار میں ٹرانس فارم ہوگئی تھی۔

احمر عرف چاند چند گھنٹوں کے لیے مرسیڈیز اور بی ایم ڈبلیو رینٹ پر لے آتا۔ انہوں نے آصف کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو تیمور کو علیزہ کی امارت کے قصے سناتا تھا۔ آصف، حمنیٰ کو پسند کرتا تھا۔ تیمور نے حمنیٰ سے فلرٹ کیا تھا، اس سے شادی نہیں کی، حمنیٰ دل برداشتہ ہو کر اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس امریکا چلی گئی۔ آصف اور حمنیٰ میں اب انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی تھی۔ آصف، تیمور سے حمنیٰ کا بدلہ لینا چاہتا تھا اس لیے اس نے علیزہ کا ساتھ دیا۔

تیمور کا آئیڈیل ایک بہت امیر کبیر، اعلیٰ خاندان کی خوب صورت اور پڑھی لکھی سی لڑکی تھی۔ مڈل کلاس لڑکیوں سے وہ دوستی تو کر سکتا تھا، شادی نہیں...... علیزہ نے پلان کے مطابق اس سے دوستی کی اور اسے پرپوز بھی کر دیا۔ احمر نے ایک شام کے لیے ایک کوٹھی ہائر کی جو عموماً ٹی وی ڈراموں کے لیے کرائے پر دی جاتی تھی۔ ان دونوں نے سارا کام بہت ہوشیاری سے کیا...... علیزہ نے بہت ہوشیاری اور حاضر دماغی سے بری کے کپڑوں کے لیے رقم اور زیورات لیے تھے۔

اس پلان کو آرگنائز کرنے میں انہیں تھوڑا عرصہ لگا۔ پیسے جمع کرنے کے علاوہ انہوں نے تیمور کی جاسوسی کی وہ کہاں جاتا ہے، کب جاتا ہے، کب آتا ہے، کیا خیالات رکھتا ہے، علیزہ نے تیمور والا کلب جوائن کیا۔

اصلی منصور بلڈرز والوں کی بیٹی تو امریکا پڑھنے گئی ہوئی تھی...... تیمور نے آصف کی دی گئی معلومات کو ہی بہت جانا۔ مزید کوئی انکوائری نہ کروائی۔ وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی اس کے ساتھ کوئی اس طرح کا بھی دھوکا کرے گا۔ اب آصف، حمنیٰ کے پاس امریکا جا چکا تھا۔ وہ دونوں وہاں شادی کرنے والے تھے۔

تیمور کو حمنیٰ سے محبت تھی...... اسے اس کے ساتھ وقت گزارنا بھی اچھا لگتا تھا۔ حمنیٰ بہت خوب صورت اور اسٹائلش تھی مگر جب بھی وہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں سوچتا تو اسے مایوسی ہوتی...... وہ رامین کا پیسہ ہتھیا چکا تھا اور اب اسے عادت پڑ گئی تھی۔ سو کسی امیر کبیر لڑکی کی تلاش تھی۔ جسے وہ دونوں ہاتھوں سے لوٹ سکے اور عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔

حمنیٰ جیسی مڈل کلاس لڑکی اسے شادی کے لیے سوٹ ایبل نہیں لگی۔ آصف، حمنیٰ کے ماضی کے بارے میں جانتا تھا۔ اس نے تیمور سے حمنیٰ کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔

علیزہ نے تیمور کو اپنی محبت کے جال میں یوں جکڑا کہ اسے کوئی سدھ بدھ ہی نہیں رہی...... وہ علیزہ کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا۔ اس لیے علیزہ کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی اور نتیجہ وہی رہا جو انہوں نے چاہا تھا۔

علیزہ نے تیمور سے لی تمام رقم رامین کو لوٹا دی تھی۔ رامین کی امی کے زیورات بھی واپس مل گئے تھے۔

کچھ پتا نہیں چلتا کہ شہ مات...... کب...... کس کو ہو جائے......

☆☆☆

تیمور آفندی برباد ہو گیا تھا۔ وہ ذلیل اور رسوا بھی ہوا۔ اور وہ یہ ذلت، رسوائی، نقصان اور غم سہنے پر مجبور تھا۔ وہ دنوں میں بوڑھا ہو گیا تھا۔

اسے خیال آیا کہ نہ وہ زیورات ان کے تھے اور نہ بینک میں پڑا روپیہ ان کا تھا۔ وہ سب کچھ رامین سے

زبردستی چھینا ہوا اثاثہ تھا۔

آج کتنے سالوں بعد اسے رامین کا خیال آرہا تھا۔ اسے رامین سے نفرت تھی، وہ زبردستی ان کے گھر میں لائی گئی تھی۔ وہ ویوسی، روتی دھوتی، مسکین سی لڑکی اسے کبھی اچھی نہیں لگی تھی۔ اسے تو اپنے باپ سے بھی نفرت تھی جو ساری زندگی کسی دوسری عورت سے محبت کرتے رہے۔ وہ ماں کے آنسو دیکھتا تو اس کی نفرت مزید بڑھ جاتی۔ وہ ایک کمزور لمحہ تھا جب اس کا نفس اس پر حاوی ہوگیا۔ تمام تر نفرت اور ناپسندیدگی کے باوجود وہ بخوبی جانتا تھا کہ رامین کس قدر خوب صورت لڑکی ہے۔

اس رات جب اس کی امی گھر پر نہیں تھیں وہ اس ارادے سے رامین کے اسٹور میں نہیں گیا تھا۔ وہ تو کچھ اور لینے گیا تھا مگر رامین کو بے ترتیبی سے سوتے دیکھ کر وہ بہک گیا۔ اس پر شیطان غالب آگیا تھا۔ وہ انسان سے درندہ بن گیا۔ وہ نفس کا غلام اور خود غرض آدمی تھا۔ اس کی نظر میں اس رات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی ماں رامین پر ظلم کرتی رہی اور وہ ان کا ساتھ دیتا رہا۔ رامین کی عزت پامال کرنے کے بعد اس کی دولت نے اسے اندھا کردیا...... آج وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ہوتا اگر وہ اس حادثے کے بعد اس سے شادی کرلیتا اور اس کے بچے کو اپنا لیتا...... اس کی ذہنی رو بھٹک گئی...... رامین اور وہ بچہ...... کہاں ہوں گے۔ برسوں بعد اسے خیال آرہا تھا۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آگیا۔

اس نے رامین کے ساتھ ہر قسم کے تعلق سے انکار کردیا تھا۔ اس پر بہتان لگائے، وہ بے وقوف نہیں تھا جو ایک ان چاہی عورت کی اولاد کو پیروں کی زنجیر بنالیتا۔ وہ رامین کو گزرے ہوئے کل کی طرح بھول گیا۔

پر آج وہ یادوں کے صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ آج اسے وہ سہمی ہوئی چڑیا جیسی لڑکی یاد آئی...... وہ لڑکی، رامین اسد کسی سخت ہاتھ کی گرفت میں کانپتی، نازک پروں والی تتلی کی طرح خوفزدہ سی لڑکی...... آج وہ بہت کم عمر تیمور نہیں تھا۔ آج وہ بہت بڑا ہوکر بہت سی باتیں سوچ رہا تھا۔ اس نے رامین کے ساتھ بہت برا کیا تھا۔ سو اگر آج اس کے اپنے ساتھ برا ہوا تھا تو وہ گلہ کیوں کرتا......

بارش

کبھی بارش برستی ہے
تو مجھ کو یاد آتا ہے
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا
محبت ایک بارش ہے
سبھی پہ جو برستی ہے
مگر پھر بھی نہیں ہوتی سبھی کے واسطے یکساں
کسی کے واسطے راحت
کسی کے واسطے زحمت
میں اکثر سوچتا ہوں اب وہ مجھ سے ٹھیک کہتا تھا
محبت ایک بارش ہے
سبھی پہ جو برستی ہے، کبھی مجھ پر بھی برسی تھی
مگر میرے لیے بارش کبھی نہ بن سکی راحت
یہ راحت کیوں نہیں بنتی؟
کبھی میں خود سے پوچھوں تو
یہ دل دیتا دہائی ہے
کبھی کچے مکانوں کو کبھی بارش راس آئی ہے؟
از نگینہ ضیا بنگش، کراچی

☆☆☆

یہ ایک دکھ بھری کہانی تھی جس نے شہرام کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ ایک لڑکی کی جدوجہد کی کہانی جس نے تن تنہا اپنے بیٹے کو پروان چڑھایا...... یہ ایک دکھی ماں کی کہانی تھی جو راتوں کو چھپ، چھپ کر روتی اور دن کو محنت کرتی...... یہ ایک افسردہ بیٹی کی کہانی تھی جس کے سامنے اس کے ماں، باپ کے جنازے اٹھائے گئے۔ یہ ایک مظلوم عورت کی کہانی تھی جس پر دنیا نے بہتان باندھے۔

شہرام نے اس کے دکھوں کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

پھپو اور پھوپا واپس آئے تو شہرام سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ تفصیل سے بات کی۔ اس کے خاندان کے بارے میں معلومات لیں۔ وہ انہیں بے حد سلجھا ہوا لڑکا لگا۔ ان کے خیال میں تو یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ شہرام جیسا لڑکا اس کی زندگی میں آگیا تھا۔ احمر نے بھی شہرام کی بہت تعریفیں کیں۔ ان لوگوں نے رات کا کھانا اکٹھے کھایا اور پھر پھپو، پھوپا ان لوگوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر سونے چلے گئے۔

رامین، شیرو کو سلانے کے بعد لاؤنج میں آئی تو وہ تینوں وہاں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ وہ ایک کونے میں فلور کشن پر بیٹھ گئی۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' علیزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے احمر کو آنکھ سے کوئی اشارہ کیا۔

''میں بھی آتا ہوں، اکٹھے چائے بنائیں گے۔'' وہ بھی اٹھ کر علیزہ کے پاس آیا۔

''ہاں، تم میری ہیلپ کروا دینا۔'' وہ دونوں مسکراتے ہوئے وہاں سے باہر نکل گئے۔ شہرام اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

''زندگی کتنی بدل گئی ہے نا۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''رامین میں محبت کا ولی نہیں ہوں مگر تمہیں اجالوں کا تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ زندگی میں کسی دکھ کا سایہ بھی تم پر نہ پڑنے دوں گا۔ جو کچھ ہو گیا اسے بھول جاؤ، ماضی کی سیاہی کو کبھی یاد نہیں کرنا، مکافاتِ عمل انسان کی زندگی کی کسی نہ کسی اسٹیج پر ضرور سامنے آتا ہے۔ بس تم خوش رہو...... میرے اور شیرو کے بارے میں سوچو......'' شہرام نے کھڑکی کے باہر بھیگتی چاندنی رات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

رامین کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اس نے شہرام کا ہر لفظ قیمتی موتی کی طرح سنبھال لیا۔

''مجھے تم پر اعتبار ہے شہرام...... میرا مشکل وقت گزر گیا۔ اب ہم ایک اچھی اور پُرسکون زندگی گزاریں گے۔ میری تقدیر کی خوش قسمتی تو تم سے جڑی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ انہی جگنوؤں نے تو شہرام کو محبت کی راہ دکھائی تھی۔

شہرام نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی تیسری انگلی میں یاقوت کی وہی رنگ چمک رہی تھی۔

''تمہارا ساتھ میرے لیے دنیا کی سب سے قیمتی نعمت ہے۔ اگر تم مجھ سے دور چلی جاتیں تو شاید میں جی بھی نہ پاتا۔'' اس کی آواز میں جذبات تھے۔

''میں کیسے تم سے دور جا سکتی تھی، تم نے اپنی قیمتی گاڑی جو میرے نام کر دی تھی۔'' وہ بے ساختہ ہنسی۔

''زندگی میں محبت سے قیمتی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتی ہے۔ برداشت کرنا، قربانی دینا، خاموش رہنا۔ اور انتظار کرنا......'' وہ مسکرایا۔

''مجھے تم بہت اچھے لگتے تھے مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ یہ کبھی تمہیں نہیں بتاؤں گی۔'' وہ جھکی پلکوں کے ساتھ مسکرائی۔

''کیوں...... یہ ظلم کرنے کا کیوں سوچا تھا تم نے......؟'' اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''تو اور کیا کرتی......؟'' وہ بے ساختہ بولی۔

''مجھے بتا دیتیں......'' وہ مسکرایا۔

''نہیں بتا سکتی تھی......'' اس نے نظریں جھکا لیں۔

''تم انتظار کر رہی تھیں کہ میں پہلے اظہارِ محبت کروں...... ہے ناں......'' وہ شوخی سے بولا۔

''تم نے اتنی دیر کر دی......'' وہ ہنسی۔

''چلو دیر آید درست آید...... اگر تم مجھے کوئی اشارہ دے دیتیں تو بہت پہلے ہی اظہارِ محبت کر دیتا، دیر نہ کرتا۔'' اس نے شرارت سے کہا۔

''اب کیا یہ بھی میں بتاتی۔''

رامین کے چہرے پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ دکھوں کے موسم گزر گئے تھے۔ صحرا کی مسافتیں ختم ہو چکی تھیں۔ اب زندگی کو بہار کے موسم نے چھوا تھا اور اپنے رنگ میں رنگ لیا۔

☆☆☆

کچھ دنوں بعد تیمور کو ڈاک سے علیزہ کی طرف سے بھیجا گیا ایک لفافہ موصول ہوا۔ اس نے اسے دیوانوں کی طرح کھولا...... اس میڈیم سائز لفافے میں ایک خط اور ایک اور چھوٹا سا لفافہ بند تھا۔

اس نے بے قراری سے خط کھولا۔ اس کی کانپتی نظریں خط کے ایک، ایک لفظ کو بغور پڑھ رہی تھی۔

"کس نام سے مخاطب کروں تمہیں......!

چور، دھوکے باز، فراڈ، بے غیرت یا پھر شیطان...... تم ایک شیطان ہی تو ہو...... اور اس بات کا تم اقرار کرو گے جب اپنے ماضی پر نظر دوڑاؤ گے تم نے جو کچھ رامین کے ساتھ کیا، اس پر تو انسانیت بھی خود شرمندہ ہو جائے اور حیا بھی مارے شرم کے نظریں جھکائے...... تم جیسے لوگ اس زمین کا وہ بوجھ ہیں جن سے شیطان کا کاروبار چلتا ہے۔ میں نے تمہیں ایک چھوٹا سا سبق سکھایا ہے، جو شاید تم جیسے مردہ ضمیر انسان کو جھنجوڑ دے۔ اسے انتقام سمجھ لو یا انصاف سمجھ لو، آئندہ کسی اور لڑکی کی زندگی برباد کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ کمزور لوگ ہمیشہ کمزور نہیں رہتے اور تمہارے ہاتھ سے نکلی ہوئی برائی ایک دن تمہاری طرف پلٹ کر ضرور آئے گی۔"

خط اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ علیزہ کے لکھے ایک، ایک لفظ سے نفرت ٹپک رہی تھی۔ ہر لفظ کے ہاتھ میں سنگ تھا جو اس کی روح پر برس رہا تھا۔

"آہ علیزہ منصور! تم نے مجھ سے کیسا انتقام لیا۔ میرے دل کو پارہ، پارہ کر گئیں۔" وہ کرب سے باقی کا خط پڑھنے لگا۔

"مجھے تلاش کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔ میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ میں دشمن کو معاف کرنے پر نہیں بلکہ اسے اس کی اوقات یاد دلانے پر یقین رکھتی ہوں۔ اس لفافے میں تمہارے بیٹے شیر دل کی تصویریں ہیں، وہ بیٹا جسے تم نے کبھی تسلیم ہی نہیں کیا...... تمہارا اور رامین کا بیٹا...... تم سے تو جانور اچھے ہیں، اپنے بچوں کو پناہ تو دیتے ہیں، تم بد تر انسانوں کی وہ قسم ہو جن سے کبھی کسی اچھائی کی امید ہی نہیں کی جا سکتی، رامین اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش ہے، اسے اللہ نے بہت اچھا جیون ساتھی دیا ہے۔ اس فرشتہ صفت انسان نے رامین اور شیر دل دونوں کو کھلے دل کے ساتھ اپنایا۔ تمہارے گناہوں نے تمہیں ایسا بدنصیب بنا دیا ہے جو ہر گناہ گار کے لیے عبرت کی مثال ہے تم اب ساری زندگی سزا بھگتو گے۔ سکون کا ایک پل بھی تمہیں نصیب نہیں ہوگا۔"

لفظ تھے یا کانٹے جو تیمور کی روح کو لہولہان کر رہے تھے۔ اس کا وجود جیسے زخم، زخم ہو گیا۔ یہ کیسا طوفان تھا جو اس کی ذات پر لمحوں میں گزر گیا۔

اس نے شدید بے قراری اور عجلت میں چھوٹا والا لفافہ کھولا اس کے اعصاب مفلوج ہو گئے تھے۔

لفافے میں ایک آٹھ سال کے خوب صورت اور صحت مند بچے کی تصویریں تھیں۔ اس کی نگاہیں ساکت ہو گئیں۔ وہ بچہ ہو بہو اس کی فوٹو کاپی تھا۔ اس کا بچپن وہی آنکھیں، وہی ہونٹ، وہی پیشانی، اتنی مشابہت کہ دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی باپ، بیٹے کا رشتہ پہچان لے۔ تیمور کا دل آنسو بن گیا...... آہ! وہ زندگی کے کس مقام پر کھڑا تھا۔ وہ بے قراری سے ایک کے بعد دوسری تصویر دیکھ رہا تھا۔ ایک تصویر میں وہ بچہ رامین کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اسکول یونیفارم پہنے وہ کتنا ذہین بچہ لگ رہا تھا۔ اور رامین کتنی بدل گئی تھی اس کے چہرے پر پہلے والا ہونق پن نہیں تھا۔ وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خوب صورت اور پُرکشش لگ رہی تھی۔

وقت لوگوں کو کتنا بدل دیتا ہے۔

تیمور کے دل میں اذیت ہی اذیت تھی۔ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

ایک تصویر میں شیر دل کے ساتھ رامین اور ایک اونچا لمبا وجیہہ مرد کھڑا تھا۔ تینوں مسکرا رہے تھے اور بے حد خوش لگ رہے تھے۔

وہ کس قدر بدنصیب باپ تھا۔ آٹھ سال بعد

بیٹے کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ وہ بار، بار شیرو کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھا۔

اسے کیا ہو رہا تھا۔ اتنے برس تو اسے کبھی رامین اور اس بچے کا خیال نہیں آیا تو اب کیوں...... اب کیوں وہ ریت کا آدمی بن گیا تھا جو آسانی سے ڈھے گیا۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو نکلے اور شیرو کی تصویر پر چمکنے لگے۔ اسے اب سمجھ آئی کہ پچھتاوا سالوں میں پنپتا ہے۔ وہ کتنا برا انسان تھا اس نے اپنے باپ کی اچھائیاں کیوں نہ اپنائیں۔ اسے کوئی خضر کیوں نہ ملا، جو اسے سیدھا راستہ دکھا دیتا۔

یہ وہ بچہ تھا جس سے اس نے جان چھڑانے کے لیے رامین پر بہتان باندھا تھا، جھوٹ بولے تھے اور یہ آدمی...... انسان تھا یا فرشتہ جس نے اتنی خوشی سے رامین اور شیر دل کو اپنایا تھا۔ اور یہ خوشی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ ہاں جب زمین پر انسان جیسے شیطان ہو سکتے ہیں تو پھر فرشتے کیوں نہیں ہو سکتے...... وہ بارِ ندامت سے جھک گیا۔ آج وہ رو رہا تھا۔ ایک وقت آتا ہے جب شیطان بھی روتے ہیں، جب زندگی کی جمع تفریق میں صرف خسارہ ہی خسارہ نکلتا ہے۔

☆☆☆

باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

امی اور آپا حیرت سے سامنے بیٹھے روتے ہوئے تیمور کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کی گود میں ایک سفید لفافہ پڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی تباہ حال بستی کی طرح اجڑا ہوا تھا۔ اس کے آنسو بارش کی طرح برس رہے تھے۔

''ارے رامین نے شادی کر لی تو کرے، ہمیں اس سے کیا...... اتنے برسوں بعد وہ منحوس کہاں سے یاد آ گئی۔ مشکل سے اسے گھر سے نکالا تھا۔ جیسی ماں ویسی بیٹی......'' امی نے ہاتھ ہلا کر غصے سے کہا۔ انہیں تیمور کے آنسو غصہ دلا رہے تھے۔ ان دنوں وہ اپ سیٹ بھی تو بہت تھا۔ آپا اسے بے حد ہمدردی سے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں علم تھا کہ وہ ان دنوں بدترین ڈپریشن سے گزر رہا ہے۔ اس لیے وہ اس کے رونے کو اس کی ذہنی حالت سے تعبیر دے رہی تھیں۔

تیمور نے بڑی خاموشی سے گود میں پڑے لفافے میں سے شیرو کی تصویریں نکال کر آپا کو تھمائیں۔ آپا حیرت سے تصویریں دیکھنے لگیں۔

''ارے یہ تو تیمور کے بچپن کی تصویریں لگ رہی ہیں۔ مگر نئے انداز میں edit کی گئی ہیں۔'' انہوں نے بے ساختہ کہا اور وہ تصویر امی کو تھمائی۔ تیمور نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

''دکھاؤ......'' امی نے عینک درست کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں، تیمور کے بچپن کی ہی لگ رہی ہیں...... بیک گراؤنڈ بدلا گیا ہے بس......'' امی اچنبھے سے بولیں۔

''یہ شیر دل کی تصویریں ہیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھ آنسوؤں کی جھیل بن گئی تھی۔

''کون شیر دل......؟'' امی نے حیرت سے پوچھا۔ تیمور کا یہ شدید ڈپریشن انہیں ہولا رہا تھا۔

''رامین کا بیٹا...... جو آٹھ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔'' تیمور کی آواز جیسے کسی کھائی سے آ رہی تھی۔ اس کے دل پر اماوس کی سیاہ رات افسردگی بن کر پھیل گئی۔

امی کو کرنٹ لگا۔ تصویر ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپا نے شاک کے عالم میں تصویر اٹھائی۔ شیر دل نے ایک، ایک نقش تیمور کا چرایا تھا۔ آپا تو کچھ بولنے کے قابل نہ رہیں۔

''رامین کے بیٹے سے ہمارا کیا تعلق......؟ نہ جانے کس کی اولاد ہے۔'' امی نے دل کے خدشوں کو دباتے ہوئے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا...... اگر یہ رامین کا بیٹا تھا تو تیمور سے اتنی مشابہت کیوں رکھتا تھا۔ وہ ہر طرح کے امکانات کو نظر انداز کر دینا چاہتی تھیں۔ آپا، دم بخود تصویر دیکھ رہی تھیں۔ یہ قدرت کے کام تھے ورنہ شیر دل، رامین جیسا بھی تو ہو سکتا تھا۔ قدرت کئی طریقوں سے عورت کی سچائی کی گواہی دیتی ہے۔

''امی! ایک رات میری زندگی میں ایسی آئی تھی جب میں...... میں نفس کا غلام بن گیا تھا۔ میں نے

رامین کے ساتھ جبراً تعلق قائم کیا تھا۔ وہ ایک کمزور لمحہ تھا جب میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا...... یہ مرد کی فطرت ہے، وہ اکیلی عورت کو دیکھ کر بارود بن جاتا ہے...... میں بعد میں اپنی اس لغزش پر بہت پچھتایا۔'' اس نے تھکے، تھکے لہجے میں شرمندگی سے اعتراف کیا۔

امی کو زوردار جھٹکا لگا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگیں...... آپا نے اپنا سر تھام لیا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا تم جھوٹ بول رہے ہو، تم نے تو کہا تھا کہ تم نے کبھی اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اتنے سال تم یہی کہتے رہے، اب کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟'' امی ہذیانی انداز میں بولیں۔ انہیں یہ اعتراف سن کر گہرا شاک لگا تھا۔

انہیں تیمور پر شدید غصہ آیا۔ وہ کیسی بہکی، بہکی باتیں کررہا تھا۔ کیا وہ پاگل ہوگیا تھا۔

''میں مکر گیا تھا۔ رامین اور بچے کی ذمے داری نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ میرا دماغ آپ کے زیرِ اثر تھا۔ آپ نے مجھے رامین سے نفرت کے اتنے انجیکشن لگائے کہ میرے خون میں نفرت کا زہر دوڑنے لگا۔ اس نفرت نے مجھے انسانیت کی سطح سے بھی نیچے گرادیا۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اس کا دل راکھ ہوچکا تھا۔ اس کے چہرے پر شبِ ہجر جیسی تاریکی تھی۔

امی سن بیٹھی تھیں۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو تیمور؟ تم نے اتنا بڑا سچ اب تک کیوں چھپا کر رکھا۔ ہمارے ساتھ جو بھی ہورہا ہے، یہ رامین کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے، تم پہلے بتادیتے تو ہم رامین سے تمہاری شادی کردیتے۔'' آپا نے افسردگی ملی خفگی سے اسے لتاڑا۔

''اس وقت میں بہت ناسمجھ تھا۔ میں پاگل نہیں تھا جو اتنی کم عمری میں ایک بچے کی ذمے داری اپنے سر لے لیتا۔ جوانی کے طوفان میں انسان سے بہت سی لغزشیں سرزد ہوجاتی ہیں، مجھ سے بھی ایک غلطی ہوگئی تھی۔ اب کیا اسے اپنے گلے کا طوق ہی

بتالیتا..... میں نے ہمیشہ اسے رامین کا ہی بچہ سمجھا، میں سوچتا تھا کہ اسے رامین نے پیدا کیا ہے تو وہ خود ہی پالے..... بعض دفعہ انسان کتنا خود غرض، حریص اور لالچی ہو جاتا ہے۔ کتنا گر جاتا ہے۔''

آج اس نے سب اعتراف کر لیے مگر دل کا بوجھ ہلکا ہونے کے بجائے بڑھ گیا۔ وہ آج اپنے دل کا غبار نکال دینا چاہتا تھا۔ امی تو اسے سرزنش کرنا بھی بھول گئی تھیں۔

''امی، آپ کی یہ نفرت بے بنیاد تھی اگر ابو، رامین کی امی سے محبت کرتے تھے تو اس میں رامین کا کیا قصور تھا..... اور یہ کیسی نفرت تھی جو صرف رامین سے تھی، اس کی چیزوں سے نہیں..... آپ نے اس کا سارا پیسہ..... گاڑی، زیور جبراً ہتھیا لیے۔'' آپا کا لہجہ چیخ گیا۔ انہوں نے امی کو ملامتی انداز میں دیکھا۔

''ارے تم تو چپ ہی کرو، جو کچھ ہوا تمہارے سامنے ہی تو ہوا۔ اس وقت تو تمہاری زبان نہیں کھلی۔ سب مل بیٹھ کر کھاتے رہے، اب کیوں رامین کا درد اٹھ رہا ہے۔'' امی نے آپا کو ڈانٹا۔

''اس وقت میں نا سمجھ تھی۔ یہ نہیں جانتی تھی کہ جب ہم کسی کو دکھ دیتے ہیں تو ایک وقت آتا ہے جب قدرت وہ دکھ واپس ہمیں لوٹا دیتی ہے۔'' آپا نے رنجیدگی سے کہا۔ وہ شوہر کی بے وفائی جیسے بڑے دکھ سے گزر چکی تھیں۔

''ارے آج میری اولاد میرے ہی خلاف عدالت لگا کر بیٹھی ہے۔ اگر رامین کا پیسہ ہم نہ کھاتے تو اس کی پھوپی سب کچھ ہتھیا لیتی۔ تم دونوں اپنے باپ پر گئے ہو ناں..... تمہارا باپ بھی ساری زندگی مجھے جلاتا اور کلساتا رہا اور اب تم دونوں میرا بڑھاپا خوار کرنے کے درپے ہو۔'' اُن کی آواز چیخ گئی۔

''اگر ہم غلطی کر رہے تھے تو آپ نے ہمیں اس وقت کیوں نہیں روکا۔ آپ نے کیوں ہمیں گناہ پر گناہ کرنے دیا۔ ماں تو اولاد کو صحیح راستے کا نشان بتاتی ہے۔ آپ ہمیں ظلم اور گناہوں کے رستے پر کیوں لے گئیں؟'' آپا نے انہیں ملامت بھری نظروں سے دیکھ کر شکوہ کیا..... امی کچھ بولنے کے قابل نہیں رہیں۔

''علیزہ نے مجھ سے انتقام لیا۔ وہ میرے اور رامین کے بارے میں سب جانتی ہے، شاید رامین کی کوئی دوست ہو..... اس نے میرے ساتھ کھیل کھیلا مگر میں کیوں شکایت کروں..... میں نے بھی تو کبھی کسی کی زندگی کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔'' تیمور کی آواز میں صدیوں کی تھکن تھی۔

''تو سارے فساد کی جڑ رامین ہی ہے ناں.....! اسی نے علیزہ کو بھیجا ہوگا۔ تم لوگ اس لڑکی کی طرف داری کر رہے ہو جس نے ہمیں اتنا بڑا دھوکا دیا۔'' امی نے کلس کر کہا۔

''وہ ہم سے بدلہ لینے میں حق بجانب تھی۔'' آپا نے مدھم آواز میں حقیقت پسندی سے کہا۔

''میں اسے ڈھونڈوں گا..... ہر حال میں، ہر قیمت پر.....'' تیمور کے انداز سے دیوانگی چھلک رہی تھی۔

''علیزہ کو؟'' آپا نے اس کی آنکھوں کی وحشت کو سراسیمگی سے دیکھا۔

''نہیں..... رامین کو.....'' اس نے ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آخر یہ رامین ہماری جان کب چھوڑے گی۔'' امی کو آج بھی اس سے بے انتہا نفرت تھی۔

تیمور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ وہ ٹوٹ چکا تھا، ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اس کی رگوں میں غم کا وہ زہر دوڑنے لگا جس کا کوئی تریاق نہیں تھا۔

☆☆☆

علیزہ سجی سنوری ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی میک اپ کو آخری ٹچ دے رہی تھی جب احمر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے آئینے میں احمر کے عکس کو دیکھا۔

''میرے لیے گجرے نہیں لائے؟'' اس نے بلش آن لگاتے ہوئے بے ساختہ اسے دیکھ کر پوچھا۔

''لایا ہوں.....'' اس نے اپنی جیب میں سے گجرے نکالے۔ ''دیکھو کتنا تابعدار شوہر ہوں۔'' وہ

دلنشین انداز میں مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"اب پہنا بھی دو۔" اس نے لاڈ سے کلائی آگے کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری امی کا فون آیا تھا۔" وہ گجرے پہناتے ہوئے بولا۔

"میری اُن سے بات ہوگئی تھی، تم بتاؤ تمہیں کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ اپنی کلائیوں پر نظریں جمائے ہوئے پوچھنے لگی۔

"شکر ادا کر رہی تھیں کہ علیزہ کی شادی ہوگئی۔ ورنہ تو اُن کی رات کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"لیٹ شادی کے ذمے دار سراسر تم ہی ہو، تم نے سیٹ ہونے ہی میں اتنی دیر کردی...... تو میں کیا کرسکتی تھی۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ہاں، اب تم بیوی بن گئی ہو...... سارے الزام اب مجھ پر ہی ڈالو گی...... بیویوں کا اور کام ہی کیا ہوتا ہے۔" وہ آنکھوں میں شوخی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور ویسے بھی تمہارے تو بڑے، بڑے عزائم تھے، رامین کو اس کا حق دلانا، تیمور آفندی سے بدلہ لینا، اسے سبق سکھانا، تمہارا ایڈونچر ختم ہوا تب ہی ہماری شادی ہوئی۔" وہ اس کے قریب ہی قالین پر پڑے فلور کشن پر بیٹھ گیا۔

"میں دو سال تم سے بڑی ہوں، اس لیے تم پر رعب جما سکتی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے بات بدلی۔

"مگر مرتبے میں تو میں ہی بڑا ہوں ناں...... مگر مجھے تم پر رعب جمانے کا کوئی شوق نہیں......" وہ برجستگی سے بولا۔

"تمہاری یہی عادت اچھی ہے، کہ مجھے سمجھتے ہو۔" اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے کہا۔

"کامیاب اور خوشگوار شادی شدہ زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں، بیوی ایک دوسرے کو سمجھیں......" اس نے مدبرانہ انداز میں کہا۔

"سو فیصد درست کہا پروفیسر صاحب......" اس نے شرارت سے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"شادی کیا ہوئی...... میں تو چاند سے پروفیسر بن گیا۔" وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

"میں بھی تو گڑیا سے بیگم صاحبہ بن گئی ہوں ناں......" اس نے برجستہ کہا۔

"اچھا بیگم صاحبہ! اس ویک اینڈ پر شہرام اور رامین کے گھر دعوت ہے۔" احمر نے اسے بتایا۔

"ہاں، مجھے بھی شیرو بہت یاد آرہا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"انشاء اللہ...... اگلے سال ہمارا اپنا شیرو آجائے گا۔" اس کی آنکھیں لو دینے لگیں۔

علیزہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ آگئی۔ وہ ٹیبل پر پڑے اپنے جھمکے پہننے لگی۔

احمر نے بہت دلچسپی اور محبت سے اس کے صبیح چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھا۔

زندگی بہت خوب صورت ہوگئی تھی۔

☆☆☆

رامین نے دیوار پر کیلنڈر لگاتے ہوئے مہینوں کی تاریخوں پر نظر ڈالی...... وہ بے ساختہ ہی دنوں کا حساب کرنے لگی۔ آج اس کی شادی کو بارہ دن ہوگئے تھے۔ اس کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

وہ پلٹی اور کچن میں جانے لگی۔ شیرو کے اسکول سے آنے میں ابھی وقت تھا۔ کچن میں جا کر اس نے ملازمہ کو کچھ ہدایات دیں۔ دوپہر کا کھانا تقریباً تیار ہی تھا۔ آج رامین اس گھر کی مالکن تھی وہ جو ہمیشہ سے ایک گھر کا خواب دیکھتی تھی۔ آج وہ اس خواب کی تعبیر دیکھ رہی تھی۔ کچن سے نکل کر وہ اپنی ساس کے کمرے میں گئی۔ وہ سو رہی تھیں۔ اس نے ان کے اوپر چادر ٹھیک کی اور ان کی سائڈ ٹیبل پر دوائیاں ترتیب سے رکھیں۔ اس نے شہرام کی گاڑی کا ہارن سنا تو وہ تیزی سے اس کے استقبال کے لیے لاؤنج کے بیرونی دروازے پر آئی۔ چوکیدار گیٹ کھول چکا تھا۔ گاڑی سے اترتے

ہوئے وہ اسے دیکھتے ہی مسکرایا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے بازو پر پڑا فولڈ ہوا کوٹ لے لیا اور وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اندر آگئے۔

''اچھی بیویوں والی ساری عادتیں ہیں تم میں بیگم......!'' اس نے خوش دلی سے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

''وہ اس لیے کہ آپ میں بھی اچھے شوہروں والی ساری خوبیاں ہیں۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

شہرام بے اختیار ہنسا۔

''جب سے ہماری شادی ہوئی ہے، تم کتنی حاضر جواب ہوگئی ہو، پہلے تو تم سے ڈھنگ سے کوئی بات بھی نہیں کی جاتی تھی۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''شادی کے بعد سے میں حاضر جواب ہی نہیں، خوش مزاج بھی ہوگئی ہوں۔'' وہ شرارت سے بولی۔

شہرام نے بڑی توجہ کے ساتھ اس کی بات سنی وہ دونوں اب کمرے میں آگئے تھے۔

''کھانا لگادوں؟ آپ لنچ بریک میں آئے ہیں...... پھر واپس آفس جانا ہوگا۔'' اس نے شہرام کا کوٹ ہینگر پر لگاتے ہوئے کہا۔

''شیرو کو لے آؤں پھر اکٹھے ہی کھانا کھائیں گے۔'' وہ نرمی سے بولا۔ رامین کو ایک سچی خوشی محسوس ہوئی، اس نے کوٹ ہینگ کرکے الماری میں لٹکا دیا۔

''میرے پاس آکر بیٹھو! میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ایسی بھی میں کوئی حور پری نہیں ہوں......'' وہ الماری بند کرکے شہرام کے قریب آئی۔

''میرے لیے تو حوروں سے بڑھ کر ہو۔'' اس نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہلکا میک اپ کیے، ہلکی جیولری پہنے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ سلور نگینوں سے سجا کاسنی رنگ کا سوٹ اس پر بہت جچ رہا تھا۔

''سچ کہہ رہے ہیں یا ڈائیلاگ بول رہے ہیں۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

''اب مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔'' اس کی سادگی اس کی فطرت کا حصہ تھی۔

''تمہاری مسکراہٹ ہی میری تعریف ہے۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے کہا۔

''مجھے لفظوں میں بھی تو آپ کی تعریف کرنی چاہیے ناں......؟'' وہ مسکرائی۔

''میری طرف سے بے شک تم میری تعریف میں کتاب لکھ دو۔'' وہ ہنسا۔

''کتاب لکھنے میں تو وقت لگے گا...... میں ایک جملہ ہی کہہ دیتی ہوں۔'' وہ ذرا سا رکی۔

''کہ آپ بہت، بہت زیادہ اچھے انسان ہیں۔'' وہ جملہ ختم کرتے ہوئے عقیدت سے مسکرائی۔

''بہت، بہت شکریہ، اس بیش قیمت تعریف کا۔'' اس نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

''آج میں شیرو کو اسکول سے لینے آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' اس نے محبت بھرے مان کے ساتھ کہا۔ اکثر وہ خود ہی شیرو کو لے آتا تھا۔

''ٹھیک ہے، کوئی اور حکم بیگم صاحبہ......'' وہ تابعداری سے سر خم کرتے ہوئے بولا۔

رامین کے چہرے پر اک آسودہ اور سرشار سی مسکراہٹ چمکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شیرو کو اسکول سے لے آئے۔ ہنستا کھلکھلاتا شیرو دل اب زندگی سے بہت خوش تھا۔ اب وہ ایک مکمل فیملی لائف جی رہا تھا۔

گاڑی گیٹ پار کرکے پورچ میں داخل ہوئی۔

شہرام نے شیرو کو اٹھایا۔ رامین نے اس کا اسکول بیگ اور واٹر باٹل پکڑی اور وہ تینوں مسکراتے ہوئے اندر کی طرف چل دیے۔

یہ ایک خوش باش فیملی کا بے حد خوب صورت منظر تھا۔ جس میں محبت کے بھی رنگ جھلملا رہے تھے۔

(ختم شد)



ان جانا یقین؟

نگہت اعظمی

مہندی کے فنکشن کی تقریب سے واپسی پر وہ اتنی خاموش تھیں جیسے کسی نے اُن کی ساری محنت پر تیل چھڑک کر آگ لگادی ہو اور اس آگ میں ان کے سارے ارمان، ولولے، آرزوئیں جل کر راکھ ہوگئی ہوں۔ وہ تقریب میں جاتے ہوئے جتنی خوشی اور پُرجوش تھیں اتنی ہی واپسی پر خاموش اور افسردہ...... ان کی اس خاموشی اور افسردگی کو ہر فرد محسوس کررہا تھا۔ ان کی بہنیں، بھابیاں، جیٹھانی، دیورانی ہر ایک نے

اپنے، اپنے طور پر کھوجتے کی کوشش کی لیکن کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

وہ کسی کو کیا بتاتیں، کیسا غضب ہو گیا تھا۔ کتنے سالوں سے وہ اپنے اکلوتے، لائق فائق، خوب صورت بیٹے کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں۔ کیسی، کیسی حسین لڑکیاں ایک معمولی نقص پر انہوں نے مسترد کر دی تھیں بلکہ اب تو خاندان والوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ان کے معیار کے مطابق سجاد کے لیے اس روئے زمین پر لڑکی ملنا ناممکن ہے اس کے لیے تو انہیں جنت کا ایک چکر لگانا پڑے گا شاید وہاں انہیں اپنی مرضی کی حور مل سکے۔

اور جب سب لوگ اور خود سجاد بھی اپنی شادی سے مایوس ہو چکا تھا تو انہیں ماہم نظر آئی۔ ہو بہو ان کے معیار کے مطابق، خوب صورت، پڑھی لکھی، باحیا، پردہ دار، سلیقہ مند، مہذب اور سب سے بڑھ کر ان کے باپ کا عہدہ...... ان کی تنخواہ اور ڈیفنس میں عالیشان بنگلا...... کہنے کو وہ بھی سب سے یہی کہتی تھیں کہ انہیں صرف اچھی لڑکی چاہیے، لڑکی چاہے مڈل کلاس گھرانے کی ہی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بس گھرانا شریف اور معزز ہو...... زیادہ مالدار گھرانوں سے رشتہ نہیں جوڑنا۔ یہ سب وہ محفلوں میں بیٹھ کر سب کے سامنے کہتی تھیں لیکن لڑکی تلاش کرنے کے لیے بڑے، بڑے بنگلوں کا ہی رخ کرتیں...... ورنہ کیا خاندان میں پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکیاں موجود نہیں تھیں۔ خود ان کی بھانجیاں، بھتیجیاں خاصی خوب صورت تھیں اور ان کے شوہر کی دو بھانجیاں تو بالکل سجاد کے جوڑ کی تھیں لیکن خاندان کی لڑکیوں کو تو انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ سجاد خاندان میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ سب گھرانے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے ایسی ہی جگہوں پر رہتے تھے۔ کسی کا دو سو گز کا گھر تھا، کسی کا تین کمروں کا فلیٹ تھا۔ کوئی پورشن والے گھر میں جا بسا تھا۔ جبکہ وہ خاندان میں سب سے خوشحال تھیں۔ ان کا ایک پوش ایریا میں چار سو گز کا بہت خوب صورت سا بنگلا تھا۔ اور ان کی خواہش تھی کہ سجاد کی سسرال ان سے زیادہ بہتر ہو۔ ان سے زیادہ مالدار ہو، ان سے زیادہ اسٹیٹس والی ہو لیکن یہ خواہش دل ہی دل میں پنپ رہی تھی۔ زبان سے تو سادگی، انکساری، عاجزی کے پھول جھڑ رہے تھے۔

انہوں نے ماہم کو اپنے بھانجے کی شادی میں دیکھا تھا۔ شادی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوئی جہاں لگ رہا تھا کہ ایک فیشن پریڈ چل رہی ہے، لڑکیاں ... اسٹائل کے نام پر عجیب و غریب لباس پہن کر نمونے بنی ہوئی تھیں۔ شہر کی ساری کریم جمع تھی، ہر لڑکی اور ہر خاتون اپنے آپ کو ایلیٹ کلاس کا ظاہر کرنے کی تگ و دو میں ہلکان ہو رہی تھی، زیادہ لڑکیاں انگریزی ہی میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کو اردو بولنا ہی نہیں سکھائی گئی تھی۔ اسکول، کالج، گھر ہر جگہ وہ انگریزی ہی بولتی تھیں۔ اس لیے انہیں اردو میں بات کرنا بہت مشکل لگتا۔ ہر طرف سے ہاؤ، اوسم، ریئلی، انچوئلی جیسے الفاظ گونج رہے تھے جو لڑکی جتنے فراٹے سے انگریزی بولتی اس کی ماں کا سر فخر سے اتنا ہی بلند ہو جاتا، زیادہ تر لڑکیاں، لڑکوں کے ساتھ ہی گروپ بنا کر باتوں میں مصروف تھیں...... سیلفیاں لی جا رہی تھیں، ہر ایک ہاتھ میں جدید ترین سیل فون تھا اور ایسے ماحول میں ان کی نظر اپنے سامنے والی ٹیبل پر بیٹھی ایک فیملی پر پڑی جہاں ایک بیس بائیس سال کی بہت خوب صورت لڑکی فان کلر کی کامدار فراک اور اسی کا ہم رنگ اسکارف پہنے سب سے منفرد سب سے سادہ اور سب سے زیادہ دلکش نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے برابر میں بیٹھے اپنے بیٹے سجاد کو ٹہوکا دیا۔

''سامنے جو لڑکی فان کلر کا اسکارف پہنے ہے، وہ کیسی ہے؟''

''مما پلیز آپ اس طرح ہر جگہ لڑکیوں کو نہ دیکھا کریں، بہت برا لگتا ہے۔'' سجاد بہت نیک فطرت لڑکا تھا، اسے اس طرح ماں کا لڑکیوں کو دیکھنا اور ان پر تبصرہ کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



"مجھے تو لڑکی بہت اچھی لگ رہی ہے، اگر تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے تو اس کے بارے میں معلومات کروں؟" انہوں نے سجاد کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا مشن جاری رکھا۔

"آپ کو پسند آگئی ہے میرے لیے یہی کافی ہے۔" اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھ کر ساری ذمے داری ماں کے کاندھوں پر ڈال دی۔

"مجھے تو ساری محفل میں اس سے زیادہ خوب صورت لڑکی کوئی نظر ہی نہیں آرہی۔" انہوں نے پھر ساری محفل پر طائرانہ نظر دوڑائی اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ساری محفل میں وہی سب سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ لڑکی والوں کی طرف سے ہیں۔" انہوں نے خیال ظاہر کیا۔

"ظاہر ہے ہمارے خاندان کی ہوتی تو کیا اب تک ماں باپ نے لاکر میں رکھا ہوا تھا۔" ان کے شوہر زاہد صاحب نے تبصرہ کیا۔

"آپا ہی سے معلوم کرنا پڑے گا۔" انہیں آپا سے بات کرتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی، وہ ان کی بتائی ہوئی کئی لڑکیاں مسترد کر چکی تھیں۔

"تو کر لیجیے بلکہ ابھی کر لیجیے...... نیک کام میں دیر کیسی......؟" زاہد صاحب بھی اب اُن کی تلاش سے عاجز آچکے تھے اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد ان کے بیٹے کے سر پر بھی سہرا بندھ جائے۔ اب تو اس کی عمر کے سارے لڑکوں کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اکثر تو بچوں کے باپ بھی بن چکے تھے۔

انہوں نے بھی شوہر کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی اور فوراً ہی آپا کے پاس پہنچ گئیں اور لڑکی کو دور سے دکھا کر اپنا مدعا بیان کیا تو پتا چلا وہ آپا کے بیٹے کے دوست کی بہن ہے۔ پہلے وہ لوگ اسلام آباد میں رہتے تھے چند ماہ پہلے ہی لڑکی کے باپ کی پوسٹنگ کراچی میں ہوئی ہے۔

"لوگ تو اچھے لگ رہے ہیں، ویسے میں ان لوگوں کو آج پہلی دفعہ ہی دیکھ رہی ہوں۔"

"آپ کو لڑکی کیسی لگی؟" انہوں نے بہن سے تائید چاہی۔

"بہت خوب صورت ہے جیسی تم چاہتی ہو ویسی ہی ہے۔" انہوں نے کھل کر تعریف کی۔

"لڑکی کہیں انگیج تو نہیں ہے؟" انہیں سب سے زیادہ یہی فکر تھی کیونکہ لڑکی خوب صورت بھی تھی اور مالدار بھی لگ رہی تھی اور آج کل سب سے زیادہ ڈیمانڈ انہی دو چیزوں کی ہوتی ہے۔

"یہ میں حماد سے معلوم کرلوں گی۔" آپا نے اپنے بیٹے کا نام لیا جو اسٹیج پر دولہا بنا بیٹھا تھا۔

"آپ شادی کے ہنگاموں سے فارغ ہو جائیں تو بتا دیجیے گا پھر ہم جلد ہی کوئی اچھی تاریخ دیکھ کر ان کے گھر جانے کا پروگرام بنا لیں گے۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی حماد کو اسٹیج سے بلالیں اور فوراً ہی ان کے گھر روانہ ہو جائیں۔

"ہاں، ہاں تم بالکل فکر نہیں کرو، میں کل ہی حماد سے بات کرلوں گی۔" آپا اپنی بہن کی بے قراری سمجھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد کھانا سرو ہو گیا، وہ کھانا کھا رہی تھیں اور اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ بہت perfectionist ہر چیز بے عیب اور بے نقص پسند کرتی تھیں اور ہر کام بھی بہت اعلیٰ اور بہترین کرنے کی کوشش کرتیں۔ نہ کسی چیز میں نقص اُن سے برداشت ہوتا اور نہ کسی کام میں غلطی برداشت کر سکتی تھیں۔ ان کی طبیعت میں اتنی نفاست تھی کہ گھر میں کہیں کوئی داغ، دھبا نظر آجائے تو وہ بے چین ہو جاتیں۔

کھانے کے دوران سارا وقت اسی کو دیکھتی رہیں، وہ کھانا کس طرح نکال رہی ہے، کس طرح کھا رہی ہے، کس طرح کولڈ ڈرنک پی رہی ہے، کس طرح اٹھ رہی ہے، کس طرح بیٹھ رہی ہے، کس طرح مسکراتی ہے، کس طرح بات کرتی ہے، اتنی دیر میں انہوں نے ہر، ہر پہلو سے اسے جانچ اور پرکھ لیا تھا۔

اور انہیں اس میں کوئی خامی نظر نہیں آئی بلکہ جب وہ اپنی ماں کی کسی بات پر دھیمے سے مسکرائی تو وہ اس کی مسکراہٹ پر جیسے فدا ہوگئیں۔

''مسکراتے ہوئے کتنی پیاری لگ رہی ہے۔''

انہوں نے دل ہی دل میں اس کی مسکراہٹ کو سراہا۔

''ابھی اتنے ہلکے میک اپ میں اتنی خوب صورت لگ رہی ہے تو دلہن بن کر کتنی حسین لگے گی۔''

وہ چشم تصور سے اسے سجاد کے برابر بیٹھا دیکھ رہی تھیں اور خواتین کی تعریفیں سمیٹ رہی تھیں۔

''خدا نے تمہاری خواہش پوری کر دی، دلہن تو چاند کا ٹکڑا ہے۔''

''چاند کا نہیں چودھویں کے چاند کا۔''

''کہاں سے تلاش کی؟''

''آج کل تو ایسی حسین لڑکیاں نظر ہی نہیں آتیں؟''

''اللہ نصیب اچھا کرے۔''

''ماشاءاللہ چاند سورج کی جوڑی ہے۔''

''نظر اتار دو، خدا نظرِ بد سے بچائے۔''

شادی سے واپسی پر بھی وہ سارا وقت اسی کے تصور میں کھوئی رہیں، انہیں خوشی کے مارے ساری رات نیند نہیں آئی۔ حالانکہ ابھی دل کو بے شمار خدشات لاحق تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بیٹے اور شوہر کو بھی ماہم اور گھر والے بہت پسند آئے تھے۔ وہ ساری رات دعائیں مانگتی رہیں کہ ابھی ماہم کی کہیں بات طے نہ ہوئی ہو کیونکہ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا تھا کہ انہیں کوئی لڑکی پسند آگئی تو پتا چلا کہ اس کی منگنی ہوگئی ہے اور ایک دفعہ تو حد ہی ہوگئی۔ انہیں ایک شادی میں جو لڑکی اچھی لگی وہ شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں نکلی۔ انہیں حیرانی ہوئی وہ اتنی سادہ تھی کہ کہیں سے شادی شدہ نہیں لگ رہی تھی۔ یہ تو بعد میں پتا چلا کہ اس کے شوہر کا شادی کے ایک سال بعد ہی انتقال ہوگیا تھا۔ اس کا بیٹا بھی شوہر کے انتقال کے دو ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔

اس طرح ایک اور اسی طرح کا اتفاق ہوا کہ انہیں جو لڑکی اچھی لگی وہ طلاق یافتہ نکلی..... اس کا شوہر شادی کے قابل ہی نہیں تھا۔ اس نے شادی کے چھ ماہ بعد ہی بیوی کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تھا۔

سجاد نے بی اے کیا تھا اور ایک انٹرنیشنل فرم میں بہت ہینڈسم سیلری پر جاب کر رہا تھا۔ اس کی تنخواہ تین، چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ وہ ان کا اکلوتا اور..... بے حد فرمانبردار بیٹا تھا۔ وہ اس کی جاب ہوتے ہی اس کے لیے لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں اور اب تو انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ انہوں نے اس کے لیے کتنی بے شمار لڑکیاں دیکھ لی تھیں بلکہ کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوا کہ کسی نے انہیں کوئی لڑکی دکھائی تو وہ لڑکی ان کی دیکھی ہوئی اور مسترد کی ہوئی نکلی۔

☆☆☆

صبح اٹھتے ہی ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب سے پہلے آپا کو فون کریں پھر یہ سوچ کر انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا کہ ولیمے سے وہ لوگ دو ڈھائی بجے آئے ہوں گے پھر ولیمے کے دوسرے دن تو آئے ہوئے مہمانوں کے جانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور آپا کی تو ساری سسرال ہی لاہور میں تھی۔ وہ سب لاہور سے شادی کے لیے آئے ہوئے تھے اور ولیمے کے بعد ہی سب نے جانا تھا۔

وہ بار بار فون کرنے کا ارادہ کرتیں پھر بے شمار باتیں سوچ کر اپنے کو اس ارادے سے باز رکھتیں یہاں تک کہ صبح سے دوپہر ہوگئی۔ اتوار کا دن تھا، سجاد چھٹی کے دن بہت دیر سے سو کر اٹھتا تھا۔ زاہد بھی فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ سو چکے تھے۔ صرف وہی تھیں جنہیں نہ نیند آرہی تھی اور نہ قرار آرہا تھا۔ خدا، خدا کر کے دوپہر کو آپا نے خود ہی فون کر لیا۔ آپا کا نمبر دیکھتے ہی اُن کے جسم میں نئے سرے سے توانائی آگئی۔

''یقیناً اچھی خبر ہوگی جبھی آپا نے خود فون کیا ہے.....'' یہ سوچتے ہوئے انہوں نے فون اٹھایا۔

''ہاں شازیہ مبارک ہو اس لڑکی کی ابھی کہیں انگیجمنٹ نہیں ہوئی ہے اور حماد ان لوگوں کی بہت تعریف

کر رہا ہے کہ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔
آپا بھی ان کی بے قراری کو سمجھتی تھیں انہوں نے رسمی سلام دعا کے فوراً بعد ہی اصلی بات بیان کر دی۔
''شکر خدا کا...... میں تو ساری رات یہی دعائیں مانگتی رہی کہ اس لڑکی کی کہیں منگنی نہ ہوئی ہو۔'' ان کی آواز خوشی سے کانپنے لگی۔
''میں نے حماد سے کہہ دیا ہے کہ کل جمعہ ہے، ہم لوگوں کو کل ہی ان کے گھر لے جائے۔'' آپا بھی ان ہی کی بہن تھیں انہیں بھی سجاد کی شادی کی بہت فکر تھی، ان کا بیٹا حماد، سجاد سے تین سال چھوٹا تھا اور اب اس کی بھی شادی ہو گئی تھی۔
''یہ آپ نے بہت اچھا کیا...... میں خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' انہوں نے بہن کی بات کی تائید کی۔
''میں حماد سے کہہ کر ان لوگوں کو فون کروا دوں گی، تم اپنی تیاری کر لو لیکن ابھی کسی سے ذکر نہیں کرنا۔''
''ہاں بالکل میں بھی آپ سے یہی کہنے والی تھی۔ اور آپ کو تو پتا ہے خاندان والے کیسی باتیں کر رہے ہیں پھر جن، جن گھروں میں لڑکیاں بیٹھی ہیں سب ہی کی نظریں سجاد پر ہیں۔ خاص طور پر ناہید آپا نے کتنی دفعہ لوگوں سے کہلوایا ہے۔'' انہوں نے اپنی بڑی نند کا ذکر کیا۔ جن کی بڑی بیٹی سجاد کے جوڑ کی تھی اور ان کے شوہر کو پسند بھی بہت تھی۔
''اچھا خیر، اب اس بات کا تذکرہ کیا کرنا...... ظاہر ہے جس کی بیٹیاں ہوتی ہیں اسے اپنے بھائی، بہنوں سے ہی امید ہوتی ہے، میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی میرے جیٹھ اور جیٹھانی رخصت ہونے والے ہیں ان کو خدا حافظ کہہ دوں۔'' آپا نے عجلت میں فون بند کر دیا۔
فون رکھتے ہی انہوں نے سب سے پہلے گھر میں یہ خوش خبری سنائی پھر اگلے دن کا پروگرام طے کرنے لگیں۔

☆☆☆

جمعہ کا دن ان کے لیے مبارک ثابت ہوا اور وہ ماہم کے گھر پہنچیں تو وہ گھر ان کے خواب و خیال سے زیادہ عالیشان تھا ہر چیز جگر جگر کر رہی تھیں۔ گھر کے ہر گوشے سے مکینوں کے سلیقے اور نفاست کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایسے صاف ستھرے جھلملاتے ماحول میں ماہم اور زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ چائے پر بھی زیادہ تر لوازمات گھر کے بنے ہوئے تھے۔ آپا بھی ان کا گھر بار، گھر والوں کے مہذب طور طریقے اور سلیقہ مندی دیکھ کر حد درجہ مرعوب ہو رہی تھیں۔
انہوں نے اسی وقت آپا سے مشورہ کر کے رشتہ دے دیا۔
''ہمیں بھی آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے، آپ میرے بیٹے کے بارے میں اچھی طرح معلومات کر لیجیے پھر جتنی جلدی ہو سکے ہمیں جواب دے دیجیے گا۔'' وہ رشتے کی بات کرتے ہوئے آج پہلی مرتبہ نروس ہو رہی تھیں۔
''سجاد میرا بھانجا ہے لیکن مجھے اپنے بچوں سے بڑھ کر پیارا ہے، میں اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے بارے میں جس سے بھی دریافت کریں گی وہ آپ سے اس کی تعریف ہی کرے گا۔'' آپا نے بات آگے بڑھائی۔
''جی، آپ لوگوں کا شکریہ...... آپ نے ہماری بیٹی کو پسند کیا۔ آپ لوگ ہمارے گھر تشریف لائے، ہماری عزت افزائی کی۔ آپ لوگ بھی ہمیں بہت اچھے لگے ہیں، آپ جانتی ہیں لڑکی کی شادی کرنا بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے پھر میری بیٹی بہت نیک اور معصوم ہے۔ اس میں ذرا بھی تیزی اور چالاکی نہیں...... ہمیں اس کے لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں تھوڑا سا وقت دیجیے...... اگر آپ کا بیٹا ہمارے معیار کے مطابق ہوا تو ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔'' ماہم کی والدہ نے انتہائی شائستگی کے ساتھ ان کے سوال کا جواب دیا۔
''انشاء اللہ آپ کو میرے بیٹے کے بارے میں کہیں سے کوئی برائی نہیں سننے کو ملے گی۔'' انہوں نے قدرے فخر سے کہا۔

"یقیناً...... مجھے آپ لوگوں کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی ہوگی۔" ماہم کی والدہ کے اس جملے پر ان کا دل باغ، باغ ہوگیا۔ انہیں لگا ان کو سجاد بہت پسند آیا ہے، وہ سجاد کو اپنے ساتھ ہی لے گئی تھیں اور...... سجاد بہت خوب صورت اور ہینڈسم تھا۔

وہ وہاں سے اٹھیں تو خوشی کے مارے وہ اپنے آپ کو زمین پر نہیں بلکہ آسمانوں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھیں اور پھر ان کی توقع کے مطابق چند دنوں بعد ہی ماہم کے گھر والوں نے رشتہ منظور کرلیا۔ رشتہ منظور ہوتے ہی تاریخیں طے ہوگئیں۔ عید کے تیسرے دن مہندی اور پانچویں دن بارات کی تاریخ مقرر ہوئی۔

☆☆☆

رمضان کا پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے شادی کی تیاریاں کرتے گزرا۔ ان کے بس میں ہوتا تو شاید وہ کیٹ ونسلٹ کے ڈیزائنرز سے ویڈنگ ڈریس ڈیزائن کرواتیں، صبح سے شام تک وہ آپا کو ساتھ لیے بازاروں کے چکر کاٹا کرتیں۔ بری کے پچیس جوڑے بھی انہوں نے نامی گرامی بوتیک سے تیار کروائے تھے اور پھر بارات اور ولیمے کے جوڑے کے لیے انہوں نے جتنی تگ و دو کی تھی اور جتنی مشقت اٹھائی تھی اگر اتنی محنت اور مشقت کا دسواں حصہ بھی رمضان میں عبادتوں میں صرف کرتیں تو یقیناً ان کو اس دنیا میں ایسے، ایسے لباس اور پوشاکیں نصیب ہوتیں جن کے ایک تار کی قیمت بھی یہاں کے لاکھوں کے لباس سے ہزاروں گنا زیادہ ہوتی۔

کیسا خسارہ ہے؟ اور انسان کس، کس طرح اس خسارے پر خوش اور مطمئن ہے؟ اسے احساس ہی نہیں کہ وہ ہر فنا ہونے والی شے پر باقی رہنے والی چیزوں کو کتنی خوشی سے قربان کر دیتا ہے اور کتنے بڑے نقصان کا سودا کر رہا ہوتا ہے۔

بارات کا لہنگا تین لاکھ اور ولیمے کا ساڑھے تین لاکھ کا تیار ہوا تھا۔ اور ایسا حسین کہ نظر نہیں ٹک رہی تھی۔ زیور ان کا اپنا ہی تھا لیکن وہ اس سے مطمئن نہیں تھیں اور اس کے علاوہ بہت بھاری اور نئے ڈیزائن کا زیور بنوایا جسے دیکھ کر نظریں خیرہ ہونے لگتی تھیں۔ بارات اور ولیمے دونوں کے لیے فائیو اسٹار ہوٹلز کا انتخاب کیا گیا تھا۔ مہمانوں کی تعداد چھ سو سے زائد تھی۔ مہندی کی تقریب ماہم کے گھر والوں نے ایک بے حد مہنگے بینکوئٹ میں رکھی تھی۔

عید کی رات کو وہ ماہم کا جوڑا لے کر گئی تھیں۔ اس میں بھی ان کے ہمراہ ان کی آپا، آپا کی بہو، ان کی اپنی دونوں بھابیاں اور ان کی بہو، بیٹیاں، ان کی نند اور ان کی دونوں بیٹیاں، جیٹھانی اور ان کی دونوں بہویں غرض یہ کہ صرف عید کا جوڑا لے جانے کے لیے ان کے ساتھ پندرہ خواتین اور پانچ مرد تھے اور جوڑے کا صرف نام تھا جوڑے کے ساتھ سونے کا سیٹ، ایک ٹوکرا پھلوں کا، پانچ کلو مٹھائی، سوتیاں، میوے، لڑکی کی ساری کزنز کی چوڑیاں ماہم کی والدہ کے لیے سونے کے ٹاپس، ماہم کے بھائی کے لیے برانڈڈ شلوار قمیص، ماہم کی دادی کے لیے بہت مہنگا جوڑا...... سونے کی انگوٹھی، ماہم کے باپ کے لیے گھڑی اور یہ سب اہتمام دیکھ کر خاندان والے منہ پر تعریفیں تو کر رہے تھے پر دبے، دبے الفاظ میں اعتراض بھی کر رہے تھے۔

"عیدی میں تو اتنا نہیں لے جایا جاتا......"

جیٹھانی نے جھک کر ان کی بھابی کے کان میں سرگوشی کی کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔

"بس کیا بتائیں...... اللہ دے رہا ہے تو دونوں ہاتھ سے لٹایا جا رہا ہے۔" وہ کیوں پیچھے رہتیں۔

"بھابی نے تو کچھ زیادہ ہی شو بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔" ان کی نند جو بیچاری ایک معمولی سرکاری آفیسر کی بیوی تھیں یہ سب شان و شوکت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہی تھیں۔

"ان ہی باتوں کی وجہ سے تو لوگوں کے دلوں میں جلن اور حسد پیدا ہوتا ہے۔" ان کی بڑی بھابی نے ان کی نند کا جملہ سن لیا تھا اور اب ان کی ہاں میں ہاں ملا

کران کے جلتے دل پر ٹھنڈے پھاہے رکھ رہی تھیں۔

''یہی تو اسراف ہے اگر اللہ نے آپ کو دیا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ یہ نہیں کہ دنیا کو دکھانے کے لیے خدا اور رسول کے احکامات بھول جائیں۔'' ان کی جیٹھانی کی بہو نے بھی تبصرہ کیا۔ جس نے حال ہی میں دینی تعلیم کا مدرسہ جوائن کیا تھا۔ اور ہر جگہ ہر کسی کو درس دینے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اس کی بات کو سنجیدگی سے سنتا ہی نہیں تھا۔ وہ بھی موقع دیکھے بغیر تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیتی تھی۔

وہ سب اتنا سامان لے کر ہاہم کے گھر پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے زیادہ شاندار طریقے سے ان سب کا استقبال کیا۔ آنے والی ساری خواتین کو چوڑیاں مٹھائی کے ڈبے اور مردوں کو بہترین قسم کے پرفیوم دیے گئے۔

عید کے اگلے دن ہی سے ان کے گھر میں گانے بجانے کا آغاز ہو گیا تھا۔ سارا دن یا تو ڈیک پر گانے بجتے رہتے یا لڑکیاں ڈھولک بجاتی رہتیں۔ جس رات کو مہندی کا فنکشن تھا اس دن صبح سے گھر میں خوشگوار چہل پہل کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ گھبرائی، گھبرائی پھر رہی تھیں کسی چیز کی کمی نہ رہ جائے، کوئی خامی نہ رہ جائے۔ ہر چیز مکمل ہو، ہر چیز بے عیب ہو۔ مہندی لے جانے کے لیے پھلوں کے ٹوکرے شہر کی سب سے مہنگی دکان سے آرڈر پر بنوائے گئے تھے۔ سنہرے تاروں سے بنے ہوئے ٹوکروں میں جگہ جگہ مختلف رنگوں کے موتی لگائے گئے۔ مٹھائی کے ڈبوں کے لیے نیٹ کے کور لیے تھے جن پر سنہری ستاروں اور موتیوں کا کام کروایا گیا۔ مہندی سجانے کے لیے اسپیشلسٹ کی خدمات طلب کی گئیں جنہوں نے کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد مہندی کے لوازمات کو اس طرح سجایا کہ جس نے بھی دیکھا تعریف کیے بنا نہ رہ سکا۔

''واقعی ہم نے آج تک اس قدر خوب صورت انداز سے سجی ہوئی مہندی نہیں دیکھی.....'' سب کی

کھٹا میٹھا

☆ ریلوے کے خسارے کو کم کرنے کے لیے لوگوں کو دور دراز علاقوں میں شادی کرنے پر مجبور کیا جائے تا کہ لوگوں کو سسرال جانے کے لیے ریل کا سفر کرنا پڑے۔

☆ امتحانات کا معیار سخت کیا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ فیل ہو سکیں اور ٹیچروں کے ٹیوشن کا کاروبار چمک سکے۔

☆ نئی ویرانی گاڑیاں زیادہ سے زیادہ درآمد کی جائیں تا کہ پولیس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔

☆ انجینئروں کو روزگار مہیا کرنے کے لیے شدید بارشوں کی دعائیں کی جائیں تا کہ پلوں، سڑکوں اور نہروں وغیرہ کی مرمت شروع ہو سکے۔

مرسلہ: انعم صابر علی، کراچی

زبان پر یہی جملہ تھا۔

مہندی لے جانے والی لڑکیوں کے لیے جو تھیم تیار کی گئی وہ بھی سب سے مختلف اور منفرد تھی۔ فراک اور چوڑی دار پاجامے اسٹیل گرے اور دوپٹے مختلف کلر کے بے حد شوخ رنگوں کے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ہر طرف قوسِ قزح چھائی ہوئی ہے۔ بیوٹیشن کو گھر پر بلایا گیا تھا اور لڑکیاں تو لڑکیاں ادھیڑ عمر کی خواتین نے بھی دل لگا کر اپنی ڈسٹنگ پینٹنگ کروائی تھی اور زیادہ تر خواتین ستر کی دہائی کی ہیروئنوں کی یاد تازہ کر رہی تھیں۔ کوئی بھی اپنے آپ کو شمیم آرا اور زیبا سے کم سمجھنے پر تیار نہیں تھیں۔ وہ خود پورے کیل کانٹوں سے لیس تھیں۔ ان کا گرے گرین پیور شیفون کا سوٹ جس پر نگوں کا کام بنا تھا۔ جگر جگر کر رہا تھا اس جوڑے کی مناسبت سے انہوں نے بہت نازک ساڈائمنڈ کا سیٹ پہنا تھا۔ بالوں کو کرل کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا اور جب میک اپ کے بعد زاہد صاحب نے انہیں دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گئے۔

''یہ آپ ہی ...... ہیں ...... میری بیوی جو گزشتہ بتیس برس سے میرے ساتھ رہ رہی ہیں۔''

"کیوں، کیا بہت اچھی لگ رہی ہوں......؟"
یوں تو سب ہی نے دل کھول کر تعریف کی تھی لیکن وہ ان کی زبان سے تصدیق چاہ رہی تھیں کہ شوہر کی تعریف کا نشہ ہی اور ہوتا ہے۔

"ایسی، ویسی، مجھے لگ رہا ہے اماں حوا کے زمانے کی کوئی حور جنت سے اتر کر زمین پر آگئی......" وہ شوخی سے مسکرائے۔

"کیا مطلب......؟" انہوں نے آنکھیں دکھائیں۔

"جھوٹ بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں......خوب صورتی میں کوئی کلام نہیں لیکن عمر کا خیال تو کرنا پڑتا ہے۔"

"ویسے آپ بھی کم اچھے نہیں لگ رہے، خاموش فلموں کے دور کے ہیرو کی جھلک نظر آرہی ہے۔" انہوں نے برجستہ کہا تو اُن کے اس جملے پر انہوں نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"بدلہ اتارنا تھا تو باوا آدم کے زمانے کا ذکر کرتیں نا......آپ نے مجھے بہت ہی کم عمر بنا دیا......اپنے حساب سے۔" وہ واقعی سیاہ تھری پیس سوٹ میں بے حد کم عمر اور فریش نظر آرہے تھے۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔" انہوں نے دسویں مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر سب پر پھونکی۔

وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ اتنے خوش کہ لگ رہا تھا... ان کے گھر میں ہر طرف خوشیوں کی پریاں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے رقص کر رہی ہیں۔ وہ سب ہنستے مسکراتے ہال کی طرف روانہ ہوئے۔ ماہم کے گھر والوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ جس شان وشوکت سے وہ مہندی لے کر آئی تھیں اس سے کہیں زیادہ عالیشان طریقے سے ان لوگوں کا استقبال کیا گیا۔

اسٹیج پر جانے والے راستے میں سرخ قالین بچھا تھا۔ جس کے دونوں طرف پیتل کے گملوں میں ہر رنگ کے پھول بہار دکھا رہے تھے ہر، ہر پنکھڑی پر ہم رنگ لائٹیں لگی تھیں۔

سب کچھ ان کی خواہشات کے مطابق تھا۔ مہندی کی رسم کا آغاز ہوا انہوں نے سب سے پہلے ماہم کے دائیں بازو پر امام ضامن باندھا۔ پھر اس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا۔ کانوں میں پھولوں کا زیور پہناتے، پہناتے ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ ان کی نظروں کے سامنے سارے منظر دھندلا گئے، وہ مٹھائی کھلا کر بڑی مشکل سے اسٹیج سے نیچے اتریں۔

وہ پسینے، پسینے ہو رہی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، گھبراہٹ ہو رہی ہے شاید بلڈ پریشر ہائی ہو گیا ہے۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

سب پریشان تھے کوئی پانی لے کر آگیا، کسی نے شربت کا گلاس پیش کیا۔ کسی نے ڈاکٹر کو بلانے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے سب کو بہلا دیا کہ وہ ٹھیک ہیں بس وقتی گھبراہٹ تھی۔ فنکشن کے بعد وہ گھر آئیں تو سیدھی اپنے کمرے میں جا کر سر درد کا بہانہ بنا کر لیٹ گئیں۔ کسی نے بھی انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد زاہد صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور شوہر کو دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکیں اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگیں۔

"کیا ہوا......؟ کیا طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔" وہ بے حد گھبرا گئے۔

"میری بہو......میری......بہو......؟"

"کیا ہوا آپ کی بہو کو؟" زاہد صاحب نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ انہوں نے روتے ہوئے بڑی مشکل سے انہیں حقیقت سے آگاہ کیا۔

"یہ تو ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔" ساری بات سن کر زاہد صاحب کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے انکار کرنا پڑے گا......شکر ہے ابھی نکاح نہیں ہوا تھا۔"

"لیکن سب سے کیا کہیں گے، لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟"

"یہی بتائیں گے کہ ہمیں دھوکا دیا گیا ہے......"

زاہد صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

"لیکن؟" وہ عجیب گومگو کی کیفیت میں تھیں۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں...... آپ ابھی ماہم کے گھر والوں سے بات کریں اور صاف، صاف انکار کردیجیے۔"

"آپا سے مشورہ کرلوں؟" انہیں اس طرح بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، میں نمبر ملا رہا ہوں آپ میرے سامنے بات کریں۔" انہوں نے نمبر ملا کر فون اُن کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"نہیں مما، آپ ماہم کی والدہ سے ایسی کوئی بات نہیں کریں گی۔" سجاد جو اُن کی طبیعت پوچھنے ان کے بیڈ روم کی طرف آرہا تھا ان دونوں کی گفتگو سن کر رک گیا اور ساری بات سن کر کمرے میں داخل ہوا اور ان کے ہاتھ سے فون لے کر آف کردیا۔

"تم کیا چاہتے ہو......؟" ان دونوں نے سجاد کی طرف دیکھا۔

"میں ماہم سے شادی کرنا چاہتا ہوں......" سجاد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"بیٹا وہ دھوکے باز لوگ ہیں، انہوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"انہوں نے دھوکا نہیں دیا، رشتہ طے ہونے سے پہلے ماہم نے مجھے فون کرکے سب کچھ بتادیا تھا۔"

"تو تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟" دکھ کے مارے ان کی آواز پھنسنے لگی۔

"اگر آپ کو معلوم ہوجاتا تو آپ اسے قبول کرتیں؟" سجاد نے ان سے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں...... کسی صورت بھی نہیں۔"

"کیوں......؟"

"تم نہیں جانتے کیا......؟" زاہد صاحب آگے بڑھے۔

"میں سب جانتا ہوں اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اب آپ بھی اسے قبول کرلیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ لوگ، کیا کہیں گے۔" وہ ہراساں ہو کر بولیں۔

"مجھے لوگوں کی فکر نہیں ہے، مجھے اس کی فکر ہے جو احسن الخالقین ہے، جس کی ہر تخلیق بے عیب اور... بےنقص ہوتی ہے، جس چیز کو ہم کسی انسان کا عیب یا نقص سمجھتے ہیں ہوسکتا ہے وہی اس خالق کی تخلیق کا ایک انداز ہو، یہ تو مصور ہی جانتا ہے کہ اس نے تصویر میں کہاں، کہاں کون سے رنگ استعمال کرنے ہیں کیونکہ اس نے ہر انسان کو بہترین انداز پر خلق کیا ہے۔" وہ ساری بات کہہ کر ایک لمحے کے لیے رکا، ان کی صورت دیکھی جس کی ساری رونق اور تازگی اداسی اور پژمردگی میں تبدیل ہوچکی تھی۔

"مجھے معلوم ہے آپ کو دکھ ہو رہا ہے لیکن اس دنیا کے آنے والے بڑے دکھ سے بچنے کے لیے یہ چھوٹا دکھ برداشت کرلینا بہتر ہے۔ اب آپ اپنا موڈ ٹھیک کرلیجیے اور شادی میں خوشی، خوشی حصہ لیجیے۔ ماہم ہی اس گھر میں دلہن بن کر آئے گی اور آج کے بعد اس گھر میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔" سجاد کا لہجہ چٹانوں جیسی سختی لیے ہوئے تھا... وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر سسکیاں بھرنے لگیں۔

"حوصلہ رکھو، سجاد ٹھیک کہتا ہے، شکر کرو ہمارا بیٹا اتنا سمجھدار ہے۔" زاہد صاحب نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی۔

"سجاد تو ٹھیک کہتا ہے اور ہمارا بیٹا تو سمجھدار ہے لیکن دنیا والے تو سمجھدار نہیں ہیں۔ یہ کیسے سمجھیں گے۔ انہیں کون سمجھائے گا، لوگ ہم پر ہنسیں گے، ہمارا مذاق اڑائیں گے کہ اتنی تلاش کے بعد جو لڑکی ڈھونڈی، وہ، وہ......" آگے ان سے بولا ہی نہیں گیا۔

وہ جب ماہم کو کان میں پھولوں کا زیور پہنا رہی تھیں تو اُن کی نظر کان کے پیچھے سفید دھبوں پر پڑی جو کان کے پیچھے اور ساری گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ ماہم کو برص کی بیماری تھی۔

...... پہ کہاں بچیں کہ دل ہے

رفعت سراج

بنی اسرائیل کا سونے کا بچھڑا آج ڈالر، پونڈ، یورو، درہم و دینار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

دل جذبات کا استعارہ ہے مگر اب وہ دل کہاں . . .

سونے کے بچھڑے میں دل بھی سونے کا ہے . . .

دل کو رو دیا جاتا ہے، جگر کو پیٹا جاتا ہے . . .

کبھی ناقدروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یا رہاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

الزام تراشیوں کا ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو جاتا ہے۔

دل سے دل کو راہ بھی ہوتی ہے . . .

آج کا انسان یہ راہ سٹیلائٹ کے ذریعے search کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دل اور سونے کا بچھڑا . . .

عبادات، معاملات . . .

جنتِ گم گشتہ کے بے دخل باسیوں کی ازلی کہانی۔

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

قسط 2

”چرچل نے کہا کہ ہم سمندروں میں جنگ کریں گے، ہم اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ فضا میں جنگ کریں گے ہم ہر قیمت پر اپنے جزیرے کی حفاظت کریں گے۔ ہم کبھی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ اُف، مائی ڈیئر سن...... چرچل کی تقریر سننے کے بعد پتا نہیں میں کتنے دنوں بعد گہری نیند سوئی۔ میں اس وقت صرف بارہ سال کی لڑکی تھی...... یہ 1940ء کی بات ہے رات کو جرمنی جب بم گراتا تو لگتا یہ ہماری اس دنیا میں آخری رات ہے مگر میری آخری رات کیسے ہو سکتی تھی...... مجھے تو ایک عظیم دکھ کے ساتھ ایک طویل زندگی ملنا تھی۔“ لیڈی صوفیہ یہ کہہ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگیں۔

پرنس نے رنگوں سے نئے رنگ تخلیق کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اپنا ہاتھ روکا اور اپنی بوڑھی پردادی کی



طرف بڑی افسردہ نظروں سے دیکھا۔

''گرینڈ مام...... جب تک آپ ماضی کے دائرے میں گھومتی رہیں گی۔ یہ دکھ کبھی پرانا نہیں ہوگا...... لگتا ہے کیرولین آپ کی میڈیسن کا خیال نہیں رکھتی۔ میں آج چیک کرتا ہوں۔''

''شٹ اپ...... ہزار مرتبہ کہا ہے، اپنے دادا جیسی باتیں مت کیا کرو...... میری کم عمری میں شادی کبھی نہیں ہوتی اگر ہٹلر ہم پر جنگ مسلط نہ کرتا۔''

''گرینڈ مام اس نے خودکشی کی تھی اسے اچھی موت نہیں ملی۔ یہ بھی تو ایک گڈ نیوز تھی۔'' پرنس نے ایک گہری نگاہ لیڈی صوفیہ کے مغموم چہرے پر دوڑائی۔

''تمہارے دادا کی ڈیتھ کے بعد میری لیے کوئی نیوز گڈ نہیں تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا شاید تم بھول گئے ہو، میرا معصوم اور پیارا شوہر جنگ میں حصہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے چپکے، چپکے ہریانہ جانے کا بندوبست کرلیا تھا۔ میرے سسر نے اسے زبردستی بھیج دیا...... اس لیے کہ وہ وائسرائے کا تھینک فل تھا...... جس کی وجہ سے وہ لارڈ بنا تھا...... وہ ایک غریب آدمی تھا، اس کے پاس صرف گیارہ بکریاں تھیں۔'' لیڈی صوفیہ نے اپنے آنسو ٹشو پیپر میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

''میں کچھ نہیں بھولا...... مجھے سب یاد ہے سوئٹ مام......'' پرنس نے ہزاروں مرتبہ کی سنی باتوں میں دلچسپی لینے کے بجائے کینوس پر رنگ بکھیرتے ہوئے کہا۔ لیڈی صوفیہ ساڑی سنبھال کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چند قدم پر نصب دیوار گیر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ اس وقت وہ زرد و سیاہ پھولوں کے امتزاج کی خوب صورت ساڑی میں ملبوس تھیں۔ بال بالکل روئی کے گالوں کی طرح سفید اور ماڈرن انداز میں ترشے ہوئے تھے۔ کانوں میں نیلم کے ٹاپس، گلے میں نازک سی چین میں پرویا ہوا نیلم کا لاکٹ جو سائز کے لحاظ سے بیس قیراط سے کم کا دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ اسٹک، آنکھوں کے گرد لائنر کی لکیریں، آنکھوں کے اندر کاجل کی گہری تہ، مسکارا...... وہ اپنا جائزہ لے رہی تھیں۔ پرنس نے ہونٹوں سے سگار نکال کر ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے اپنی پردادی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''آپ بہت شاندار نظر آرہی ہیں۔''

''اوہ تھینک یو...... میں یہی دیکھ رہی تھی کہ بہت سارا رونے کے بعد میری شکل کیسی لگ رہی ہے۔'' صوفیہ نے پوتے کی تعریف سے خوشی اور سکون محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''تمہارے دوست اصفہان کی مدر کل مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ پرنس کی شادی کیوں نہیں کرتیں؟'' اسی وقت لاؤنج میں فون کی گھنٹی کی آواز گونجنے لگی تھی۔ جسے سن کر لیڈی صوفیہ بری طرح چونک پڑیں۔

''آئی تھنک مجسٹریٹ کا فون ہے...... شاید چور نے اعترافِ جرم کرلیا ہے۔'' وہ اب تیزی سے لاؤنج کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''چور......؟'' پرنس نے بری طرح چونک کر پوچھا تھا۔

''ایک منٹ، میں ذرا کال ریسیو کرلوں۔'' وہ تشتم پشتم باہر جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں...... پرنس فکرمند ہو کر سگار ہونٹوں میں دبانا بھول گیا تھا۔

☆☆☆

زارا نائٹ گاؤن پہنے، بال بکھرائے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیاں روکتی کچن کی طرف جارہی تھی۔ رات اچانک اس کے روم کے انٹرکام نے کام کرنا بند کردیا تھا...... وہ چائے کے ایک کپ کی طلب میں بے اختیار کمرے سے نکل پڑی تھی۔



اسی وقت اس کی نظر ساحل پر پڑی جو دو تین فائلیں سینے سے لگائے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ زارا نے حیران ہو کر وال کلاک پر نظر ڈالی دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ ساحل کی نظر بھی زارا پر پڑ چکی تھی...... ایک لمحے کے لیے اس نے اپنے حلیے پر نگاہ کی۔

''السلام علیکم مس زارا...... ہاؤ آر یو......؟'' اس کی طرف سے بڑا جوشیلا سا سلام آیا تھا۔

''تھینکس، فائن...... کیا سلسلہ ہے آپ آفس کے بجائے گھر میں کیوں نظر آ رہے ہیں؟'' اس نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے بڑے عام سے انداز میں پوچھا۔

''میم نے طلب کیا...... حاضر ہو گیا...... ہم تو حکم کے غلام ہیں۔'' ساحل نے بڑی ادا سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور تھوڑا سر کو جھکا کر جواب دیا۔

''ہیں، اماں آج آفس نہیں گئیں...... میں تو رات بہت لیٹ سوئی تھی مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں......'' زارا ایک دم فکرمند نظر آنے لگی۔

''میم کی طبیعت ٹھیک نہیں، آج کی تمام شیڈول میٹنگز بھی کینسل ہو گئی ہیں۔'' ساحل نے فائلیں ٹیبل پر رکھتے ہوئے بتایا۔

''اوہ...... گاڈ...... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں...... اور مجھے پتا ہی نہیں......'' وہ کچن میں جانے کے بجائے تاجور کے بیڈروم کی طرف دوڑ گئی۔

ساحل صوفے پر بیٹھ کر گھر پر طائرانہ نظر دوڑانے لگا۔۔۔۔ ایسا پُرشکوہ لاؤنج کہ لوگوں کو اپنے ڈرائنگ روم کباڑ خانہ لگنے لگیں..... وہ کئی مرتبہ اس گھر میں آیا تھا مگر لاؤنج ہی سے اپنا کام نپٹا کر واپس ہو گیا تھا..... تاجور نے آج تک اسے اپنا ڈرائنگ روم دکھانے یا وہاں بٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر وہ لاؤنج کی آرائش سے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ہر شے سے امارت اور نفاست ٹپکتی تھی۔

وہ جب اس گھر میں آتا تو اسے اپنی بیروزگاری کے دن یاد آجاتے جب وہ صبح انٹرویو کے لیے نکلنے سے پہلے اپنی جمع پونجی گنتا تھا۔ کرایہ نکالنے کے بعد اسے بہت دیر تک سوچنا ہوتا تھا کہ کھانے پینے پر یہ پیسے کتنے دن خرچ کیے جاسکتے ہیں۔ اگر اب بھی جاب نہ ملی تو انہی پیسوں میں سے کرایہ بھی نکالنا ہوگا۔ زندگی چند بوسیدہ نوٹوں کے گرد گھومتی دکھائی دیتی تھی اور یہاں دیوار کے ساتھ لگا تین فٹ اونچا گلدان ہی اپنی قیمت بتا رہا ہوتا......

"اتنے پیسوں میں تو ایک بیروزگار مہینہ بھر دال یا سبزی، روٹی پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔" ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا پھر اس نے ایک سرد آہ سینے سے آزاد کی اور اس طرف دیکھنے لگا جس طرف زارا دوڑتی چلی گئی تھی۔ ایک حسین و جمیل کنواری، دولت مند لڑکی جو ہمیشہ سے اس کا آئیڈیل تھی۔

☆☆☆

"اماں آپ زینب سے کہہ کر مجھے اٹھا دیتیں..... آپ کو تو ٹھیک ٹھاک ٹمپریچر ہے۔" زارا نے تاجور کا ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے بے قراری سے کہا۔

"میری جان، ٹمپریچر ہی تو ہے، اتر جائے گا۔ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟" تاجور نے اس کی محبت کے..... بے ساختہ اظہار پر کمزور و نحیف لہجے میں مگر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟ ذرا سا ٹمپریچر ہی تو ہے۔ شاید گلے کے انفیکشن کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ پچھلے دو دن میں بہت زیادہ کولڈ ڈرنکس پی لی۔ لیکن تمہیں بتایا کس نے کہ مجھے ٹمپریچر ہے اور میں گھر میں ہوں۔" بولتے بولتے چونک کر تاجور نے زارا کی طرف دیکھا تھا جو نائٹ گاؤن میں ملبوس تھی، جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ اپنے بیڈ روم سے بھاگتی ہوئی آرہی ہے۔

"آپ نے شاید ساحل کو گھر بلایا ہے، وہ لاؤنج میں بیٹھا ہے، میں کچن کی طرف جا رہی تھی تو اس پر نظر پڑی۔ اسی نے بتایا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آج آپ آفس نہیں گئیں۔" زارا نے بڑی بے پروائی کے انداز میں جواب دیا۔

تاجور نے غائر نظروں سے زارا کے سراپے پر نظر دوڑائی اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"تمہیں اس حلیے میں ساحل یا کسی بھی ایکس وائی زیڈ کے سامنے نہیں جانا چاہیے۔ تم تو باقاعدہ اس سے بات چیت کر کے آرہی ہو..... آئندہ خیال رکھنا۔"

"اوکے اماں، بس میں اسے صبح صبح گھر میں دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔" زارا نے بڑے بے تکے پن سے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"تمہاری صبح ہے، دنیا کا تو آدھا دن گزر چکا..... خیر تم فریش ہو کر ناشتا کرو، میں میڈیسن لے چکی ہوں۔ ساحل سے گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا میٹنگ کر کے پھر شام تک ریسٹ کروں گی۔ ٹمپریچر ڈاؤن ہو گیا تو ٹھیک ورنہ تمہیں ساتھ لے کر ڈاکٹر کو دکھانے چلی جاؤں گی۔" تاجور نے اس کے فکر مند چہرے پر نظر ڈال کر اب بہت رسانیت و پیار بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"کچن میں جا رہی ہو تو زینب سے کہنا، دو کپ چائے اور کچھ اسنیکس لاؤنج میں لے آئے۔" یہ کہہ کر وہ

پاؤں لٹکا کر اپنے بے وزن کارپٹ سلیپر دیکھنے لگیں..... زاراان کی بات سنتے ہی باہر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

سفینہ اپنا ڈریس پریس کر رہی تھی۔ ماہین اور دوسری لڑکیاں بھی اپنے، اپنے کپڑے لیے کامن ایریا میں موجود تھیں۔

"سنو یہ اتنے مشکل کپڑے لانڈری سے پریس کروالیا کرو....." ماہین نے بڑی بیزاری سے سفینہ کی طرف دیکھو جو پوراز ور لگا کر شکنیں مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"لانڈری چارجز بہت ہو گئے ہیں، اتنے پیسے بچا کر رات کو پزا ڈیل آرڈر کی جاسکتی ہے۔" سفینہ نے برجستہ انداز میں جواب دیا۔

"اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی اس طرح سوچتی ہے پھر ہم تو بہت فضول خرچ ہیں۔" ایک لڑکی جو جونیئرز میں سے تھی حیرت سے دیدے پھیلا کر بولی۔

"پیسہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ پھینکا جائے..... کبھی کسی غریب کو دوسو کی خیرات دے کر دیکھو..... ایک کلو میٹر تک دعا دیتا جاتا ہے۔" سفینہ نے اسی طرح زور آزمائی کرتے ہوئے جواب دینے کی مہلت نکالی۔

"پتا نہیں تمہیں کہاں ملتے ہیں ایسے دعا دینے والے غریب...... یہاں تو دوسو روپے لے کر کہتے ہیں کوئی گل نہیں..... فیر آجان گے..... انسان کولوں ہر ویلے چلر تو نئیں ہوندا اے۔ (کوئی بات نہیں پھر آجائیں گے انسان کے پاس ہر وقت تو کھلے پیسے نہیں ہوتے)" ایک اور اسٹوڈنٹ جو سفینہ اور ماہین کی کلاس فیلو تھی مزاحیہ انداز میں بولی تو کھڑی ہوئی اور لڑکیاں کھلکھلا کر ہنسیں۔

سفینہ شرٹ اٹھا کر غور سے جائزہ لینے لگی۔ ماہین جلدی سے آگے بڑھی اور اپنی شرٹ استری اسٹینڈ پر پھیلا کر بولی۔

"تم شیخ زید جا کر radiology میں اس کا ایکسرے کراؤ..... اتنی دیر میں ذرا میں اپنے کپڑے پریس کرلوں۔"

"یہ تم لوگ میرے سر پر سوار کیوں ہو گئی ہو۔ دوسری ٹیبل پر چلی جاؤ۔" سفینہ ابھی مطمئن نہیں تھی اور ماہین نے قبضہ جمالیا تھا۔

"باقی دونوں آئرن خراب پڑی ہیں، ٹھیک سے گرم ہی نہیں ہو رہی۔ اور پھر تمہاری شرٹ اچھی خاصی پریس ہو گئی ہے، اب جان چھوڑو اس کی۔" ماہین نے بڑی تیزی سے آئرن پھیرتے ہوئے کہا۔

"شادی کے بعد میاں نے پینٹ پریس کرنے کے لیے دے دی تو اس دن دو وقت کا کھانا باہر ہی ہوگا..... پینٹ کی ڈبل کریز پر میاں، بیوی کی اکثر لڑائی ہو جاتی ہے۔" ماہین نے شریر نظروں سے سفینہ کی طرف دیکھا جو برے، برے منہ بنا کر ماہین کو گھور رہی تھی۔

"بڑا ایکسپیرئنس ہے بھئی..... مگر تمہارا میاں تو آسٹریلیا میں رہتا ہے۔" ایک اور اسٹوڈنٹ نے ماہین کو چھیڑا۔

"اوہ گاڈ وہ ابھی صرف فیانسی ہے میرا..... ہزبینڈ ہوتا تو میں یہاں ڈریس پریس کر رہی ہوتی؟" ماہین نے ہاتھ روک کر کہنے والی کو گھورا۔

"سن باتھ لے رہی ہوتی اور کیا....." ایک کلاس فیلو روزمیری نے جلدی سے گرہ لگائی۔

"اتنی کالی کلوٹی اس سے برداشت نہیں ہوگی، ہم ایشین چار دن سن باتھ لے لیں تو ہماری اماں ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیں۔" ماہین نے شریر انداز میں کہا۔

"سفینہ جا کر چینج کر لو ناں..... پیریڈ شروع ہونے میں آدھا گھنٹا بھی نہیں ہے۔"

"ابھی صحیح سے پریس نہیں ہوئی۔" سفینہ، ماہین کے حرکت کرتے ہاتھوں کو دیکھ کر اندازہ لگا رہی تھی۔ ایک اور استری اسٹینڈ پر اس سے زیادہ رش لگا ہوا تھا...... مجبوراً وہ ماہین کے ٹلنے کی منتظر تھی۔

☆☆☆

ساحل واپس جا چکا تھا۔ تاجور اپنے بیڈ روم میں تھیں۔ چائے کے خالی کپس اور بچے ہوئے اسنیکس کی پلیٹیں لاؤنج کی ٹیبل پر یونہی دھری تھیں۔ زارا ناشتا کرنے ڈائننگ کی طرف جا رہی تھی معاً اس کی نگاہ ٹیبل پر رکھے کچھ پیپرز پر پڑی...... یہ سوچ کر کہ تاجور بھول کر نہ چلی گئی ہوں آگے بڑھی اور پیپرز اٹھا کر دیکھنے لگی۔

دو پیپرز پر تو ڈرافٹ بنا کر کاٹ دیے گئے تھے۔ ایک پیپر پر ساحل کی شکستہ سی اردو رائٹنگ میں کچھ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

تیرے آنے سے پہلے
تیرے جانے کے بعد
موتیا پہننے سے پہلے
کاجل پھیلنے کے بعد
سویرا پھوٹنے سے پہلے
شام ہونے کے بعد
مسکرانے سے پہلے
سمندر رونے کے بعد
بادبان کھلنے سے پہلے
بھنور پڑنے کے بعد
زندگی کے دو ہی راستے
تجھ سے پہلے اور تیرے بعد

(امیرالدین ساحل)

زارا نے ایک مرتبہ نہیں کئی بار یہ اشعار پڑھے، سادہ سے، آسانی سے سمجھ آجانے والے...... اس نے زور سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا...... اور کاغذ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینکنے کا سوچنے لگی ابھی کاغذ کے دو ہی ٹکڑے کیے تھے کہ ایک دم رک گئی۔

"اتنا فیشن ایبل لڑکا...... شاعر تو کہیں سے بھی نہیں لگتا...... پتا نہیں کس بیچارے کی شاعری پر ہاتھ صاف کر کے اپنا نام لگاتا ہے۔" اس نے تینوں پیپرز تہہ کر کے فون سیٹ کے نیچے دبا دیے۔ "اماں کہتی ہیں کہ اس کی انگلش بہت اچھی ہے، انگریزوں سے زیادہ اچھی...... ایسی روانی سے بولتا ہے جیسے پانی پی رہا ہو وہ بھی ایک سانس میں اور جناب شاعری اردو میں فرماتے ہیں...... میرا مطلب ہے چراتے ہیں۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں مسکراتی ہوئی اب ڈائننگ کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں زینب اس کی تمام من پسند چیزیں قرینے سے سجا چکی تھی۔

☆☆☆

"کبھی کبھی تو تم مجھے محمود غزنوی کے پہلے حملے سے بھی پہلے کی کوئی بھٹکی ہوئی آتما لگتی ہو۔" ماہین اپنے بیڈ پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ لٹکے ہوئے تھے جیسے زمین پر پڑی کوئی چیز اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تھوڑی تکیے پر ٹکی ہوئی تھی۔ آنکھیں سفینہ پر ٹکی ہوئی تھیں جو کافی دیر سے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

''لینگوئج پلیز...... میں مسلمان ہوں...... تم بھٹکی ہوئی روح بھی کہہ سکتی تھیں...... اگر اتنی ہی مجبوری تھی۔'' سفینہ نے کھڑکی سے ہٹتے ہوئے جواب دیا اور قریب آ کر ماہین کے بال بکھیر دیے۔

''اور دیکھا کرو...... انڈین موویز...... کچھ دنوں میں انکل کو پتا جی اور آنٹی کو ماتا جی کہنا شروع کر دو گی۔ ویسے ہندی میں فیانسی کو کیا کہتے ہیں......؟ اب دیکھو ناں فی الحال فہد کو پتی تو نہیں کہہ سکتی ناں۔''

''ارے ہاں...... پ سے مجھے ایک دم پرنس یاد آ گیا...... لگتا ہے تم اس وقت اسی کو یاد کر رہی تھیں......'' ماہین نے بہت وثوق سے کہا...... ''کیونکہ جب سے میری اور تمہاری دوستی شروع ہوئی ہے، تم نے کبھی کسی کو اتنی دیر ڈسکس نہیں کیا......'' ماہین ایک دم سیدھی ہوئی اور پھر اٹھ بیٹھی۔

''وہ بہت امیزنگ ہے، اسے تو بہت سے لوگ ڈسکس کرتے ہوں گے...... میں نے ایسا کچھ خاص نہیں کہا کہ تم ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جاؤ......'' سفینہ، ماہین کے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ہونٹوں پر دبی، دبی سی مسکراہٹ تھی۔

''یار کچھ کریں۔'' ماہین نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور کہنیاں ٹکا کر ٹکر ٹکر سفینہ کی طرف دیکھنے لگی۔ سفینہ نے بے اختیار نظر چرائی تھی اور یہ لمحہ ماہین کی گرفت سے باہر نہ جا سکا...... اس نے سفینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گال سے لگا لیا۔

''تم بہت سیدھی سادی سی ہو سفینہ...... جو سوچتی ہو تمہارے چہرے پر آ جاتا ہے۔'' ماہین کے انداز میں اپنائیت و محبت کا واضح تاثر تھا۔

سفینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''سیدھی سادی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسٹوپڈ بھی ہوں...... تمہیں یونہی ''تکے'' لگانے کی عادت ہو گئی ہے۔ میں اولیول کی ٹین ایج اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔''

''کچھ بھی کہو، تم نے اسے نوٹس کیا ہے، تم امپریسڈ ہو اس سے۔ اس کے بارے میں سوچتی ہو...... میں تکا لگاتی ہوں تو تم ڈیبیٹ کے لیے تیار ہو جاتی ہو۔'' ماہین اچھی طرح جانتی تھی کہ سفینہ کی زندگی میں آج تک کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوا...... جس نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑنے کی کوشش کی ہو یا سفینہ کو اچھا لگا ہو...... لیکن اس نے ماہین سے پرنس کے ٹاپک پر کئی مرتبہ خود سے بات کی تو یہ سب کچھ ماہین کے لیے بہت چونکا دینے والا تھا۔

''مجھ سے کیا چھپانا...... بچی، بچی بتاؤ، کیا تم اس کو سوچتی نہیں ہو...... تمہاری لک بہت چینج ہو گئی ہے...... تم ہر وقت مسکراتی نظر آتی ہو...... تم اتنا سارا کبھی نہیں مسکرائیں، ہے ناں...... مجھے یہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے اور ہاں۔''

''ماہین for God sake!'' سفینہ نے اسے جملہ پورا نہیں کرنے دیا...... درمیان میں ٹوک دیا۔ ''آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں چھوٹی سی بچی ہوں......؟ جو پریوں کی کہانیاں سن کر خود کو بھی پری تصور کرنے لگتی ہے۔ ہاں میں نے اس کا نوٹس ضرور کیا...... پتا ہے کس وجہ سے؟'' اب اس نے ماہین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ذرا سا دبایا...... دوستی کی گرم جوشی اور مضبوطی کا یقین دلانے کی لاشعوری کوشش کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

''یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے...... manly look ہے well off ہے۔ بہت ہینڈسم...... امیزنگ......''

''یہ بات نہیں...... ان میں سے ایک بھی وہ وجہ نہیں جو میں بتا سکتی ہوں۔'' سفینہ نے بڑے برجستہ انداز میں کہہ کر پھر مداخلت کی، ماہین کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

''ہائے، بچی...... اب تو جلدی سے بتا دو...... اتنا تجسس میری برداشت سے باہر ہے۔'' ماہین نے اٹھ کر

سفینہ کو اپنے بازو کے شکنجے میں جکڑ کر جیسے تڑپ کر کہا۔

''تم نے اس شوروغل میں چند منٹوں کی ملاقات میں شاید یہ بات نوٹ نہیں کی، اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ہے، معصومیت ہے، مکاری نہیں...... اس چھ فٹ سے کچھ اونچے مرد کی آنکھوں میں بالکل بچوں جیسی معصومیت ہے۔ وہ اندر سے بہت خوش ہے۔ زندگی کا ایک، ایک پل انجوائے کر رہا ہے۔'' سفینہ اپنے مشاہدات سنجیدگی سے شیئر کر رہی تھی۔ ماہین کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پرنس سورج کی پہلی آہٹ سے پہلے نماز اور مراقبہ کر کے فارغ ہو چکا تھا۔ بہت ہی نفیس چنا سفید تہہ بند، اتنے قیمتی ریشے سے تیار کردہ جیسے اس نے اصلی ریشم لپیٹا ہوا ہو یا جھاگ میں بیٹھ گیا ہو۔

صحت مند بازوؤں کی مچھلیاں پھڑک رہی تھیں۔ ہونٹوں پر گھنی مونچھوں کے سائے تھے جو ہمیشہ سنوری ہوتی تھیں۔ آنکھوں میں سورج کی پہلی کرن کو عاشقانہ سلام کرنے کا وہ تاثر تھا کہ جو دیکھے، جینے کی تمنا میں اور سب کچھ بھول جائے...... یا مر ہی جائے۔

دیکھا گیا ہے مصور یا فنونِ لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں کی زندگی میں بڑی بے ترتیبی ہوتی ہے۔ بے خواب آنکھیں، منتشر زلفیں یا کاکلیں...... بے ربط زندگی کی ترجمانی کر رہی ہوتی ہیں۔ مگر پرنس کی اعلیٰ درجے کی جمال پرستی خود اس کی اپنی ذات سے پوری قوت کے ساتھ مظاہرہ کرنے کی تڑپ رکھتی تھی۔

وہ برش چلاتے، چلاتے اچانک برش رکھ کر سیلون چلا جاتا...... جتنی دیر سیلون میں ہیئر کٹنگ یا مونچھوں کی تراش خراش کا عمل جاری رہتا۔ اتنی دیر میں اس پر انوکھے اور الوہی رنگ اتر کر اس کی روح کو شاد کر دیتے تھے...... اس کا اپنا سیلون تھا۔ وہاں کے سارے ملازمین صرف پرنس شہیر علی خانزادہ کو سروس مہیا کرتے تھے۔ کبھی خیال کسی گرہ میں الجھتا تو وہ دیر تک مسواک کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ گرہ کھل جاتی...... اور وہ برش اٹھا کر تخلیقی عمل آگے بڑھاتا۔

اس کے اسٹوڈیو میں چہار سو قد آدم اعلیٰ کوالٹی کے آئینے نصب تھے جو اسے خود سے بے نیاز ہونے ہی نہیں دیتے تھے۔

لیڈی صوفیہ خان زادہ اپنے بیڈروم کی بالکنی میں بیٹھی تسبیح پڑھتے ہوئے اپنے پیارے بلکہ عزیز از جان.. پڑپوتے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ نثار ہو رہی تھیں۔

''ہم ہمیشہ سے انٹرنیشنل کمیونزم کے خلاف ہونے والے معاہدات کو فیور کرتے رہے ہیں۔ دل مان کر ہی نہیں دیتا...... کہ خدا کے بغیر اس عظیم الشان کائنات کا تصور بھی بھلا کیا جا سکتا ہے۔ میں اس دل سے اپنے شوہر کی اس یاد کو نکال کر پھینک دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اُف وہ...... رات دو بجے...... یونیفارم میں کتنا شاندار دکھائی دے رہا تھا۔ مگر وہ یونیفارم تو اس کا کفن تھا...... ہماری آخری ملاقات تھی......'' لیڈی صوفیہ اب بلک، بلک کر رو رہی تھیں۔

''آخر کار...... تاج برطانیہ کو جنگ میں کودنا پڑا...... اور ایلیشین...... ؟ غازی نہ شہید...... میں اپنے سسر کو معاف کر ہی نہیں سکتی...... اور الیف ڈی روز ویلٹ کو بھی نہیں......'' تسبیح کے دانے گر رہے تھے...... آنسو بہہ رہے تھے۔

''روز ویلٹ کی وجہ سے جنگ طویل ہوئی...... جاپان کی ضد کی وجہ سے آج دنیا ایٹم بم سے بھر گئی ہے۔ جنگ رک جاتی تو وہ گھر آ جاتا......'' لیڈی صوفیہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ پرنس اپنے بیڈروم میں جا چکا تھا۔

ساؤتھ افریقہ کی وفادار کیرولین اپنے ہیلپرز کے ساتھ ناشتے کی میز آراستہ کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ دو بندوں کو پانچ نو کر ناشتا کرنے میں مدد دیتے تھے۔

☆☆☆

لگاتار تین چھٹیاں آ گئیں...... سفینہ، ماہین تو جیسے رسی تڑا کر گھر کی طرف بھاگیں۔ بقول شخصے ہاتھی نکل گیا تھا دم رہ گئی تھی...... جوں، جوں فائنل قریب آ رہا تھا دونوں کو وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ صورت حال سب کے ساتھ نہیں تھی۔ دوسرے اسٹوڈنٹس کی تو اور دیگر ایکٹوٹیز بھی تھیں ان ڈور بھی اور آؤٹ ڈور بھی مگر سفینہ اور ماہین کے ساتھ معاملہ بالکل برعکس تھا...... دونوں کو گھر جانے کا بہانہ ملتا تو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔

ماہین بہت متلون مزاج تھی...... بور بھی جلدی ہوتی تھی.. موڈ میں بھی تغیرات جلدی، جلدی آتے رہتے تھے...... پل میں خوش، پل میں اداس، رونے اور حیران ہونے کے لیے تو بس اشارے کی منتظر رہتی۔

سفینہ، ماہین کی بے ساختگی اور بناوٹ سے پاک طرز زندگی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی...... فطرت شناس و فنکارانہ مزاج پر ہر خالص شے اثر انداز ہوتی ہے۔ سچائی اس کائنات کا کمال آرٹ ہے اور خالص پن تمام رنگوں کی تخلیق کا مرکز...... وہ باطنی طور پر وقت سے بہت پہلے میچور یا شاید باشعور ہو چکی تھی...... اشیا کی حقیقت میں اترنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں رہا تھا۔

ماہین اس کی ہم عمر تھی بلکہ اس کی برتھ ڈے سفینہ کی برتھ ڈے سے دو ماہ پہلے ہوتی تھی۔ وہ اپنے کزن سے انگیجڈ ہو چکی تھی اور بہت خوش تھی...... اسے سفینہ کی احتیاط، وقار اور نپی تلی بات کرنے کا انداز اپنی طرف کھینچتا چلا گیا...... دو متضاد فطرت کی حامل دوستیں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھیں...... حالانکہ دوستی میں ایک اصول یا کلیہ وضع کر لیا گیا ہے اور وہ ہے ہم مزاج و ہم مذاق ہونا...... جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تضاد سے کشش کا قانون وضع ہوتا ہے۔

ماہین، سفینہ کے ساتھ خود کو بہت کمفرٹ ایبل فیل کرتی اور برملا کہتی کہ تمہارے ہوتے ہوئے مجھے بڑی حماقتوں کا خطرہ نہیں ہوتا...... کیونکہ تم مجھے بہت اچھی طرح سنبھالتی ہو۔ سفینہ تصحیح کرتی تھی کہ بڑی حماقتیں نہیں...... مزید حماقتیں......

''کراچی جانے والی پرواز pk 306 ایک گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوگی۔ مسافروں سے درخواست ہے۔''

ماہین اپنا سیل چارج کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ سر پر زور سے ہاتھ مار کر دوبارہ سفینہ کے برابر میں ڈھے گئی۔

''یار کیا مصیبت ہے کیسے گزرے گا یہ ایک گھنٹا...... وہ جو سامنے واسکوڈی گاما کا ''remake'' بیٹھا ہے مجھے دانتوں کے بجائے آنکھوں سے پھاڑ رہا ہے۔'' سفینہ نے ماہین کی نگاہوں کا تعاقب کیا...... وہ تو کوئی غار زتھا۔ غار سے نکل کر سیدھا علامہ اقبال انٹرنیشنل ائرپورٹ کے لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ بڑی بدوضع تراش کا گاؤن جو اس کے تانبے جیسی رنگت کے ساتھ غضب ڈھا رہا تھا۔ کنچوں جیسی شربتی گول، گول آنکھیں پاکستانیوں کی حالت زار پر حیرت سے ابلی پڑتی تھیں۔ ماہین کو مغالطہ تھا کہ شاید اسے ''ٹارگٹ'' کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بیچارہ تو سب کو ایک آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ فلائٹس لیٹ ہونے کی وجہ سے لاؤنج بھی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آپشن ہی نہیں تھا کہ اس سیٹ سے اٹھ کر اس سیٹ پر جا بیٹھیں۔

''ظاہر ہے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے جو سر پر پڑی ہے وہ برداشت کرنا ہوگی۔'' سفینہ نے اپنی کوفت کا وزن ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''اُف خدایا...... اس زمانے میں تو دادی، نانیز (نانیاں) بھی ایسی اردو نہیں بولتیں وہ بھی اتنے مشکل اور برے وقت میں۔'' ماہین بوریت کا اظہار کرتی بالآخر سیل چارج کرنے کے لیے بورڈ کی طرف چلی گئی۔

اور اسی وقت سفینہ بری طرح چونکی...... پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا مگر آخر کار اسے یقین کرنا پڑا...... اس کے سامنے پرنس شہپر خان زادہ اپنے سیکرٹری کے ساتھ جلوہ آرا تھا...... وہی ہوش ربا شان استغنا ہونٹوں

پر بڑا اخلاق و دوستانہ سی مسکراہٹ جو واضح نہیں ہوتی تھی۔ بس آنکھوں سے چھلکتی تھی...... یوں گویا خلق خدا کے درمیان نہ ہو کسی جھرنے یا آبشار کے پاس بیٹھا ہو اور ایک حسین خیال کے پرندے کے پر باندھ رہا ہو...... جسے کینوس پر بکھیرتے ہوئے سرمستی و سرور کی اس منزل کو چھوتا تھا...... جو ہر تخلیق کی تکمیل کے بعد شریر بچے کی طرح انگلی چھڑا کر بھاگ جاتی تھی...... کسی اور نئی تخلیق کی گری شوق و جستجو دے کر......

وہ تو ایک ادھیڑ بن میں لگ گئی کہ اسے اٹھ کر ہیلو ہائے کرنا چاہیے یا نہیں...... یا اگنور کرنا زیادہ مناسب ہے...... اپنی حد تک تو وہ ان خود ساختہ پابندیوں کو خود پر لاگو کر سکتی تھی مگر ماہین کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی تھی۔ وہ تو پرنس کو دیکھ کر اتنی خوش اخلاق ہو سکتی تھی کہ آدھی پی ہوئی کولڈ ڈرنک بھی بڑی خوش اخلاقی سے پرنس کو پیش کر سکتی تھی...... جذبات میں آکر...... اپنے قطعی فطری بے ساختہ انداز میں......

ابھی تک ماہین کی نظر پرنس پر نہیں پڑی تھی...... پرنس آگے بڑھتے، بڑھتے رک گیا تھا۔ ماہین سیل فون میں پلک لگا کر واپس سفینہ کی طرف پلٹی تھی کہ پرنس کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ جہاں تھا اس نے وہیں سے ماہین کو ہاتھ اٹھا کر وش کیا۔

ماہین کی آنکھوں میں حیرت و خوشی کی ملی جلی کیفیت تھی...... وہ سفینہ کو اشارہ کرتے ہوئے پرنس سے کہہ رہی تھی۔ "how are you Mr painter?"

"oh good god you can say, son of Mr Adam" پرنس نے براہ راست ماہین کی آنکھوں میں جھانک کر بڑی شگفتگی سے کہا تھا۔ پھر مزید وضاحت کے ضمن میں گویا ہوا۔

"my name is so beautiful., kindly call me by my name"

"اوہ...... شاید میں نے آپ کو پینٹر کہا تو آپ نے مائنڈ کیا...... سو، سوری......" ایک لمحے کے لیے ماہین اپنا اعتماد کھو بیٹھی۔

"not at all میں نے بالکل بھی مائنڈ نہیں کیا...... but I love my name" پرنس نے بڑی متانت کے ساتھ جواب دیا تھا۔

سفینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر کشاں، کشاں چلی آئی تھی، حیرت و خوشی کے تاثرات چہرے پر واضح تھے۔

"السلام علیکم......" اس نے قریب آکر سلام کیا تو پرنس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہیں آپ...... مس سفینہ...... میں آپ کا نام ٹھیک لے رہا ہوں ناں......؟"

"اوہ تھینکس، آپ نے میرا نام یاد رکھا...... مجھے واقعی بہت خوشی ہوئی۔" سفینہ نے اپنی حیرت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی بے ساختگی سے کہا۔

"بہت خوب صورت نام ہے آپ کا...... اس نام کے ساتھ خیالات کا دریا بہنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے برش اٹھا کر رنگوں سے کھیلیں......" پرنس نے بڑے اعتماد مگر پُر وقار انداز میں بھرپور نظر سفینہ کے چہرے پر دوڑائی اور اپنے سیکرٹری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جس نے ایک سیکنڈ میں سفید براق رومال پرنس کو تھما دیا۔ پرنس نے بڑے اسٹائل سے اپنا چہرہ صاف کیا اور رومال واپس سیکرٹری کو دے دیا جس نے بڑی پھرتی سے رومال یوں سنبھالا جیسے تبرک وصول کر رہا ہو۔

"چلیے...... بیٹھ کر بات کرتے ہیں...... میری فلائٹ میں ابھی ٹائم ہے۔" پرنس نے باری، باری دونوں کی طرف دیکھنے کے بعد نشست کی تلاش میں نظر دوڑائی۔

"ہماری فلائٹ میں تو بہت ہی ٹائم ہے، دل چاہ رہا ہے واپس ہاسٹل چلے جائیں۔" ماہین نے منہ بنا کر کہا

اور اس طرف چل پڑی جہاں سے اٹھ کر آئی تھی۔ سفینہ نے ہاتھ کے اشارے سے پرنس کو خالی نشست کی طرف متوجہ کیا۔

''جلدی سے بیٹھ جائیں بس یہی دو سیٹس خالی نظر آ رہی ہیں۔ لگتا ہے آدھا شہر اڑنے کے لیے تیار ہے...... آج تو بہت رش ہے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پرنس کی طرف دیکھا۔

''اپنا جی بھی یہی تو چاہتا ہے کہ اڑان بھریں اور چاند پر جا کر رہیں...... یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے۔'' خوش قامت وخوش ادا پرنس نے پہلو میں چلتی سفینہ کی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا...... جو ماہین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پرنس کے لہجے میں کسی چھپی ہوئی قیامت کی آہٹیں تھیں...... سفینہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا...... یہ آواز و لہجہ قطعی ناقابلِ فراموش تھا کسی بھی دوشیزہ کے اعصابی نظام میں مدوجزر پیدا کرنے کے لیے بہت موثر تھا...... دوشیزگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں...... اس موسم میں لہجے نرم ہوا کی طرح دل کی سرزمین پر اترتے ہیں۔ پرنس نے بڑے مہذبانہ انداز میں سفینہ کو پہلے بیٹھنے کے لیے کہا جو دوشیزگی کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پسینے کے قطرے دل کے دامن سے پونچھ رہی تھی۔

وہ جلدی سے بیٹھ گئی...... اب منظر یوں تھا کہ وہ ماہین کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی اور پرنس اس کے پہلو میں...... پرنس کا سیکرٹری پرنس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔

''آپ لاہور کب آئے تھے؟ کوئی اگزیبیشن تھی غالباً؟'' ماہین نے سفینہ کی دیوار کو پھلانگ کر پرنس کی طرف جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

''اگزیبیشن تو کولمبو میں تھی۔ کولمبو سے لاہور آ گئے یہاں ایک ڈاکومینٹری کے سلسلے میں میٹنگ تھی...... اب آپ کے ساتھ خوشگوار سفر کرتے ہوئے واپس کراچی۔''

''یہ سفر تو چلیں ہماری وجہ سے خوشگوار ہو گیا...... کولمبو جاتے ہوئے تو آپ کو بہت بوریت ہوئی ہوگی۔'' ماہین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ سفینہ طرح دے کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ارے وہ سفر عشق کی طرح اذیت ناک ہو گیا تھا۔ کراچی سے ڈائریکٹ فلائٹ ہی نہیں ملی تھی۔ اسلام آباد سے فلائٹ لی تھی۔'' پرنس کا انداز بھی ماہین ہی کی طرح برجستہ و بے ساختہ تھا...... اسے سفینہ پن کی طرف چبھ رہی تھی...... وہ پرنس کی طرف اس طرح متوجہ نہیں تھی جس طرح کہ ہونا چاہیے تھا۔ جس کا وہ عادی تھا۔

''اوہ سوری...... میں نے آپ سے تو پوچھا ہی نہیں...... اسموکنگ سے آپ اری ٹیٹ تو نہیں ہوتیں......؟''

''اگر آپ نہ کریں تو اچھا ہی ہے...... ویسے بھی نو اسموکنگ کا بورڈ سامنے ہی ہے۔'' سفینہ تکلف میں پھنس گئی مگر ماہین نے بڑی صاف گوئی سے کہہ دیا تھا۔ سفینہ، ماہین کی بے ساختگی پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''نہیں، نہیں...... آپ اپنا شوق ضرور پورا کریں...... ہم کہیں اور بیٹھ جاتے ہیں......'' تاجور کی مہذب بیٹی وقت و حالات سے زیادہ اخلاقیات کو اہمیت دیتی تھی...... اور کسی کی خوشی کے لیے بہت کچھ برداشت کرنے کا پیدائشی جذبہ بھی رکھتی تھی۔

ماہین نے زور سے اس کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا تھا...... وہ واقعی اسموکنگ سخت ناپسند کرتی تھی۔

''کمال ہی کر دیا آپ نے...... اتنی آسانی سے کرسی چھوڑنے پر رضامند ہو گئیں، یہ تو اس سرزمین کی ریت ہی نہیں۔'' پرنس نے شگفتگی سے کہتے ہوئے سگار واپس اپنے سیکرٹری کو تھما دیا۔

ویسے بھی اب لاؤنج ہو یا فلائٹ سختی سے اسموکنگ کی ممانعت ہوتی ہے مگر کچھ خود سر پیتے بھی دکھائی دیتے ہیں اور دوسرے مسافر تنگ بھی ہوتے نظر آتے ہیں۔

''تھینک یو......'' ماہین نے خوش ہو کر شکریہ ادا کیا۔

"my pleasure" پرنس نے بھی بڑی تہذیب سے جواب دیا تھا۔
"if you dont mind" ایک سوال کروں آپ سے..... ایک سیکنڈ کے لیے مجھے پریس رپورٹر سمجھ کر برداشت کر لیجیے..... "ماہین کو عجیب سی گدگدی ہوئی اور زبان پھر پھڑ کنے لگی۔
"oh sure" پرنس نے ماہین کو سوال پوچھنے کا حوصلہ دیا۔ مگر ساتھ ہی کہہ دیا۔
"you are so smart and good companian at times,don't call your self reporter" پرنس کے انداز میں اب تجسس تھا۔
" very kind of you ... listen my innocent question"
"جی کہیے؟"
"آپ کھانا تو اپنے ہاتھ سے ہی کھاتے ہیں ناں......؟" ماہین نے شکریہ ادا کیا اور پھر بڑی سادگی سے سوال پوچھ بیٹھی۔ سفینہ تو ماہین کا سوال سن کر شرمندہ سے زیادہ حواس باختہ نظر آنے لگی۔
پرنس بے ساختگی سے مسکرا دیا تھا..... سفینہ نے آنکھ بچا کر ماہین کا ہاتھ زور سے دبا دیا..... مگر وہ بھی بہت ڈھیٹ بنی بیٹھی تھی۔
"آپ نے اس روز پارٹی میں مجھے کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا..... میری گرینڈ مام میرے ساتھ نہیں تھیں..... وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ اپنے ہاتھ سے مجھے کھانا کھلا سکتی ہیں..... مگر اس کے باوجود کھانا میں اپنے ہاتھ سے ہی کھاتا ہوں۔" سفینہ جو بڑی شرمندہ شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گرینڈ مام کے نام پر ایک دم چونک پڑی..... مام کے بجائے گرینڈ مام کا ذکر ہو رہا تھا..... پرنس نے ماہین کے بے تکے سوال کا جواب بڑی آن بان اور ظرافت کی آمیزش کے ساتھ دیا تھا۔ دوسری ملاقات میں ایسا سوال جس میں تمسخر کا احتمال ہو سفینہ کے نزدیک تو بہت آکورڈ سی بات تھی۔
مگر پرنس نے گرینڈ مام کا ذکر جس چاہت سے کیا تھا اس نے سفینہ اور ماہین دونوں کو مزید متجسس کر دیا تھا۔
"آپ کے پیرنٹس......؟" سوال اب بھی ماہین کی طرف سے ہی آیا تھا..... مگر پرنس نے فوراً ہی مداخلت کر کے سوال ادھورا رہنے دیا۔
"پیرنٹس نہیں ہیں؟" اس کے جواب پر سفینہ نے لاشعوری انداز میں پرنس کی طرف دیکھا۔
"اوہ سو سوری..... اس لیے آپ گرینڈ مام کا نام لے رہے تھے۔ ہوں..... ظاہر ہے اب تو وہی آپ کی سب کچھ ہیں۔" ماہین نے بڑے دانشورانہ انداز میں کہا۔
"آپ انٹرویو کر رہی ہیں تو ایک بات کلیئر کر دیتا ہوں..... گرینڈ مام دراصل میرے فادر کی گرینڈ مدر ہیں...... سیکنڈ ورلڈ وار کی آئی ڈٹنس......" پرنس سامنے لگے ایل سی ڈی پر نیوز کے ٹکر پڑھتے ہوئے بہت دل آویز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ماہین اور سفینہ کی حالت غیر ہونے لگی..... اتنی حیرانی سیٹنا مذاق تو نہیں ہوتا...... پرواز pk 308 پشاور جانے کے لیے تیار تھی۔ اردو و انگریزی میں اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ انتظار میں اونگھتے جھومتے مسافر جلدی، جلدی ہینڈ کیری اٹھا کر بورڈنگ کارڈ اور CNIC سنبھالتے ایک طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے..... عجیب سی ہلچل ماحول میں برپا ہو گئی تھی۔
"واؤ" سفینہ اور ماہین کے لیے یہ ایک اور دلچسپ خبر تھی۔ سیکنڈ ورلڈ وار میں ایٹم بم کا استعمال پہلی بار ہوا تھا..... یہ تو ہر پڑھا لکھا انسان جانتا تھا۔ اس حوالے سے سیکنڈ ورلڈ وار ذہن سے محو ہو ہی نہیں سکتی۔
"اوہ..... پھر تو آپ کو انہوں نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ اور آپ......"

روز بتاتی ہیں...... پرنس نے ماہین کی بات بہت شائستگی سے قطع کی تھی۔ شاید وہ اتنا مجبور تھا کہ اصراف کے ضمن میں استعمال ہونے الفاظ بھی اس کی طبعِ نازک پر بار گزرتے تھے۔

سفینہ کی کم گوئی اور متانت کی وجہ سے پرنس نے اس کا خصوصی نوٹس لیا تھا ورنہ اس ایج گروپ کی لڑکیوں کو اس نے فیشن، موویز، ٹورز کی باتوں میں الجھا ہوا ہی دیکھا تھا...... یا پھر حیرت کا اظہار کرنے کا بے پایاں شوق آنکھوں میں پایا تھا۔ وہ پودا کہ جس کی پرداخت لیڈی صوفیہ کے ہاتھوں نے کی تھی ایک گھنے سرسبز تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا...... وہ ہنر جو اس کے خمیر کی نمی تھا...... گہرے اور مسلسل مراقبے کی مشق نے اسے ایسی جلا بخشی تھی کہ ہر خیال مضبوط، مستحکم، نمایاں اور مرتب ہوتا تھا...... ابہام اور توہمات سے پاک زندگی جو اسے پھول کی طرح ہلکی لگتی تھی...... دور تک پیار، ہر شے کا تعلق کائنات کے کسی نہ کسی رنگ سے جوڑنے کے بعد وہ محسوس کرتا تھا کہ خاموشی میں سب کچھ ہوتا ہے۔ الفاظ کا پہناوا خیال کو خالص نہیں رہنے دیتا...... کیونکہ ہر خیال کو لفظ میں نہیں پرویا جا سکتا...... نہ ہر خیال کسی مخصوص رنگ کے ذریعے آشکار ہونے کی گنجائش رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو لفظ شکوک ابھارتے ہیں، گمان پیدا کرتے ہیں۔ دل آزاری کا سامان کرتے ہیں...... جنگ کی بنیاد بنتے ہیں، وضاحتوں کا شور اٹھاتے ہیں۔ خاموشی...... کس قدر عظیم حسن ہے، یکتا، روشن، الوہی، حسنِ باکمال اگر خاموشی گہری ہو کر سناٹے میں ڈھل جائے تو روح قادر الکلام ہو جاتی ہے۔ سب کچھ کہہ سن سکتی ہے۔

جس نے خاموشی اور سناٹے کی اس منزل کو چھولیا تو پھر یہ دنیا اس کے سامنے محض بازیچۂ اطفال یا لہو و لعب ہی تو ہوتی ہے۔

ماہین کی بے ساختگی اور سفینہ کی خاموشی دونوں ہی فطرت کے سچے رنگ تھے۔ وہ اسفل انسان کی طرح جنسِ مخالف کی قربت سے حظ نہیں اٹھا رہا تھا...... بلکہ فطرت کو انجوائے کر رہا تھا۔

معاً وہ مستعد ہو کر نئی اناؤنسمنٹ سننے لگا...... پرواز pk.303 کراچی روانگی کے لیے تیار تھی۔ مسافروں سے گیٹ نمبر 17 پہنچنے کی استدعا کی جا رہی تھی۔

''تھینک گاڈ......'' سفینہ کے منہ سے بے ساختگی میں نکل گیا۔ پرنس نے اپنی مخصوص دبی، دبی مسکراہٹ کے ساتھ سفینہ کی طرف دیکھا۔

''لگتا ہے بہت بور کیا ہے آپ کو...... آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا مگر ثواب تو پھر بھی ہمیں ہی ملا ناں...... نہ آپ کو بور کرتے نہ آپ یہ دل سے شکر ادا کرتیں۔''

پرنس کا سیکرٹری ہینڈ کیری اٹھا رہا تھا، پرنس نے نشست چھوڑتے ہوئے سفینہ سے کہا تھا...... وہ شرمندہ سی ہو گئی...... ماہین اپنا موبائل اٹھانے بھاگی۔

''ارے نہیں...... میں تو سوچ رہی تھی کہ کہیں مزید انتظار میں نہ بٹھا دیں...... گھنٹا گزر گیا پتا ہی نہیں چلا......'' سفینہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''اب آپ میرا شکریہ ادا کریں...... گھنٹا پل میں گزر گیا......'' پرنس نے آگے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے پھر بڑی دلچسپی سے سفینہ کی طرف دیکھا تھا۔

''اب دیکھتے ہیں...... سیٹ کہاں ملتی ہے، ایک سنٹ اپنا بورڈنگ کارڈ دکھائیں؟'' پرنس نے کہا...... اب دونوں ہم قدم ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ماہین بھی موبائل بیگ میں رکھتے ہوئے ان سے آملی۔

''ہم اکانومی کلاس کے پسنجر ہیں مسٹر پرنس...... اور آپ فرسٹ کلاس کے......'' سفینہ نے بورڈنگ کارڈ دکھانے کے بجائے صورتِ حال واضح کر دی۔

''اوہ...... نو پرابلم...... کراچی پہنچ کر سوچتے ہیں کہ اب اگلی ملاقات کہاں ہونی چاہیے۔''
سفینہ کو پرنس کا جملہ جانے کیوں بڑا عجیب سا لگا...... اسے کچھ سمجھ نہیں آئی۔
''آپ فکر نہ کریں...... ہم آپ کا اسٹوڈیو اور گرینڈ مام دیکھنے کسی بھی وقت آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔''
ماہین نے تو ایک لمحے میں مسئلہ ہی حل کر دیا۔
''آپ گرینڈ مام کو صرف دیکھیں گی، ملیں گی نہیں......'' پرنس نے شوخی سے سوال کیا...... سفینہ نے ماہین کا ہاتھ پکڑ کر دبایا جیسے کہہ رہی ہو بس اب مزید حماقتیں بند کرو۔
لاؤنج سے گیٹ نمبر 17 کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ مگر پھر یہ ہوا کہ وہ رش میں ایک دوسرے سے گم ہو ہی گئے۔ کچھ لوگ تیز، تیز درمیان میں حائل ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''دیکھنے میں تو لگتا ہے اس کے خاندان میں لاسٹ دس سینچریز سے کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا...... اماں نے تو ایک خطرناک بندہ اپائنٹ کر لیا ہے۔'' سفینہ اور زارا دونوں ایک ہی بیڈ پر لوٹیں لگا رہی تھیں، یہ معمول کی بات تھی جب بھی سفینہ گھر آتی تو زارا اس سے ڈھیروں باتیں کرتی، کچھ اطلاعات، کچھ خوش خبریاں اور کچھ فضول سے واقعات جن سے سفینہ کا دور، دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔
''خطرناک؟ کیا مطلب......؟'' سفینہ واقعی نہیں سمجھی۔
''جو بندہ دوسروں کی شاعری چرا کر اپنی شو کرتا ہے، وہ آفس میں بھی بڑی گڑ بڑ کر سکتا ہے۔'' زارا نے...... بے پروائی سے جواب دیا اور چیونگم ریپر سے نکالنے لگی۔
''یہ تو تم کہہ رہی ہو، ہو سکتا ہے وہ واقعی خود ہی poet ہو...... تم تو آئیڈیا لگا رہی ہو، کنفرمڈ تو نہیں ہے ناں......'' سفینہ کا مزاج ہی ایسا تھا کہ وہ فوراً کے فوراً کبھی منفی سوچ کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتی تھی۔
''ارے، ذرا اس کے اسٹائل دیکھو...... شاعر تو کہیں سے بھی نہیں لگتا......''
''وصی شاہ اور سعد اللہ شاہ بھی تو اپنی لک سے ٹیپکل شاعر نہیں لگتے۔ مگر لڑکیاں دیوانی ہیں...... بہت پڑھتی ہیں انہیں......'' سفینہ نے نکتہ اٹھایا۔ اس کے حساب سے ویسے بھی اس وقت زارا بیکار قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ آفس کے ایمپلائز اس کا کنسرن بھی نہیں ہو سکتے تھے۔
''وہ ایک ملازم ہے تم کیوں اس کا نوٹس لے رہی ہو۔ چھوڑو اسے یا اس نے ایسا کچھ پوز کیا ہے۔'' اب سفینہ نے غور سے زارا کا چہرہ دیکھا۔ اسے یوں بھی زارا کے لاابالی پن سے کچھ سرزد ہو جانے کا خطرہ ہی رہتا تھا۔
''میں کیوں اس کا نوٹس لوں گی......؟ میں تو ایزآ جوک تمہیں سنا رہی تھی...... اگر وہ کسی کی شاعری چراتا بھی ہے تو کمال کا سلیکشن کرتا ہے...... لاؤنج میں فون کے نیچے اس کا ایک مسنگ پیپر رکھا ہوا ہے، پڑھ لینا۔'' زارا نے چیونگم چباتے ہوئے ایل سی ڈی آن کیا اور چینل ٹیون کرنے لگی۔
''its none of my business اب تم مجھے سونے دو...... میں اس لیے گھر آئی ہوں تا کہ خوب جی بھر کر ریسٹ کروں......'' سفینہ نے ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ٹی وی آف کر دیا۔
''ہاسٹل میں بہت مچھر ہیں جو سونے نہیں دیتے؟'' زارا نے منہ بنایا، اس کا تو دور، دور تک سونے کا موڈ نہیں تھا۔
''یہی سمجھ لو...... اپنے بیڈ روم میں جا کر مووی دیکھو...... باقی باتیں صبح کرتے ہیں فلائٹ ایک گھنٹا لیٹ تھی...... بیٹھے، بیٹھے کمر اکڑ گئی......'' سفینہ نے زارا کی طرف سے پشت کر لی گویا سونے کا حتمی اعلان کر دیا۔

''ماہین تمہارے ساتھ بھی بور ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... ہاں اگر اکیلی ہوتیں تو بات سمجھ میں آنے والی تھی...... لگتا ہے آج ماہین کے منہ میں فیڈر دی ہوئی تھی۔'' زارا ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

زارا کے جملے سے سفینہ کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا...... پرنس اپنی تمام تر آن بان کے ساتھ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

''ایک گھنٹا پل میں گزر گیا......'' پرنس کا جملہ بازگشت کی طرح اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''وہ ایک بات تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی۔'' جانے کیوں سفینہ کا دل چاہا کہ وہ پرنس کا ذکر خیر اس سے کرے۔

''جلدی سے بتاؤ......'' زارا کو تو گویا بہانہ چاہیے تھا جلدی سے دوبارہ گھٹنوں کے بل بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''نہیں نہیں...... کچھ نہیں...... وہ تو ابھی، ابھی میرے ذہن سے ہی نکل گیا کہ تمہیں کیا بتانے لگی تھی۔'' سفینہ نے جانے کیوں خود کو روک لیا...... زارا نے بڑی حیرت سے بہن کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ تمہارے اسٹائل سے تو لگا تھا کوئی انٹرسٹنگ بات شیئر کرنے جا رہی ہو اور ایک دم سے تمہارے ذہن سے بھی نکل گئی۔ کمال ہی ہو گیا یہ تو...... خیر ذرا دیر سوچو یاد آ جائے گا۔'' زارا کو نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے اب وہ مزید آرام سے پھیل کر بیٹھ گئی۔

''ارے جب یاد آ جائے گی تو بتا دوں گی...... ابھی ذہن پر بوجھ ڈالنے کا موڈ نہیں...... پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' سفینہ نے چت لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ کر گویا محفل برخواست ہونے کا حتمی اعلان کر دیا۔

''بور کر دیا...... بڑی ایمزنگ بات ہے کوئی بندہ مزے کی بات سیکنڈز میں بھول جائے۔'' زارا بور ہو کر بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔ جواب میں سفینہ خاموش رہی کیونکہ کچھ بولنے کا مطلب یہ تھا کہ زارا کچھ دیر اور رکی رہے۔ جبکہ وہ اس وقت تنہائی چاہتی تھی۔

زارا کمرے سے نکل گئی تو سفینہ اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز روشنی بند کر کے سوئچ بورڈ میں پلگ ہوئی ننھی سی گڑیا روشن کر دی جس کی روشنی اتنی مدھم تھی کہ بس اندھیرے کا تاثر معدوم ہو رہا تھا پھر اس نے دروازہ لاک کیا اور دھپ سے بیڈ کے بجائے چیئر پر بیٹھ گئی...... اس کی آنکھوں میں نیند یا تھکن کا تاثر بالکل بھی نہیں تھا۔

وہ یکسو ہو کر ننھی سی روشن گڑیا کی طرف دیکھنے لگی جو بہت ہی پرکشش نائٹ بلب تھا۔ پرنس کمرے میں چلنے پھرنے لگا...... آنکھیں بند کیں تو دل سے آہٹیں آنے لگیں۔ ''وہ اتنا شاندار ہے جو اس سے ملتا ہوگا...... یہ ضرور سوچتا ہوگا...... میں یقیناً بہت سے لوگوں میں شامل ہوگئی ہوں جو اسے ملنے کے بعد اس کے بارے میں سوچتے ضرور ہیں...... وہ کیا سوچتا ہوگا؟ اس طرح کے کریزی تخلیق کار نارمل نہیں ہوتے...... اس کا عشق پینٹنگ ہے...... وہ تو جتنی دیر جاگتا ہوگا زیر تکمیل یا نئی تخلیق کے رنگوں میں ہی کھیلتا ہوگا...... مگر ہر جیتے جاگتے انسان کی ایک پرسنل لائف بھی تو ہوتی ہے...... اس کی بھی ہوگی مگر اس نے تو صرف گرینڈ ماں کے علاوہ کسی کی بات ہی نہیں کی...... شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ...... divorsy ہے یا کسی سے عشق چل رہا ہے......؟ وغیرہ، وغیرہ...... چہرے سے تو بہت مطمئن اور خوش دکھائی دیتا ہے...... یقیناً خوشیوں کے بہانے موجود ہیں...... مگر میں کیوں اس کے بارے میں اتنا سوچ رہی ہوں...... شاید اس لیے کہ وہ بہت مختلف ہے۔ کیا مختلف ہونا اتنی اہم بات ہے کہ انسان اپنا تمام کام چھوڑ کر اس کے خیالات میں گم ہو جائے؟'' سفینہ نے اپنا سر یوں جھٹکا جیسے سر پر بیٹھا پرندہ اڑا رہی ہو...... اس نے خود کو بے بس سا محسوس کیا...... کہ آخر اس کا ذہن اس کے کنٹرول میں کیوں نہیں آ رہا...... اس نے خود کو نارمل کرنے کے لیے گہری، گہری سانسیں لیں...... مگر ایک تصویر تھی جو کسی پتھر پر کشیدہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''یا تو ہم زندہ رہیں گے یا وہ...... ہٹلر ایک پاگل، ایک جنونی تھا...... اس قسم کا نعرہ کوئی پاگل ہی لگا سکتا ہے۔''

لیڈی صوفیہ انگریزی کا تازہ اخبار ہاتھوں میں لیے لاؤنج کے اس گوشے میں آرام کرسی پر متمکن تھیں جہاں مکمل شیشے کی دیوار تھی اور مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی براہِ راست اس دیوار سے لاؤنج کو روشن کرتی تھی۔ باہر کی طرف سرخ گملوں میں لگے ہوئے پھولوں کی مسکراہٹیں بھی اندر در آتی تھیں جو پوری شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک قطار میں لگے ہوئے تھے۔

شام ڈھلتے ہی گلابی پردے کھینچ جاتے تھے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ہٹا دیے جاتے تھے۔ یہ ایک پُرشکوہ لاؤنج تھا جہاں بیٹھنے والا زندگی کا لطف محسوس کرتا تھا...... اندر کی طرف نادر اور بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز اور باہر کی طرف پورے لان کا منظر...... یہ لاؤنج اتنا بڑا تھا کہ اپنے اندر تین سو نفوس آسانی سے سمو سکتا تھا۔ شیشے کی دیوار کی پیمائش دو سو گز تک جاتی تھی۔ یہ لاؤنج اپنے مکینوں کی شان و شوکت کا مکمل اور بھرپور ترجمان تھا۔

پرنس چند لمحے قبل ہی اپنے صبح کے مخصوص سفید جھاگ، جھاگ لبادے میں لاؤنج میں داخل ہوا تھا یعنی سفید تہبند اور سفید نفیس لان کے ڈھیلے ڈھالے کرتے میں اور لیڈی صوفیہ اس پر نظر پڑتے ہی پھر اپنے ماضی میں پہنچ گئی تھیں۔

''اس میں کیا شک ہے مام...... جسے زندگی سے پیار ہوتا ہے وہ چاہتا ہے جو موجود ہیں وہ بھی اسی کی طرح زندہ رہیں...... تاکہ زندگی کا بھرپور لطف اٹھایا جائے۔ آج میں آپ کو اپنے مراقبے میں دیکھا گیا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میں اس منظر میں اتنا کھو چکا تھا کہ کچھ دیر کے لیے میرا رابطہ اس دنیا سے ختم ہو گیا تھا۔''

''میں تمہیں ایک بات بتا رہی ہوں پہلے وہ سن لو......'' لیڈی صوفیہ اپنی بات مکمل کیے بغیر کچھ اور سن ہی نہیں سکتی تھیں۔

''مراقبہ ہمیں آگے کے مناظر دکھاتا ہے اور گرینڈ مام پیچھے کے...... any how آپ کچھ بتا رہی تھیں؟'' پرنس مسکراتے ہوئے لیڈی صوفیہ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''ہاں...... ہٹلر کمیونزم کی شدید مخالفت کرتا تھا مگر خدا پرستی تو اس میں بھی نہیں تھی...... جانتے ہو کیوں......؟'' انہوں نے اخبار بہت قرینے سے تہ کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''کیوں......؟'' پرنس کو کہنا پڑا ورنہ بات رک جاتی۔

''وہ خود کو خدا کہلوانا چاہتا تھا...... اس نے جرمن قوم کو اس گھمنڈ میں مبتلا کیا کہ جرمن دنیا کی سب سے بہترین قوم ہے۔'' لیڈی صوفیہ کی آنکھوں میں غیظ و غضب اترنے لگا...... جیسے ہٹلر سامنے کھڑا ہو اور وہ اسے کچا چبانے کے لیے آگے بڑھ رہی ہوں۔

''ہاں تو پھر دیکھ لیجیے اس کا اللہ نے کیا حشر کیا...... خودکشی کر کے حرام موت ہی مرا......'' پرنس نے صوفیہ کو مزید خفا ہونے سے بچانے کے لیے جلدی سے گرہ لگائی۔

''مگر کچھ لوگوں کو تو جیتے جی مار دیا ناں...... پرنس...... مائی ڈیئر سن...... رومانس ادھورا رہے تو انسان ادھورا رہتا ہے...... خواب دیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے...... میرے خواب کسی نے ایسے نوچ کر پھینک دیے جیسے کسی بچے نے ہاتھ میں پکڑے چوزے کی گردن دبوچ کر رواں، رواں بکھیر دیا ہو۔'' لیڈی صوفیہ کی آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''تم بالکل میرے شوہر کے ہم شکل ہو...... ایسا ہوتا ہے، کوئی پوتا بالکل اپنے دادا کی شکل لے کر دنیا میں آتا ہے...... تمہاری بیوی کی قسمت میرے جیسی نہیں ہونا چاہیے۔'' لیڈی صوفیہ نے اپنے آنسو پونچھے۔

''...... پرنس ہنس دیا...... مام بیوی کے لیے تو میرے پاس وقت ہی نہیں ہے۔''

''مت کرو ایسی باتیں...... میرے سسر نے جو ظلم مجھ پر کیا وہ تمہاری بیوی کے ساتھ نہیں ہوگا...... برٹش انڈین آرمی سے وفاداری کر کے اس نے اپنے خاندان سے بے وفائی کی، اپنا اکلوتا بیٹا پرائی جنگ میں جھونک دیا۔ میں نے اسے کہا ہم بھاگ کر ساؤتھ افریقہ چلے جاتے ہیں، میرے سسر نے جانے کیسے سن لیا...... میں آج بھی حیران ہوں...... اس نے مجھے بہانے سے وہبرہ ڈون بھیج دیا۔ کہنے لگا تمہاری ماں بلاتی رہتی ہے...... وہ سمجھتی ہے ہم تمہیں ملنے سے روکتے ہیں۔ کچھ دن اس کے پاس رہو وہ خوش ہو جائے گی۔ میری عمر بہت کم تھی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اسے اچانک میری ماں کا احساس کیوں ہونے لگا......'' بولتے، بولتے ان کی آواز بھرا گئی۔

''پھر آپ وہبرہ ڈون چلی گئیں......؟'' پرنس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ سو فیصد دلچسپی سے داوی کی باتیں سن رہا ہے جو وہ پہلے بھی تین سو بہتر مرتبہ سن چکا ہے۔

''ہائے...... مائی بیڈ لک...... وہ مجھے ہیتھرو ایئر پورٹ تک ہی آف کرنے آیا...... بہت شاندار دکھائی دے رہا تھا...... مجھے نہیں معلوم تھا اسے آخری مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔'' لیڈی صوفیہ آنسو پینے کی کوشش میں چند ثانیے خاموش ہو رہیں۔

''آپ بہت خوب صورت یادوں کے ساتھ الگ ہوئے...... ہر شادی آئیڈیل نہیں ہوتی may be آگے چل کر آپ لوگوں میں اختلافات ہو جاتے، شادی بوجھ بن جاتی، کچھ بھی ہو سکتا تھا۔'' پرنس آج کے مراقبے کی حسین کیفیت سے ابھی تک باہر نہیں آسکا تھا مگر اپنے خاندان کی آخری نشانی کا ہر صورت دل رکھنے کے لیے مستعد تھا۔

''نہیں نہیں، ہم ایک دوسرے سے عشق کرتے تھے۔'' لیڈی صوفیہ زور سے چلائیں۔

''تو پھر عشق میں کسک تو ملتی ہے مام...... مائی گریٹ مام......'' پرنس مسکرایا۔

''اگر یہ ایک روٹین کی میرج ہوتی تو شاید یہ حادثہ نہ ہوتا اور گرینڈ پاپا واپس آجاتے یہ سارا کام خراب تو عشق نے ہی کیا ہے۔'' پرنس کے ہونٹوں پر لطیف مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''اب تم سے بات کرنا فضول ہے...... آخر کیوں نہیں کہتے کہ مام آپ پر واقعی ظلم ہوا ہے۔'' لیڈی صوفیہ برہم ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''مگر میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ آپ پر ظلم نہیں ہوا۔'' پرنس نے انتہائی بوڑھے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش بڑی نزاکت کے ساتھ کی۔

''ہاں ہم تو میری جان ہو...... تمہیں تو اللہ نے ظلم کا نتیجہ دکھانے کے لیے زندگی بخشی...... میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی تیسرے انسان کو برداشت کر ہی نہیں سکتی...... بلکہ کبھی نہیں......'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ایک طرف چل پڑیں۔

''پھر بھی آپ اکثر میری شادی کی بات کرتی ہیں......'' پرنس ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں...... شادی تو تمہاری ضرور کروں گی...... ورنہ تمہارا آرٹ ادھورا رہے گا...... شادی انسان کو مکمل کرتی ہے مگر اس لڑکی سے......'' بولتے، بولتے وہ رک گئیں۔ پرنس نے داوی کی طرف دیکھا، آنکھوں میں سوال نہیں تھا...... کیونکہ جو سوال وہ کرتا اس کا جواب تو اسے پہلے ہی معلوم تھا۔

لیڈی صوفیہ چند لمحے سوچ میں گم سر ہلاتی رہیں پھر آگے بڑھ گئیں۔ پرنس مخالف سمت بڑھا اور شیشے کی دیوار کے پار دیکھنے لگا...... آج صبح کی ہلکی، ہلکی آہٹوں کے بیچ اس نے بند آنکھوں سے ایک اتنا حسین باغ دیکھا جس میں درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کے پروں پر سنہری کشیدہ کاری تھی، وہ اب اس نظارے کو حافظے میں محفوظ کر رہا تھا...... کسی الوہی کیفیت میں ڈوب کر ماورائی سی تخلیق کینوس پر بکھیرنے کے لیے۔

☆☆☆

ساحل، سڑک کنارے اپنی بائیک کولٹا، لٹا کر بڑے روپڑ دل انجن تک لا نے کے جتن کر رہا تھا یوں جیسے کسی ڈوبنے والے کو آکسیجن دے کر بچانے کی کوشش کی جاتی ہے...... زارا اپنی چھوٹی سی لگژری کار زن سے آگے لے گئی تھی مگر بیک مرر میں نظر آنے والے ساحل کو اس نے پہچان لیا تھا۔ جتنی اسپیڈ سے آگے گئی تھی اسی اسپیڈ سے اس نے ریورس گیئر لگا کر... گاڑی بیک کی تھی اور ساحل کے قریب آکر بریک لگایا تھا۔ پسینہ، پسینہ ہوتے ہوئے ساحل نے بڑی کوفت سے گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ اور زارا پر نظر پڑتے ہی بائیک چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''یہ صرف بے ہوش ہوئی ہے زندہ تو ہے ناں؟'' وہ کار سے اتر کر ساحل کے قریب آگئی۔

''ہاں، کبھی کبھی اس کو مرگی کا دورہ پڑتا ہے...... ویسے ٹھیک ٹھاک ہے۔'' ساحل کا موڈ زارا کو دیکھتے ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ ڈارک پرپل جدید تراش کے لباس میں اپنے تراشیدہ بالوں کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ چیونگم چباتے ہوئے بائیک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اگر اس مریضہ کو اسپتال لے جانا پڑا تو کیا کرو گے......؟'' زارا نے ساحل کی طرف دیکھا جس کی سیاہ بھنورا آنکھوں میں بڑے اجالے تھے اور بڑی دلچسپی سے زارا کو دیکھ رہا تھا...... زارا کا سوال سن کر اس نے اپنی زمین پر پڑی بائیک پر نظر ڈالی۔

''ابھی کوئی لوڈر روک کر اسے اسپتال لے جائیں گے۔'' اس نے پھر زارا کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کن انکھیوں سے اس کی چم چم کرتی نئی کار پر بھی نگاہ کی۔

''اگر آپ بائیک کے بغیر ہوتے تو میں آپ کو ضرور ڈراپ کر دیتی...... ویسے ایک مشورہ دوں if you dont mind'' اس نے جلدی سے چیونگم کا بلون پھلا کر جھی چھوڑ دیا۔

''جی...... حکم کیجیے......'' ساحل نے خاکساری سے متوجہ بنانے کی کوشش کی۔

''آپ اسے تول کر سیل کر دیجیے...... آئی ایم شیور آپ کو بہت ہینڈسم سیلری ملتی ہے...... نئی لے لیجیے...... او کے...... بائے...... سوری میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی......'' یہ کہہ کر زارا نے ہاتھ ہلایا اور اپنی گاڑی کی طرف چل پڑی...... بڑی شانِ بے نیازی سے ڈور کھولا، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی چابی گھمائی اور ساحل کی طرف دیکھ کر پھر ہاتھ ہلایا اور زن سے گاڑی لے اڑی...... ساحل نے دور تک نظروں سے گاڑی کا پیچھا کیا۔

''نئی بائیک...... نئی...... اور وہ بھی بائیک...... مرسڈیز کیوں نہیں...... خواب ہی دیکھنا ہے تو نئی بائیک کے کیوں دیکھیں......؟ مرسڈیز کے کیوں نہیں......'' اس نے زور سے ایک لات بائیک کو رسید کی...... اور جیبوں میں ہاتھ پھنسا کر کسی لوڈر سوزوکی کا انتظار کرنے لگا۔

''آدھی سیلری تو لون اتارنے میں ہی چلی جاتی ہے...... گھر کے خرچے، آپا کے گھر کے خرچے، کمپنی سے لون لے کر نئی بائیک خریدنے کے بجائے پرائز بانڈز خریدنے چاہئیں...... یا کسی مالدار لڑکی کو اپنے عشق میں مبتلا کرنا چاہیے......'' ساحل کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''چوکے، چھکے سے ہی دولت آئے گی ورنہ مسٹر امیر الدین ساحل نام کے ہی امیر رہو گے۔'' اس نے پھر زمین پر بیٹھ کر بائیک کو یوں ہلانا جلانا شروع کیا گویا واقعی کسی مرگی کے مریض کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

(جاری ہے)

رسالوں کا رنگ

زمین سرہیو



دادو اداس، اداس سی نانو کے پاس آ بیٹھیں۔ نانو نے اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر رکھ لیا پر وہ خود بھی اداس، اداس سی تھیں۔ آج عانیہ کی رخصتی تھی اور سب بے حد اداس تھے اور کچھ فکر مند بھی۔ عانیہ کو کچھ بھی بنانا نہیں آتا تھا اور کام بھی مر، مر کے کرتی تھی۔ نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ اسے رخصت ہوئے محض چند گھنٹے ہی ہوئے تھے پر بڑی بوڑھیوں کی فکریں تو اُن کی آدھی صحت کھا جاتی ہیں۔

وہ دونوں خاموش تھیں جب عانیہ اندر آئی اور سر

نانو اور پاؤں دادو کی گود میں رکھ دیے۔ عانیہ اور غانیہ دونوں جڑواں بہنیں تھیں، ان دونوں میں اکثر بات، بات پر لڑائی ہوتی تھی خاص کر عانیہ کے رسالے پڑھنے پر جتنا غانیہ تنگ ہوتی تھی تو عانیہ اسے مزید تنگ کرتی۔ دادو ہول کر جبکہ نانو مسکرا کر رہ جاتیں ان کی حرکتوں پر۔

دونوں لڑکیاں ہی کام چور، ست اور نکمیاں تھیں۔ ان کی نانو اور دادو نے بار ہا عانیہ کو کام سکھانے کی کوشش کی پر وہ منہ بنا کر احسان کر کے کام کر تو دیتی اور پھر دھم سے بیڈ پر... پھر وہ اور رسالے ہوتے یا وہ اور نیند ہوتی۔ تینوں اپنی، اپنی...... سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

عانیہ کی شادی کو چار دن ہوئے نہیں کہ کوئی اس کی سسرال سے دو کارٹن دے گیا، کھولا تو اس میں عانیہ کے خزانے (رسالے) تھے۔ تینوں حیران و پریشان ہوئیں۔ دو مہینے بعد عانیہ بغیر اطلاع کے آ گئی۔ تینوں پریشان تھیں پر وہ نارمل تھی اس پر ذرا غور کیا تو وہ کچھ سنجیدہ بھی لگی۔

"تین دن کے لیے آئی ہوں۔" خیر سے اس نے ان تین دنوں میں رسالوں کو خوب پڑھا اور خوب عیاشی کی۔ نانو اور دادو کرید، کرید کر اور غانیہ چھیڑ کر سوال کرتی اور وہ صرف تسلیاں دیتی، مسکرا دیتی۔ وہ آئی اور چلی بھی گئی اپنے اثرات چھوڑ کر اور سب کو اداس کر کے...... غانیہ کو اپنی ع، غ کی جوڑی یاد آنے لگی جہاں جاتی وہ دونوں ع، غ کی جوڑی سے جانی جاتیں خاص کر یونیورسٹی میں پر اب وہ اکیلی رہ گئی تھی نہ جانے کیوں یہ بہنیں دور ہو کر دل کے مزید قریب ہو جاتی ہیں......!

☆☆☆

اس گھر میں ایک تخت تھا جو لاؤنج میں بچھا رہتا جہاں کبھی دادو تو کبھی نانو اکثر بیٹھتیں اور چھالیا پان جیسے لوازمات کھاتی پائی جاتیں اگر جو کبھی عانیہ یا غانیہ تخت پر بیٹھ کر چھالیا کترتیں تو دادو کا جوتا کبھی کسی کونے سے تو کبھی کسی کونے سے اڑ کر آ کر اُن کے لگتا پھر دادو بذات خود آ کر عزت افزائی الگ کرتیں۔ نانو تو بیچاری سی تھیں اکثر چپ، چپ ہی رہتیں۔ اب غانیہ کبھی پڑھائی کبھی فیس بک پر مصروف ہوتی یا بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔

☆☆☆

"کیا پھر سے؟" غانیہ کی جھنجلائی آواز کچن سے آتی۔

"کیا ہوا؟" دادو گھورتیں۔

"یہ اتنے برتن۔" اس کی دہائیاں دیکھنے کے قابل ہوتیں۔

"کیا مطلب اتنے برتن! عانیہ بیچاری نے اتنے دھوئے ہیں اب تمہاری باری ہے۔" اطمینان سے جواب آتا۔

"کون سے......" غانیہ اچنبھے سے دیکھتی۔

"پانچ پلیٹیں سات گلاس تین چمچ دو ہانڈیاں......!" پیچھے سے عانیہ کی آواز آتی۔

"تو...... تو میں نے ابھی تو صبح تین پلیٹیں دس گلاس آٹھ چمچ اور چار بڑے دھوئی تھیں۔" غانیہ سلگتی اور پھر جھوٹے گئے برتن سے دیگر کام گنوائے جاتے دونوں طرف سے اور بھرپور گولہ باری ہوتی تو بالآخر دادو کو ٹوکنا پڑتا۔

"چپ کر جاؤ دونوں، تمیز ہی نہیں، ہر وقت کا چیخنا چلانا کہتی بھی ہوں لڑکیوں کو زیادہ چیخنا نہیں چاہیے پر کوئی اثر نہیں۔ ذرا سی بات پر چیخ، چیخ شروع۔ سالن روٹی تمہاری نانی بناتی ہے باقی کام میں کرالیتی ہوں پھر بھی اتنے سے کام کے لیے چونچیں لڑاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ جاؤ عانیہ جا کے برتن دھوؤ اور غانیہ تم چھت سے سوکھے کپڑے اتار کر لاؤ جاؤ دونوں اب......! نہ جانے کس پر چلی گئی ہیں نہ ہم ایسے تھے نہ ان کی ماں ایسی تھی......! اللہ جانے اگلے گھر جا کر کیا کارنامے کریں گی......" دونوں کے منہ بنا کر جانے کے بعد بھی دادو بڑبڑاتی رہتیں اور ان کی تان اگلے گھر پر جا کر ٹوٹتی۔

☆☆☆

"دے دو نا۔" انداز ملتجی ہوتا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" عانیہ کی بے نیازی عروج پر ہوتی وہ تو گویا سارے حساب اسی وقت چکانے کے موڈ

میں ہوتی۔

''نہیں دے رہیں تو میں خود ہی لے لوں گی۔'' غانیہ اتنی دیر کی منتوں کے بعد غصے سے کہتی۔

''لے کے دکھاؤ پھر انجام دیکھنا۔'' عانیہ اطمینان سے کہتی۔

''کیا کروگی......؟'' غانیہ ابرو اچکا کر کہتی۔

''تم بھی دیکھنا میں کیا کرتی ہوں۔'' انداز چیلنجنگ ہوتا۔

''آخری دفعہ پوچھ رہی ہوں مجھے یونیورسٹی کے لیے کپڑے دے رہی ہو یا نہیں......؟'' غانیہ جھنجلا جاتی۔

''نہیں......''

''کوئی بات نہیں......میں خود لے لوں گی اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔'' غانیہ دھمکا کر جاتی۔

''نتائج کی ذمے دار تم خود ہوگی۔'' عانیہ ڈراتی اور غانیہ سچ مچ ڈر جاتی ورنہ سچ تو یہی تھا کہ جب وہ کپڑے پہن لیتی تو عانیہ نے زیادہ سے زیادہ خود سے تین منٹ چھوٹی غانیہ پر غصہ ہی کرنا تھا اور کیا......! اسی طرح کی ہی ان کی باتیں تھیں۔

☆☆☆

وہ چاروں رات کو کبھی موویز یا ڈراما دیکھ رہی ہوتیں۔ جب وہ ختم ہو جاتا تو اپنے کمرے میں جاتی داود کہتیں۔

''ذرا تیل کی مالش تو کردو بچیوں، پاؤں رو رہے اور کمر درد سے ہو رہے ہیں۔'' تو عین اسی وقت بچیوں کو کام یاد آجاتے۔ عانیہ کو برتن دھونے یاد آجاتے جو دھونے تو تھے پر جس کا فی الفور اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اور غانیہ کو کوئی ٹیسٹ یاد آجاتا۔ دونوں چپکے سے کھسک جاتیں تو نانو مسکرا دیتیں جبکہ داود بیج پا ہو جاتیں۔

''سست، کاہل، نافرمان نہ جانے کس پر چلی گئی ہیں۔ اے رضیہ نہ تمہاری بیٹی ایسی تھی نہ تم...... یہ ان کا تو دماغ خراب ہے......! آگے جا کر ہم بوڑھیوں کا ہی نام روشن کریں گی......!'' داود غصہ کرتی اپنی چھوٹی بہن کو مخاطب کرتیں۔

میں اور وہ

سب کو بھا جائے ایسا نغمہ ہوں
بیٹھے پانی کا میں تو چشمہ ہوں
بھولا بسرا پرانا قصہ ہوں
اس کہانی کا میں بھی حصہ ہوں
ہر سو خوشبو ہے روشنی، تارے
میں تو آباد ایک جزیرہ ہوں
اپنی تعریف کیا کروں خود سے
بس محبت کا بہتا دریا ہوں
ہاتھوں، ہاتھوں میں مجھ کو رکھتے ہیں
گھر کا میں وہ قیمتی اثاثہ ہوں
تو ہی کہتا تھا بار، بار مجھے
میں تری شاعری کا حصہ ہوں
بس شگفتہ کو تکتا رہتا ہے
وہ یہ کہتا ہے، تجھ کو پڑھتا ہوں

شاعرہ: شگفتہ شفیق، کراچی

غزل

ہم تیری یاد میں یوں روتے ہیں
فصل اک آنسوؤں کی بوتے ہیں
تو ہمیں کس لیے منائے گا
ہم بھلا کون تیرے ہوتے ہیں
غم جاناں غم زمانہ کو
اپنے اندر ہی ہم سموتے ہیں
جان سکتی نہیں جسے دنیا
ایسے کچھ حادثے بھی ہوتے ہیں
پھول اپنی گرفت میں کب تھے
ہار اشکوں کے ہم پروتے ہیں
روز اک آرزو مچلتی ہے
روز ہم بے قرار ہوتے ہیں
اپنے دامن کے داغ تمثیلہ
ہم تو اشکوں کے ساتھ دھوتے ہیں

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، لاہور

☆☆☆

وہاں جہاں چہکار تھی کچھ مستی کچھ کھٹی میٹھی یادیں بھی تھیں۔ ر، ج، غ کی، دادو، نانو کی۔ کبھی ڈانٹ تو کبھی پیار کبھی لڑائی تو کبھی یاری سب پہ بھاری اب وہاں خاموشی اور یاسیت نے اپنے پر پھیلا دیے تھے۔

جب بیٹیاں پیا دیس چلی جاتی ہیں
تو بہت زیادہ اور بھی یاد آتی ہیں

☆☆☆

آج غانیہ کی مایوں کی رسم تھی عانیہ بھی خوش، خوش اور پیش، پیش تھی۔ نہ صرف باتوں اور شغل میں بلکہ کاموں میں بھی..... خاص کر اپنی سسرال والوں کے جبکہ نانو، دادو ٹوکتی رہ جاتیں کہ اس حالت میں اتنا کام مت کرو۔ ساری تقریب میں کبھی دادو تو کبھی نانو روئی روئی سی پائی جاتیں اور بہانہ یہی کہ کاش ان دونوں بچیوں کے ماں باپ زندہ ہوتے جو یکے بعد دیگرے مختلف حادثات میں عدم کوچ کر گئے۔ یہی جذباتی مظاہرہ عانیہ کی شادی پر بھی ہوا تھا اور اب بھی سب سمجھا، سمجھا کر رہ گئے پر اثر ندارد۔

☆☆☆

مایوں ختم ہوا تو عانیہ نے غانیہ کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا وہ اس وقت اپنے مشترکہ کمرے میں موجود تھیں۔

"غانیہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ بہت اہم بات ہے میں بولوں گی تم بس سننا۔" عانیہ نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری غانیہ حیران ہوئی کہ عانیہ اجازت کب سے لینے لگی۔

"جب میری شادی ہوئی تو میں چپ، چپ رہتی تھی اور کم، کم آتی تھی ناں..... تو سسرال میں مجھے خاصے مسائل درپیش تھے خیر پوری بات نہیں بتا سکتی پر تم یہ سمجھتی ہوناں کہ یہ رسالے فضول ہوتے ہیں کسی کام کے نہیں تو تمہیں بتانا تھا انہی کی بدولت میں اپنی سسرال میں سروائیو (گزارہ) کر سکی۔ ایک رائٹر نے کہا تھا" دل میں ایک قبر کھودنی پڑتی ہے ہر تلخ بات، یاد، اختلاف اپنی ہر ہار اس قبر میں دفناتے جاؤ اور دل کو صاف رکھو یہی بہترین اور پرسکون زندگی گزارنے کا اولین اصول ہے۔"

اور میں نے وہی کیا جو میری کہانیوں، میرے رسالوں کے کرداروں نے کیا یعنی صبر میرے حالات تمہاری سوچ سے بھی زیادہ مشکل تھے پر رسالوں میں ہی بڑی بوڑھیوں نے کہا کہ اچھی لڑکیاں اپنی سسرال کی باتیں اِدھر سے اُدھر نہیں کرتیں وہ راز رکھنا جانتی ہیں اور ویسے بھی پریشان ہونے اور کوسنے بددعائیں دینے سے ہوتا بھی کیا۔ تم بھی ایسا کرنا، میری طرح بھری سسرال میں جا رہی ہو اور یہ بات یاد رکھنا کہ اگر میاں، بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں تو لڑکی کا سسرال اس کا زیور اگر خود لڑکی اس لباس میں پیوند لگائے اور زیور کے ٹوٹنے یا کسی نشان کی نشان دہی کروائے اور شوہر اور سسرال کی خامیوں کا سب کو بتائے تو پھر وہ اس لباس کو کتنا بھی سجا لے پیوند کو چھپا لے اور زیور کو پالش کروا کر بیا ہتو الے بے شک سب کچھ ٹھیک ہو جائے اور لڑکی یقین دہانی کرواتی رہے، ان کی تعریف کرتی رہے پھر بھی لوگ ان پیوندوں اور نشانوں کو کبھی نہیں بھولتے۔" عانیہ نے بات ختم کر کے ایسے سانس لی جیسے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو جبکہ غانیہ گنگ سی بیٹھی رہ گئی اور رنگ تو دروازے کے باہر سب سنتی دادو اور نانو بھی رہ گئی تھیں۔ وہ تو آج دونوں سے باتیں کرنے آئی تھیں جیسے عانیہ کی بار آئی تھیں پر انہیں ان سوالوں کے جواب مل گئے جو عانیہ کی شادی کرانے کے بعد سے خاص کر دادو کو بے چین رکھتے تھے۔

مجھے مل گیا جواب مرے سوالوں کا دوستو
زندگی مشکل سہی پر صبر کے ساتھ آساں ہے

☆☆☆

رسالوں کا رنگ خوب رنگ لایا اب دادو کتابوں (رسالوں) کو شوق سے پڑھتی ہیں اور افسوس کرتیں کاش وہ پہلے پڑھ لیتیں کیا خوب صورت باتیں تھیں اس میں دل کو موہ لینے والی۔ نانو تو خیر شروع سے ہی پڑھتی آ رہی تھیں.....!

میری سوچ کا عکس ہیں رسالوں کی کہانیاں
پڑھتی ہوں، سوچتی ہوں اور مسکرا دیتی ہوں

دیر سے سمجھے

نظیر فاطمہ

”بہو صاحبہ! اب کمرے سے باہر تشریف لے آؤ۔“ وردہ کی ساس کی پاٹ دار آواز کمرے میں گونجی تو اس کی بچی سوتے میں یک دم ڈر گئی...... اس نے فوراً اس کے سینے پر ہاتھ رکھا اور اسے ہولے، ہولے تھپکنے لگی۔ اس کی بیٹی لائبہ کی طبیعت پچھلے دو دنوں سے خراب تھی۔ وہ دانت نکال رہی تھی، اس لیے کافی دنوں سے چڑچڑی ہو رہی تھی مگر دو روز سے مسلسل بخار، الٹیوں اور موشنز نے اسے بالکل ہی نڈھال کر دیا تھا۔



سو بچی کے ساتھ ساری رات وہ جاگتی رہی۔ رات بھر اسے کندھے سے لگائے کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ صبح بھی وہ گود سے اترنے کو کسی طور تیار نہیں تھی..... وردہ نے اسے اٹھائے، اٹھائے ہی اپنے شوہر، صابر (جو صرف نام کا صابر تھا) کے لیے ناشتا تیار کیا اور اسے لیے دوبارہ کمرے میں آگئی۔ بچی ساری رات روتی رہی لیکن گھر والوں میں سے کسی نے اس کے کمرے میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ ویسے صابر کے سامنے اس کی ساس اور نند، لائبہ سے بہت پیار جتاتی تھیں۔ کمرے میں واپس آکر اس نے بچی کو دودھ پلا کر دوا دی اور اس کا سر ہلکے، ہلکے سہلانے لگی۔

اس طرح اسے سکون ملا تو وہ سو گئی۔ اسے بیڈ پر لٹا کر وہ خود بھی اس کے ساتھ ہی لیٹ گئی۔ وہ ساری رات کی تھکی ہوئی تھی۔ جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ صابر آفس کے لیے صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتا تھا۔ وہ پہلے اس کا ناشتا تیار کرتی پھر لائبہ کو نہلا دھلا کر دودھ پلاتی تو وہ مطمئن ہو کر کھیلنے لگتی۔ پھر وہ اپنے سسر، ساس، دیور اور نند کے لیے ناشتا بناتی جو دس بجے کے قریب ناشتا کرتے تھے۔ اس کے دیور کا الیکٹرانکس کا چھوٹا سا ذاتی شوروم تھا جو وہ گیارہ بجے کے قریب کھولتا تھا۔ باقی افراد نے تو خیر ویسے بھی گھر پر ہی رہنا ہوتا تھا سو یہ سب آرام سے قدرے لیٹ ناشتا کرتے۔ اب بھی وہ سب لوگ ناشتے کا ہی انتظار کر رہے تھے پر اس کی ساس اور نند سے اتنا نہ ہوا کہ وہ اس کی بے آرامی کا خیال کر کے آج خود ناشتا بنا لیتیں۔ وہ تو اسے اٹھنے کا حکم صادر کر کے جا چکی تھیں۔

وہ دھیرے سے اٹھی۔ اسے لائبہ کے جاگ جانے کا ڈر تھا سو اس نے اپنا تکیہ اس کے ساتھ لگا دیا۔ وردہ کے سر میں شدید درد تھا مگر کیا، کیا جاتا کہ اسے ہر حال میں سارا کام نمٹانا تھا۔

''وردہ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس کے سسر نے اس سے ناشتے کی ٹرے پکڑی۔

''جی ابو! میری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ لائبہ رات بھر روتی رہی ہے، اس کے ساتھ جاگنے کی وجہ سے میری طبیعت بھی کچھ سست سی ہو رہی ہے۔'' وہ سب کو ناشتا دے چکی تھی سو خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''مجھے تو آج کل کی ماؤں کے نخرے سمجھ نہیں آتے، ذرا بچہ بیمار ہوا اور یہ خود بھی ساتھ ہی ڈھے گئیں۔ مجھے یقین ہے کہ آج میرا صابر بغیر ناشتے کے گیا ہوگا۔'' اس کی ساس کا لہجہ گہرا طنز لیے ہوئے تھا۔

اس کا دل چاہا کہہ دے کہ آپ کا بیٹا اتنا صابر نہیں ہے کہ میری تکلیف کا احساس کر کے بغیر ناشتا کیے چلا جائے۔ مگر دل کی بات اندر ہی دبا کر وہ صرف اتنا ہی بولی۔

''نہیں...... میں نے انہیں ناشتا بنا دیا تھا۔'' وہ وضاحت دے کر اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''فریحہ! آج ناشتا تم بنا لیتیں۔'' اس کے دیور نے بہن کو مخاطب کیا۔ جواب میں بہن تو خاموش رہی مگر ماں نے بیٹے کو کڑے تیوروں سے گھورا۔

''بھابی! آپ ناشتا کر کے سو جائیں، برتن وغیرہ فریحہ اٹھا لے گی۔'' اس کی بات پر سدا کی کام چور فریحہ نے پہلو بدلا۔

''اور دوپہر کے کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ میں بازار سے بھجوا دوں گا...... آپ اپنا اور لائبہ کا خیال رکھیں۔'' وردہ نے اسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا...... اس کا دیور حفیظ اس کے لیے ہمیشہ بھائیوں سے بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔ وہ واقعی تھوڑی دیر کے لیے پُرسکون ہو کر سونا چاہ رہی تھی۔ سب نے ناشتا ختم کیا تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں بھابی، آپ اپنے کمرے میں جائیں۔'' حفیظ اسے کمرے میں بھیج کر ہی اٹھا تھا۔ اس کے سامنے تو ماں، بہن کچھ نہیں بول پاتی تھیں۔ کمرے میں آکر وہ دوبارہ لائبہ کے برابر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر میں گہری نیند میں چلی گئی۔ بچی بھی پُرسکون ہو کر سوتی رہی۔ دوپہر دو بجے کے قریب لائبہ کے رونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے اس کو فریش کر کے اسے

فیڈر دیا اور منہ ہاتھ دھو کر بال سمیٹے۔ اتنی دیر میں لائبہ فیڈر ختم کر چکی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر چلی آئی جانتی تھی کہ باہر بہت سے کام اس کی توجہ کے منتظر ہوں گے۔

حسبِ توقع کچن میں گندے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... اس کی ساس اور فریحہ ٹی وی پر کوئی واہیات سا غیر ملکی ڈراما دیکھنے میں مصروف تھیں۔ دونوں کے منہ سوجے ہوئے تھے۔

''فریحہ! لائبہ کو تھوڑی دیر کے لیے پکڑلو، میں برتن دھولوں......'' وردہ، نند کے قریب گئی۔

''میں ڈراما دیکھ رہی ہوں، یہ تنگ کرے گی۔'' موڈ نہ ہوتا تو وہ لائبہ کی طرف دیکھتی تک نہیں تھی۔ اس کی ساس نے بھی اس پر ترچھی نظر ڈالی اور سر جھٹک کر دوبارہ ڈراما دیکھنے لگیں۔ وردہ کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ پی گئی اور ایسا کرنا اس کی مجبوری تھی۔ اگر وہ پلٹ کر جواب دیتی تو شام کو صابر کے اتنے کان بھرے جاتے کہ چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بن جاتا اور آخر میں بغیر کسی قصور کے اسے معافی مانگنا پڑتی۔ اس لیے وہ خاموشی کو عافیت جانتے ہوئے پلٹ گئی کہ خاموشی انسان کو بہت سی مشکلات سے بچا لیتی ہے۔

وہ ایک ہاتھ سے بے بی چیئر گھسیٹ کر لے آئی اور لائبہ کو اس پر بٹھا کر گڑیا پکڑا دی۔ وہ اس سے کھیلنے لگی تو اس نے جلدی جلدی برتن دھوئے، خیر گزری کہ وہ سارے برتن دھلنے تک آرام سے کھیلتی رہی۔ وردہ کا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا سو اس نے اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنایا اور لائبہ کو ساتھ لیے دوبارہ کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

''صابر! چلیں لائبہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے، آٹھ بجے کا ٹائم ہے، سوا سات ہو رہے ہیں۔ ابھی نکلیں گے تو وقت پر پہنچیں گے۔'' اس نے بچی کو تیار کر کے بٹھایا۔

صابر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''آج سارا دن سونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا تو اسے ڈاکٹر کے پاس ہی لے جاتیں۔'' اس نے طنز کیا تو وردہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ تو اس کے دو، تین گھنٹے سونے کی رپورٹ نمک مرچ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر اس تک پہنچائی جا چکی تھی۔

''ڈاکٹر سات بجے بیٹھتا ہے اور مجھے آٹھ بجے کا وقت ملا ہے اس لیے اس وقت جانا مجبوری ہے ورنہ میں آپ کو یہ زحمت بھی نہ دیتی۔'' اب وہ اس کی اکثر باتوں کا اسی طرح ٹھنڈا سا جواب دیتی تھی۔ یہ بھی شکر تھا کہ وردہ کے ساتھ اس کا رویہ جیسا بھی تھا مگر اپنی بیٹی کے لیے تو وہ جان بھی دینے کو تیار رہتا۔ بس دوسرے کی بیٹی کو...... جو بدقسمتی سے اس کی بیوی تھی شاید انسانیت کے دائرے سے خارج سمجھتا تھا۔ جسے نہ تو کوئی بات تکلیف پہنچاتی تھی نہ ہی کسی زیادتی پر آواز اٹھانے کا حق حاصل تھا۔ سو اب بھی وہ وردہ کو باتیں سنانے کے بعد جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

''میں دو، تین دنوں کے لیے امی کی طرف جانا چاہتی ہوں۔'' وردہ نے بچی کو صابر کی گود میں بٹھا دیا۔

''کیوں......؟'' صابر کا سوال وردہ کی توقع کے عین مطابق تھا۔

''ویسے ہی بہت دن ہو گئے ان کی طرف چکر نہیں لگا۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر لائبہ کے کپڑے تہ کرنے لگی۔

''امی سے پوچھ لو......'' وہ لائبہ کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔ وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔ ان سے پوچھنے کا مطلب تھا ان کی جلی کٹی سننا اور پھر احسان جتاتے ہوئے۔ ''بی بی تمہاری مرضی ہے ہم نے کون سا تم پر پہرے بٹھائے ہیں۔'' کہہ کر جانے کی اجازت دینا، ایسی تذلیل بھری اجازت کے بعد وہ کس دل سے جانے کو تیار ہوتی تھی وہی جانتی تھی۔

وردہ کو بہت ارمان تھا کہ کبھی تو صابر خود اسے کہیں جانے کی اجازت دے بلکہ وہ خود اپنی امی سے کہے کہ میں وردہ کو اس کی امی کی طرف لے کر جا رہا

ہوں۔ مگر ایسا ہونا ناممکن تھا۔

”امی! میں دو تین دنوں کے لیے اپنی امی کے گھر چلی جاؤں؟“ اس نے رات کے کھانے کے دوران سب کی موجودگی میں بات کی۔

”امی سے کیوں پوچھ رہی ہیں؟ صابر بھائی سے اجازت لیں ناں.....“ اس کے دیور نے فوراً اسے ٹوکا۔

”امی بڑی ہیں اس لیے.....“ مگر اس نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

”اچھی بات ہے کہ آپ ان کی عزت کرتی ہیں لیکن یہ بھی کوئی بات نہیں ہوئی، وہ ہر دفعہ آپ کو منع کر دیتی ہیں اور آپ رک جاتی ہیں۔ آپ کو اپنے میاں سے اجازت لینی چاہیے اور امی اور ابو کو صرف اطلاع دینی چاہیے کہ آپ جا رہی ہیں۔“ وردہ کو کئی دفعہ دُہرایا جانے والا ڈراما ازبر تھا۔ اس لیے ان نے آج سب کی موجودگی میں بات کی تھی۔ ان دو ڈھائی سالوں میں وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی کہ اسے اپنی بات کیسے منوانی ہے۔ بہت سی باتوں میں جہاں اسے شوہر کی سپورٹ ہونی چاہیے تھی وہاں اسے اپنے دیور کی سپورٹ حاصل تھی۔ اسے اس کی بیوی پر ابھی سے رشک آتا تھا کہ جو اپنی بھابی کے معاملے میں اتنا حساس تھا وہ بیوی کے معاملے میں جو بھی کرے کم ہی ہوگا۔ اس کی منگنی اپنی چچازاد سے ہو چکی تھی جس میں صرف حفیظ اور ابو کی رضا شامل تھی۔ اس کی ساس اپنے بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کر راضی تھیں۔

”تو پوچھ کر کون سا احسان کرتی ہے مجھ پر..... نہ پوچھے مجھ سے۔ میں تو جیسے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتی ہوں ناں.....“ وہ غصے میں بولنا شروع ہو گئیں اور جب وہ بولنا شروع ہو جاتی تھیں تو پھر سوچنا بند کر دیتی تھیں۔ بات الفاظ کی نہیں لہجے کی ہوتی ہے اور ان کا لہجہ ہمیشہ وردہ کی ہستی کو بے مول کر دیتا تھا۔

”امی، پلیز! آپ کی انہی باتوں کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے۔“ حفیظ نے ماں کو ٹوک دیا۔ اس پورے گھر میں صرف ایک وہی تھا جو اپنی ماں کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کی جرأت رکھتا تھا۔

”آپ دیکھ رہے ہیں یہ کتنی بدتمیزی کر رہا ہے۔“ اس کی ساس نے اپنے شوہر سے کہا۔ وہ حسب معمول خاموش رہے۔ شاید ان کی بے موقع خاموشیوں نے ہی حالات کو اس نہج تک پہنچایا تھا۔

”ارے! میں ہی بری ہوں جو کسی سے برداشت نہیں ہوتی۔“ وہ کھانا ادھورا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ جواب میں صابر نے اسے یوں گھورا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب تمہیں چین آ گیا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی کہ مبادا اس کے منہ سے کوئی سخت بات نکل جائے۔ اگر جولائیہ کا دم نہ ہوتا تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کب کی جا چکی ہوتی۔

وردہ شادی سے پہلے اپنی سہیلیوں سے برملا کہا کرتی تھی کہ میاں، بیوی کے درمیان محبت ہو نہ ہو، ایک دوسرے کے لیے عزت ضرور ہونی چاہیے کہ جہاں عزت ہو وہاں محبت بھی ہو ہی جاتی ہے۔ عزت نہ ہو تو نام نہاد محبت بھی منہ چھپا کر بھاگ جاتی ہے لیکن اس کی قسمت کہ ان دونوں میاں، بیوی میں عزت یا محبت تو دور کی بات لحاظ کا رشتہ بھی نہیں تھا کہ صابر جب چاہتا اسے سب کے سامنے بری طرح لتاڑ کر رکھ دیتا..... اب بھی کمرے میں آ کر اس نے خوب بے عزتی کی تھی۔ وہ لائبہ کو سلا کر صحن میں بچھے تخت پر لیٹ کر روشن چاند کو تکنے لگی۔ یک دم اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے ڈرتے، ڈرتے پوچھا۔

”امی! ناشتا کر لیں۔“ سب ناشتا کر چکے تھے لیکن اس کی ساس کمرے سے باہر نہیں آئی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا ناشتا بنا کر کمرے میں لے آئی۔ ورنہ اس کا دل ان کے پاس جانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

”جاؤ، لے جاؤ اپنا ناشتا، بڑی آئیں میری فکر کرنے والی، یہ میرا گھر ہے، ابھی اپنے بیٹے کو اشارہ کروں تو ایک منٹ میں تمہیں اس گھر سے نکال باہر

کرے گا۔ سمجھیں تم......؟'' ان کا انداز بہت ہی توہین آمیز تھا۔ تب اس کے ایک آگ سی لگ گئی۔

''ضرور بلکہ جلدی کہیں۔ میں بھی اس جہنم میں رہتے، رہتے تھک گئی ہوں۔'' وہ پہلی مرتبہ انتہائی تلخی سے بولی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ضبط کی طنابوں پر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس نے ٹرے وہیں پٹخی اور مڑ کر باہر نکل گئی۔ اس کے اندر تندور دہک رہا تھا جس میں اس کی اپنی ہی ذات جل، جل کر مسخ ہو رہی تھی۔

اب اس تپش کا تھوڑا سا حصہ اس نے اپنی ساس کی طرف منتقل کیا تھا جو اس کے اس طرزِ عمل پر منہ کھولے حق دق تھیں۔ اگر وردہ کی ساس ہر موقع پر ''منہ'' کھولنے کے بجائے دماغ کھول کر سوچنے کی عادی ہوتیں تو صورتِ حال بہت مختلف ہوتی۔ شام تک وہ اپنا اور لائبہ کا سامان پیک کر چکی تھی۔

''آپ مجھے چھوڑ آئیں گے یا میں ٹیکسی سے چلی جاؤں۔'' اگلی صبح اس نے صابر سے کہا۔ آج پہلی دفعہ وہ اپنی ساس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر جا رہی تھی۔ صابر نے اس کے حتمی انداز پر اسے دیکھا...... اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ ہمارے رویے ہی ہیں جو کسی کو ہمارے قریب کر دیتے ہیں اور رویے ہی دوسرے کو ہم سے دور کر دیتے ہیں۔ صابر کا غلط رویہ وردہ کو دھیرے، دھیرے دور لے جا رہا تھا مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر آنکھیں موندے اپنی ڈگر پر چلا جا رہا تھا۔

''کل امی سے زبان کیوں چلائی تم نے؟'' وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے جواب طلبی کر رہا تھا۔ مگر وہ خاموش رہی کہ جواب دینے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مگر آج اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ لہٰذا صابر مزید باز پرس کرنے کے بجائے کمرے سے نکل گیا۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا۔ وہ اس کی خاموشی پر حیران ہوئی۔ وہ لائبہ کو اٹھا کر دوسرے ہاتھ میں بیگ پکڑے اس کے پیچھے نکل گئی۔

☆☆☆

''آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں، یہ میری ماں سے بہت زبان چلاتی ہے اور ان کا ذرا ادب، ذرا عزت نہیں کرتی۔'' صابر نے چائے وغیرہ پی کر امی سے شکایت کی۔ وردہ اپنا بھرم یوں تار، تار ہونے پر کٹ کر رہ گئی کہ وہ اس سلسلے میں اپنے والدین سے بھی کم ہی بات کرتی تھی۔ اگر وہ ان باتوں کو زیادہ اچھالتی تو جو کچھ ڈھکے چھپے انداز میں ہو رہا تھا وہ سب کے سامنے آ جاتا اور یہ وردہ کو کسی صورت منظور نہیں تھا۔

''بیٹا! تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، اس کا قصور ہے تو پھر کچھ نہ کچھ تمہارے گھر والوں کا بھی ہوگا۔ رہی بات عزت کی تو کوئی بھی کسی کو زبردستی اپنی عزت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی ''عزت'' اور ''ادب'' کیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنے رویوں پر نظرِ ثانی کرے...... کیونکہ آپ جو کچھ دوسرے کی طرف پھینکیں گے وہی آپ کی طرف پلٹ کر آئے گا۔'' امی نے بہت گہری اور صاف باتیں کیں۔

''اوہ...... اب سمجھا کہ یہ سب آپ ہی کی شہ پر ہو رہا ہے۔'' وہ بدلحاظ ہوا۔

''بیٹا! پاؤں تلے دبی ہو تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ میری بیٹی تو پھر انسان ہے۔'' آج امی بھی اسے کھری، کھری سنا رہی تھیں۔

''تو آپ اسے نہیں سمجھائیں گی؟'' وہ غصے سے پوچھنے لگا۔

ایسا نہیں تھا کہ وردہ کی امی اپنی بیٹیوں کی بے جا حمایت کرتی تھیں۔ وردہ کے علاوہ بھی ان کی تین بیٹیاں شادی شدہ تھیں اور وہ اپنی بیٹیوں کو ہمیشہ صبر و تحمل کا درس دیتی تھیں۔ ان کی دو بڑی اور وردہ سے چھوٹی بہن اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ ان کے سسرال والوں کا رویہ ان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ باقی چھوٹی موٹی باتیں تو ہر گھر میں ہو ہی جاتی ہیں۔ بس ایک وردہ ہی تھی جو جتنی حساس تھی اتنے ہی ناقدروں کے پلے بندھ گئی تھی۔

''سنبھالیے اپنی بیٹی کو...... میں اپنی بیٹی کو لے کر

جا رہا ہوں۔'' وردہ کی امی کی خاموشی پر صابر غصے سے تلملا اٹھا۔ اس نے لائبہ کو اٹھالیا تو وردہ تڑپ کر آگے بڑھی مگر امی نے اٹھ کر اس کی کلائی پکڑلی اور صابر سے کہا۔

''مجھے معلوم تھا اب تم یہی حربہ آزماؤ گے۔'' وہ تین بار پہلے بھی یہی حربہ آزما چکا تھا۔ ابھی چھ ماہ پہلے وہ یہی حربہ آزما کر وردہ کو اس کی بہن کے مایوں کے فنکشن سے اٹھا کر لے گیا تھا۔ امی نے جس طرح لوگوں کو مطمئن کیا تھا وہی جانتی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' صابر نے مڑ کر کہا۔

''یہی کہ اب تم لائبہ کو اٹھا کر چلتے بنو گے لیکن آج میری بیٹی تمہارے پیچھے نہیں آئے گی۔'' امی نے وردہ کے بازو پر اپنی گرفت مزید سخت کرلی کہ کہیں وہ اپنا بازو جھٹکے سے چھڑا نہ لے۔

''تو مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اسے ساتھ لے جانے کا۔ اسے اپنے پاس رکھیں۔ چار دن میں عقل ٹھکانے آجائے گی۔'' وہ تنفر سے کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''امی! پلیز مجھے چھوڑ دیں، جانے دیں مجھے۔'' وہ اپنی کلائی چھڑانے لگی۔

''وردہ آج تم میری بات مان کر رک جاؤ۔ میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ چار دن بچی کو سنبھالنا پڑے گا تو تمہاری قدر آجائے گی اور اگر آج تم پھر اس کے پیچھے چلی گئیں تو پھر ساری عمر اسی طرح تمہیں بلیک میل کرتا رہے گا۔'' انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھادیا اور وہ ماں کے گلے سے لگ کر سسک اٹھی۔

''امی! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتیں، وہ میری بچی کو مجھ سے چھین لیں گے اور پھر میری بیٹی کو بھی رول، رول کر پالیں گے۔'' بے بسی کے احساس سے اس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

''جیسی ان لوگوں کی فطرت ہے ناں..... ان میں سے کوئی بھی اسے نہیں سنبھالے گا بلکہ اسے بوجھ سمجھیں گے۔ تم صبر سے یہاں رہو اور صابر کو چند دن بچی کو سنبھالنے دو۔ تم دیکھنا وہ تمہیں ہاتھ جوڑ کر واپس نہ لے جائے تو کہنا۔'' انہوں نے داماد اور اس کے گھر والوں کو سمجھ کر یہ علاج تجویز کیا تھا۔ وردہ سسکنے لگی تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر اسے تسلی دی۔ اپنی بیٹی کی تقدیر کے اس دکھ پر ان کی اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔ بیٹیوں کی قسمتیں اگر ماں، باپ خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے تو کبھی کسی کی بیٹی دکھی نہ ہوتی۔

صابر، لائبہ کو اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔ اسے اپنی ساس کی باتوں کے باوجود یہ یقین تھا کہ وردہ ضرور آئے گی اور اس کے ساتھ جائے گی۔ لہٰذا وہ لائبہ کو بائیک پر بٹھا کر وہیں کھڑا رہا۔ اسے وہاں کھڑے کافی دیر ہوگئی مگر وہ نہ آئی۔ اب اسے اپنی ساس کی باتوں میں صداقت محسوس ہوئی تھی ورنہ وہ تو ان کی باتوں کو محض دھمکی سمجھ رہا تھا۔ اب دوبارہ اندر جانا اس کی انا کے خلاف تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اپنے گرد گھمنڈ اور انا کی چار دیواری اٹھانے والا انسان خسارے کا سودا کرتا ہے صرف خسارے کا۔ مزید دس منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے بائیک کو کک لگائی اور لائبہ کو لے کر چلا گیا یہ سوچے بغیر کہ وہ اتنی چھوٹی سی بچی کو کس طرح سنبھالے گا۔

''دیکھا کتنی دیر بعد گیا ہے، اسے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر امی نے کہا۔ اور وردہ بدحواس سی سنتی رہی۔

☆☆☆

''سلطانہ! تم نے یہ کیا بے وقوفی کی ہے؟ بیٹیوں کو اس طرح گھر میں نہیں بٹھایا جاتا۔ اتنی سمجھدار ہو کر تم نے یہ کیا حرکت کی ہے؟'' شام کو جب وردہ کے ابو اور دونوں بھائیوں کو سارے معاملے کی خبر ہوئی تو اس کے ابو نے بیوی کی خبر لی۔

''میں نے کوئی بے وقوفی نہیں کی۔ آپ کیا جانتے نہیں کہ ہماری بیٹی ڈیڑھ سال سے کتنی تکلیف میں ہے۔ آج تک ان لوگوں نے اسے گھر کے فرد کی حیثیت نہیں دی۔ ساس، سسر اور باقی گھر والوں کو تو چلیں جانے دیں مگر شوہر کا رویہ تو اس کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے ناں.....'' وہ بات مکمل کر کے خاموش ہوگئیں گویا انہوں نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا تھا۔

''تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے اس فعل سے ان کا رویہ ٹھیک ہو جائے گا؟ بیٹیوں کو برداشت کا سبق دینا چاہیے۔ برداشت ایسے ہی نہیں آجاتی، اس کو پالنا پڑتا ہے اور تم اپنی بیٹی کو برداشت کا گلا گھونٹ کر مار دینے کا سبق پڑھا رہی ہو۔'' انہوں نے بیوی کے اس فعل کی ہرگز طرف داری نہیں کی تھی بلکہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں بیاہتا بیٹیوں کی بے جا حمایت کرنے والی ماؤں میں سے نہیں ہوں۔ مگر یہ روز، روز کے تماشے بھی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ وردہ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ میں نے یہ کام سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ ایسی نوبت نہیں آئے گی۔'' سلطانہ بیگم کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

''دیکھ لینا کہیں تمہارا یہ یقین اسے لے نہ ڈوبے۔'' ابو نے اس معاملے میں ان کی بالکل حمایت نہیں کی تھی۔

''منصور صاحب اللہ پر بھروسا رکھیں...... آپ کو یاد ہے ناں کہ جب لائبہ دو ماہ کی تھی تب بھی صابر نے یہ حرکت کی تھی۔ پھر نتاشا کی مایوں والے روز بھی وہ یہی تماشا کر کے وردہ کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ اب تک ہم ان باتوں سے چشم پوشی کرتے آئے ہیں مگر یہ لوگ اس طرح ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اگر چار دن بھی ان لوگوں نے لائبہ کو سنبھال لیا تو میرا نام بدل دیجیے گا۔ بچی کی خاطر ہی سہی وہ خود وردہ کو خود لینے آئے گا اور آئندہ ایسی حرکت کرنے سے باز رہے گا۔'' سدا کی دور اندیش سلطانہ بیگم کا یہ قدم ان کے میاں کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

☆☆☆

صابر، لائبہ کو لے کر گھر پہنچا تو اس کی امی اور بہن حسب معمول ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھیں۔ اس کی امی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہو گئیں۔

''تم لوگ وہاں کیا ہاتھ لگانے گئے تھے؟'' وہ سمجھیں کہ وردہ بھی واپس آگئی ہے۔

''نہیں، میں لائبہ کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور وردہ اب وہیں رہے گی۔'' اس نے بچی کو دادی کی گود میں دے دیا۔

''کیا مطلب......؟ یہ اپنی ماں کے بغیر کیسے رہے گی؟'' انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔ صابر کی بات انہیں جو کچھ سمجھا رہی تھی وہ ہرگز اس کو سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

''آپ لوگ سنبھال لیں گی اسے، وردہ چار دن ماں، باپ کے گھر رہے گی تو ساری بدتمیزی دھری کی دھری رہ جائے گی۔ پھر آپ کے ساتھ روز، روز زبان چلانے کی جرأت نہیں کرے گی۔'' اس نے ماں کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کندھے پر بازو پھیلا لیا۔

''اب وہ جیسی بھی ہے تمہیں اسے چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ میری بھلا کوئی عمر ہے کہ میں یوں بچوں کے پیچھے بھاگ سکوں۔'' وہ تو صاف ستھری لائبہ کو بھی چند گھڑی سے زیادہ برداشت نہیں کرتی تھیں۔ کجا یہ کہ اب اس کی صفائی ستھرائی سے لے کر اسے سارا دن سنبھالنا۔

ماں کی بات سن کر وہ بچی کو اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ ماں کو یہ نہ بتا سکا کہ وہ وردہ کو خود چھوڑ کر نہیں آیا بلکہ اس کی ماں نے اسے روک لیا ہے۔

''دیکھو ذرا اس لڑکے کا دماغ...... اسے وہاں چھوڑ آیا ہے، اب سارا گھر بھی ہم ماں، بیٹی کو سنبھالنا پڑے گا اور...... اور اس کی بیٹی کے لاڈ بھی اٹھانا پڑیں گے۔'' وہ اپنی بیٹی سے مخاطب تھیں اور ایسا کہتے ہوئے وہ بالکل بھول گئیں کہ لائبہ کو بہو اپنے جہیز میں نہیں لائی تھی بلکہ وہ ان کے لاڈلے بیٹے کی اولاد ہے مگر اس وقت وہ صرف وردہ کی ساس بن کر سوچ رہی تھیں، صابر کی ماں بن کر نہیں......

''امی! مجھ سے کوئی امید نہیں رکھیے گا۔ میں کسی کام میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹاؤں گی۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ نہ تو مجھ سے ہانڈی چولھا ہوتا ہے اور نہ ہی

مجھ سے بچوں کی ریں ریں برداشت ہوتی ہے۔'' اس نے ماں کو کورا جواب دیا۔

''پہلے تو بڑا اسے اٹھائے، اٹھائے پھرتی تھیں۔'' اس کی بات پر انہیں غصہ آ گیا۔

''ہاں تو صاف ستھرے بچے کو اٹھا کر چند گھڑیاں اس کے ساتھ کھیلنا اور بات ہے اور سارا دن اسے سنبھالنا اور اس کی ساری ذمے داریاں اٹھانا اور بات ہے۔'' فریحہ نے ہار ماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ بدتمیزی سے بات مکمل کر کے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

کمرے میں جا کر لائبہ سو گئی تھی۔ دو تین گھنٹے سونے کے بعد وہ اٹھ گئی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی، وہ رونے لگی۔ صابر اسے اٹھا کر باہر لایا۔

''فریحہ! اس کا دودھ بناؤ......'' وہ برا سا منہ بنا کر کچن میں چلی گئی اور انہی قدموں پر واپس پلٹ آئی۔

''بھائی! اس کا فیڈر کہاں ہے؟'' اس نے روکھے پن سے پوچھا۔

''اوہ...... اس کا بیگ تو میں لایا ہی نہیں...... اچھا تم کپ میں دودھ لے آؤ پھر میں بازار سے نیا فیڈر لے آؤں گا۔'' کسی طرح اس نے دودھ پیا۔ پیٹ بھر گیا تو وہ نہ صرف خاموش ہو گئی بلکہ کھیلنے لگی۔

شام تک لائبہ کو وردہ کہیں نظر نہیں آئی تو وہ ماما، ماما، ماما کر کے ڈھونڈنے لگی۔ وہ اپنے باپ کی گود میں بے چین ہو رہی تھی۔ وردہ اسے بے شک سارا دن اپنے پاس نہیں رکھتی تھی مگر پھر بھی لائبہ کو وہ کام کرتے، چلتے پھرتے نظر آتی تھی اور کچھ نہ بھی تو اس کی آواز تو سنائی دیتی رہتی تھی۔ پچھلے پانچ، چھ گھنٹوں میں وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ بسورنے لگی۔

''جاؤ اب اسے باہر لے جاؤ، رونا شروع کر دے گی تو کون سنبھالے گا۔'' صابر کی ماں کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔ اس نے ماں کے بیزار انداز کو حیرت سے دیکھا۔ اس وقت تو لائبہ بہلانے سے چپ کر گئی مگر رات کو اس نے رو، رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ صابر اسے بہلا بہلا کر تھک گیا۔ اب وہ فیڈر سے دودھ بھی نہیں پی رہی تھی۔ کیونکہ وردہ اسے دن میں صرف دو بار اور رات کو ایک فیڈر دیتی تھی باقی وقت وہ اسے خود فیڈ کرواتی تھی۔ لہٰذا اب وہ اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''امی پلیز آپ اسے تھوڑی دیر کے لیے پکڑ لیں۔'' وہ ماں کے کمرے میں چلا آیا۔ انہوں نے بادلِ ناخواستہ اسے پکڑ لیا۔ لائبہ رو، رو کر تھک گئی تو خود ہی سو گئی اور ان سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

رات کو وردہ کی امی کمرے میں آئیں تو وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کا بس چلتا تو وہ اپنی بیٹی پر صدقے ہو جاتیں، مر جاتیں مگر اس کا دکھ سمیٹ لیتیں۔

''وردہ!'' انہوں نے بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر اسے پکارا۔

''جی امی......'' ان کی پکار پر اس نے سر اٹھایا۔

''بیٹا! آ کر کھانا کھا لو۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' انہوں نے اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے کہا۔

''امی! آپ سب کھانا کھا لیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے ان کا ہاتھ تھام کر چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

''تھوڑا سا کھا لو، اگر تم باہر نہیں آنا چاہ رہیں تو میں یہیں لا کر دیتی ہوں۔''

''امی مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔''

''اچھا میں تمہارے لیے دودھ لاتی ہوں، سونے سے پہلے پی لینا۔'' وہ اٹھ گئیں۔ وردہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ بیٹی کی جدائی میں اس کا کھانا پینا برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

وردہ عشا کی نماز پڑھ کر لیٹ گئی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ساری رات وہ بچی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی۔ اس کے بغیر کیسے سوئے گی۔ وہ اپنا خالی پہلو دیکھ کر روتی رہی۔ جب لیٹ کر چین نہ آتا

تو وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی پھر بھی بے چینی ختم نہ ہوتی تو وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتی۔

☆☆☆

صبح صابر کی آنکھ لیٹ کھلی۔ وہ جلدی، جلدی آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اتنے میں لائبہ کسمسانے لگی اسے شاید بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے اسے تھپکا تو وہ دوبارہ سوگئی۔ اس نے اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کی اور لائبہ کو دھیرے سے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ سارا گھر سائیں، سائیں کررہا تھا۔ سب گھر والے سو رہے تھے۔ وہ غیر ارادی طور پر کچن کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اسے کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔ آج ایک فرد کے نہ ہونے سے منظر جیسے نامکمل سا تھا کہ دردہ اس سے پہلے اٹھ کر ناشتا تیار کرتی تھی اور اس کے ہوتے ہوئے وہ کبھی ناشتے کے بغیر دفتر نہیں گیا تھا۔ مگر آج اس کو ناشتا بنا کر دینے والی موجود نہیں تھی اور کسی کو کوئی فکر نہیں تھی۔ سوائے بھوکے ہی جانا تھا۔

صابر، لائبہ کو کندھے سے لگائے ماں کے کمرے کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ دو چار دفعہ دستک دینے کے بعد ان کی امی نے دروازہ کھولا۔ وہ جمائیوں پر جمائیاں لے رہی تھیں۔

''امی! میں آفس جارہا ہوں، آپ لائبہ کو اپنے ساتھ سلالیں۔'' اس نے آگے بڑھ کر بچی کو اپنی ماں کے بستر پر لٹا دیا کہ وہ اس وقت اسے اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

''فریحہ اٹھے تو اس سے کہیے گا کہ اسے نہلا دھلا کر ناشتا کروادے۔'' وہ ہدایت دے کر مڑا تو اسے اپنی ماں کے چہرے پر دنیا جہاں کی بیزاری نظر آگئی۔ وہ ان پر ایک نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''کیا مصیبت ہے؟ آج ناشتا بھی مجھے ہی بنانا پڑے گا۔ چنڈال نے اتنے سالوں میں سب کی عادتیں ہی بگاڑ دیں ہیں۔'' وہ اپنے بستر پر بیٹھ کر دل ہی دل میں دردہ کو کوسنے لگیں۔ کم ظرفی سی کم ظرفی تھی کہ دوسرے کی اچھائی کو بھی برائی کے پیرائے میں بیان کیا جارہا تھا۔ قدر کرنے والی ہوتیں تو اپنی اتنی اچھی اور سگھڑ بہو کو کلیجے سے لگا کر رکھتیں مگر انہوں نے تو خدا واسطے کا بیر باندھ کر اس کا جینا دوبھر کردیا تھا۔ ابھی وہ ناشتا بنانے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھیں کہ لائبہ اٹھ گئی۔ انہوں نے فریحہ کو بہت آوازیں دیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ سوتے ہوئے کو جگایا جاسکتا ہے مگر جاگتے ہوئے کو کون جگائے۔ سو ناچار انہوں نے خود ہی اس کا پیمپر بدلا اور اس کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے فیڈر دے دیا۔ وہ آرام سے فیڈر پینے لگی۔

''ماما! ماما۔'' دودھ ختم ہوتو لائبہ نے ماما کی گردان شروع کردی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بسورنے لگی اور جب کسی نے توجہ نہیں کی تو وہ زور، زور سے رونے لگی۔

''کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' انہوں نے لائبہ کو جھنجوڑ کر اٹھایا اور ایک ہاتھ سے فریحہ کے اوپر سے کمبل کھینچ کر پرے پھینک دیا۔

''مہارانی! اب اسے تو پکڑو تاکہ میں تمہارے ٹھونسنے کا بندوبست کردوں۔'' ان کا لہجہ طنز سے بھرا ہوا تھا۔ فریحہ کو اٹھتے ہی بنی۔ اس نے جھپٹ کر لائبہ کو اپنی گود میں لیا تو اس کے رونے میں اور شدت آگئی۔

☆☆☆

''بھابی کہاں ہیں؟'' حفیظ نے ناشتا کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ رات کو لیٹ آیا تھا اس لیے سارے واقعے سے لاعلم تھا۔

''تمہارا بھائی اسے اس کی ماں کے گھر چھوڑ آیا ہے اور لائبہ کو اپنے ساتھ لے آیا ہے۔'' اس کی بات کے جواب میں ماں نے خاموشی اختیار کرلی تو اس کے ابو نے لب کھولے۔

''کیا مطلب......؟'' حفیظ نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''مطلب اپنی ماں سے پوچھو جسے گھر کا سکون برا لگتا ہے۔'' وہ اپنے میاں کی اس بات پر تڑپ اٹھیں۔

''ہاں سارا قصور میرا ہی ہے۔ میں نے اس میسنی سے کہا تھا کہ جاکر اپنی ماں کے گھر بیٹھ جائے۔'' امی نے چیخ کر میاں کی بات کا جواب دیا۔

اس طرح چیخ کر شاید وہ سچ کو دبانا چاہ رہی تھیں مگر سچ بھی کبھی دبا ہے وہ تو ابھر ابھر کر نظر آتا ہے۔ بالکل صاف اور واضح...... اپنے پورے وجود کے ساتھ، اپنے آپ کو منوانے والے انداز میں، اب کوئی جان بوجھ کر نظر چرائے تو الگ بات ہے۔

''بیگم! اپنا جملہ درست کرو وہ خود نہیں گئی تمہارا لاڈلا اسے چھوڑ کر آیا ہے۔'' ابو کو بہت غصہ تھا۔

''امی، میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ لوگ یہ سب ٹھیک نہیں کر رہے۔ آپ لوگوں نے معصوم بچی کو اس کی ماں سے دور کر دیا۔ آپ بھائی سے کہیں کہ وہ بھابی کو لے کر آئیں۔'' حفیظ نے بات مکمل کر کے ہونٹ بھینچ لیے۔

''وہ میرا کہنا کہاں مانتا ہے بھلا؟'' انہوں نے بری الذمہ ہونے کی کوشش کی۔

''بات بگاڑتے وقت تو آپ کی سب باتیں مانتا ہے تو بات سنوارنے میں کیوں نہیں مانے گا۔'' حفیظ کا ہر لحاظ بالائے طاق رکھ دیا۔ اسے یہ صورت حال بہت تاؤ دلا رہی تھی۔

''تم تو میرے منہ نہ ہی لگا کرو...... ابھی سے یہ حالات ہیں، ابھی آجائے گی تو تم مجھ بڑھیا کو گھر سے نکال باہر کرو گے۔'' وہ غصے سے لال پیلی ہو گئیں اور سامنے رکھی پلیٹ کو دور کھسکا...... حفیظ تاسف سے سر ہلا کر ناشتا کرنے لگا۔

''امی، یہ لیں پکڑیں اسے، مجھ سے نہیں سنبھالی جا رہی۔'' فریحہ رو دینے کے قریب تھی اور لائبہ مسلسل رو رہی تھی۔ دادی نے پوتی کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا مگر اسے پکڑنے کو ہاتھ نہ بڑھائے۔ حفیظ نے ان کے... ردِعمل کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

''لاؤ ادھر دو، میں اسے بھابی کے پاس چھوڑ کر آتا ہوں۔'' حفیظ نے اٹھ کر بھتیجی کو اپنی گود میں لے لیا۔ اس کے لاڈ پیار سے پچکارنے پر بھی اس کا رونا کم نہیں ہوا۔

''صابر نے کہا ہے کہ یہ اب ادھر ہی رہے گی۔''

اس کی امی نے کمزور سا احتجاج کیا۔ حالانکہ دل سے وہ بھی یہی چاہ رہی تھی کہ حفیظ، لائبہ کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ آئے تاکہ اس مفت ٹینشن سے تو نجات ملے۔

تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ وہ تیار ہو کر لائبہ کو لے کر باہر نکل رہا تھا۔ جب صابر آفس سے چھٹی لے کر آ گیا۔ دونوں کا ٹاکرا لاؤنج کے دروازے کے پاس ہوا تھا۔

''اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟''

''میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑنے جا رہا ہوں۔'' بھائی کی بات پر صابر کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ غصے سے تن فن کرتا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''تم کون ہوتے ہو میری بیٹی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے والے؟ لاؤ ادھر دو اسے میں خود سنبھال لوں گا۔'' اس نے لائبہ کو اس کی گود سے جھپٹ لیا۔ وہ پھر سے رونا شروع ہو گئی۔

''ٹھیک کہا آپ نے، سنبھالنا تو آپ کو خود ہی ہے کیونکہ اس گھر میں کسی کو اس سے محبت تو دور اتنی ہمدردی بھی نہیں ہے کہ اسے اچھے طریقے سے سنبھال لے۔ بلکہ سب اسے بوجھ سمجھ رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ بھائی کو واپس لے آئیں یا لائبہ کو ان کے پاس چھوڑ آئیں۔ اگر یہ اسی طرح روتی رہی تو بیمار ہو جائے گی۔'' حفیظ اچھا خاصا تپ چکا تھا۔

''کوئی خیال رکھے یا نہ رکھے مگر میں اپنی بیٹی کو خود سنبھال سکتا ہوں۔'' اس نے بچی کے آنسو صاف کیے۔

''مگر کیسے......؟ آپ ہر روز تو آفس سے چھٹی نہیں کر سکتے۔'' حفیظ اپنی باتوں کا کوئی اثر ہوتے نہ دیکھ کر جا چکا تھا۔

رونے سے لائبہ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ابھی تک وہ کل والے کپڑے ہی پہنے ہوئے تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اسے کمرے میں لے آیا۔ اس کا ہاتھ منہ دھلایا اور جیسے تیسے اس کے کپڑے تبدیل کیے کہ آج سے پہلے یہ سب

کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ پھر وہ اسے بہلا پھسلا کر سیریلیک کھلانے لگا۔ اس کا پیٹ بھر گیا تو موڈ بھی کچھ بہتر ہو گیا۔ وہ اسے کھلونے دے کر باہر نکل آیا۔ اس نے خود صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسے آفس سے آئے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹا ہونے کو آیا تھا مگر کسی نے اسے چائے کا ایک کپ تک نہیں پوچھا تھا۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ اس نے کچن میں آکر اپنے لیے ایک کپ چائے بنائی اور دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

لائبہ کو اس کی ماں سے جدا ہوئے آج چوتھا دن تھا۔ وہ اپنی ماں کو اتنا مس کر رہی تھی کہ شام تک اس کو بخار نے آلیا اور رات تک موشنز اور الٹیوں نے گھیر لیا۔ وہ پچھلے ہی پوری طرح صحت مند نہیں ہو پائی تھی کہ کھانے پینے میں بے احتیاطی سے دوبارہ یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات بھر الٹیاں اور موشنز کرنے کی وجہ سے بچی بالکل نچڑ کر رہ گئی۔ تکلیف کی وجہ سے وہ ساری رات روتی رہی۔ رات کو فریحہ تو آرام سے جا کر سو گئی تھی مگر اس کی امی کو چار و ناچار صابر کے ساتھ مل کر لائبہ کی تیمارداری کرنا پڑی تھی۔

فجر کی اذان ہوئی تو وہ نماز پڑھنے کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آکر سو گئیں۔ صابر کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اسے بے اختیار وردہ یاد آئی کہ جب بھی لائبہ بیمار ہوتی تو وہ اسے کندھے سے لگائے ساری، ساری رات ٹہلتی رہتی...... صبح گھر کا سارا کام بھی کرتی اور لائبہ کو بھی بہلائے رکھتی۔ سب سے بڑی بات کہ بچی کتنی ہی بیمار کیوں نہ ہو وہ اسے بہت صاف ستھرا رکھتی تھی۔

”یہ میں کیا اسے ہی سوچے جا رہا ہوں۔ اس جیسی نافرمان عورتوں کی اولاد کا یہی حشر ہوتا ہے۔“ وردہ کا خیال ضدی بچے کی طرح اس کے ساتھ لپٹ، لپٹ جا رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے لیٹ گیا۔

صابر نے صبح لائبہ کو ڈاکٹر کو دکھایا، دوائیاں لے کر اسے گھر چھوڑا اور خود آفس چلا گیا۔

دن میں دو تین بار فون کر کے اس نے بچی کا حال چال پوچھا۔ ہر بار فون کرنے پر اسے اس کے رونے کی آواز سنائی دی تھی۔ پریشانی میں جیسے تیسے اپنا کام مکمل کیا اور شام کو آفس سے ذرا جلدی اٹھ گیا۔

صابر گھر پہنچا تو اسے شدید غصے نے آن گھیرا۔ لائبہ گندے سندے حلیے میں ٹی، وی لاؤنج کے فرش پر لیٹی رو رہی تھی اور فریحہ پاس بیٹھی آرام سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اسے اتنا خیال نہیں آیا کہ وہ بچی کو چپ کروا لے۔ رو، رو کر اس کا گلا بیٹھ چکا تھا۔ وہ اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر اس کی طرف لپکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ نڈھال سی ہو رہی تھی اور مسلسل سسک رہی تھی۔ صابر کا کلیجا منہ کو آنے لگا۔

”فریحہ! تمہیں نظر نہیں آرہا لائبہ کتنا رو رہی ہے۔ کم از کم اسے اپنی گود میں تو بٹھا لو......“ وہ دہاڑا مگر فریحہ کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اس کی آواز سن کر اس کی امی کمرے سے باہر آئیں۔

”ارے کیا شور مچا رہے ہو؟ صبح سے اسے سنبھال، سنبھال کر ہم دونوں تھک گئے۔ بھئی سیدھی سی بات ہے کہ یا تو اپنی بیوی کو واپس لے آؤ یا اسے اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ ہم سے یہ ذمے داری نہیں اٹھائی جاتی۔ اور تم سے کس نے کہا تھا کہ بے وقوفوں کی طرح اسے وہیں چھوڑ آؤ...... اب کون سارا، سارا دن بچی کے لاڈ اٹھائے۔“ اس کی ماں نے بے غیرتی کی انتہا کر دی تھی۔

”السلام علیکم......“ حفیظ کی منگیتر آسیہ غیر متوقع طور پر چلی آئی تھی۔ وہ ان کے گھر کم ہی آتی تھی۔ منگنی کے بعد تو اس نے آنا جانا تقریباً ختم ہی کر دیا تھا۔ کسی نے اس کے سلام کا جواب دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ فریحہ اور اس کی ماں نے تو باقاعدہ ناک پھلا کر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی تھی۔ وہ بھی سب کو نظر انداز کر کے صابر سے مخاطب ہوئی۔

”صابر بھائی! لائیں لائبہ کو مجھے دیں۔ میں اس کے کپڑے بدلوا دیتی ہوں۔“ صابر اپنی ماں کی باتوں پر سن ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ کھڑا تھا۔ آسیہ، لائبہ

کو لے کر کمرے میں چلی گئی۔ صابر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا اور اس کی امی اور بہن اپنے کمرے میں جا گھسیں۔ آسیہ کو دیکھ کر ان دونوں کا موڈ بہت ہی خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

وہ لائبہ کو صاف ستھرا کر کے کپڑے بدلوا کر باہر آئی۔ اتنے میں حفیظ بھی پہنچ گیا۔

''چلیں بھائی! آسیہ کو میں نے فون کر کے ادھر بھیجا تھا کہ وہ ذرا لائبہ کی دیکھ بھال کر لے مگر اس نے مجھے فون کر کے بتایا کہ لائبہ کو تو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہوگا۔'' صابر چپ چاپ بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ آسیہ، لائبہ کو لیے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ صابر کی امی اور بہن نے ساتھ جانا تو کجا کمرے سے باہر آ کر یہ تک پوچھنے کی زحمت نہ کی کہ وہ لائبہ کو لے کر کہاں جا رہے ہیں۔

''الٹیوں اور موشن کی وجہ سے بچی میں پانی کی بہت کمی ہو گئی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بچی نے کافی دنوں سے کھانا پینا بھی چھوڑ رکھا ہے۔ اس لیے اس کی حالت اتنی خراب ہو رہی ہے۔ اسے ڈرپ لگانا پڑے گی۔ آپ لوگ یہیں رکیں۔ میں کچھ دوائیاں بھی لکھ دیتا ہوں جو ہر چار گھنٹے بعد دیتے رہیے گا۔ اور اس کی بہت کیئر کیجیے گا اور خاص طور پر پانی کی بہت احتیاط کریں۔ اور ہاں اول تو فیڈر نہ دیں اور اگر دیں تو بوائل کریں۔'' ڈاکٹر بات ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈرپ لگوانے کے دوران بھی لائبہ روتی رہی۔ آسیہ ہی اسے سنبھال رہی تھی۔ وہ دونوں بھائی وارڈ سے باہر چلے آئے۔ حفیظ نے اپنے پریشان سے بھائی کو ایک نظر دیکھا۔

''بھائی......!'' حفیظ نے بے ساختہ پکارا۔

''ہوں......'' اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ آپ پہلے بھابی کے ساتھ زیادتی کرتے رہے ہیں اور اب آپ بچی کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں؟'' حفیظ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جواب میں وہ خاموش رہا۔ کہنے کو تو بہت کچھ تھا مگر کہنے کی ہمت نہیں تھی۔

''ماں کے حقوق اپنی جگہ اہم ہیں مگر آپ نے یہ کبھی سوچا کہ جسے آپ نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر اپنی ذمے داری بنایا ہے اس کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ بھائی! میں نہیں کہتا کہ آپ امی کا ادب کرنا چھوڑ دیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ بھابی کا بھی خیال رکھیں۔ دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں اتنا توازن ضرور رکھیں کہ کسی ایک کے حقوق کی ادائیگی سے دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔'' وہ کسی بڑے کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

''مرد کو عورت کا نگران بنایا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ عورت کی تذلیل کرے اور اسے دکھ پہنچائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت کے لیے چھپر چھاؤں بن جائے۔ ہر مشکل اور مصیبت کو اس تک پہنچنے سے روکے۔ اس کی پناہ گاہ بن جائے جہاں عورت خود کو محفوظ ترین خیال کرے تاکہ اپنا جلاد بن جائے جسے دور سے دیکھ کر ہی بیچاری عورت تھر تھر کانپنے لگے۔ بھابی اگر ہر دفعہ ناراضی دور کرنے میں پہل کرتی رہی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ہمیشہ وہ غلطی پر ہوتی تھیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی انا سے زیادہ آپ کے ساتھ اپنا رشتہ عزیز ہے۔ بھائی! کہتے ہیں کہ ایک اچھی اور نیک سیرت عورت فقیر کے گھر میں بھی ہو تو اسے بادشاہ بنا دیتی ہے۔ آپ بھابی جیسی اچھی اور نیک عادات والی عورت کی قدر کرنے کے بجائے ان کو دھتکار کر سراسر اپنا نقصان کر رہے ہیں۔''

صابر سر جھکائے چھوٹے بھائی کی باتیں سن رہا تھا۔

''پلیز آپ اچھی طرح سوچ لیں کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں مگر میرا تو پُرخلوص مشورہ یہی ہے کہ آپ لائبہ کو یہاں سے لے کر سیدھے بھابی کے پاس جائیں اور ان کو گھر لے آئیں۔ آپ خود بھی انہیں ان کا جائز مقام دیں اور گھر والوں سے بھی دلوائیں۔'' حفیظ کی باتوں کے جواب میں صابر بالکل خاموش رہا تو وہ

ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ بیٹھا۔

''اچھا بھائی! میں یہ دوائیں لے کر آتا ہوں۔''

حفیظ چلا گیا۔

صابر وہاں سے اٹھ کر ویٹنگ روم میں جا بیٹھا اور اپنا محاسبہ کرنے لگا۔ پچھلے تین سالوں پر نظر دوڑائی تو اسے اپنی خطاؤں کی ایک لمبی فہرست نظر آئی۔ پچھلے پانچ دنوں میں صابر نے ایک وقت بھی گھر میں کھانا نہیں کھایا تھا اور کسی نے پوچھا تک نہیں تھا کہ اس نے کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں...... بلکہ آتے جاتے اسے سنایا جارہا تھا کہ لائبہ کو سنبھالنے کے چکر میں گھر کا کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پارہا تھا۔ حالانکہ اس نے متعدد بار وردہ کو بچی کو اٹھائے اسے کھانا بناتے اور دیگر کام نمٹاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لائبہ کو سنبھالنے کے ساتھ، ساتھ ان سب کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھتی...... تھی اور صابر کو تو کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے کپڑے دھلے ہوئے اور استری شدہ اپنی جگہ پر موجود ہوتے تھے، کھانا، ناشتا سب وقت پر تیار ملتا اور اسے کبھی کسی چیز یا کام کے لیے وردہ کو یاد دہانی کروانا نہیں پڑتی تھی پھر بھی وہ اس کی قدر نہ کرسکا تھا۔ بلکہ اس پر ظلم کی انتہا کرتے ہوئے اسے اس کی بچی سے جدا کردیا۔

پچھتاوے کا احساس حد سے سوا تھا۔ صابر کے ضمیر نے وردہ کے معاملے میں کئی بار اسے سرزنش کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے ہر دفعہ اس کی آواز کو دبا کر فخر محسوس کیا تھا مگر آج اس کے ضمیر نے خصوصی عدالت لگائی تھی جس سے فرار ممکن نہیں تھا۔

''عورت تو اپنے شوہر کے نصف ایمان کی وارث قرار دی گئی ہے مجھ جیسے کم ظرف مرد اپنے نصف ایمان کی محافظ کو اپنی ٹھوکروں کی زد میں رکھ کر اکڑتے ہیں۔ تف ہے صابر! تم جیسے مردوں پر جو بیوی کو پاؤں کی جوتی کے برابر بھی اہمیت نہیں دیتے۔'' صابر کا دل مزید احساسِ جرم کا شکار ہو کر خود کو کوسنے لگا۔ خود احتسابی کا یہ عمل اتنا کڑا تھا کہ صابر کو اپنی شکل حقیقت کے آئینے میں بہت بھیانک دکھ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

کچھ لمحے بہت فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ یہ لمحے وہ فیصلے بھی کروا دیتے ہیں جو سالوں سے کسی کی ایک نظرِ کرم کے منتظر ہوتے ہیں۔ آگہی کے ان لمحوں نے صابر سے وہ فیصلہ کروایا تھا کہ جو وہ اپنی جھوٹی انا کے زعم میں شاید ساری زندگی نہ کرسکتا۔ یہ فیصلہ مشکل ضرور تھا مگر اس نے صابر کے اندر ایک اطمینان اور سکون سا بھر دیا تھا۔ اب اسے صرف لائبہ کی ڈرپ ختم ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

''امی آپ دیکھ رہی ہیں ناں آج پانچ دن گزر گئے ہیں اور کسی نے پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔ وہ بہت بے حس ہیں، نہ جانے میری بچی کس حال میں ہوگی۔ صبح سے میرا دل ہول رہا ہے۔ اس کی طبیعت دوبارہ خراب نہ ہوگئی ہو۔ پہلے ہی وہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔'' وردہ ماں کی گود میں سر رکھے اپنی بچی کو یاد کیے روئے جارہی تھی۔

''میں آپ کو بتا رہی ہوں رات کو عارف آئے گا تو میں اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔ اب میرے ساتھ جو بھی ہو وہ میری قسمت مگر اب میں اپنی بچی سے دور نہیں رہ سکتی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بات مکمل کر کے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' انہوں نے اپنی بیٹی کی مرجھائی ہوئی صورت دیکھ کر اسے تسلی دی۔

''یا اللہ! میری بچی کا بھرم رکھنا۔ پروردگار! اس کی زندگی میں آسانیاں پیدا کردے۔'' انہوں نے وردہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔

☆☆☆

مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ وردہ چھت پر تھی۔ اس کے ابو حسبِ عادت ٹی وی پر کوئی نیوز چینل لگائے گم تھے۔ ایسے میں انہیں اپنے اردگرد کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ وردہ کی امی ان کی اس عادت سے سخت نالاں تھیں۔

''ایک تو کیا مجال ہے کہ بیل کی آواز سن کر کوئی گیٹ تک جانے کی زحمت ہی کرلے۔'' وہ بڑبڑاتے

ہوئے اٹھیں۔ گیٹ پر ہونے والی مسلسل بیل کی آواز سن کر سلطانہ بیگم نے گیٹ کھولا تو دروازے پر موجود شخصیت کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''السلام علیکم!'' صابر نے شرمندہ سے انداز میں سلام کیا۔ وہ اس کی اچانک آمد پر اتنی حیران تھیں کہ اس کے سلام کا جواب تک نہ دے سکیں اور دروازے میں راستہ روکے کھڑی رہیں۔

''آنٹی! اندر نہیں آنے دیں گی۔'' صابر نے سوئی ہوئی لائبہ کو کندھے سے لگا رکھا تھا۔ حفیظ اسے یہاں ڈراپ کرکے آسیہ کے ساتھ گھومنے چلا گیا تھا۔ واپسی پر اس نے ان دونوں کو پک کرنا تھا۔

''آؤ!'' وردہ کی امی نے راستہ دیا اور خود گیٹ بند کرکے اس کے پیچھے چلی آئیں۔ صابر برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ اس نے مڑ کر وردہ کی امی کی طرف دیکھا جو برآمدے کی طرف آرہی تھیں۔

''آنٹی! میں بہت شرمندہ ہوں، پلیز مجھے معاف کردیں۔'' وہ کھڑے کھڑے بولا۔ اس کا انداز شرمندگی سے بھرپور تھا۔

''بیٹا مجھے خوشی ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔

''لاؤ! لائبہ کو مجھے دو، میں اسے کمرے میں سلا دیتی ہوں۔'' وردہ کی امی نے لائبہ کو اپنی گود میں لے لیا۔ صابر، وردہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وردہ کی امی سے ڈائریکٹ اس کے بارے میں پوچھنے سے جھجک رہا تھا۔ وردہ کی امی کمرے کی طرف جاتے، جاتے رکیں اور اس کی اِدھر اُدھر دوڑتی نظروں کا مفہوم سمجھ کر بولیں۔

''صابر! وردہ چھت پر ہے۔'' وہ جلدی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا۔

''کون آیا ہے؟'' وردہ کے ابو نے صابر کی آواز سنی تو فوراً باہر آئے۔

''صابر آیا ہے۔ معافی مانگ رہا ہے۔ پلیز اب آپ بھی کوئی پچھلی بات مت دہرایئے گا۔'' انہوں نے اپنے شوہر سے کہا۔

''میں کیا بات کروں گا، میں تو تمہاری اس.... بے وقوفی پر بہت پریشان تھا۔ چلو اللہ نے کرم کیا اور صابر کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور وہ آگیا ہے، نہ آتا تو سوچو کیسا تماشا بن جاتا ہم لوگوں کا۔'' وردہ کے ابو اللہ کے شکرگزار ہورہے تھے اور وردہ، لائبہ کو لیے کمرے میں چلی گئیں جو آوازوں سے ڈسٹرب ہوکر کسمسانے لگی تھیں۔

☆☆☆

وردہ چھت پر بچھے تخت پر بیٹھی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہورہے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو لوٹتے پرندوں کو حسرت سے دیکھ رہی تھی جب کوئی بہت آہستگی سے اس کے ساتھ آکر بیٹھا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو مارے حیرت کے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ صابر نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

''وردہ! مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں تم سے اپنی کس، کس خطا کی معافی مانگوں کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مگر پلیز مجھے اپنے رویوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع ضرور دینا۔'' اب وہ اس سے اپنی کی گئی زیادتیوں پر معافی مانگ رہا تھا۔

''وردہ تم اسے شاید میری خودغرضی کہہ لو مگر میں اپنی بیٹی کو یوں رُلتے ہوئے مزید نہیں دیکھ سکتا۔ اتنے دنوں میں مجھے تمہاری اصل قدر معلوم ہوگئی ہے۔ لائبہ تو لائبہ..... میں بھی تمہارے بغیر رُل جاؤں گا۔ وردہ پلیز، تم میرے ساتھ گھر واپس چلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارا ہر حق دلاؤں گا۔'' اس وقت وردہ کے سامنے بالکل ایک نیا صابر موجود تھا۔ نہ جانے پچھلے پانچ دنوں کی اذیت یاد آئی تھی یا اس کی خطائیں کہ وہ یک دم پھوٹ، پھوٹ کر رودی..... مگر ان آنسوؤں میں خوش امیدی بھی تھی۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے اب سیڑھیاں اتر رہے تھے اور امی، ابو کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

آج تو میری خوشی کی انتہا نہیں تھی کہ فواد نے
میرے خواب کو فائنلی پورا کر ہی دیا۔ اور آج میں
وہیں تھی جہاں سے ندا، مایا، شائستہ اور جانے
کون، کون سی مشہور ہستیاں اپنے لباس تیار کرواتی
تھیں۔ اور اس مشہور ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ پر آ کے
مجھے یوں لگ رہا تھا کہ رنگوں کی ایک دھنک ہے جو
میرے آس پاس بکھری ہوئی ہے۔ میرے لیے فیصلہ
کرنا مشکل تھا کہ میں بقر عید کے لیے کون سا لباس

ڈیزائنر سوٹ

طیبہ عنصر مغل



منتخب کروں..... کبھی نفیس سے شیفون ڈیزائن پر دل اٹکتا تو کبھی گرمی کا خیال لان کے خوب صورت پرنٹس کو لینے پر اکساتا میں بہت دیر سے اِدھر اُدھر گھوم کر ڈریسز پر لگے ہوئے ٹیگ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ سیلز گرلز کی ناگوار نظروں سے ہوتی ہوئی میری نظر اپنے آس پاس گئی تو مجھے لگا کہ میں واحد گاہک تھی جو اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔ آس پاس ساری خواتین تو صرف لباس کو دیکھتی تھیں اور دھڑا دھڑ خریدے جا رہی تھیں۔

میں نے کچھ خفیف ہو کر سیلز گرل کو ایک لباس منتخب کر کے پیک کرنے کا کہہ دیا۔ یہ اور بات کہ ادائیگی والے کاؤنٹر پر لان کے سوٹ کے بیس ہزار ادا کرتے ہوئے میرے ہاتھوں میں لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی اور کچھ کھو دینے کا احساس ماتھے پہ پسینہ لے آیا تھا۔ لیکن جونہی ڈیزائنر ڈریس میرے ہاتھ میں آیا سرشاری نے لرزش، ندامت ہر چیز کو کہیں پیچھے دھکیل دیا۔

پچھلے کتنے ہی عرصے سے گویا میں تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ میں اس بار اپنی خواہش پوری کر کے رہوں گی۔

لیکن آخر پوری کرتی تو کیسے..... پورا سال بچوں کی فیس، یوٹیلٹی بلز، مکان کا کرایہ..... اور دیگر اخراجات کے بعد اگر بہ مشکل میں کچھ بچا پاتی تھی تو وہ صرف اور صرف قربانی کے جانور یا پھر بھی صرف کسی جانور کی قربانی میں حصہ ڈالنے کے پیسے ہوتے تھے۔

فواد اگرچہ ایک گورنمنٹ ادارے میں اچھی پوسٹ پر تھے لیکن اگر ایک انتہائی ایماندار آدمی جتنی بھی اچھی پوسٹ پر ہو اخراجات اور مہنگائی کے طوفان سے نبرد آزما ہوتے پتا بھی نہیں چلتا ہے کہ مہینے کے آخر میں جیب خالی کیسے ہو جاتی ہے۔

شادی سے پہلے ذمے داری کا احساس نہ تھا..... اماں گھر کیسے چلاتی تھیں، اس کا ہمیں پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ ایک اوسط گھرانا تھا ہمارا..... اور ایک بھائی کے بعد ہم تینوں بہنیں جو اماں بنا دیتی تھیں ہم آرام سے وہ پہن لیتے تھے۔

شادی کے بعد بھی کئی سال آرام سے گزرے..... گھر میں ہر طرح کی آسائش موجود تھی، میں بڑے آرام سے گھر کا خرچ چلاتی تھی۔ صرف عید، تہوار پر ہی نہیں ویسے بھی فواد اور بچوں کے کپڑے آرام سے بنا لیتی۔ اپنے تو جہیز اور بری کے ہی بے شمار کپڑے تھے اور فواد بھی اکثر فرمائش کر کے کوئی نہ کوئی چیز دلوا دیتے۔ اور دونوں عیدوں پر ہم اہتمام سے کپڑے بھی پہنتے اور قربانی کا فریضہ بھی آسانی سے انجام دے لیتے۔

فساد تو تب شروع ہوا جب عیدین موسم گرما میں آنا شروع ہوئیں۔

بڑے بھیا انگلینڈ گئے تو اماں کے گھر کے حالات بھی بہت اچھے ہو گئے۔ حالات جہاں سنبھلے وہاں بھابی بیگم کے رنگ ڈھنگ بھی بدل گئے۔ اور اس بار یہ پہلی عید الفطر تھی جب میں اماں کے گھر سے عید والے دن شام کو ہی بے دلی سے گھر لوٹ آئی میں جو بڑی خوشی، خوشی شیفون کا دھنک رنگ ایمبرائیڈری والا سوٹ پہن کر پہلا دن ہمیشہ کی طرح اماں کی طرف گزارنے آئی تھی۔ بھابی کی نظروں میں استہزا تو مجھے جاتے ہی محسوس ہو گیا تھا۔ مستزاد یہ کہ جب بھابی مجھے ملنے کو گلے لگیں تو ان کے جملوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"ارے مونا! اتنی گرمی میں اب کون پہنتا ہے یہ شیفون کا سوٹ..... اب تو لان کے سوٹ ہی ہیں جو پہنے جا سکتے ہیں۔"

"ہاں بھابی، مجھے بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے، میں نے احتیاطاً لان کا سوٹ بھی بنایا ہے۔" میں نے تسلی دی ان کو یا شاید اپنے آپ کو.....

"اچھا کون سی ڈیزائنر لان ہے، فلاں کی یا فلاں کی۔ کس ڈیزائنر کا ڈیزائن ہے۔ میرا تو تم نے دیکھا ناں سوٹ، یہ میں نے فلاں ڈیزائنر کا لیا ہے۔"

انہوں نے ایک مشہور ڈیزائنر کا نام لیا۔ وہ تو بتا رہی تھیں اور میں شکر ادا کر رہی تھی کہ میں ان کو کیسے بتاتی کہ اپنے محلے سے لگی سیل میں سے چن کر میں نے سوٹ لیا تھا اور خوب دل لگا کر اس کو لیس سے سجا کر سیا تھا لیکن اپنے سوٹ کی خوبیاں بتاتے وہ تھوڑی دیر کو میرے سوٹ کی احوال پرسی بھول گئی تھیں۔

اتنے میں رمشہ اور ثمرہ کی آمد نے سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ مجھے دیکھتے ہی پتا چل گیا تھا کہ خیر سے میری امیر کبیر گھرانوں میں بیاہی بہنوں نے بھی مہنگے ڈیزائنر سوٹ ہی پہن رکھے تھے۔

دن کا کھانا کھاتے ہی میں نے فواد سے گھر واپس چلنے کی ضد کر دی۔ فواد ہی نہیں سارے لوگ میری اس بے وقت روانگی پہ حیران تھے۔ سب کو پتا تھا کہ عید الفطر کی رات میں اپنی اماں کے ہاں ہی گزارتی تھی۔ رمشہ اور ثمرہ ایک ہی گھر میں بیاہی ہوئی تھیں اور جوائنٹ فیملی میں رہتی تھیں۔ اور رات کو واپس چلی جاتی تھیں لیکن میں ہمیشہ رات کو میکے میں رکتی تھی کیونکہ میرے ساس، سسر زندہ نہ تھے اور سب بہن، بھائی علیحدہ گھروں میں رہتے تھے۔ میری دو نندیں تھیں جو عید والے دن بڑے بھائی کے ہاں آتی تھیں۔ پھر دوسرے یا تیسرے دن فواد سب بہن، بھائیوں کی دعوت کرتے تھے۔

"اے ہے نوج! ابھی سے کیوں بوریا باندھ لیا، تم تو ہمیشہ عید ادھر گزارتی تھیں پھر آج کیوں جا رہی ہو۔ ابھی تو رات کا کھانا بھی نہیں کھایا؟" ثمرہ اور رمشہ نے بھی اماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آپا رک جاؤ یہی موقع ہوتا ہے مل بیٹھنے کا......"

"اماں کل میرے سسرال والوں کی دعوت ہے اور مجھے ابھی جا کر تیاری بھی کرنی ہے۔" میں نے بہانہ بنا کر اماں کو بہلانا چاہا۔

"تو بیٹا! وہ تو تم ہر سال کرتی ہو۔ اللہ رکھے تم خوب پھرتیلی ہو اور آدھے سے زیادہ اہتمام تو تم پہلے سے کر کے آئی ہو گی۔ اس بار کیا نیا ہے جو تم یوں جلدی

غیبت ایک بد ترین گناہ

ارشاد ربانی ہے اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔ ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ حجرات) غور کیجیے! کیا صرف اتنا حکم کافی نہیں تھا کہ غیبت نہ کرو، مومنین کے لیے تو صرف اس حکم کے بعد ہی غیبت حرام ہو چکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ اس گناہ کی مزید مذمت بتا کر ترتیب کے انداز میں مومنین کو تاکید فرما رہا ہے کہ کسی کی غیبت کرنا درحقیقت اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ رسول اللہ کی وہ حدیث تو مشہور ہے کہ "غیبت زنا سے بدتر ہے۔" غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا گیا حالانکہ زنا کہ جس میں کسی کی عزت سے کھیلا جا رہا ہوتا ہے اور انتہا درجے کی بے شرمی اور بے حیائی والا گناہ ہے لیکن اس کے باوجود غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا جاتا ہے۔ حضرات محدثین اس کی دو توجیہات بتاتے ہیں۔ ایک یہ کہ زنا کرنے والے کو بہر حال ندامت و شرمندگی ہو جاتی ہے تو اسے توبہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کو عام طور پر اس گناہ کا احساس نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ غیبت کے گناہ کا تعلق بندوں سے ہے غیبت کرنے والا اگر معافی مانگ بھی لے تب بھی معافی نہ ہو گی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی۔ طبرانی میں حضرت ابو بکرؓ سے روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ٹھہر گئے اور فرمایا "ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جاؤ کہیں سے ٹہنی لے آؤ چنانچہ میں سبز ٹہنی کا ٹکڑا لے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دو حصے کیے دونوں قبروں پر ایک، ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور پھر فرمایا! تمہیں معلوم ہے کہ انہیں عذاب کیوں دیا جا رہا ہے؟ یہ عذاب کسی بڑی وجہ سے نہیں دیا جا رہا، یہ عذاب دو وجوں سے دیا جا رہا ہے، اگر یہ چاہتے تو دنیا میں ان گناہوں سے بچنا ان کے لیے کوئی مشکل نہ تھا اور وہ دو گناہ الغیبۃ والبول' غیبت اور پیشاب ہیں، ان میں سے ایک دنیا میں غیبت کیا کرتے تھے اور دوسرے پیشاب کی چھینٹوں (نجاست) سے اپنے آپ کو بچاتے نہیں تھے۔ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس گناہ سے بچنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

از: نگہت زیدی، بہارہ کہو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



جا کر کروں گی۔"

"اماں اب اتنی زیادہ محنت نہیں ہوتی، میں تھک جاتی ہوں اور اب تو دونوں بچوں کے بھی دس کام ہوتے ہیں، کمر میں درد ہو جاتا ہے، مسلسل کام کرنے سے۔ سوچ رہی ہوں تھوڑا آرام بھی کرلوں گی۔"

"خیر سے جاؤ بیٹا مگر آج رات کے کھانے پر تم سب بہنیں نہیں ہوگی تو میرا دل بے چین ہو جائے گا۔" اماں نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اماں میری پیاری اماں میں پھر کبھی آجاؤں گی۔ ابھی مجھے جانے دیں۔" یہ کہہ کر میں نے حیران بیٹھے فواد کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

فواد کا حیران ہونا صرف مجھے سمجھ میں آتا تھا کیونکہ میرے سسرال والوں کی دعوت کل نہیں پرسوں تھی۔

لیکن فواد کچھ بھی کہے بغیر بچوں کو لے کر چل پڑے۔ گھر پہنچ کر مجھے کوئی خاص کام تو کرنا نہیں تھا۔ اماں نے اچھا خاصا کھانا ساتھ کر دیا تھا اور دعوت کی تیاری تو میں کافی دن پہلے کر چکی تھی۔

میں نے کپڑے بدل کر چائے بنائی۔ تب تک فواد، اریشہ اور احسن کو سلا چکے تھے۔ میں چائے لے کر لاؤنج میں آگئی۔ فواد، ٹی وی کی طرف متوجہ تھے۔

"یہ کیا یار...... تم نے ابھی سے کپڑے بدل ڈالے ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔" میری طرف متوجہ ہو کر پیار بھرے لہجے میں بولے۔

"بندے کو گرمی بھی لگتی ہے۔ اتنا بھاری شیفون کا سوٹ کتنی دیر پہنے رہتی۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

فواد نے عادتاً پھر میرے ساتھ کوئی بحث نہیں کی اور دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

دوسرے دن میں نے دعوت کے اہتمام کے لیے گھر کو دوبارہ صاف کیا اور کھانے میں بھی مزید ڈشز کا اضافہ کیا۔ اور آج دعوت کے دن بچوں کو تیار کرنے کے بعد جب میں اپنے تمام کام مکمل کر چکی تو نہا کر اپنا لان کا سوٹ جو میں نے بہت محنت سے سیا تھا زیب تن کیا خود تیار ہو کر میں مطمئن انداز میں مہمانوں کی منتظر تھی۔

لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اس بار میں سسرال والوں کی دعوت نہ کرتی یا میرا انتظار ختم نہ ہوتا۔ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ وہی ڈیزائنر سوٹ جو آج تو میری دیورانیوں اور جٹھانیوں نے پہن رکھے تھے اور سب کے ملنے کے بعد جب باتیں پھر جا کے ڈیزائنر لان پر پہنچیں تو میں کچھ پریشان ہوگئی اور میں ٹیبل سیٹ کرنے کے بہانے اس وقت وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی جب میری دیورانی بھرو نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کون سی ڈیزائنر لان پہن رکھی ہے؟

"تم آخر یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ ان سب نے اگر اتنے مہنگے ڈیزائنر ویئر لیے ہیں تو وہ سب ان کے معاشی حالات کی وجہ سے ممکن ہوا اور میرے حالات اگر اس بات کی اجازت دیتے تو بھی میں اتنے کے اصراف کے حق میں کبھی نہیں ہوتا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر کپڑے ڈیزائنر ہوں یا کسی عام سی دکان سے لیے ہوئے اصل چیز تو یہ ہے کہ پہننے والے کو وہ کتنا خوب صورت لگ رہا ہے اور ہماری بیگم کسی ڈیزائنر سے کم ہیں کیا......؟" فواد نے فخر سے کہا۔

"اچھا اب مکھن لگا کر یہ مت کہیں کہ آپ مجھے میری خواہش پوری کرنے نہیں دیں گے۔"

"اچھا تم مجھے خود بتاؤ کہ اگر وہ سب اپنے منہ سے نہ بتاتیں تو تمہارے اور ان کے لباس میں کیا فرق تھا۔ بس اتنا سا فرق تھا میری جان کہ آپ زیادہ حسین لگ رہی تھیں۔" فواد نے شاید آخری حربہ استعمال کیا تھا مجھے سمجھانے کا...... اور میں نے گھور کر فواد کو دیکھا اور دھلے کپڑے جو میں تہ کر کے رکھ رہی تھی ان کو بیڈ پر پٹخ کر کمرے سے باہر

ہی نکل گئی۔

☆☆☆

بہت دنوں سے ہم دونوں کے درمیان یہی بحث چل رہی تھی فواد پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ میں عیدالفطر پہ اماں کے گھر سے جلدی کیوں آ گئی تھی۔

میں بقرعید پر ہر صورت اپنی مرضی پوری کرنا چاہتی تھی اور فواد مجھے ہر طریقے سے سمجھانے میں مشغول تھے۔

''مونا تم جانتی ہو کہ مہنگائی کا عالم کیا ہو چکا ہے، بچوں کے کپڑے لینے کے بعد میں نے اپنے کپڑے بھی نہیں بنائے۔ کیونکہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم قربانی جیسے عظیم فرض سے سبکدوش ہو سکیں......'' فواد نے رسانیت سے مجھے کھل کر بتایا۔

''مجھے یہ سب معلوم ہے لیکن میں نہیں جانتی اس بار آپ جانے کیوں میری باتوں کو رد کر رہے ہیں۔ ہمیشہ تو آپ میری ہر خواہش فوراً ہی پوری کر دیتے تھے۔''

''تم اگر جانتی ہو کہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کرتا رہا ہوں تو پھر اس بات کو سمجھو کہ میری جیب میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں تمہاری خواہش بلکہ ناجائز خواہش پوری کروں......'' فواد بھی آخر زچ ہو گئے تھے۔

''میں آپ کو صاف، صاف بتا دوں کہ اگر آپ نے میری خواہش پوری نہیں کی تو میں عید ہی نہیں مناؤں گی۔'' مجھے جانے کیوں اتنی ضد ہو گئی تھی اور میں اس بار بالکل ہتھیار ڈالنے والی نہیں تھی۔

ذوالحج کا چاند نظر آ گیا تھا اور میں جو ہر بار بڑی پُرجوش ہوتی تھی اس بار حال سے بے حال گھوم رہی تھی۔

آج فواد کا ارادہ تھا کہ منڈی جا کر جانور کا بھاؤ معلوم کریں۔ وہ ہمیشہ ہم سب کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اس بار بھی وہ منتظر تھے کہ میں ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھروں، بچے بھی پُرجوش تھے کہ آج نکل

پہلا درجہ

کسی سے تعلق بڑھانے میں سب سے پہلا درجہ اخلاق کا ہے۔ اخلاق سے ہم کسی بھی شخص کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اخلاق ایسی خوبی ہے کہ جس کا ہم میں ہونا لازم سمجھا جاتا ہے۔ اخلاق ہمارے اوپر رب کا بہت بڑا انعام ہے۔ جس شخص نے بااخلاق زندگی بسر کی گویا اس نے دنیا کو فتح کر لیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر کسی کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں اور تمیز سے بات کریں۔ اگر آپ کو اپنے دشمن کو کمزور کرنا ہے تو سب سے پہلی چیز اخلاق اپنائیں۔ آپ اس کے دل میں بلند مقام بنا پائیں گے۔ لوگوں کی دشمنی، حسد، بغض، کینہ وغیرہ سے بچنا ہے تو اچھا اخلاق اپنائیں۔ آپ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں مطمئن رہیں گے۔

از: مشیرہ سحر، میانوالی

میں شاید بکرا آ جائے گا۔

اتوار کا دن تھا بچے ابھی سو رہے تھے لیکن فواد ہمیشہ کی طرح جلد اٹھ کر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئے۔ میں نے جلدی، جلدی بے دلی سے ناشتا بنایا اور ٹرے لے کر فواد کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔ میرا خود کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ طوعاً و کرہاً چائے کا کپ لے کر لاؤنج ہی میں بیٹھ گئی۔ چائے پیتے ہوئے فواد کو ناشتے کی طرف متوجہ دیکھ کر میں نے چینل بدل کر اپنی مرضی کا لگا لیا۔

ٹی وی پہ مٹکتی ہوئی ماڈلز رنگ برنگے لان سوٹ پہن کر نمائش کر رہی تھیں اور ساتھ میں رنگ، رنگ کے ڈیزائنرز کے نام بھی پکارے جا رہے تھے۔ میں نے کپ ٹیبل پر پٹخا اور منہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆

آج بقرعید والے دن میں اپنا بیس ہزار کا لان کا سوٹ پہن کر ہر زاویے سے اپنے آپ کو آئینے

میں دیکھ رہی تھی۔ بلاشبہ سوٹ بے حد خوب صورت تھا مگر اندر ہی اندر کوئی درد کچوکے لگا رہا تھا، آج ہمارے گھر قربانی کی چہل پہل نہیں تھی۔ میرے بچے الگ اداس تھے، اس بار وہ اپنے بکرے کی خوشی بھی نہیں منا سکے تھے۔

اندر سے کہیں مجھے اپنی خود غرضی پر بھی غصہ تھا اور دکھ بھی...... لیکن تھوڑی دیر میں، میں جو اماں اور سب سسرالیوں کے گھر آج ہی آج جا کر جو خوشی پانا چاہتی تھی اس خوشی کی خود غرضی نے ہر دکھ کو کہیں پیچھے دھکیل دیا۔

فواد نے مجھے آواز دی کہ جلدی کروں...... میں نے باہر نکل کر اُن کی طرف دیکھا کہ وہ میری تیاری کی تعریف کریں گے، ہمیشہ کی طرح میرے حسن کو سراہیں گے لیکن انہوں نے تو ایک نظر بھی مجھ پر نہ ڈالی۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ اس دن میرے رونے پر فواد کی برداشت ختم ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے بالآخر میری بات مان کر میرے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے...... اور اس کے بعد ان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ قربانی کے لیے بکرا لاتے۔

ہم گھر سے نکلنے والے تھے کہ ہمارے محلے میں رہنے والی نجمہ ہاتھوں میں ٹرے ڈھانپے ہمارے گھر میں داخل ہوئی۔

''میں نے سوچا مونا اس بار آپ لوگ شاید دوسرے دن قربانی کر رہے ہو، اس لیے میں سب سے پہلے تم لوگوں کے لیے گوشت لے آئی، اب تم اسی گوشت سے کھانا بنانا......'' نجمہ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے قربانی کے لیے اس بار کمیٹی ڈال رکھی تھی۔ یہ بات تو میں پہلے سے جانتی تھی۔ اور پتھر کا بت میں اس بات کی حیرانی میں نہیں بنی تھی بلکہ میں تو اس کا عید کا جوڑا دیکھ کر پتھر بنی تھی۔ جاننا چاہیں گے کیوں؟ اس لیے کہ یہ بات میری سمجھ سے باہر تھی کہ نجمہ نے کیسے یا وہ تو احمد کی کمیٹی میں قربانی میں بھی حصہ لے لیا اور میرے سوٹ جیسا مہنگا سوٹ بھی خرید لائی۔ میرے منہ میں تو زبان نہ رہی تھی۔

نجمہ کے باتونی پن نے ہی یہ مسئلہ بھی حل کیا۔

''ارے مونا کتنا اچھا لگ رہا ہے ناں کہ آج اتفاق سے ہم دونوں نے ایک جیسے سوٹ بنا لیے۔ تم بھی طارق روڈ کے نزدیک سیل سے لائی ہو گیا......؟ پتا ہے میں نے تو اٹھارہ سو روپے اس سوٹ پر برباد کر دیے۔ بس دکاندار کی باتوں میں آ گئی۔ بہت چالاک تھا کہنے لگا'' باجی یہ تو خاص ڈیزائنر سوٹ کی کاپی ہے۔ اصل والا تو بیس پچیس ہزار سے کم کا نہیں ہے۔ لیکن ڈیزائن میں رتی برابر فرق نہیں ہے۔ اٹھارہ سو میں تو سمجھو آپ کو مفت پڑ رہا ہے۔'' بھئی میں تو نہیں لے رہی تھی پر اب اچھا لگ رہا ہے کہ لے لیا اب میرا اور تمہارا سوٹ ایک جیسا تو ہے ناں......

فواد نے ایک نظر میرے سوٹ پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

نجمہ مجھے گوشت والی ٹرے پکڑا رہی تھی لیکن میرے دماغ میں تو الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''مونا تمہارے لباس پر کوئی ٹیگ تھوڑی لگا ہوگا کہ یہ فلاں ڈیزائنر سوٹ ہے۔'' فواد کے الفاظ......

''مونا تمہارا اور میرا لباس تو بالکل ایک جیسا ہے۔'' نجمہ کے الفاظ کا ہتھوڑا۔

''مونا ایک بات بتاؤ......! کیا تم نے بھی یہ سوٹ اٹھارہ سو میں ہی لیا یا کہیں اس دکاندار نے مجھے ٹھگ لیا ہے، تمہیں ڈسکاؤنٹ میں پڑا کیا سوٹ؟'' نجمہ بولتی جا رہی تھی۔

''اور میں اسے کیسے بتاتی کہ ہم جیسے لوگ اگر ڈیزائنر سوٹ خرید بھی لیں...... تو وہ اس کی نقل ہی سمجھی جائے گی...... اور میں نے بیس ہزار خرچ کر کے واقعی اپنے پاؤں میں خود ہی بھالا مار لیا تھا۔

عُمر قید

سعدیہ رئیس



اس نے منی کیور اور پیڈی کیور کے بعد اپنے بیضوی شکل کے خوب صورت ناخنوں پر نیل پالش لگائی اور ہاتھ کو کچھ دور کر کے غور سے دیکھنے لگی کہ کہیں کوئی کونا رہ تو نہیں گیا۔ آج صبح ہی سے وہ اپنے حسنِ نوخیز کو نکھارنے میں مصروف تھی کیونکہ آج رات اسے اپنی عزیز دوست نغمہ کی شادی میں شرکت کرنی تھی۔ عموماً تو وہ خود ہی گھر میں اپنا فیشل کرلیا کرتی تھی۔ اسٹیم لے کر جلد کو تازگی دیتی رہتی تھی مگر آج رات خاص دوست کی

شادی میں جانے کی وجہ سے پڑوس کی نگینہ سے ایک دن پہلے فیشل کرالیا تھا وہ بھی مفت میں...... کیونکہ نگینہ نے بیوٹیشن کا کورس کر رکھا تھا اور اسے اپنے کام میں خاصی مہارت تھی۔ علاقے کے ایک پارلر میں وہ جاب بھی کرتی تھی۔ دونوں میں بڑی پرانی پڑوسنوں والی دوستی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے کام نکالتی رہتی تھیں۔ وہ بھی اکثر نگینہ کے اُدھڑے کپڑوں کی سلائی اور فٹنگ وغیرہ مفت میں کر دیا کرتی تھی۔

اس نے آئینے کے قریب ہو کر اپرلپس یعنی ہونٹوں کے بالائی حصے کو بغور دیکھا کہ کہیں کوئی باریک سا بال رہ تو نہیں گیا۔ اپنے حسن کے بارے میں وہ ہمیشہ ہی بہت فکر مند رہا کرتی تھی۔ ذرا سا کوئی دانہ نکل آتا تو پھر وہ ہوتی اور اس کے آزمودہ ٹوٹکے...... اتنے جتن کرتی کہ اب تو دانے ہی نکلنا بند ہو گئے تھے اس کے۔

''کائنات...... اے کائنات، اے کائنات......''

اچانک ہی اماں کی پاٹ دار آواز نے اس کی سماعتوں میں خراش ڈال دی۔

''اُف...... ! اماں کو بھی چین نہیں ہے۔ آئی اماں......'' اس نے تیز آواز میں جواب دیا اور برے، برے منہ بناتی باہر آئی تو اماں اپنے مخصوص پسندیدہ گوشے میں تخت پر سلائی مشین کھولے بیٹھی تھیں۔ ان کے آس پاس وضع وضع کے سلے ان سلے کپڑوں کا ڈھیر تھا۔ تخت کے اطراف کپڑوں کی کترنیں اور دھجیاں بکھری تھیں۔ جب سلائی کرتے ہوئے اماں اسے پکارتی تھیں تو اسے سخت وحشت ہوتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی مشکل کام اسے تھما دیتی تھیں یا پھر کچھ اُدھیڑنے کو پکڑا دیتی تھیں اور زیادہ موڈ میں ہوتیں تو سلائی سکھانے پر کمر بستہ ہو جاتی تھیں جبکہ اسے سلائی سے کوئی شغف نہیں تھا البتہ اچھے کپڑے پہننا، خوب صورت اور اسٹائلش سوٹ اس کی کمزوری ضرور تھے۔

''اے کائنات...... ذرا جلدی سے یہ بخیہ اُدھیڑ دے...... حاجی صاحب کے گھر کا کام ہے اور ابھی ایک گھنٹے بعد وہ لینے آ رہے ہیں کپڑے۔'' اس کے چہرے پر بھی بیزاری کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اسے کپڑا تھما دیا۔

خود سلائی مشین کا پہیا ہاتھ سے آگے پیچھے کر کے سوئی کے ناکے میں دھاگا ڈالنے لگیں۔ ان کے جھکے ہوئے سر پر سیاہ و سفید بال ان کی عمر اور مہارت کے ساتھ، ساتھ ان کی انتھک محنت کی بھی دلیل تھے۔ اپنے شعور کی منزل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے اماں کو سلائی مشین پر جھکے دیکھا۔ ان کی آنکھوں پر لگی موٹے فریم کی عینک انہی دن رات کی سلائیوں کا تحفہ تھی۔

''کیا ہے اماں...... میں نے ابھی کیوٹیکس لگائی ہے سب خراب ہو جائے گی۔'' اس نے ناز بھرے انداز میں منع کرنا چاہا۔

''زیادہ نخرے مت کرو شہزادی صاحبہ...... کچھ نہیں ہوتا تمہارے ناخنوں کو...... ذرا جلدی کرو، میرے پاس ٹائم کم ہے۔'' اماں نے ذرا بھی نوٹس لیے بغیر بدستور اپنے کام میں مگن رہنے کے ساتھ، ساتھ اسے جھڑک دیا۔

''کشف سے کہہ دیں ناں، مجھے ابھی تیاری کرنی ہے۔'' وہ بھی ڈھٹائی سے انکار پر بضد رہی۔

''بہت کرلی تم نے اب صاحبہ نے اپنی تیاری...... اپنی اوقات میں رہو، زیادہ اونچا نہ اُڑو، تمہارے ابا ایک معمولی تنخواہ دار انچارج ہیں یہ مت بھولو، یہاں کوئی مل اونر نہیں آئے گا، تمہاری خوب صورتی پر مر کر......'' اماں کے کرارے سے لیکچر پر اس کے مزاج ٹھکانے آ گئے۔

''کشف کھانا پکا رہی ہے، آٹا بھی اسے گوندھنا پڑا کیونکہ تمہیں اپنے ناخنوں کی فکر تھی۔ اب روٹی بھی وہی پکائے گی کیونکہ تم تو جا رہی ہو۔'' اس کی اتری ہوئی صورت پر ذرا بھی ترس نہ کھاتے ہوئے اماں نے اس کے مزید لتے لیے۔

سارا جوش اور ساری خوشی ملیا میٹ ہو کر رہ گئی۔

ہر بار ہی اماں ایسے سنگ دلانا الفاظ استعمال کرتی تھیں کہ دل ٹوٹ جاتا۔ اس کی آنکھوں میں اترے ستارے بھی اماں نے نہ دیکھے کیونکہ جب سے انہیں اس کے خوابوں کی اڑان کا اندازہ ہوا تھا وہ اس سے ایسی ہی درشتی سے بولتیں کہ خوابوں کی عمارت ایک آن میں زمیں بوس ہوجاتی۔ اب بھی یہی ہوا۔ وہ سر جھکا کر خاموشی سے بخیہ اُدھیڑنے لگی۔

اس میں اس کا کیا قصور تھا کہ اس کے ابا ایک معمولی انچارج تھے مگر بات، بات پر اماں یہ بات طعنہ بنا کر اس پر مارتی تھیں اور خود بھی ساری عمر بھگتا انہوں نے سلائیاں کر، کر کے۔ ایک عرصے سے اس نے اماں کو سلائی مشین پر جھکے دیکھا۔ معمولی اجرت پر کپڑوں کے ڈھیر سیتے دیکھا۔ کبھی وہ اماں کے بے رنگ روپ وجود، تھکن زدہ آنکھوں، محنتی ہاتھوں کی ابھری ہوئی نسوں اور سوئیوں سے چھید، چھید انگلیوں کو دیکھتی تو اسے سلائی سے اتنی ہی نفرت اور چڑ ہوجاتی، یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ دن رات کی اس محنت نے اماں سے ان کی دلکشی اور جوانی بھلے وقت سے پہلے چھین لی تھی مگر انہوں نے وقت کے ہاتھوں اپنی عزتِ نفس کو کبھی پامال نہیں ہونے دیا۔ اپنی دونوں بیٹیوں کشف اور کائنات کو انہوں نے ہمیشہ اچھا کھلایا اور اچھا پہنایا۔ قناعت سے ضرور گزارہ کیا مگر کسی کا احسان کبھی نہ لیا خود پر تنگی برداشت کرلی مگر دونوں بیٹیوں کی چھوٹی، چھوٹی خوشیوں اور خواہشوں کو حسرتوں اور محرومیوں میں نہ بدلنے دیا۔ البتہ بڑی، بڑی خواہشوں اور فرمائشوں کے سامنے وہ خود بھی بے بس تھیں اور اکثر و بیشتر دونوں کو سمجھاتی بھی رہتی تھیں کہ لڑکیوں کو ہر طرح کے ماحول میں گزر بسر کا سلیقہ ہونا چاہیے کیونکہ کچھ نہیں پتا ہوتا کہ لڑکی کا نصیب کیسا نکلے...... وہ فقیر کے گھر سے نکل کر رانیوں جیسی زندگی بھی گزار لیتی ہے اور کبھی بادشاہ کی بیٹی کا نصیب جھونپڑی بن جاتی ہے۔

اماں کی ان باتوں سے کائنات نے اپنے مطلب کی بات ذہن نشین کرلی تھی۔ وہ بھی تو غریب کی بیٹی تھی اس کے لیے بھی کوئی شہزادہ یا بادشاہ آسکتا تھا۔ کوئی انجینئر، ڈاکٹر یا پائلٹ بھی...... وہ سوچتی تو پھر دور تک سوچتی چلی جاتی۔ پھر اماں ہی اس کی سوچوں کو اپنے نوکیلے اور تیز جملوں سے چاک کر دیتیں۔

شام تک اس کا موڈ خود بخود صحیح ہوگیا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کوئی اس کا دکھ ختم نہیں کرسکتا، نہ کوئی اس کی راہ میں پھول بچھائے گا۔ وقت کے ساتھ، ساتھ خود ہی اس کے دکھ دھندلا جائیں گے یا پھر وہ ان دکھوں میں رہنے کی عادی ہوجائے گی۔ اسے یقین تھا کہ قسمت اچھی ہو تو سب کچھ اچھا ہوجاتا ہے اور اسے امید تھی کہ ایک دن اس کی قسمت بھی ضرور کھلے گی۔

نغمہ کی شادی میں وہ اپنی ضد سے مغلیہ طرز کی سلی سے کہا۔
ہوئی فراک پہن کر گئی جس پر موتی اور ستاروں کی چمک لشکارے مار رہی تھی اور ان لشکاروں میں کائنات کی گلابی رنگت دمک رہی تھی۔ کئی خواتین نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ کئی لڑکے دل تھام کر رہ گئے۔ کئی نے اسے چوری، چوری دیکھا۔ نغمہ کے دیور نے بھی ہنسی مذاق میں اسے کئی ذومعنی باتیں کہہ دیں۔ وہ مستقل اس کے آس پاس ہی منڈلاتا رہا۔ بہانے، بہانے سے اسے مخاطب کرتا رہا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کا امیدوار بن کر ضرور آئے گا پھر بھی ہوا کہ شادی کے بعد جب نغمہ اسے ملی تو اپنے دیور حسام کا اس کے لیے دیوانہ پن بتایا تو وہ سرشاری ہوگئی۔

یہ بات تو اس نے شادی کے دوران ہی محسوس کرلی تھی اب نغمہ کی زبانی سنا تو اور بھی اچھا لگا۔

''سچ بتا...... اچھا لگا ناں تجھے......؟'' نغمہ نے بالآخر اس کے منہ سے اقرار کرا ہی لیا۔

''میری سکھی، ہی تو اتنی پیاری...... ایسے ہی تھوڑی لٹو ہوگیا وہ...... بس اب تیاری شروع کردو۔'' نغمہ جاتے، جاتے اسے امید کا آنچل تھما گئی۔

اور وہ اس آنچل تلے خوشیوں اور محبتوں کے سبزہ زاروں میں کہیں کھو سی گئی۔ اسے بے چینی سے نغمہ کا انتظار تھا۔

اگلی بار نغمہ آئی تو اس کے ہاتھ میں خوشبوؤں میں بسا سندیسہ تھا۔

''موج ہوگئی بھئی...... دیور جی کا دل آگیا تم پر...... چاروں شانے چت ہوگئے موصوف کائنات کے حسن کے سامنے......'' نغمہ نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

اور وہ جو گلال بھرے رخساروں کے ساتھ اس کی باتیں سن رہی تھی اس کے ہاتھ میں تھما سندیسہ دیکھ کر گم صم سی ہوگئی۔ وہ تو یہ سب نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو چور راستہ تھا اور اسے چور راستے پر چلنا منظور نہیں تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے...... اگر اس کا ایسا ہی دل آگیا ہے تو عزت سے ہاتھ مانگے......'' اس نے غصے

''ہاتھ بھی مانگے گا مگر وہ شادی سے پہلے تم سے ملنا چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ یادگار وقت گزارنا چاہتا ہے اور آج کل تو یہ سب ایک عام سی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ مل لو...... دو چار دفعہ ملنے سے دونوں سمجھ لوگے ایک دوسرے کو...... بڑی لکی ہو کہ لو میرج کا موقع مل رہا ہے، ہمیں دیکھو سیدھی سیدھی سی ارینج میرج ہوگئی، نہ کوئی چارم نہ رومینس...... میاں صاحب بھی ٹھس......'' اس کے غصے کا برا مانے بغیر نغمہ نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اس کی بات مان لے مگر کائنات نے صاف انکار کردیا۔

''نہیں نغمہ، یہ مناسب نہیں...... اس سے کہو رشتہ بھیجے، بھلے منگنی کے بعد ایک آدھ بار مل لوں گی اس سے۔'' اس نے اپنی تجویز بھی دے دی۔

اس کے بعد دن گزارے تو گزرتے ہی چلے گئے، نہ ہی نغمہ آئی اور نہ اس کے دیور کا رشتہ...... وہ بددل ہوگئی اور بہت زیادہ مایوس بھی۔ اسے اماں کی کڑوی کسیلی باتیں درست لگنے لگیں۔

آج کل اماں کے پاس سلائی کے آرڈر کم آرہے تھے کیونکہ اب ان کی نظر ٹھیک سے کام نہیں کررہی تھی۔ ایک آدھ بار ان سے کوئی سوٹ غلط سل گیا تو گاہک نے عزت افزائی الگ کی اور کام دینا بھی بند کردیا۔ ایک بڑی فیکٹری کا آرڈر بھی ہاتھ سے گیا کیونکہ اس کا کام وقت پر پورا کرکے نہیں دے پارہی تھیں۔ اب ان میں پہلی سی چستی اور پھرتی بھی نہیں رہی تھی اور صحت بھی ویسی نہیں رہی تھی جیسی پہلی تھی۔ مزید ستم یہ کہ دو تین جگہوں سے کام ملنا بند ہوگیا اس لیے اماں چڑچڑی سی ہورہی تھیں اور بات، بات پر غصہ آرہا تھا۔

کشف اور کائنات کی شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں کو سلائی سکھانے پر تلی ہوئی تھیں۔ کائنات کو تو پھر بھی اماں کی زور زبردستی، ڈانٹ ڈپٹ سے اچھی خاصی سلائی آگئی تھی کیونکہ وہ بڑی تھی، اسے اماں کے

ساتھ مارے باندھے سلائی سکھوانی پڑتی تھی اسے اماں پر رحم بھی آتا کہ اس عمر میں آنکھوں کا تیل نکال رہی ہیں۔ کشف چھوٹی تھی وہ اکثر کام غلط کر دیتی یا بہت دیر لگا دیتی تو اماں چڑ جاتیں۔

''تم تو ایسے کام کر رہی ہو جیسے پانچ سال کی بچی ہو۔ ارے سات سال کی عمر سے کپڑے سینا شروع کر دیے تھے میں نے، سولہ برس کی عمر میں طاق ہو گئی تھی۔ کیا شرارے، کیا غرارے، شیروانی کالر، چنٹوں والی فراک، انارکلی فراک، حیدرآبادی کرتا...... سب ایسی مہارت سے سیتی تھی کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ تم تو سیدھے سیدھے کپڑے نہیں سی سکتیں۔ جان نکل جاتی ہے ذرا سا کچھ کہہ دو تو...... ایک اتنی سی شلوار کو بیلٹ نہیں لگ رہی تم سے، کیا مسئلہ ہے اس میں...... دماغ ہو تو کچھ کرو ناں......'' اماں کشف کو ایک کا چار سناتے ہوئے بیلٹ لگانا بھی سکھا رہی تھیں۔

''مردانی قمیصوں کے کالر لگاتی تھیں ہماری اماں، کیا نفاست تھی ان کے ہاتھوں میں، مجھے بھی پہلے مشکل لگا کرتے تھے مگر پھر آ ہی گئے۔ شوق ہو تو انسان سب کچھ سیکھ لیتا ہے، یہاں تو موا شوق ہی نہیں ہے۔ دل سے سیکھو گی تو آئے گا ناں......'' اماں مستقل لیکچر پلا رہی تھیں۔

''جب مجھے دلچسپی ہی نہیں ہے تو......'' کشف بیزاری سے منمنائی۔

''وہی تو...... الٹے سیدھے افسانوں، ناولوں میں دلچسپی ہے، موبائل میں گھسے رہو یا فلمیں دیکھ لو...... بس یہی تو ہیں کرنے والے کام باقی سب گئے بھاڑ میں۔ اس میں دلچسپی کا سوال ہی نہیں یہ سب کام لڑکیوں کو آنے چاہئیں، آڑے وقت میں کام آتے ہیں اب مجھے ہی دیکھ لو، کتنا کام آ رہا ہے ہنر...... اور بڑی آپا تو ایسی مہارت سے مردانے کرتے سیتی تھیں کہ حد نہیں، اتنی باریک ترپائی والے کرتوں سے انگلیوں میں سوراخ ہو جاتے تھے۔ کیکری بناتے اور جالی کھولتے ہوئے آنکھیں دکھ جاتی اور انگلیاں اکڑ جاتی تھیں۔ کرنے والا ہو تو کرے ناں...... یہاں تو سب لاٹ صاحب بنے ہوئے ہیں۔'' اماں کو رہ، رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

''چھوڑیں اماں، رہنے دیں کشف کو...... سیکھ لے گی آہستہ، آہستہ آپ یہ آستین دیکھیں۔ میں نے لگا لی ہے اب کیا کرنا ہے؟'' کشف کی اتری صورت دیکھتے ہوئے کائنات نے اماں کا دھیان بٹانے کے لیے اپنی طرف متوجہ کیا۔ حالات کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے کائنات کے مزاج میں ٹھہراؤ آ گیا تھا اور وہ کچھ سنجیدہ بھی ہو گئی تھی۔

''آئے ہے...... یہ کیا کر دیا......؟ الٹی آستین جوڑ دی۔ کیا ہو گیا تمہاری عقل کو آخر...... کہاں دھیان رہتا ہے تمہارا...... پہلے ہی وقت کم ہے اور تم نے کام بڑھا دیا۔ جانتی بھی ہو کہ کام پہلے سے بلکا ہو گیا ہے اب غلطی کی گنجائش نہیں، خدا جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں نخرے آسمانوں تک اور صلاحیتیں صفر......'' اب اماں کی توپوں کا رخ کائنات کی طرف ہو گیا تھا۔

''ادھیڑو اس کو اور جلدی ہاتھ چلاؤ۔ سکھا سکھا کے تھک گئی مگر پھوہڑپن نہیں جا رہا اور ہم ایسے کہ ایک کے بعد ایک سب کچھ جلدی جلدی سیکھ لیا۔ سلائی کے بعد کشیدہ کاری سیکھی تو کون سا ٹانکا ایسا تھا جو نہ سیکھا ہو، موتی ٹانکا، کاج ٹانکا، لیزی ڈیزی ٹانکا، زنجیرا، بکی کڑھائی، ایپلک، کٹ ورک، کشمیری کڑھائی، سندھی ٹانکا اور کروشیا سبھی کچھ سیکھ لیا۔ بڑی آپا نے تو موتی ٹانکے کا پورا جال کاڑھا تھا اپنے پلنگ پوش پر...... مردانے کرتوں میں الگ اتنی نفیس اور باریک کشیدہ کاری کرتی تھیں، ایک آج کل کی لڑکیاں ہیں کہ سوئی پکڑنی بھی نہیں آتی۔''

اماں کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آج کل اماں کے یہ لیکچر روز سننے پڑ رہے تھے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک اور پریشانی سر پر آ گئی۔ بڑے ماموں کے بیٹے کی شادی آ رہی تھی اور اماں کو لینے دینے کی فکر نے آ گھیرا...... کیونکہ اس معاملے میں اماں کے اندر

بہت انا تھی، سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے انہوں نے کبھی تحائف دینے میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔

''اگر کسی بڑی دکان کا آرڈر مل جائے تو بات بن جائے...... مالک تیرا ہی آسرا ہے۔'' کسی کام سے بازار جاتے ہوئے اماں نے بہ آواز بلند دعا مانگی۔

شاید وہ قبولیت کا لمحہ تھا کہ بات بن گئی۔ واپسی پر اماں کی خوشی دیدنی تھی۔ چہرہ کھل رہا تھا۔ کائنات ان کے مسکراتے ہوئے چہرے کو مبہوت سی دیکھتی رہ گئی۔ صعوبتوں اور مشکلوں میں گزارہ کرتے، کرتے اماں محنت میں اتنی مشاق ہوگئی تھیں کہ انہیں نہ کام کا بوجھ بڑھنے کی پریشانی تھی اور نہ ہونے والی تھکن کا احساس تھا انہیں تو بس بات بن جانے کی خوشی تھی اور وہی سکون ان کے چہرے پر چمک بن کر بکھرا ہوا تھا۔

''بہت بڑی دکان ہے، ابھی تو ٹرائی کے لیے دو سوٹ دیے ہیں، پسند آگئے تو دیکھنا کیسا کام برسے گا۔'' اماں کی خوشی کی حد نہیں تھی۔

''لاؤ میری قینچی دو...... بلکہ فیتہ پکڑاؤ مجھے، پہلے میں کپڑا ناپ لوں۔'' انہوں نے برقع ایک طرف ڈال کر کشف کو آواز لگائی۔

''اُفوہ اماں ابھی سانس تو لے لیں...... تھکن دور کرلیں، کشف چائے بنا رہی ہے آپ کے لیے...... جلدی میں کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔'' کائنات نے نرمی سے اماں کو سمجھایا اور خلاف توقع وہ مان بھی گئیں۔

دراصل اتنے دنوں بعد راستہ کھلا تھا تو اب اماں کے ذہن کو سکون مل گیا تھا۔ بہت دن بعد انہوں نے دونوں بیٹیوں سے اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کیں۔

ان دونوں کے لیے اماں کی خوشی زیادہ تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ دونوں ہی اماں کا ہاتھ بے دلی سے بٹاتی تھیں۔ ڈانٹ ڈپٹ کے، زور زبردستی اماں نے اپنا ہنر ان دونوں میں منتقل تو کر دیا تھا مگر دلچسپی صفر تھی۔ پہلے تو اماں کی ڈانٹ ڈپٹ بری لگتی تھی مگر پھر بڑے ہونے کے بعد اماں کی مجبوریوں اور محنت کا احساس کر کے دونوں نہ دل سے ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

''وسائل ہی نہیں ہوئے ورنہ میں اپنا بوتیک کھول لیتی، آج کل کے درزی دونوں ہاتھوں سے کمارہے ہیں۔ ایک درزی کی دکان ہی کھل جاتی تو خوب آمدنی ہوتی مگر تمہارے ابا میں حوصلہ تھا اور نہ ان کے پاس پیسہ تھا، نہ ہی مجھے کسی نے سہارا دیا کہ ساتھ مل کر کچھ کرلیتی مگر خیر شکر ہے اللہ نے بڑا کرم کیا۔'' اماں کو رہ، رہ کر افسوس ہوتا کہ وہ گزرے وقت کو زیادہ... کارآمد نہ بنا سکیں مگر فطری عاجزی اس قدر تھی کہ خوفِ خدا سے آخر میں اللہ کا شکر ضرور ادا کرتی تھیں۔

بڑی دکان سے شروع میں ایک چھوٹا سا آرڈر مل گیا تھا۔ اماں کے ساتھ مل کر دونوں نے آرڈر پورا کرا دیا۔ ماموں کے گھر کی شادی عزت سے نمٹ گئی۔ اگلا آرڈر دیر سے ملا۔ اماں نے تین چکر لگائے، چوتھے چکر میں کام ملا۔ اماں کو اس بات کا بڑا قلق ہو رہا تھا کہ اتنی نفاست کی سلائی کے بعد بھی وہ انہیں کم کام دے رہا تھا۔ اس بار قسمت خراب تھی کہ اماں بیمار پڑ گئیں۔ جیسے تیسے دونوں نے مل کر آرڈر مکمل کیا۔ اماں تو جا نہ سکتی تھیں سو پہلی بار دونوں مال لے کر خود ہی دکان پر چل دیں۔

گلاس وال سے مزین دکان کا سامنے کا حصہ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ایک جانب کاؤنٹر پر تختی سا کالا بھجنگ لڑکا گلے میں فیتہ لٹکائے کٹنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف ریڈی میڈ کپڑوں کا حصہ تھا جہاں متعدد روشنیاں سلے سلائے ملبوسات کی چکا چوند میں اضافہ کر رہی تھیں۔

''کیسا بدصورت مالک ہے اس دکان کا۔'' کشف نے کائنات کے کان میں کھسر پھسر کی۔

''چپ کرو، ہمیں اس سے کیا......'' کائنات نے نیچی آواز میں اسے ڈپٹا۔

اس دوران دونوں اس لڑکے کے پاس پہنچ گئیں اور مدعا بتایا۔ اس نے ان کے ہاتھوں میں موجود شاپر دیکھے اور ان سے کہا کہ وہ شاپر وہیں پڑی ایک بینچ پر

رکھ دیں اور ریڈی حصے میں جا کر سیٹھ سے مل لیں۔

''سیٹھ سے......'' دونوں پریشان ہو گئیں۔

آغاز تو اچھا نہ ہوا تھا پہلے تو وہ لڑکا ہی عجیب طریقے سے دانت نکال، نکال کر بلاوجہ ہنس، ہنس کر ان سے بات کر رہا تھا پھر اُن کی بات سمجھنے میں بھی اسے دیر لگی یا پھر وہ خواہ مخواہ زیادہ بات کرنے کے بہانے وقت بڑھا رہا تھا۔ کافی دیر بعد اسے یاد آیا کہ وہ کہاں سے آئی ہیں اور بھیجنے والی کون ہیں۔

''اچھا، وہ مائی، جو اسکارف لیتی ہیں سر پر......'' یاد آنے پر اس نے اماں کے لیے قابلِ اعتراض لفظ استعمال کیا۔

''وہ ہماری اماں ہیں۔'' دونوں کو اس پر بے حد غصہ آیا۔

اب سیٹھ کے پاس جاتے بھی کوفت ہو رہی تھی نہ جانے کس کردار اور عادت کا ہے، وہ ڈرتے، جھجکتے اس حصے میں پہنچیں تو سیٹھ تو انہیں کہیں نظر نہیں آیا البتہ ایک ہینڈسم سا شخص خاصے مہذب حلیے اور انداز میں ملبوسات دیکھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ خود کچھ پیچھے ہٹ گیا مگر جب دونوں آگے نہ بڑھیں تو اُن کی کشمکش اس نے بھی نوٹ کر لی۔

''جی آیئے......دیکھیے کیا چاہیے آپ کو......؟'' اس نے شائستگی سے دریافت کیا۔

''کچھ نہیں......سیٹھ سے ملنا تھا ہم کو۔'' کائنات نے اختصار سے جواب دیا۔

''سیٹھ......'' اس نے بھویں اچکائیں جیسے کچھ سمجھ رہا ہو۔

''کس سلسلے میں؟'' اس نے سوال کیا۔

''کپڑے لائے تھے ہم......اماں بیمار ہیں ناں......'' کشف نے سادگی کی حد کرتے ہوئے جواب دیا۔

''کون سے کپڑے......دکھائیں مجھے۔'' وہ استعجاب سے دونوں کو دیکھنے لگا کیونکہ اُن کے ہاتھ تو خالی تھے۔

اور دونوں ہی اپنی جگہ حیرت کے سمندر میں غوطہ کھا رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ سیٹھ کوئی موٹا، گنجا سا آدمی ہوگا مگر اُن کے سامنے ایک انتیس، تیس برس کا ایک نوجوان کھڑا تھا۔ ان کے بتانے پر اس نے کاؤنٹر کے پاس جا کر شاپر کھولے، کپڑے چیک کیے، اس کے چہرے کا اطمینان اس بات کا غماز تھا کہ وہ کام سے مطمئن ہے۔

''اماں کہاں ہیں آپ کی......؟'' اس نے سوال کیا حالانکہ وہ پہلے بتا چکی تھیں کہ اماں بیمار ہیں مگر اس نے توجہ سے نہیں سنا تھا۔ دونوں نے وہی وجہ دُہرا دی۔

''اوہ......تو پھر کپڑے کیسے سیے انہوں نے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''ہم دونوں نے مل کر سیے ہیں۔'' کائنات کو بتانا پڑا۔

''آپ نے سیے ہیں؟'' اسے حیرت ہوئی۔ خاص طور پر الٹ پلٹ کر دوبارہ سلے ہوئے کپڑے دیکھے۔ چلتے وقت اس نے اجرت کے ساتھ، ساتھ مزید ایک بڑا آرڈر بھی دے دیا۔ اماں تو اس غیر متوقع آرڈر پر سجدہ ریز ہوگئیں۔

''بس اماں، اب تو یہاں بات بن گئی۔ اب کام پکا......'' کشف نے ماں کو تسلی دی۔

خوشی کے مارے اماں کی نقاہت بھی ختم ہوگئی۔ وہ چاق و چوبند ہو کر پھر سے سلائی کرنے پر تیار ہوگئیں۔

''مجھے دیکھ کر وہ سمجھتا ہوگا کہ بڑی بی کچھ الٹا سیدھا سی کر نہ لے آئیں۔ اب تم دونوں کا کام دیکھا تو تسلی ہوگئی اسے۔'' اماں نے خیال ظاہر کیا۔

آرڈر مکمل ہوا تو اس بار اماں ہی لے کر گئیں، جب واپس آئیں تو خوشی سے ان کا برا حال تھا۔

''ارے مالک، تیرا بڑا کرم ہے۔ میں نے کچھ اور چاہا اور تو نے جھولی بھر دی میری۔'' ان کی آنکھوں میں تشکر کا پانی بھر گیا۔ دونوں حیران سی اماں کو دیکھ رہی تھیں۔

''وہ اپنے والدین کو بھیجنا چاہ رہا ہے۔ مجھ سے عندیہ لے رہا تھا میرا۔ بڑی عزت دی بھئی۔ کرسی پر بٹھایا، ٹھنڈا منگوا کے پلایا۔'' بالآخر اماں نے اصل بات بتا دی۔ اور کائنات جو کرسی پر آرام سے بیٹھی تھی کرنٹ کھا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ کشف کو پانی پیتے، پیتے اچھو ہوگیا۔

''پہلی نظر کی محبت ہوگئی اسے۔'' کشف نے منہ دبا کر دھیرے سے کائنات کو چھیڑا۔

''میں کوئی اس لیے نہیں گئی تھی وہاں، ابھی کل ہی جا کر اسے چار باتیں سناتی ہوں۔'' اس نے غصے سے کہا۔

کہا تو اس نے آہستہ آواز میں تھا مگر غصے کی شدت سے آواز اونچی ہوگئی اماں نے بھی سن لیا۔

''ارے کیوں، کون سا اس نے تم کو کچھ کہا یا چوری چھپے غلط کام کیا۔ عزت کے ساتھ، قاعدے طریقے سے بات کی مجھ سے...... یہی طریقہ ہے لڑکیوں کے لیے پیام دینے کا۔'' اماں نے سمجھایا۔

''واہ، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ بڑا آرڈر ملے گا یہاں تو دکان کا مالک ہی قبضے میں آرہا ہے۔ مزے آگئے بھئی تمہارے تو...... اتنی بڑی دکان ہے، روز ایک نیا سوٹ پہننا......'' کشف بہت خوش تھی۔

''مجھے نہیں کرنی شادی وادی...... یوں راہ چلتے رشتے طے نہیں ہوتے۔'' اس نے چڑ کر کہا۔ کون سا وہ کوئی ڈاکٹر، انجینئر تھا جو وہ خوش ہوتی۔ وہ ایک عام سا دکان دار تھا۔ اگرچہ اب اس نے جذباتیت سے سوچنا چھوڑ دیا تھا مگر لاشعوری طور پر وہ ایسے ہی رشتے کی منتظر تھی۔

''کیوں نہیں کرنی......شادی تو ہونی ہی ہے ایک دن...... ایسے ہی تھوڑی ہر راہ چلتے کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دوں گی پہلے چھان بین کروں گی، اس کے کردار کے بارے میں معلوم کروں گی، کاروبار دیکھوں گی۔ ہم جیسے شریف اور سفید پوش لوگوں کے لیے ایسے رشتے نعمت ہوتے ہیں۔ اچھی چلتی ہوئی دکان ہے اس

کی۔ عادت بھی بظاہر اچھی ہے اور کمائی بھی اچھی ہے۔'' اماں نیم رضامند تھیں۔

وہ نہ صرف خوش شکل تھا اس کی عمر بھی مناسب تھی اور اس کے اخلاق کی اماں گرویدہ ہوگئی تھیں۔ دونوں کے گھر والوں کی آپس کی ملاقات کے بعد بہت جلد رشتہ پکا ہوگیا۔ اماں ہر طرح سے مطمئن ہوگئی تھیں۔

''گلشن میں اپنا ذاتی گھر ہے اس کا...... کھاتے پیتے لوگ ہیں، تین بھائی ہیں، تینوں کا اپنا کاروبار ہے لیکن ابھی سب ایک جگہ رہتے ہیں۔ سب نے کہیں نہ کہیں بنگلہ کرار کھی ہے کچھ عرصے بعد گھر بھی الگ ہوجائیں گے سب کے۔ راج کرے گی کائنات۔''

اماں اپنی خوشی میں کائنات کے دل کی کیفیت بھی سمجھ نہیں پارہی تھیں۔

جھٹ پٹ رشتہ ہوا تھا زیادہ سوچنے کا وقت بھی نہیں ملا تھا۔ کائنات کو نہ خوشی ہورہی تھی اور نہ دکھ یا کوئی افسوس...... اس کے احساسات جامد ہوگئے تھے۔ یہ سب کچھ ویسے تو نہیں ہوا تھا جیسے وہ چاہتی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

منگنی کے بعد اس کے منگیتر معین نے گاڑی بھی لے لی۔ اماں تو اتنا اچھا رشتہ ملنے پر شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھیں۔

''واہ بھئی مزے آگئے، اب تو بیگم صاحبہ بن کر گاڑی میں پھرنا...... ایک سے ایک لباس پہننا، ٹھاٹ ہیں بھئی۔'' کشف کو اس پر رشک آرہا تھا۔

اس کا کمزور اور غیر مطمئن دل بالآخر بہل ہی گیا کچھ کشف کی باتوں سے اور کچھ معین کی طرف سے ملنے والے خاص تحائف سے۔ اس کے دل میں اس کی محبت کی اہمیت اجاگر ہوگئی تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کی شرافت نے دل میں جگہ بنائی کہ منگنی کے بعد بھی اس نے اس سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اسے دیکھ چکی تھی اس کا سراپا اس کی سوچوں اور خیالوں پر چھاتا چلا گیا کیونکہ وہ جاذب نظر بھی تھا اور ہینڈسم بھی۔

بالآخر شادی کا دن بھی آگیا۔ اب وہ بالکل مطمئن تھی۔ زیادہ خوشی اس بات کی بھی کہ اب اماں کی سلائی سے اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔ کشف ٹھیک کہہ رہی تھی معین نے اسے اتنا پیار دیا کہ وہ پچھلی ساری مشکلیں بھول سی گئی۔ وہ ہنی مون پر بھی گئی۔ معین کے ساتھ اس نے ڈھیروں شاپنگ بھی کی اور جب اس کے سنگ گاڑی میں بیٹھ کر آؤٹنگ پر گئی تو اس وقت اس نے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا...... معین نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ ایک روز وہ اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔ دھیرے، دھیرے اس کے ہاتھ کی پشت پر اس نے ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں انوکھا سا احساس تھا۔ کائنات کو لگا کہ اس کی اس قدر توجہ اور پیار پر اس کا دل رک جائے گا۔

''تم بہت اچھی ہو...... میری توقع سے بھی بڑھ کر اچھی ہو۔ مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ تمہاری اماں نے بڑا احسان کیا مجھ پر کہ تم کو اتنی اچھی سلائی سکھائی۔ میرا ہاتھ بھی کچھ ہلکا ہوگا اب۔ جب ارجنٹ آرڈر آئیں گے تو تم کو ہی مل کر پورے کروانے پڑیں گے۔ کیونکہ اب میں باہر کا کام بھی لیا کروں گا۔ میں نے سوچا ہے کہ میں ایک سلائی سینٹر بھی کھولوں گا تاکہ تم اس میں لڑکیوں کو سلائی سکھا کر ہنر مند بناؤ۔'' وہ اپنی ہی رو میں بولتا جارہا تھا اور کائنات پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معین کے الفاظ سنسناتے تیروں کی طرح اس کے معصوم خوابوں اور جذبوں میں پیوست ہورہے تھے۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ شادی کے بعد اماں کی سلائی سے جان بچ گئی مگر یہ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے ساری عمر کی سزا ملی تھی...... اب اسے ساری عمر کمائی کی مشین بن کر معین کا ساتھ نبھانا تھا اماں کی طرح۔

اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

دُرِ ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو، زیر نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 13





پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

کاشانۂ عمر کو رنگ برنگے قمقموں سے سجا دیا گیا تھا۔ آج چونکہ مایوں کی رسم ہونا تھی سو ایشال نے پورے لاؤنج، لابی اور لونگ روم کو گیندے کے پیلے پھولوں سے سجا دیا تھا۔ ساجدہ پھپھو سے تو اسے ویسے ہی بہت پیار تھا مگر اب چونکہ مستقبل قریب میں اسے ہمیشہ کے لیے اس گھر میں ڈاکٹر عمر کی دلہن بن کر راج کرنا تھا سو ایشال اس حوالے سے بھی تمام معاملات میں بھرپور حصہ لے رہی تھی...... اور خوشی خوشی تمام کام کر رہی تھی...... سمیرا بیگم اور نور بیگم صبح سے ہی عنایہ کو لے کر کاشانۂ عمر آ گئی تھیں...... گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی، مناب کی فرینڈز بھی آ چکی تھیں...... آس پڑوس میں رہنے والی کچھ آنٹیاں بھی آ جا رہی تھیں...... مناب اپنے کمرے میں سسرال سے آیا جوڑا پہنے مایوں کی رسم کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ایشال مایوں کے حساب سے پیلے اور سرخ رنگ کے خوب صورت سے ڈریس میں ملبوس تھی...... ڈاکٹر عمر کی وارفتگی اور محبت بھری نگاہیں ہر طرف اس کا پیچھا کر رہی تھیں...... اب بھی وہ کچن میں پینو سے ابٹن، مہندی کا تھال تیار کروا رہی تھی۔ جب لاؤنج میں بیٹھی سمیرا بیگم نے پینو کو آواز دی اور ابٹن گھولتی پینو ہاتھ صاف کرتی وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ باہر نکل گئی تھی۔ کچن کی ڈائننگ ٹیبل پر بڑا سا تھال رکھا تھا اس کے درمیان رکھے ابٹن، مہندی کے پیالوں کے گرد چھوٹے، چھوٹے سے بہت سارے دیے رکھے تھے۔ ایشال اب گیندے اور گلاب کے پھول اور پتیوں سے تھال سجا رہی تھی۔ پھول سجانے کے بعد اس نے ٹیبل پر رکھا لائٹر اٹھایا اور دیے جلانے لگی...... ڈاکٹر عمر جو کچن میں پانی پینے آئے تھے ایشال کو دیے جلاتے ہوئے دیکھ کر اس کے قریب آ گئے۔ جلتے ہوئے دیے اور ان کی خوب صورت روشنی ایشال کے چہرے پر جھلملا رہی تھی۔ ایشال کوئی چیز لینے کے لیے پلٹی تو سامنے بلیک شلوار قمیص میں ملبوس سینے پر بازو لپیٹے ڈاکٹر عمر کھڑے تھے، ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''آپ یہاں...... کچھ چاہیے تھا آپ کو؟'' ایشال نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ کر پوچھا تو وہ ہنوز اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

''ہاں چاہیے تو بہت کچھ۔'' انہوں نے گمبھیر انداز میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

ایشال نے نروس ہو کر اپنے ہاتھ چھڑانے چاہے۔

''وہ مناب مجھے اوپر بلا رہی تھی، مجھے اس کے پاس جانا ہے۔'' ایشال نے بہانہ تراشا۔

''اور میرے پاس کب آؤ گی تم؟'' اس کے شرمائے چہرے کو اپنی نظروں میں مقید کرتے ہوئے پوچھا گیا تو وہ جھینپ گئی۔

''جب آپ دولہا بن کر مجھے لینے آئیں گے۔'' ایشال نے زبردستی اپنے ہاتھ چھڑا کر کچن سے نکلتے ہوئے مسکرا کر کہا تو ڈاکٹر عمر بھی مسکرا دیے۔

''مناب کی شادی کے بعد میں مما کو بھیج رہا ہوں نور منزل...... تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے۔'' ایشال مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

مایوں کی رسم کے لیے علینہ، ایشال اور مناب کی چند فرینڈز کامدار دوپٹے کی چھاؤں میں اسے کمرے سے لاؤنج میں لے آئی تھیں جہاں خوب صورت سے لکڑی کے جھولے کو گیندے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ مناب کو جھولے پہ بٹھانے کے بعد ایشال، علینہ اور مناب کی فرینڈز ابٹن کا تھال اٹھا کر لائیں...... زارون ہینڈی کیم سے مووی بنا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ڈاکٹر عمر سادہ سی اس گھریلو تقریب کو دیکھ رہے تھے...... مناب ان کی اکلوتی اور لاڈلی بہن اس گھر کو چھوڑ کر پیا دیس سدھار رہی تھی۔ بڑا بھائی ہونے کے ناتے ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا، آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ کتنا مشکل اور جان لیوا ہوتا ہے یہ دکھ بھرا لمحہ...... جب اپنی بہنوں

اور بیٹیوں کو پال پوس کر اُن کے لاڈ، ناز نخرے اٹھا، اٹھا کر انہیں ہمیشہ کے لیے دوسروں کے رحم و کرم پہ بیاہ کر بھیج دیا جاتا ہے۔ بیاہ کر لے جانے والے اُن سے کتنا ہی برا سلوک کریں، بیٹیوں اور بہنوں کو ہمیشہ برداشت کرنے کی تلقین کر دی جاتی ہے۔'' ڈاکٹر عمر نے دل ہی دل میں سوچا۔

رسم کا آغاز کر دیا گیا تھا، پیلے سوٹ میں گیندے کے پھولوں کا زیور پہنے مناب پہ بہت روپ چڑھا تھا وہ بغیر میک اپ کے بھی بہت حسین لگ رہی تھی۔ کاشانۂ عمر میں ہر طرف رونق اتری ہوئی تھی۔ سہاگنیں باری، باری مناب کو تیل اور ابٹن لگا رہی تھیں، جب کوئی آندھی، طوفان کی طرح لاؤنج کا دروازہ وا ہاڑ سے کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ سب نے گردنیں موڑ کر دیکھا۔ اقصم جارحانہ انداز میں سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

''اقصم......؟ اسے تو چار دن بعد واپس آنا تھا۔'' ایشال نے خوشگوار حیرت سے علینہ کو بتایا۔ زارون مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا۔ میرا بیگم بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ بیٹے کو اچانک سامنے پا کر کھل اٹھا تھا۔ زارون نے آگے بڑھ کر اقصم کو گلے لگانا چاہا تھا مگر اقصم پتھرائی ہوئی نگاہوں سے سامنے بیٹھی مناب کو دیکھتا ہوا زارون کے قریب سے گزر گیا تھا۔ اقصم کو تو جیسے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ خواتین کے ہجوم سے گزرتا ہوا مناب کے پاس آیا تھا اور اس کی کلائی پکڑ کر مناب کو جھولے سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگا۔

''چھوڑو یہ...... یہ کیا کر رہے ہو؟'' مناب نے ناسمجھی میں اپنی کلائی اس کی گرفت سے چھڑانی چاہی۔ مگر اس کے ہاتھ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کی کلائی میں کانچ کی کئی چوڑیاں ٹوٹ کر چبھ گئیں۔

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑو میرا ہاتھ......'' مناب نے غصے میں پوری قوت سے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا...... مگر وہ ہنوز اسی طرح جارحانہ انداز میں سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے کلائی سے پکڑ کر عورتوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سب کے لیے یہ صورتِ حال اتنی حیرت انگیز تھی کہ جو جہاں کھڑا یا بیٹھا تھا وہاں ہی دم بخود حیرت سے جم گیا۔

''چھوڑو، میرا ہاتھ چھوڑو...... میں کہہ رہی ہوں میرا ہاتھ چھوڑو ورنہ بہت برا ہوگا۔'' مناب اپنی کلائی چھڑانے کے لیے چیخ رہی تھی اور وہ اسے گھسیٹتا ہوا اس کے کمرے میں لے گیا تھا...... جہاں اندر داخل ہوتے ہی اقصم نے دروازہ لاک کر لیا تھا۔ ''چھوڑو تم حد سے گزر رہے ہو...... چھوڑو میری کلائی۔'' غصے میں اقصم نے اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور خود اس کے مقابل اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے دائیں، بائیں اپنے ہاتھ دیوار پر رکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولا۔

''آپ یہ شادی نہیں کر سکتیں...... توڑ دیں یہ رشتہ ابھی اور اسی وقت......''

''چھوڑو یہ...... یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی بھونڈا اور گھٹیا مذاق ہے، پیچھے ہٹو اور جانے دو مجھے باہر۔'' مناب نے اسے پیچھے ہٹا کر دروازے کی طرف جانا چاہا مگر اقصم نے اسے کلائی سے پکڑ کر دوبارہ اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں...... آپ یہ شادی نہیں کر سکتیں۔'' جارحانہ انداز میں اقصم نے ایک بار پھر اس کی کلائیاں دبوچ لیں۔

''مگر کیوں؟ اور تم کون ہوتے ہو مجھے اس شادی سے روکنے والے؟''

''کیونکہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں، عشق کرتا ہوں آپ سے...... آپ ہی میری پہلی اور آخری محبت ہیں، میں...... میں دو سال سے اپنی یہ محبت اپنے دل میں چھپائے ہر روز ایک نئی اذیت سے دوچار ہوتا رہا...... مگر اب نہیں...... میں اپنی نظروں کے سامنے آپ کو کسی اور کا ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا...... میں یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ میرے

علاوہ آپ کو کوئی اور دیکھے..... آپ کو کوئی اور چھوئے..... مناب آئی، آئی رئیلی لو یو الاٹ..... میں آپ سے عشق کرتا ہوں۔'' وہ دیوانوں کی طرح اسے شانوں سے تھام کر بولے جا رہا تھا۔

مناب نے پوری قوت سے ہاتھ اٹھایا تھا اور تھپڑ کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

''تم جیسا گھٹیا انسان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا..... تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھ سے یہ سب بکواس کرنے کی؟ میں..... میں تمہیں اپنا چھوٹا بھائی سمجھ کر تمہارے ناز نخرے اٹھاتی رہی اور تم..... تم اتنے خبیث نکلے کہ.....'' غصے سے مناب کی سانس پھول گئی تھی اور حیرت سے آنکھیں پھیل گئی تھیں تھوڑی دیر پہلے اسے اپنی کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر کھبنے کی جو تکلیف ہو رہی تھی وہ تکلیف اب مناب بھول گئی تھی اس کی کلائیوں سے خون رسنے لگا تھا..... مگر اب وہ یہ تکلیف بھول گئی تھی اب اس کا دل تکلیف میں تھا..... اس کا دل اقصم کے اس انکشاف پہ خون کے آنسو رو رہا تھا۔

''آپ مجھے کچھ بھی کہہ لیں..... مگر میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی نظروں کے سامنے آپ کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ پاگل ہو چکا تھا اور پاگلوں کی طرح ہی اس سے التجائیں کر رہا تھا، حکم دے رہا تھا۔

دوسری طرف باہر کھڑے زارون اور ڈاکٹر عمر دروازہ پیٹ رہے تھے۔

''آئی ہیٹ یو اقصم..... میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری نظروں میں اس طرح گر جاؤ گے..... مجھے تمہاری اس گھٹیا محبت سے نفرت ہو گئی ہے۔'' مناب شدید غصے سے چلائی۔

''اگر آپ نے اس شادی سے انکار نہ کیا تو..... تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔''

اقصم نے اپنے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا۔ اقصم کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ مناب نے خوف سے لبوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''یہ..... یہ کیا پاگل پن ہے؟ اقصم یہ..... یہ غلط کر رہے ہو تم۔'' مناب نے روتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پستول چھیننا چاہا۔

''چھوڑیں..... اور چلی جائیں یہاں سے۔'' اقصم نے مناب کو بیڈ پر دھکا دیا اور اپنی کنپٹی پر پستول رکھ لیا۔ ''جس زندگی میں آپ کا ساتھ نہ ہو مجھے وہ زندگی نہیں چاہیے.....'' اقصم کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا، مناب چیخ کر دوبارہ اس کی طرف لپکی۔

''چھوٹو..... چھوٹو پلیز، پلیز..... تت..... تم..... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے..... پپ..... پلیز۔'' مناب نے پھولے تنفس سے ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے پستول پکڑنا چاہی۔

''مت روکیں مجھے.....'' اقصم نے غصے میں اسے پھر پیچھے ہٹانا چاہا۔ دوسری طرف باہر سے بری طرح دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ مناب اس کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کر رہی تھی اسی دوران..... اقصم سے پستول چل گیا تھا۔ پستول کی آواز سے کمرے کے اندر بھی چند لمحے کے لیے سکوت چھا گیا اور باہر بھی..... اقصم کے سینے میں گولی پیوست ہوئی تھی..... اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا تھا..... اور وہ نیچے لڑھک کر گر گیا تھا۔ مناب اسے دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔

''چھوٹو، چھوٹو..... چچ..... چھو..... ٹو.....'' خوف کے مارے مناب چیختے ہوئے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں زارون اور ڈاکٹر عمر دروازے کا لاک توڑ کر اندر داخل ہوئے تو کمرے کا منظر دیکھ کر وہ دونوں بھی بھونچکا رہ گئے۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ آس پڑوس سے آئی عورتیں چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر عمر، زارون پریشانی اور عجلت میں اقصم کو گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے جانے لگے تو روتی ہوئی سمیرا بیگم بھی ان کے ساتھ بیٹھ

گئیں، داؤد چوہدری ایک آفیشل ڈنر میں تھے، انہیں اس واقعے کی اطلاع کر دی گئی تھی وہ بھی حواس باختہ ہو کر وہاں سے اسپتال روانہ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف گھر میں بے ہوش پڑی مناب کو ایشال ہوش میں لانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

اقصم آئی سی یو میں تھا، سمیرا بیگم نے با ہر رو، رو کر برا حال کر رکھا تھا۔ داؤد چوہدری نہایت فکرمندی سے انہیں مسلسل تسلیاں دے رہے تھے، زارون اور ڈاکٹر عمر آئی سی یو کے باہر بے چینی سے ٹہل رہے تھے...... آئی سی یو میں اقصم کا آپریشن ہو رہا تھا۔

کاشانۂ عمر میں سب پریشانی اور تفکر سے اقصم کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ مناب کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ روتے ہوئے مسلسل اقصم کے پاس جانے کی ضد کر رہی تھی۔ کئی گھنٹے آئی سی یو میں رہنے اور سب کی دعاؤں کے باعث اقصم کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا، آپریشن کے ذریعے اس کے سینے میں پیوست گولی نکال لی گئی تھی شکر تھا کہ گولی کسی عضو کو متاثر نہیں کر پائی تھی۔ مگر خون زیادہ بہہ جانے کے باعث ڈاکٹرز نے اگلے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیے تھے۔

☆☆☆

''لاکھ کوشش کر لو...... ایسی باتیں چھپتی ہیں اور نہ چھپائی جا سکتی ہیں۔ اگر مناب کے کزن کو ان سے ایسا ہی اندھا عشق تھا تو اُن لوگوں کو ہمیں اندھیرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کر دیتے مناب کا رشتہ طے اس کے نام نہاد عاشق سے...... میرے بھائی کو کون سا لڑکیوں کی کمی تھی؟'' ولی سر جھکائے بیٹھا تھا اور زری آپا انہیں کھری کھری سنا رہی تھیں۔

''آپ مناب کو جیسا سمجھ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' ولی نے شرمندگی سے انگلیاں مسلتے ہوئے وضاحت دی...... ''مناب، اقصم کو ہمیشہ ایک چھوٹے بھائی کی طرح ڈیل کرتی رہی ہے، اب اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جسے بھائی سمجھتی ہے وہ لڑکا اس کے لاڈ پیار کا غلط مطلب لے کر اس کی محبت میں یک طرفہ طور پر یوں مبتلا ہو کر یہ گل کھلائے گا؟''

''بس کرو ولی، مناب کی وکالت کرنا...... مانا کہ محبت اندھی ہوتی ہے مگر اتنی بھی اندھی نہیں ہوتی کہ صاف اور واضح دکھائی دینے والی حقیقت ہی نظر نہ آئے۔ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، رائی ہوتی ہے تو پہاڑ بنتا ہے، ایسے ہی یک طرفہ محبت میں کون کسی کے لیے خود کو یوں جان سے مارنے کی کوشش کرتا ہے بھلا؟'' زری آپا کا غصہ کسی طور پر بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

''آپا پلیز...... مناب بے قصور ہے، اس کا اقصم کے اس یک طرفہ عشق سے واقعی کوئی تعلق نہیں وہ تو خود آج تک اس حقیقت سے انجان تھی۔''

''بس ولی، اس نے کہا اور تم نے یقین کر لیا...... کاشانۂ عمر کے پڑوس میں جو میری دوست رہتی ہے ایسی، ایسی باتیں بتا رہی تھی کہ میں کیا بتاؤں...... وہ تو بتا رہی تھی کہ اس نے خود مناب کو کئی بار اس لڑکے کے ساتھ رات کو باہر آتے جاتے ہوئے دیکھا ہے، ایک دن تو وہ لڑکا رات گئے تنہا اسے گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ بھئی مجھے تو یہ لڑکی کردار کے لحاظ سے ٹھیک نہیں لگتی...... اب بھی وقت ہے، سوچ لو اچھی طرح اور انکار کر دو اس رشتے سے۔''

''آپا یہ کس قسم کی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ مناب ایسی لڑکی نہیں ہے، وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے کبھی مجھ سے کچھ نہیں چھپایا...... مجھے اس پر مکمل بھروسا ہے۔ وہ کوئی ٹین ایجر نہیں ایک میچور لڑکی ہے اور بہت سمجھدار بھی۔''

''بس ولی عورت کو سمجھنا تمہارے بس کی بات نہیں کیتھرین کے بارے میں بھی تم یہی کہتے تھے مجھ سے...... وہ تجربہ تو تمہیں یاد ہی ہوگا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی زری آپا کے لہجے میں تلخی گھل گئی تھی۔ اور ان کی بات پر ولی کے ماتھے

پہ شکنیں سی ہوگئی تھیں۔ کیتھرین، ولی کی زندگی کا تلخ ترین باب تھی جسے انہوں نے مناب سے بھی چھپا رکھا تھا۔
''میں نے سوچ لیا ہے میں شادی کروں گا تو صرف مناب سے۔'' ولی نے حتمی انداز میں فیصلہ سنایا تو ایک طویل سانس لیتے ہوئے زری آپا صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''ٹھیک ہے تمہارا ولیمہ اٹینڈ کر کے اگلے روز ہی میں واپس چلی جاؤں گی۔ تمہیں اپنی زندگی کو اگر تجربات کی نذر کرنے کا شوق ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں...... مجھے تو اسی دن اس لڑکی پہ شک ہو گیا تھا۔ جب یہ لڑکی ہماری انگلینڈ آمد کی پروا نہ کرتے ہوئے آکسفورڈ اسٹریٹ، اپنے نام نہاد عاشق کے پاس ویک اینڈ گزارنے چلی گئی تھی۔'' زری آپا کہتے ہوئے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔۔ اور ولی وہیں صوفے پر بیٹھا رہ گیا تھا۔ اس کے لیے اس شرمناک صورتِ حال کو ہینڈل کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔
دوسری طرف مناب، اسپتال میں زیرِ علاج اُقصم کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہی تھی مگر اسے اسپتال جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی...... تاکہ اُقصم اسے دیکھ کر پھر سے ڈسٹرب نہ ہو جائے...... مناب کی تو جیسے خوشیوں کو نظر ہی نہیں لگ گئی تھی...... اُقصم کو ہوش آ گیا تھا مگر وہ بالکل خاموش تھا کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ سمیرا بیگم اس کی دیوانوں جیسی حالت دیکھ کر روتی رہتیں...... اخبارات میں اُقصم کے حوالے سے طرح، طرح کی خبریں شائع ہو رہی تھیں...... کوئی اس قصے کو قاتلانہ حملہ قرار دے رہا تھا تو کوئی خودکشی کا نام دے رہا تھا۔ میڈیا والے اسپتال کے باہر جمع ہو گئے تھے۔ وہ نور منزل کے مکینوں کے تاثرات ریکارڈ کرنا چاہتے تھے مگر اُقصم کی فیملی نے چپ سادھ رکھی تھی۔
پہلے مناب کی شادی کے جو فنکشنز دھوم دھام سے ہونا تھے اب وہ سادگی سے ادا کرنے پر اکتفا کر لیا گیا تھا۔ میڈیا والے اپنے چینل پہ سب سے پہلے بریکنگ نیوز چلانے کے لیے اس سارے قصے کی نہ جانے کہاں، کہاں سے چھان بین کر رہے تھے۔ بالآخر ایک چینل نے جانے کہاں سے اُقصم کی خودکشی کا راز معلوم کر لیا تھا اور اسے بریکنگ نیوز بنا کر چلا دیا تھا اب میڈیا میں واضح طور پر اُقصم کے ساتھ مناب کا نام لیا جا رہا تھا۔ کیونکہ اُقصم کی شہرت ایک گلوکار کی حیثیت سے بھی ہو گئی تھی۔
ولی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے، زری آپا نے وہی نیوز چینل لگا رکھا تھا جہاں مناب اور ولی کے افیئر کی خبر سنائی جا رہی تھی اور اُقصم کی خودکشی کے اصل حقائق بھی۔
''لو سن لو اپنی ہونے والی بیوی کے قصے...... پوری دنیا سن رہی ہے...... میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔'' زری آپا نے غصے میں ولی کو دیکھا جس نے پریشانی سے سر تھام رکھا تھا۔
''آپا پلیز ریلیکس...... یہ میڈیا والے تو تماش بین ہیں، اپنے چینل کی ریٹنگ بڑھانے کے لیے ایک عام خبر کو بھی مرچ مسالا لگا کر سنسنی خیز بنا کر پیش کرتے ہیں...... ابھی داؤد انکل سے میری بات ہوئی ہے، انہوں نے اس چینل کے خلاف قانونی کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انکل داؤد خود بہت غصے میں ہیں۔'' ولی نے وضاحت دی...... جواباً وہ اور زیادہ بھڑک اٹھیں۔
''خالی غصے سے کیا ہوتا ہے؟ اپنے ساتھ، ساتھ یہ ہماری عزت بھی ڈبونے پہ تل چکے ہیں...... اُدھر امریکا سے میرے سسرال والوں نے مجھے فون کر، کر کے اس خبر کے بارے میں جاننے کے لیے میرا سر کھا رکھا ہے...... کس، کس سے میں جھوٹ بولوں کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔''
''آپا آپ کا جو دل چاہتا ہے وہ آپ اپنے سسرال والوں کو بتائیں...... آپ کو ان لوگوں کے علاوہ کسی کی پروا ہوتی ہی کب ہے......؟ عارفہ کا غم آج تک نہ آپ کے دل سے جا سکا...... شاید اسی لیے آپ کو میرا گھر بسنے کی کوئی خوشی نہیں۔'' ولی کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''عارفہ تمہاری بچپن کی منگیتر تھی...... سندھی وہ میری...... محبت کرتی تھی تم سے...... مگر تمہیں کیتھرین میں نہ جانے کیا نظر آیا......تم نے اس کم بخت کی خاطر عارفہ کو ٹھکرا دیا آج تک تمہاری اس حرکت پہ ندیم...... (زری کا شوہر) کے طعنے سنتی ہوں میں...... کیتھرین سے جان چھوٹی تو جانے تمہیں مناب میں کیا نظر آ گیا؟ ضد کر کے میری مخالفت کے باوجود تم نے مناب کو اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ کر لیا...... میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں اپنی زندگی کو تجربات کی نذر مت کرو......اور ایسی لڑکی سے شادی مت کرو، جس کے اپنے کزن کے ساتھ عشق کے قصے یوں میڈیا پر دکھائے جا رہے ہوں۔'' زری آپا کا لہجہ تلخی لیے ہوئے تھا...... اس سارے قصے میں ولی کے دماغ کی دہی بن گئی تھی۔ وہ خود بھونچکارہ گیا تھا۔ اور کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ مگر زری آپا کی باتیں بھی کوئی غلط .... نہیں تھیں ان کی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

عنایہ اور زارون، اسپتال میں اقصم کے پاس تھے، داؤد چوہدری، سمیرا بیگم اور نور بیگم کا شانۂ عمر میں ساجدہ بیگم اور ڈاکٹر عمر کے پاس اس اچانک اور حیران کن ہونے والے واقعے پر سوچ بچار اور آئندہ کے لائحہ عمل سے متعلق بات کرنے گئے ہوئے تھے۔

''ساجدہ آپا میں کن الفاظ میں آپ سے معذرت کروں...... میرے بیٹے کی اس جذباتی اور احمقانہ حرکت سے ہمارے ساتھ، ساتھ آپ کو جس دکھ، تکلیف، پریشانی اور بدنامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، میں اس پر انتہائی شرمندہ ہوں۔'' داؤد چوہدری سر جھکائے معذرت کر رہے تھے۔ ان کے سامنے بیٹھی ساجدہ بیگم نے تفکر اور پریشانی سے اپنا جھکا سر اٹھایا۔

''مناب تو ہمیشہ سے اقصم کو اپنا چھوٹا بھائی سمجھتی رہی ہے اسے کیا معلوم تھا کہ اقصم اس کے لاڈ، پیار اس کے ناز نخروں کا کوئی اور ہی مطلب سمجھ لے گا۔ ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔'' ساجدہ بیگم از حد پریشان تھیں۔

''آپا آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے، ہم سب جانتے ہیں یہ بات۔'' وہ فوراً بولے ''مگر اس احمق لڑکے کے دل میں مناب کے لیے کوئی سوفٹ کارنر موجود تھا تو اسے پہلے ہمیں بتانا چاہیے تھا۔ ہم مناب کا ولی سے رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی کوئی راستہ نکال لیتے۔ مناب کی منت سماجت کر کے اسے اس رشتے کے لیے راضی کر لیتے...... مگر یہ لڑکا دو سال اپنے اندر محبت کے اس طوفان کو چھپائے بیٹھا رہا اور اب اچانک ہی سب بند توڑ بیٹھا۔'' داؤد چوہدری کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ عود کر آیا تھا۔

''اب تو جو ہونا تھا ہو چکا داؤد...... آپ ان تین دنوں میں پچاس بار یہ بات دہرا چکے ہیں، شکر کریں میرے اقصم کی جان بچ گئی۔ اللہ نے ہماری دعائیں سن لیں۔ اگر میرے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتی۔'' سمیرا بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''اور اوپر سے میڈیا والے بال کی کھال اتارنے پر تلے ہوئے ہیں...... صبح ولی کی بڑی بہن کا فون آیا تھا وہ الگ ہم سے شکوہ کر رہی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ میڈیا والے آج صبح سے ان کے گھر کے سامنے موجود ہیں اور ان سے اقصم کی خودکشی کے اصل حقائق جاننا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر عمر نے پریشانی سے بتایا۔

''مناب تو ان دو چار دنوں میں کملا کر رہ گئی ہے۔'' ساجدہ بیگم کے لہجے میں اپنی بیٹی کے لیے بے پناہ دکھ اور پریشانی جھلک رہی تھی۔

''نہ جانے میرے بچوں کو کس کی بری نظر لگ گئی۔'' نور بیگم بھی آبدیدہ ہو گئیں۔

"اب اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" سمیرا بیگم نے پریشانی سے شوہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرا تو دماغ ماؤف ہوگیا ہے۔" داؤد چوہدری نہایت مجبور و بے بس دکھائی دے رہے تھے...... اسی اثنا میں ڈاکٹر عمر کے موبائل کی بیل بج اٹھی۔

"ولی کی کال ہے۔" ڈاکٹر عمر نے کہتے ہوئے کال پک کی۔

"یا اللہ خیر......!" نور بیگم نے دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند کیے۔

ڈاکٹر عمر کال سنتے ہوئے پریشانی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مگر ولی، اس میں مناب کا کیا قصور ہے؟" ان کے لہجے میں ازحد پریشانی تھی۔ "ولی، میری بات سنو، ولی، ہیلو......؟ ولی...... بات سنو۔" دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔ ڈاکٹر عمر نے دل گرفتہ ہو کر موبائل کو دیکھا ان کے چہرے پر ایک نئی پریشانی درج تھی۔

"کیا کہہ رہا تھا ولی......؟ خیر تو ہے؟" ساجدہ بیگم نے تشویش بھری نگاہوں سے عمر کو دیکھا۔

"ولی نے اس شادی سے انکار کر دیا ہے۔" ڈاکٹر عمر نے دل گرفتہ انداز میں اطلاع دی تو ساجدہ بیگم غم سے رونے لگیں۔

کاشانۂ عمر میں بیٹھے بھی افراد اس افسوس ناک خبر پر غم زدہ ہو گئے تھے۔

آنسو، آہیں، تنہائی، ویرانی اور غم مسلسل
اِک ذرا سا عشق ہوا تھا کیا، کیا ورثے میں دے گیا

مناب کی حالت قابلِ رحم تھی۔ کہانیاں لکھتے، لکھتے وہ خود ایک کہانی بن گئی تھی۔ تماشا بن گئی تھی...... اقصم نے تو جو جذباتی قدم اٹھایا تھا اور جو بے وقوفی کی تھی سو کی تھی...... رہی سہی کسر ولی نے اس رشتے سے انکار کر کے پوری کر دی تھی۔

دوسری طرف اسپتال میں اقصم نے ہنگامہ مچا دیا تھا۔ اس نے اپنے بازو پر لگی ہوئی ڈرپ اتار پھینکی تھی، زارون اور عنایہ نے گھبرا کر اس صورتِ حال میں داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کو فوری اسپتال آنے کو کہا۔

"پتا نہیں یہ لڑکا اب کیا گل کھلانے والا ہے۔ عنی بیٹا تم پریشان مت ہو...... میں ابھی اسپتال آرہا ہوں۔" فون سننے کے دوران انہوں نے عنایہ کو تسلی دی اور خود وہ عجلت میں صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب کیا ہوگیا ہے...... اقصم ٹھیک تو ہے ناں......؟" سمیرا بیگم بھی تشویش اور پریشانی سے اٹھ کھڑی ہوئیں بلکہ لونگ روم میں بیٹھے تمام نفوس نے گھبرا کر داؤد چوہدری کو دیکھا تھا۔

"پاگل ہو گیا ہے تمہارا بیٹا...... عشق نے عقل ماؤف کر دی ہے تمہارے بیٹے کی...... اس نے اسپتال میں ہنگامہ مچا رکھا ہے، ڈرپ اتار پھینکی ہے، پاگلوں کی طرح روم سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے اور مسلسل ایک ہی بات دُہرا رہا ہے، مجھے مناب کے بغیر نہیں جینا اور مجھے کیوں بچایا گیا۔ اسی طرح کی فضول بکواس کر رہا ہے...... کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا اس لڑکے نے مجھے۔" داؤد چوہدری غصے میں بولتے ہوئے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا کر وہاں سے باہر نکل گئے۔

"داؤد، خدا کے لیے یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں ہے۔" سمیرا بیگم عجلت میں ان کے پیچھے لپکیں۔ "میرا بیٹا اس وقت زندگی سے مایوس ہو کر اپنی جان لینے کی باتیں کر رہا ہے اور آپ......"

"جاؤ عمر میرے بچے...... تم داؤد کے ساتھ جاؤ...... بہت پریشانی میں وہ یہاں سے گیا ہے۔" نور بیگم نے

متفکر ہو کر ڈاکٹر عمر سے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔
''اماں مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا...... یہ زندگی میری بیٹی کے ساتھ کیسا کھیل، کھیل رہی ہے؟'' ساجدہ بیگم ایک بار پھر رونے لگیں۔ نور بیگم خود بھی آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

اجڑ اجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ برگ، برگ اداسی بکھر رہی ہے میری
کہ شاخ، شاخ اترتی ہے تیرے ہجر کی شام
میرے سفر میں اِک ایسا بھی موڑ آتا ہے
جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام
بہت عزیز ہیں دل کو یہ زخم، زخم رُتیں
انہی رُتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ میرا دل، یہ سراسر نگار خانہ غم
سدا اسی میں اترتی ہے تیرے ہجر کی شام
یہ حادثہ تجھے شاید اداس کردے گا
کہ میرے ساتھ ہی مرتی ہے تیرے ہجر کی شام

مناب بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا رکھا تھا...... اس کے ہونٹ تو جیسے مسکرانا بھول گئے تھے...... اس کی آنکھیں پرنم تھیں...... اس کے خواب بکھر گئے تھے...... محبت اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی چوڑی کی طرح کچھ عرصے کے لیے کھنکی تھی اور پھر کھنک کر ٹوٹ گئی تھی۔ اقصم اور ولی نے مل کر اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔
جس تاریخ کو اسے ولی کی دلہن بن کر اپنے خوابوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔ اس تاریخ کو وہ اقصم کی دلہن بنی بیٹھی تھی...... ولی کے یوں شادی سے انکار کرنے کے بعد تمام گھر والوں نے اسے اقصم کے ساتھ نکاح کر لینے پہ اتنا پریشرائز کیا، اتنا اموشنل بلیک میل کیا کہ اس نے چپ چاپ کسی زندہ لاش کی طرح اس ناپسندیدہ رشتے کی قبر میں خود کو دفن کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
اس نکاح میں صرف گھر کے افراد شامل تھے۔ اقصم ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوا تھا، اس کے سینے پہ اب بھی آپریشن والی جگہ کے زخم کچے تھے۔ مگر اس تاریخ کو نہایت سادگی سے اقصم اور مناب کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ اور اسی روز گھر کے چند افراد کی موجودگی میں مناب کو کاشانہ عمر سے رخصت کر دیا گیا تھا۔ سب گھر والوں کے لیے یہ بہت حیران کن نکاح تھا...... جو نہایت عجلت، سادگی اور عجیب و غریب ٹینشن زدہ ماحول میں کیا گیا تھا۔ رخصتی پہ داؤد چوہدری نے ہاتھ جوڑ کر ساجدہ بیگم سے معافی مانگتے ہوئے مناب کو ہمیشہ نور منزل میں ایک بیٹی کا درجہ دیتے ہوئے اسے خوش رکھنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ سمیرا بیگم بھی اپنے بیٹے کی دلی مراد پوری ہو جانے پر خوش اور مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔ اقصم کو اپنا عشق اپنی محبت پا لینے پر اطمینان ضرور ہو گیا تھا مگر وہ دل سے خوش دکھائی نہیں دے رہا تھا، اندر سے وہ بہت بے چین ہو رہا تھا۔ مناب اسے کسی صورت بھی نارمل نہیں لگ رہی تھی...... مناب نے بالکل چپ سادھ لی تھی...... اس نے ولی سے اپنا رشتہ ٹوٹنے سے لے کر اقصم سے ایک نیا رشتہ جڑنے تک کے عرصے میں اپنے کسی ردِعمل کو ظاہر نہیں کیا تھا...... اور یہی بات شاید اقصم کو اندر ہی اندر پریشان کر رہی تھی۔

عنایہ اور ایشال..... سادہ سے کپڑوں میں ملبوس مناب کو اقصم کے کمرے میں لے آئی تھیں۔

''مناب آئی نو..... تمہارے لیے اس نئے رشتے کو قبول کرنا تھوڑا مشکل ہوگا کیونکہ یہ سب کچھ اتنا اچانک اور حیرت انگیز طور پر بالکل ڈرامائی انداز میں ہوا ہے کہ ہمارے لیے خود ایک حیران کن واقعہ ہے..... مگر نئے رشتوں کو تم جتنی جلدی قبول کرلوگی تمہاری آنے والی زندگی میں اتنی ہی جلدی آسانیاں آتی چلی جائیں گی۔ یہ غم، خوشیوں میں بدل جائیں گے۔'' عنایہ نے مناب کو اقصم کے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بڑے پیار سے سمجھایا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''مناب پلیز..... اس طرح چپ رہ کر تم اپنے ساتھ، ساتھ ہمیں بھی دکھ دے رہی ہو۔'' ایشال نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام کر پریشانی سے اسے دیکھا۔

''اقصم نے زبردستی میرے خوابوں کی تعبیر چھینی ہے..... اور ولی نے میرے کردار، میری محبت پہ سوالیہ نشان لگا کر ایک ادھورے سوال کی طرح مجھے حل کیے بغیر چھوڑ دیا۔ ان دونوں مردوں نے مل کر میری زندگی سے خوشیوں کا نام و نشان مٹا ڈالا۔ اب میں کیا بولوں؟ مجھے چپ رہنے دو..... بس مجھے چپ ہی رہنے دو.....'' مناب بولتے، بولتے بے اختیار ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ ایشال اور عنایہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں وہ جو کہہ رہی تھی غلط ہرگز نہیں تھا..... زندگی کبھی، کبھی ہمیں نہ جانے ایسے موڑ پر کیوں لے آتی ہے جہاں انسان کی مجبوریاں اسے اتنا بے بس کردیتی ہیں کہ وہ اپنی ہی ذات میں بکھرنے لگتا ہے۔ خود کو تنہا اور لاچار محسوس کرنے لگتا ہے۔ مناب کو بھی اس وقت ایسی ہی دل گرفتہ اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ گھر کے بڑوں نے بھی اسے پیار سے سمجھایا تھا، تسلی دی تھی..... پرانی باتیں اور پرانے رشتے بھول کر نئے جڑنے والے ان رشتوں کو اپنانے کی التجا کی تھی..... مگر وہ خاموشی سے سر جھکائے ان سب کی باتیں، گزارشیں اور نصیحتیں سنتی رہی تھی۔ آہستہ، آہستہ سب اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ آخر میں اقصم سنبھل، سنبھل کر چلتا ہوا کمرے میں آیا تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کر رکھا تھا وہ تاسف سے سر جھکا کر بیٹھی مناب کو دیکھتا ہوا بیڈ کی طرف آیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی پریشانی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا..... میں نے آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ضرور ہے مگر میں نے آپ کو اس طرح زبردستی آپ کی رضامندی کے بغیر اپنی زندگی میں شامل کرنے کی بھی خواہش نہیں کی تھی۔'' وہ سنبھل کر مناب کے مقابل بیڈ پر بیٹھتا ہوا دھیرے سے شرمندہ انداز میں بولا۔

''اب تو سکون مل گیا ناں تمہیں میری زندگی برباد کرکے..... مجھے بدنام کرکے..... میری محبت کو زندہ درگور کرکے.....؟'' مناب نے روتے ہوئے سر اٹھایا..... تو وہ اور بھی بے چین ہو اٹھا۔ بے اختیار اقصم نے مناب کے ہاتھ تھامنے چاہے تو مناب نے نہایت غصے اور طیش میں اپنے ہاتھ پیچھے کرلیے۔

''خبردار اگر جو تم نے مجھے ہاتھ لگایا یا چھوا تو..... تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ تم قاتل ہو میری خوشیوں کے..... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' مناب نے روتے ہوئے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے ہذیانی انداز میں کہا۔

''میں مانتا ہوں مناب..... میں نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا مگر میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوگیا تھا..... آپ کے عشق نے مجھے اندھا اور پاگل کر رکھا تھا۔ آئی سوئیر میں نے ہمیشہ آپ کو آپ کی رضامندی سے حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر آپ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہونے کی خبر نے مجھے پاگل کردیا..... میری برداشت کی تمام حدیں ٹوٹ گئیں، میری محبت..... میرے عشق کو آپ کا کسی اور کا ہونا گوارا نہیں ہوا..... میرے علاوہ آپ کو کوئی

اور دیکھیے، آپ کو کوئی اور چھوئے، یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ مناب میں نے آپ سے عشق کیا ہے لازوال عشق...... میں آپ کو اتنی محبت دوں گا، آپ سے اتنا پیار کروں گا کہ آپ...... آپ ولی کو بھول جائیں گی۔'' اقصم دیوانوں کی طرح اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے اس کے قریب آیا تو مناب نے غصے میں اسے خود سے دور کرنے کے لیے دھکا دیا...... غصے میں مناب کا ہاتھ زور سے اس کے سینے پر زخم والی جگہ پر اتنے زور سے لگا کہ اگلے ہی لمحے شدید درد کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی اور بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے آنکھیں بھینچ لیں۔ اس کے سینے میں اتنا شدید درد اٹھا تھا کہ وہ تکلیف سے دہرا ہو گیا۔

''اقصم، کک...... کیا ہوا؟'' معاً مناب اسے اتنی تکلیف میں دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ ''اقصم زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟'' وہ اپنا غصہ اور نفرت بھول کر بے ساختہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے، دھیرے مسلنے لگی تھی۔ فطری طور پر وہ ایسی ہی تھی جلد پسیج جانے والی، دوسروں کے دکھوں اور تکلیفوں پر تڑپ جانے والی۔

''تم بہت برے ہو اقصم...... اپنے ساتھ، ساتھ تم نے مجھے بھی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔'' مناب پھر سے رونے لگی تھی۔ اب خاموش رہنے کی باری اقصم کی تھی...... اسے اندھیرے میں ایک ننھی سی روشنی کی کرن دکھائی دے گئی تھی...... اور وہ اس امید کی کرن سے اپنی اور مناب کی زندگی سے اندھیرے دور کرسکتا تھا۔ ولی کی یاد کو اس کے دل سے مٹا سکتا تھا۔ وہ اس کی تکلیف پر اب بھی یوں بے چین ہو سکتی تھی تو اس کی بے پایاں محبت پہ پسیج بھی تو سکتی تھی ناں......

''اٹس اوکے...... آپ روئیں مت...... پہلے بہت درد تھا...... مگر اب کم ہو گیا ہے۔'' اقصم اس کے سامنے سے اٹھ گیا...... اور احتیاط سے چلتا ہوا بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھ گیا۔ اس کی محبت کی کہانی بڑے عجیب انداز میں شروع ہوئی تھی۔

☆☆☆

نواز لغاری کے ساتھ دو دن بھوربن میں گزار کے دلنشیں (زویا) کو کئی فائدے ہوئے تھے۔ اس نے نواز لغاری کے ایک فون پر اس ایس ایچ او کو معطل کروا دیا تھا۔ جس نے اسے بلیک میل کیا تھا...... اور اسجد پہ نواز لغاری نے بے حساب پولیس کیس بنا کر اسے کم از کم بیس سال کے لیے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تھا۔ شوبز میں دلنشیں کی خوب صورتی نے کئی ماڈلز اور اداکاراؤں کی چھٹی کر دی تھی۔ اپنی خوب صورتی اور ایٹی ٹیوڈ سے مردوں کو تسخیر کر لینا اب اس کے لیے مشکل نہیں رہا تھا...... یہی وجہ تھی کہ کراچی میں ہونے والے پانچ روزہ انٹرنیشنل فیشن فیسٹول میں اپنی شاندار کیٹ واک اور خوب صورتی سے دلنشیں نے وی آئی پیز میں بیٹھے زاردن چوہدری کو متاثر کر کے ہی چھوڑا تھا۔ فرقان اس فیشن فیسٹول میں اس کے ساتھ تھا...... اسی نے دلنشیں کا تعارف داؤد ٹیکسٹائل اور زاردن ٹیکسٹائل کے اونر زاردن چوہدری سے کروایا۔ زاردن کو دیکھ کر کتنے ہی لمحے وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پائی تھی...... یہ وہی گھمنڈی امیرزادہ تھا جو اسے اور اس کے مرتے ہوئے باپ کو سڑک پر چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ تب زویا نے روتے اور چیختے ہوئے اس مغرور شخص کی منتیں کی تھیں، شاکر حسین کو اسپتال پہنچانے کے لیے التجائیں کی تھیں مگر وہ شخص اس کے مرتے باپ کو چھوڑ کر رعونت سے آگے بڑھ گیا تھا۔ تب اس شخص نے زویا سے التجائیں کروائی تھیں۔ اب دلنشیں کو زاردن سے التجائیں کروانا تھیں۔ اس کی ناک کی لکیریں نکلوانی تھیں...... اس پر اپنی جھوٹی اور مکار محبت کا جال پھینک کر اسے پھنسانا تھا، اس کی زندگی برباد کرنی تھی۔ اس کے لیے اس نے اپنے ذہن میں پلان ترتیب دے دیا تھا۔ کراچی سے لاہور واپسی پر اس نے اسی ائر لائن کے طیارے میں اپنی بزنس کلاس سیٹ کی ٹکٹ کنفرم کروائی تھی جس میں زاردن کو سفر کرنا تھا۔

☆☆☆

اقصم کے پڑوسی ملک میں ایک فلم میں گائے گانے کافی ہٹ ہوئے تھے۔ ہر طرف اس کے گانوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی...... اسے پڑوسی ملک سے گائیکی کی مزید آفرز آرہی تھیں...... مگر وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوکر اپنے اس فن کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ سو نکاح کے بعد اس نے کوئی نیا پروجیکٹ سائن نہیں کیا تھا...... نور منزل میں مناب جیسی شخصیت کے اضافے سے سبھی خوش اور مطمئن تھے مگر وہ بہت خاموش رہتی تھی۔ اقصم اور مناب میاں، بیوی جیسے خوب صورت بندھن میں بندھنے کے باوجود ایک دوسرے سے دور تھے...... پہلے دن سے ان دونوں کے درمیان جو دوری کا رشتہ استوار ہوا تھا وہ اب بھی قائم تھا...... اقصم نے اس دوری کو بارہا توڑنے کی کوشش کی تھی مگر مناب نے تو جیسے اسے قریب نہ آنے دینے کی قسم کھا رکھی تھی...... وہ اس سے محبت کا اظہار کرتا تو اسے ولی کی محبت بھری باتیں یاد آنے لگتیں...... وہ اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں اس کے دل کو... لہولہان کرنے لگتیں۔ عشق تو اقصم نے کرلیا تھا اور اسے زبردستی اپنی زندگی میں شامل بھی کرلیا تھا مگر اقصم کا یہ عشق اب ہر پل اس سے امتحان لینے لگا تھا۔

اس نے اپنے عشق کو پالیا تھا مگر پھر بھی ادھورا تھا...... وہ چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ ہوتی مگر وہ اس کی نہیں ہی تھی...... وہ اس سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا مگر اس کے دل میں آج بھی ولی کی یاد کی شمع روشن تھی، وہ ہر روز ولی کی یاد کو اس کے دل سے مٹانے کی کوشش کرتا مگر ناکام رہتا...... وہ اس کی خوشیوں کا قاتل تھا...... اسی کی وجہ سے مناب کی محبت بے یقین ہوئی تھی...... ولی اسے ٹھکرا کر چلا گیا تھا...... ساری دنیا اس انہونی بات کو بھول سکتی تھی مگر وہ اپنے دل پر نقش یادوں کو، باتوں کو نہیں مٹا سکتی تھی۔ اس کے دل میں آج بھی صرف ولی کے لیے محبت اور اقصم کے لیے نفرت ہی بھی۔

اقصم کافی دیر سے وارڈ روب کھولے اپنی کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا اور وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اجڑے ہوئے دل کو بہلانے کے لیے خالی نظروں سے ٹی وی پہ نظریں مرکوز کیے ہوئے تھی۔

"میری وائٹ شرٹ نہیں مل رہی...... پلیز آپ ڈھونڈ دیں...... مجھے جنید کے ساتھ کہیں جانا ہے دیر ہو رہی ہے مجھے۔" وہ مایوس اور الجھے ہوئے انداز میں اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"تمہاری گم شدہ چیزوں کو ڈھونڈ کر دینے کا میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا...... پینو سے کہو وہ ڈھونڈ دے گی...... میرے سر میں درد ہے۔" لٹھ مار جواب دیا گیا۔

"کیا ہوا...... درد کیوں ہے آپ کے سر میں؟ کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں۔" وہ فکرمندی سے اس کے قریب بیٹھا تو مناب نے اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں۔

"لائیں، میں آپ کا سر دبا دوں۔" اقصم اس کا سر دبانے کے لیے آگے ہوا۔

"سر کے بجائے گردن دبا دو میری...... جان چھوٹ جائے گی میری تم سے۔" مناب نے غصے میں اس کے ہاتھ جھٹکے...... اقصم چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

"مناب پلیز بھول جائیں پرانی باتوں کو...... جو ہوا وہ یقیناً برا تھا...... میں نے آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش ضرور کی تھی مگر میں مانتا ہوں...... میں نے آپ کو غلط طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے، زبردستی آپ کو اپنے نکاح میں باندھا ہے...... لیکن کب تک ہم یوں ایک دوسرے کے ساتھ اجنبی بن کر رہیں گے...... آپ کی یہ بیگانگی مجھے بہت دکھ دیتی ہے، بہت تکلیف دیتی ہے۔" اقصم نے مجبور و بے بس لہجے میں کہا۔

"لوگوں کے سامنے مجھے تماشا بنا کر زبردستی اپنی زندگی میں شامل تو کرلیا ناں، اپنی دلی مراد تو پوری کرلی تم

نے......؟ اب زبردستی مجھے محبت کرنے پر مجبور مت کرو...... محبت کہنے یا کروانے سے نہیں ہوتی...... یہ خود ایک چشمے کی طرح دل کی بنجر زمین کو سیراب کرتی ہے...... اس کی زمین پر خودرو پودے کی طرح خود پھول اگلتے ہیں۔ زبردستی میرے بنجر دل میں اپنی محبت کے پھول اگانے کی کوشش مت کرو......" آنسو اس کی خوب صورت آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے وہ آنسو اس کے رخساروں کے بجائے اقصم کے دل پر گررہے تھے۔

☆☆☆

ان دونوں کے درمیان ان فاصلوں اور دوریوں کو دیکھتے ہوئے داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم نے انہیں کچھ دن کے لیے ملائشیا بھیجنے کا فیصلہ کیا...... مگر اس پر بھی مناب نے کمرے میں آکر اقصم سے خوب احتجاج کیا تھا...... اور اقصم الجھن اور پریشانی میں اپنی فرسٹریشن دور کرنے کے لیے جنید کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

''ویسے اقصم تیری یہ عجب پریم کی غضب کہانی سن کر بہت افسوس ہوا ہے مجھے۔'' جنید نے اسپورٹس کار چلاتے ہوئے گم صم بیٹھے اقصم کو دیکھا۔

''تو صرف افسوس ہی کرتا رہ حل نہ بتا اس مسئلے کا......'' اقصم جھنجلایا۔

''تو کیا ضرورت تھی تجھے not for sale جیسی چیز کو زبردستی حاصل کرنے کی...... تیرے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی...... اب تو تیری گلوکاری کی وجہ سے ہزاروں لڑکیاں تجھ پر مرتی ہیں، تیری آواز، تیری پرسنالٹی کی مداح ہیں...... جنونی اور کریزی ہیں تیرے لیے۔ پھر کیا ضرورت تھی تجھے اپنی شہرت کی ان بلندیوں پر شادی جیسا پھندا گلے میں ڈالنے کی......؟ دو سال تو جب شاہ کا روزہ رکھ کر بیٹھا رہا اور اس کے مایوں والے دن تو شاہ رخ خان بن کر اس کی خوشیوں بھری زندگی کی ایسی کی تیسی پھیرنے دوڑا چلا آیا...... مان لے اقصم چوہدری تو نے اس عشق کے معاملے میں بہت بڑی جھک ماری ہے۔ اسے اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کے بجائے تو خود اپنے ہی جال میں پھنس گیا ہے۔ تو نے اپنی محبت کو زبردستی چھینا ہے اب بھگت......'' جنید کو اسے لتاڑنے کا اچھا موقع ملا ہوا تھا سو وہ اس کی درگت بنا رہا تھا۔

''کبھی کبھی تو مجھے اپنا دوست نہیں دشمن لگتا ہے...... میں اس ایک مہینے میں ستر بار تیری یہ فضول بکواس سن چکا ہوں...... مجھے اس مسئلے کا حل بتا ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' اقصم نے اسے ڈپٹتے ہوئے جھنجلا کر کہا تو جنید مسکرانے لگا۔

''ویسے تو اس بندی کا سب سے احمق عاشق ہے...... اب میں تجھے کیا رومانس کے طریقے بتاؤں گرل فرینڈ کو پٹانا بہت آسان ہوتا ہے میرے یار...... مگر اس بیوی نام کی عورت کو پٹانا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔''

''سچ کہا ہے کسی نے بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہوتا ہے۔'' اقصم نے غصے میں جنید کو گھورا...... جنید نے اس کی بیچارگی پر قہقہہ لگایا۔

''اللہ کے بندے...... تو سیدھے سادے طریقے سے اپنی بے پایاں محبت کے ساتھ اس کے دل سے ولی کا نقش مٹا سکتا ہے...... عورت ذات تو ویسے بھی محبت نام کے ورد سے بڑی جلدی موم ہو جاتی ہے تو اسے اپنی محبت کا آئینہ دکھاتا رہ...... ایک نہ ایک دن وہ اپنا عکس اس آئینے میں دیکھنے پر مجبور ہو جائے گی...... یہی حل نظر آرہا ہے مجھے تو......'' جنید کی بات پر اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا...... جنید کے ساتھ وقت گزار کر اس کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے وہ ریلیکس ہو گیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ واپسی پر رات کو گھر آتے ہوئے اس نے مناب کے فیورٹ پھولوں کی باسکٹ تیار کروائی اور اس کے لیے ایک قیمتی ڈائمنڈ کی رنگ خریدی تھی۔ نور منزل میں داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کسی پارٹی میں گئے ہوئے تھے...... اقصم تھوڑی دیر نور بیگم کے پاس بیٹھ کر ان کی دعائیں لے کر

اوپر اپنے روم میں آیا تو مناب گردن تک کمبل تانے لیٹی ہوئی تھی...... دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں...... اقصم کمرے میں بیڈ کے پاس کھڑا کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ کیا، کیا خواب دیکھے تھے اقصم نے کیا، کیا خواہشیں کی تھیں اس نے مناب کے حوالے سے اور اس کے خوابوں کو کیا تعبیر ملی تھی۔ اس کی خواہش کس طرح ملیا میٹ ہوئی تھیں...... اس کے دل پہ مناب کی خفگی، غصے، نفرت اور بے گانگی کے جو عذاب اتر رہے تھے وہ اقصم کا دل ہی جانتا تھا...... جسے دل کی گہرائی سے چاہا ہو وہی نظرانداز کرے...... سامنے بیٹھ کر ایک اجنبی جیسا رویہ روا رکھے تو دل پر کیا گزرتی ہے...... وہ پچھلے ایک مہینے سے دن رات یہ درد، یہ تکلیف سہہ رہا تھا۔

اقصم نے فلاور باسکٹ بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھ دی...... اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا...... ”ویسے آپ سونے کی بہت بری ایکٹنگ کر رہی ہیں۔“ اقصم نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے سے اس کا بازو ہٹایا۔

”میرے قریب مت آؤ... اور پلیز مجھے اپنی ان فضول باتوں سے بور مت کرو....“ خفگی سے اٹھ کر بیٹھتی مناب نے اپنے کھلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

”ویسے بور تو آپ بھی مجھے کر رہی ہیں۔ اب رات کے اس وقت میں آپ کو کوئی رومینٹک جوک سناؤں گا تو آپ پھر بھی اعتراض کریں گی۔“ اقصم کی بات پر مناب نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

”کھلے بال آپ پر زیادہ اچھے لگتے ہیں۔“ اقصم نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال بکھیرے۔

”ڈونٹ ٹچ می......“ وہ غصے سے دہاڑی۔

”آپ کو مجھ پر غصہ ہے، کم از کم اپنے اور میرے درمیان اس میاں، بیوی کے رشتے کا ہی لحاظ کر لیا کریں۔ ہر وقت زہر اگلتی رہتی ہیں آپ...... کبھی تو کسی بات کا نارمل جواب دے دیا کریں۔“

”میاں، بیوی......؟ مائی فٹ...... نفرت ہے مجھے اس جھوٹے رشتے سے...... زبردستی کے رشتے سے۔“ مناب ہنوز غصے میں کمبل ایک سائڈ پر پھینکتی ہوئی بیڈ سے اٹھی...... مگر اگلے ہی لمحے اقصم نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے واپس اپنے پاس بٹھا لیا۔

”مار دو جان سے کوئی غم نہیں پر یہ سزا مت دو......
کہ ہمارے سامنے بیٹھ کر ہم کو تم اجنبی سے لگو“

اقصم کے لہجے میں دکھ تھا، بے پناہ تکلیف تھی۔

”اقصم میرا بازو چھوڑو......“ مناب نے حتمی انداز میں غصے سے کہا۔

”کیوں چھوڑ دوں؟ حق ہے میرا آپ پر...... بیوی ہیں آپ میری......“ اقصم نے جتاتے ہوئے اسے خود سے قریب کیا۔

”ایک کاغذ کے ٹکڑے پر سائن ہی تو کیے ہیں میں نے...... میرے دل میں تمہارا کوئی مقام نہیں۔“ مناب کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ اقصم نے ہمیشہ اس کا پیار دیکھا تھا، اس کا غصہ پہلی بار دیکھ رہا تھا پہلی بار اس کی ضد سے یوں واسطہ پڑا تھا اقصم کا...... وہ اتنی غصیلی بھی ہو سکتی تھی یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا آپ بلاوجہ اتنی ضد کیوں کر رہی ہیں؟ آپ کے سابقہ منگیتر ولی مرتضیٰ نے اپنی بہن کی نند سے شادی تک کر لی ہے...... یہ دیکھیں اپنی حسین زندگی کی یادگار فوٹو گرافس انہوں نے فیس بک پر لگا رکھی ہیں پھر آپ ان کی جدائی میں کس بات کا سوگ منا رہی ہیں؟ یہ وہی حضرت تھے ناں جو آپ کو اپنی پہلی اور آخری محبت قرار دیتے تھے...... دس دن نہ آپ کی جدائی میں گزار سکے۔“ اقصم نے دوسرے ہاتھ سے اپنا موبائل پاکٹ سے نکالا اور فیس بک پر لگی ولی مرتضیٰ کی ہنستی مسکراتی شادی کی تصویریں مناب کو دکھائیں...... مناب کا پورا جسم جیسے بے جان

چپ کرانے کی مشین

شوہر اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لیے لے کر گیا۔ ڈاکٹر نے بیوی سے پوچھا۔
''آپ کی طبیعت کب سے خراب ہے؟''
بیوی نے جواب دیا۔ ''میں صبح اٹھی تو میرا سر بھاری، بھاری سا تھا۔ خیر میں نے اٹھ کر بھینسوں کو چارا ڈالا۔ منے کو دودھ دیا، منے چھوٹو کو اسکول کے لیے تیار کیا۔ جھاڑ و پونچھا کیا۔ برتن اور کپڑے دھوئے۔ کھانا پکایا۔ ان کے چچا کی لڑکی آئی ہوئی تھی بچوں کے ساتھ گاؤں سے، خیر سے اس کے بچوں کو سنبھالا، اپنے بچوں کی دیکھ بھال کی۔ بچوں نے مل کرا تنا شور مچایا کہ میرا سر چکرا گیا۔ پھر جب میری طبیعت ٹھیک ہوئی تو بیس مہمانوں کا کھانا پکایا۔ مگر میرے ماتھے پر ایک بل بھی نہیں پڑا۔ کسی سے بھی پوچھ لو پچھلے دنوں الیکشن میں پورے چالیس مہمان آگئے تو ہوا کیا......''
اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے اس کے منہ میں تھرما میٹر دے دیا اور عورت کو مجبوراً چپ ہونا پڑا۔
یہ دیکھ کر اس کے شوہر کی آنکھوں میں چمک آگئی اور وہ بولا۔
''ڈاکٹر صاحب! یہ چپ کرانے کی مشین کتنے کی ملے گی؟''

مرسلہ: حنا ایوب، راولپنڈی

ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو وہ خود کو اقصم کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اب وہ کوشش اس نے ترک کر دی تھی...... اس کی نظریں ولی کی اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں جس میں ولی نے ایک خوب صورت سی لڑکی کے کندھے پر ہاتھ پھیلا رکھا تھا...... اقصم ڈائمنڈ رنگ دینے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے موبائل اسے پکڑا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جب واش روم سے ہو کر آیا تو وہ اب بھی اسی انداز میں بیٹھی تھی...... اقصم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔
''آپ کو یہ تصویریں دکھانے کا مقصد آپ کو مزید پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا...... چلیں اب سو جائیں...... جتنا ذہن پر زور ڈالیں گی خود کو اتنا ہی پریشان کریں گی......'' اقصم نے پیار سے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور خود بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آکر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر کے بعد اقصم تو سو گیا تھا مگر وہ رات مناب نے آنکھوں میں کاٹ کر گزاری تھی۔

☆☆☆

ان دونوں کے ملائشیا جانے سے ایک دن پہلے ساجدہ بیگم ایشال کے لیے ڈاکٹر عمر کا پرپوزل لے کر آئیں تو نور منزل میں سب کے چہروں پر ایک خوشگوار حیرت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔
''کتنی گھنی ہو تم...... اتنی بڑی خبر تم نے مجھ سے چھپائی۔ مجھے تم پر بہت غصہ آرہا ہے۔'' عنایہ نے مسکراتے ہوئے ایشال کو گلے لگایا۔
نور بیگم کے کمرے میں اس وقت تمام بڑوں کی گول میز کانفرنس ہو رہی تھی۔
''یہ عمر بھائی جیسے پتھر دل انسان تمہارے دل میں کب اور کیسے اتر گئے۔'' عنایہ نے اس کا ماتھا چوما۔
''پتا نہیں عینی...... یہ محبت بھی بڑی عجیب چیز ہوتی ہے، آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر چپکے سے دل میں بسیرا کر لیتی

ہے...... اور ہمیں پتا تک نہیں چلتا...... ویسے ڈاکٹر عمر بالکل بھی پتھر دل انسان نہیں ہیں۔ وہ بظاہر ایسے لگتے ہیں مگر اندر سے وہ بالکل موم کی طرح ہیں۔" ایشال نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا تو عنایہ مسکرا دی۔

"اوئے ہوئے تو جناب پوری ریسرچ کر چکی ہیں آپ عمر بھائی پہ......" عنایہ نے اس کی ٹھوڑی کو چھوا...... اسی اثنا میں مناب مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بھی خوشی سے ایشال کو گلے لگالیا...... بچپن سے ہی ان تینوں کزنز میں بے انتہا پیار تھا...... عنایہ کے ساتھ، ساتھ اب ایشال بھی اس کے ساتھ بھابی جیسے خوب صورت رشتے میں بندھ گئی تھی۔ آج وہ کتنے ہی دنوں کے بعد مسکرائی تھی۔

"تم بہت چھپی رستم ہو...... تم نے میرے بھائی جیسے مضبوط دل کے مالک شخص کو تسخیر کرلیا اور ان کے پتھر دل کو ریزہ، ریزہ کر کے خوشیوں کے کئی چشمے پھوڑ ڈالے...... مجھے یقین نہیں آرہا ایشال...... تم میری بھابی بن گئی ہو۔" مناب کے لہجے میں بے پناہ مسرت و خوشی تھی...... ایشال بلش ہو رہی تھی۔

"اب تم بھی اپنی خوشیوں کے دروازے کھول دو مناب...... اتنی مدت کے بعد تمہیں یوں مسکراتے ہوئے دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے ہمیں۔" عنایہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا...... تو پھر سے ایک سنجیدگی اس کے چہرے پر طاری ہوگئی۔

"گہری چوٹ کے زخم بھی بہت گہرے ہوتے ہیں...... یہ اتنی جلدی کہاں بھرتے ہیں؟" اس کے لہجے میں افسردگی اتر آئی تھی۔

"اقصم ان چوٹوں پر اپنی محبت کا مرہم لگانا چاہتا ہے تو اسے لگانے دو...... محبت زخموں کو بھر دیتی ہے۔" ایشال نے اسے تسلی دی۔

"اور ویسے بھی مناب...... تمہارے ہاتھ کی لکیروں میں اقصم کا نام لکھا تھا...... اب اس حقیقت کو جتنی جلدی سمجھ لوگی تمہارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا...... بڑی مما اور بڑے پاپا تمہارے لیے بہت فکر مند ہیں۔ ہم سب تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔" عنایہ نے اسے بتایا۔

"کاش خوشی بھی کسی دکان سے ملنے والے کھلونے جیسی ہوتی...... قیمت دے کر خوشی کا کھلونا خرید کر ہم اس سے خوش ہو جایا کرتے۔" اب کے مناب کی بات پر عنایہ اور ایشال دونوں ہی خاموش ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

کراچی سے لاہور اکٹھے پلین میں سفر کرنے سے زارون اور دلنشیں کو مزید ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملا تھا...... جس کی بدولت زارون نے اسے اپنی ٹیکسٹائل کی brand ambassador کے طور پر منتخب کرلیا تھا۔ دلنشیں مکمل طور پر زارون کو اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہی تھی، لڑکیوں کا اسے متاثر کروانا اور اس سے افیئر چلانے کی کوشش کرنا زارون چوہدری کے لیے کوئی نئی بات ہرگز نہیں تھی۔ وہ کروڑوں کا مالک تھا، ایک کامیاب بزنس مین اور مل اونر کا بیٹا، پرسنالٹی کے لحاظ سے ڈیشنگ تھا۔ اس کے پاس تمام وجوہات تھیں کہ لڑکیاں اس پر فدا ہوتیں اس سے فلرٹ کرنے کی کوشش کرتیں۔

مگر...... وہ عنایہ کے علاوہ کبھی کسی لڑکی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی کبھی عنایہ کے سوا اس کا کسی اور لڑکی طرف دھیان ہوا تھا۔ اس کی زندگی، بزنس اور عنایہ نام کے سرکل میں ہی گھومتی تھی...... عنایہ سے اسے والہانہ عشق تھا...... مگر اس بار نہ جانے دلنشیں میں ایسا کیا مختلف تھا کہ وہ مقناطیسی کشش کی طرح اس کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔ جانے ایسا کون سا جادو تھا اس میں کہ زارون خود کو اس کے پاس اس کے قریب جانے سے روک نہیں پا رہا تھا۔ اسے دلنشیں کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگنے لگا تھا۔ اس نے عنایہ کو کبھی چیٹ نہیں کیا تھا لیکن اب وہ چیٹ کرنے لگا

تھا۔ اس نے کبھی عنایہ سے جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن اب بولنے لگا تھا۔

اب بھی وہ بیڈ پر لیٹا موبائل ہاتھ میں پکڑے کسی ٹین ایجر کی طرح (زویا) دلنشیں سے میسج کے ذریعے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔ عنایہ سلیپنگ گاؤن میں ملبوس واش روم سے نکلی اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر چہرے اور ہاتھوں پر کریم لگانے لگی...... عنایہ نے ایک نظر آئینے سے موبائل میں مصروف زارون کو دیکھا۔

''آج کل موبائل کا استعمال کچھ زیادہ نہیں کرنے لگے ہو تم؟'' زارون نے چونک کر عنایہ کو دیکھا۔

''کم آن یار...... ایک پرانے دوست سے مدت بعد ملاقات ہوئی ہے اسی سے بزنس کے حوالے سے chat کر رہا تھا۔'' زارون نے مسکراتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا مگر اس کے دل میں عنایہ کی بات کھب گئی تھی۔

''اور کل کس دوست سے چیٹنگ ہو رہی تھی؟'' عنایہ نے کریم لگانے کے بعد ہیر برش اٹھاتے ہوئے پوچھا تو زارون اس کے سوال پر ہنس پڑا۔

''تم آج مجھے بالکل ایک ٹیپیکل بیوی لگ رہی ہو...... مڈل کلاس بیوی...... جو ایک تھانیدار تو ہو سکتی ہے مگر دوست کبھی نہیں...... جسے خواہ مخواہ وہم رہتا ہے کہ اس کا شوہر اس سے بے وفائی کر رہا ہے۔''

''تم آج کل مجھے اگنور جو کر رہے ہو...... شک تو کروں گی ناں تم پر...... حالانکہ آج کل مجھے تمہاری محبت اور توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔'' عنایہ شکوہ کرتی ہوئی بالوں میں برش کرنے لگی۔ زارون اس کے روٹھے سے انداز پر چند لمحے اسے تکتا رہا اور پھر موبائل سائڈ ٹیبل پر رکھ کر بولا۔

''ادھر آؤ میرے پاس......'' زارون کو اس کے دل سے شک نکالنا تھا۔ عنایہ برش رکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''آئی ایم سوری، پچھلے کچھ دن میں واقعی بہت مصروف رہا ہوں...... تمہیں ٹائم نہیں دے پایا۔ تمہیں واقعی میری بھرپور توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔'' زارون نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے...... ''اپنا بہت خیال رکھا کرو...... ہمارے بچے کے لیے۔''

''اولاد کتنی بڑی نعمت ہے زارون...... ماں، باپ بننے کا احساس کتنا خوب صورت ہوتا ہے اس بات کا احساس اب ہوا ہے مجھے......'' عنایہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تو زارون نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''ہاں انشاء اللہ...... وہ دن میرے لیے میری زندگی کا سب سے خوشگوار دن ہوگا جب میں اپنی اولاد کو اپنی گود میں لوں گا...... مجھے اس دن کا بے چینی سے انتظار ہے۔'' اس کے انداز پر عنایہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''اور جانتی ہو...... میری خواہش ہے کہ ہمارے ہاں...... (ٹوئنس) twins ہوں۔'' زارون نے ایک نئی فرمائش کی۔

"twins babis" عنایہ حیران ہوئی۔ ''انہیں پالے گا کون؟''

''ہم دونوں مل کر پالیں گے انہیں...... اور ہاں نینی تو بالکل نہیں رکھیں گے ہم اپنے بچوں کے لیے۔'' زارون نے محبت سے اپنا فیصلہ سنایا۔

''مگر زارون مجھے بچے پالنے نہیں آتے......'' اس نے بے بسی سے کہا تو زارون کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔

''گھر میں اتنے سارے لوگ ہیں...... بڑی اماں اور مام ہیں...... اور اب تو مناب بھی ہے۔'' زارون نے نہایت چالاکی سے عنایہ کے شک کا رخ موڑ دیا تھا۔ اور وہ بیچاری اس کی باتوں میں اس قدر مگن ہوگئی کہ اپنا شکوہ بھی بھول گئی۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ اقصم کمرے میں آیا تب بھی اس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ اقصم چند لمحے رک کر اسے دیکھتا رہا اور پھر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ شاور لینے کے بعد وہ کمرے میں آیا تو وہ تب بھی اسی انداز میں گم صم بیٹھی تھی۔ اقصم نے بالوں میں برش کیا اور اس کے سامنے بیڈ پر لیٹ گیا۔

''آپ کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں۔'' اقصم نے دھیرے سے اس کے پیروں کو چھوا...... مناب نے ناگواری سے اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔

''سر ہی دبا دیں میرا؟ آپ کی یہ بے رخی سہہ سہہ کر سر میں درد رہنے لگا ہے میرے۔'' اقصم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے فرمائش کی۔

''میرے بس میں ہو تو سر کے بجائے گلا دبا دوں تمہارا...... زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے تم نے میری......'' مناب نے لٹھ مار جواب دیا تو اس کی گلا دبانے والی بات پر اقصم مسکرا دیا۔

''کتنی ظالم ہو گئی ہیں آپ؟ آپ تو بہت رحم دل ہوا کرتی تھیں۔'' وہ کہنی کے بل بیڈ پر لیٹا پوچھنے لگا۔

''مجھے ظالم بنانے میں بھی سارا عمل دخل تمہارا ہے۔'' وہ بیڈ سے اٹھی۔

''کتنی بڑی خواہش تھی آپ کو اپنے بیڈ روم میں اپنی بیوی کے روپ میں سوتے جاگتے چلتے پھرتے دیکھنے کی...... کتنے خواب دیکھے تھے میں نے آپ کو پانے کے۔'' وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''روز کتنی حسرتیں جنم لیتی تھیں میرے دل میں آپ کو استحقاق سے چھونے کی...... آپ کو مسز اقصم کے روپ میں دیکھنے کی خواہش دن میں کتنی بار میری سانسیں روک دیتی تھی...... آپ کی ہمراہی کے خوب صورت خواب کتنی بار میرا گلا دباتے تھے...... آپ نہیں جانتی ہیں مناب...... میں نے ایک، ایک پل کانٹوں پر گزارا ہے...... کس طرح اور کب......؟ کیسے میں آپ کے لیے تڑپا ہوں آپ اس سے بھی انجان ہیں...... میں مانتا ہوں میں نے آپ کو پانے کے لیے غلط طریقہ استعمال کیا مگر بخدا یقین کیجیے میں آپ کو دکھ دے کر آپ کو ہرٹ کر کے حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجبور ہو گیا تھا، بے بس ہو گیا تھا میں...... اپنے آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مجھے، دیوانہ ہو گیا تھا میں...... جو میں نے کیا وہ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا...... پلیز مجھے معاف کر دیں...... اور اپنے دل میں میرے لیے تھوڑی سی گنجائش نکال لیجیے...... جگہ دے دیجیے مجھے تھوڑی سی...... تنگ آ گیا ہوں میں آپ کی بے رخی سے۔'' اقصم اس کا ہاتھ تھامے التجا آمیز انداز میں جذب سے بول رہا تھا مگر مناب کا دل پتھر ہو چکا تھا۔ جب دل پتھر ہو جائیں تو ان میں دھڑکنے والے جذبات بھی ان کو موم نہیں کر سکتے۔

''میرا دل تمہارا بیڈ روم نہیں ہے، جس میں دندناتے ہوئے تم اندر گھس جاؤ گے...... دل کا دروازہ بہت خاص لوگوں کے لیے کھلتا ہے۔ اور تمہارے لیے تو تا قیامت نہیں کھل سکتا...... تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' مناب نے سختی اور نفرت سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''دل کی مرادیں زبردستی پوری نہیں کروائی جاتیں...... یہ تو دلوں کو خود بخود موم کرتی ہیں اور بسیرا کر لیتی ہیں ان میں...... لہٰذا یاد رکھنا تمہارے دل کی مرادیں...... میرے دل کو نرم نہیں کر سکتیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں اسے اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اور اقصم...... وہ دل گرفتہ سا اسے جاتا دیکھتا رہا...... اس نے مناب کو حاصل تو کر لیا تھا مگر وہ اسے پا نہیں سکا تھا اور یہ دکھ بہت جان لیوا تھا...... اس کی نفرت، اس کا حد درجہ غصہ، اس کی بیگانگی اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیتی...... وہ جل، جل کر خاک ہونے لگتا...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ایسا کون سا کالا جادو کرے جس کی وجہ سے وہ اس کی اسیر ہو جائے اس کے نام کی مالا جپنے لگے...... اس سے محبت کرنے لگے...... وہ اس کے پاس تھی مگر وہ اس کی

نہیں ہوئی تھی۔ یہ دکھ، یہ تکلیف اسے دیمک بن کر کھانے لگی تھی۔

کمرے میں ایک دم اس کا دم گھٹنے لگا تھا وہ باہر لان میں آ گئی تھی' تازہ ہوا میں سانس لینے کی وجہ سے اندر کی گھٹن کم ہونے لگی تھی۔ وہ کافی دیر لان میں ٹہلتی رہی تھی...... سمیرا بیگم واش روم جانے کے لیے اٹھی تھیں۔ گلاس وال کا پردہ ایک سائڈ پر ہونے کی وجہ سے وہ لان میں مناب کو اس وقت ٹہلتا ہوا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ نہ جانے وہ اس وقت اکیلی لان میں کیا کر رہی تھی، اقصم بھی گھر میں تھا۔ اس وقت اسے اقصم کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اسی پریشانی میں وہ لان میں آ گئی تھیں۔

''مناب بیٹا تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' عقب سے سمیرا بیگم کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اُن کی آنکھوں میں تجسس تھا، فکر تھی۔

''وہ ممانی بس ایسے ہی فریش ائر میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' مناب نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

''اقصم گھر میں ہی ہے، اسے کہتی کہیں لانگ ڈرائیو پر لے جاتا تمہیں۔'' سمیرا بیگم کی بات کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا۔

''مناب بیٹا مجھے لگتا ہے تم نے اپنے اور اقصم کے رشتے کو اب بھی دل سے قبول نہیں کیا...... بیٹا اللہ جو کرتا ہے اچھے کے لیے ہی کرتا ہے...... ولی سے تمہاری شادی طے ہو چکی تھی۔ پھر اچانک اقصم کو تمہاری زندگی میں شامل کر دیا گیا...... اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ ہم سب کو تم سے بہت پیار ہے، بیٹا...... اور ہم تمہیں اس طرح اداس اور اجڑی ہوئی بستی کی طرح نہیں دیکھ سکتے...... بھول جاؤ ولی کو...... شاید وہ تمہارے لیے بہت ایبل نہیں تھا اسی لیے اللہ نے اسے تمہاری زندگی میں شامل نہیں کیا...... بیٹا انسان اپنی مرضی سے اپنی زندگی کی پلاننگ کرتا ہے مگر اللہ نے ہماری پلاننگ بہت الگ سے کی ہوتی ہے۔ ہماری زندگی سے کسے نکالنا ہے اور کسے شامل کرنا ہے یہ ہم نہیں اللہ ہمارے لیے ڈیسائڈ کرتا ہے۔ خود میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں بچپن سے ہی اپنے ماموں زاد سے انگیجڈ تھی لیکن میری قسمت تمہارے ماموں کے ساتھ آسمانوں پر جوڑ دی گئی تھی...... آج تیس سال ہو چکے ہیں ہماری شادی کو...... اور ہم ایک کامیاب خوشیوں سے بھرپور زندگی گزار رہے ہیں۔ اور تم تو خود بہت سمجھدار ہو بیٹا...... سمجھ سکتی ہو ان معاملات کو۔'' سمیرا بیگم نے پیار سے اسے سمجھایا تو وہ کسی سعادت مند بچے کی طرح اثبات میں سر ہلا گئی۔

''گڈ گرل...... چلو شاباش اب اپنے روم میں جاؤ...... تمہیں اس وقت اقصم کے ساتھ ہونا چاہیے۔'' سمیرا بیگم نے دھیرے سے اس کے کندھے پر تھپکی دی تو وہ مرے، مرے قدموں سے اندر بڑھ گئی...... مناب جب روم میں داخل ہوئی تو اقصم منہ پر تکیہ رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس پر غصے سے بھرپور نظر ڈالتی ہوئی بیڈ کی دوسری جانب رخ موڑ کر لیٹ گئی۔ اسے ولی کے ساتھ گزرا ہوا وقت رُلانے لگا...... ولی کی باتیں، اس کی چاہتیں، اس کے محبت بھرے انداز، ساون بن کر اس کے اندر برسنے لگے۔

اسے اپنا آپ بہت بے بس محسوس ہوا تھا...... وہ ایک تماشا بن گئی تھی...... زبردستی اقصم کو اس پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ اس کے اندر ایک رتی بھی سکون نہیں رہا تھا۔ انہی سوچوں میں الجھی کروٹیں بدل، بدل کر نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی۔ اقصم نے کروٹ بدلی تو تکیے پر اس کے ریشم جیسے بالوں نے اس کے چہرے کو چھوا...... وہ آنکھیں کھول کر چند لمحے گہری نیند سوئی مناب کو دیکھتا رہا ایک خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کر رکھا تھا...... کتنی بڑی خواہش تھی کہ جب وہ سو کر اٹھے تو مناب کو ہمیشہ اپنے سامنے پائے...... آج یہ خواہش پوری ہو گئی تھی...... مگر اس ادھوری خوشی نے یک دم اس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب کر دی۔ گزشتہ رات مناب

کے کہے جملے اس کا سکون غارت کرنے لگے۔
''میرا دل تمہارا بیڈروم میں نہیں ہے، جس میں دندناتے ہوئے تم اندر گھس جاؤ گے۔ دل کا دروازہ بہت خاص لوگوں کے لیے کھلتا ہے اور تمہارے لیے تو تا قیامت نہیں کھل سکتا۔''
''تمہارے دل کی مرادیں میرے دل کو نرم نہیں کرسکتیں۔'' وہ بے چین ہوکر بیٹھ گیا..... اس کی اضطراب میں ڈوبی آنکھیں اب بھی مناب پر مرکوز تھیں۔ وہ اسے حاصل کرکے بھی پا نہیں سکا تھا۔

☆☆☆

آج لمز یونیورسٹی میں اس کا کنسرٹ تھا..... وہ ناشتے کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ مناب نے ناشتا برائے نام ہی کیا تھا۔ وہ بور ہو رہی تھی سو بڑی اماں کے کمرے میں آگئی۔
''مناب میری بچی یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟'' بڑی اماں اس کے رف سے حلیے کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔
''کیا ہوا ہے نانو میرے حلیے کو.....؟'' اس نے حیرت سے اپنا سراپا ٹٹولا۔
''ذرا آئینے میں خود کو غور سے دیکھو..... کہیں سے بھی نئی نویلی دلہن نہیں لگ رہی ہو..... اور چہرہ دیکھو۔ کیسے مرجھا سا گیا ہے۔'' اسی اثنا میں سمیرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔
''اور نہیں تو کیا..... کہیں سے بھی تم اور اقصم ..... newly married couple نہیں لگتے۔''
سمیرا بیگم آگے بڑھیں..... ''اماں آپ ہی مناب کو کچھ سمجھائیں ناں..... میرا تو دل ڈوبنے لگتا ہے مناب کو اس طرح دیکھ کر۔''
مناب نے سر جھکا لیا..... بڑی اماں نے ایک طویل سانس لی۔
''تمہاری ممانی ٹھیک کہہ رہی ہیں مناب..... جو بھی ہوا اب اسے بھولنے کی کوشش کرو..... اقصم تم سے بہت محبت کرتا ہے دیوانوں کی طرح چاہتا ہے تمہیں..... آنکھوں سے بدگمانی کی پٹی اتارو گی تو اس کی بدصورت محبت کا خوب صورت چہرہ نظر آنے لگے گا تمہیں..... اللہ نے تمہارا اور اقصم کا جوڑ آسمانوں پر لکھ رکھا تھا۔ تمہارا اقصم کی زندگی شامل ہوکر آنا اس گھر کی بہو بننا قسمت میں لکھا تھا۔ اور قسمت کے لکھے کو بھلا کون ٹال سکتا ہے؟'' بڑی اماں اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ جواباً وہ خاموش رہی۔
''مناب بیٹا میں تھوڑی دیر تک سیلون جا رہی ہوں..... اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو..... میں نے تمہارا بھی اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے۔'' سمیرا بیگم نے اسے اطلاع دی۔
''مگر ممانی میں وہاں کیا کروں گی؟'' وہ بیزاریت سے بولی۔
''وہاں لڑکیاں جا کر کیا کرتی ہیں؟ کم آن سلی گرل..... چلو اٹھو شاباش کپڑے چینج کرو، ہم تھوڑی دیر تک نکل رہے ہیں۔'' سمیرا بیگم حکم دے کر چلی گئی تھیں..... اور وہ شدید ذہنی کوفت میں مبتلا ہوگئی..... وہ جس کے لیے بننا سنورنا نہیں چاہتی تھی اسی کے لیے مناب کو بننے سنورنے پہ مجبور کیا جا رہا تھا۔
سمیرا بیگم نے اس کا مینی کیور، پیڈی کیور سے لے کر فیشل تک کروا ڈالا تھا..... اس کے گھنے ریشم جیسے سلکی سیاہ بالوں کی لیئرز میں کٹنگ تک کروا ڈالی تھی..... ایک دم سے اس کی لکس چینج ہوگئی تھی۔ خوب صورت تو وہ پہلے سے ہی تھی اب پریٹی اور اسٹائلش بھی لگ رہی تھی۔ وہ دل پر پتھر رکھ کر سمیرا بیگم کی ہر بات مان رہی تھی۔ واپسی پر سمیرا بیگم اسے ایک مشہور ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ پہ بھی لے گئیں۔ وہاں سے انہوں نے مناب کے لیے جدید فیشن کے مطابق کپڑے اور سینڈلز وغیرہ خریدے..... گھر آتے ہی سمیرا بیگم نے ایک نیا حکم جاری کیا تھا۔
''شام کو یہ بلیک ڈریس پہن لینا، تم پر بہت سوٹ کرے گا..... اقصم دیکھے گا تمہیں تو اسے خوشی ملے گی۔''

لفظ خوشی پہ مناب کا دل جلنے لگا...... وہ اس شخص کو کبھی کوئی خوشی نہیں دینا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اس کی خوشیاں غارت ہوگئی تھیں۔

''مناب میری جان کن سوچوں میں گم ہو؟''

''کک کچھ نہیں ممانی......''

''اوکے، میں ذرا ریسٹ کرلوں...... پنو سے کہو یہ چیزیں تمہارے بیڈروم میں لے جائے۔ اور ہاں یاد سے پہن لینا اور اچھے سے ڈریس اپ ہونا...... گھر آتے ہی بیوی کو سجا سنورا دیکھ کر شوہر کو بہت خوشی ملتی ہے، تھکان اتر جاتی ہے اس کی۔'' اُن کی بات کے جواب میں وہ صرف اثبات میں سر ہی ہلا سکی تھی...... زبردستی کا رشتہ نبھانا کس قدر جان لیوا ہوتا ہے...... چوبیس گھنٹے انسان کس طرح تارِ عنکبوت پہ لٹکتا ہے۔ مناب سے بہتر یہ کون جان سکتا تھا۔

وہ دل گرفتہ سی اپنے کمرے میں آگئی تھی...... پنو شاپنگ بیگز اس کے کمرے میں رکھنے لگی۔ مناب تھکے ہارے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

''مناب بی بی آج آپ بڑی سوہنڑیں لگ رہی ہیں جی...... اقصم صاحب بڑے خوش ہوں گے آپ کو دیکھ کر......'' پنو وارڈروب میں اس کے کپڑے لٹکانے لگی۔

''ہاں سچ مناب بی بی، آج تو ٹی وی پہ اک پروگرام لگا تھا جی...... اس میں اقصم صاحب نے گاڑاں (گانا) گانا تھا جی...... ٹی وی پہ جھلکی دکھا رہے تھے، کڑیاں منڈے اپنی، اپنی سیٹوں سے اٹھ، اٹھ کر نچ رہے تھے۔ کئی کڑیاں منہ پر ہتھ رکھ کر چیکیں (چیخیں) مار رہی تھیں۔'' پنو کا انداز کچھ ایسا تھا بتانے کا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ مناب کے لبوں کا احاطہ کرگئی تھی۔

''بی بی جی اک گل میری سمجھ میں نہیں آئی......'' پنو اب اس کے پاس پائنتی پہ بیٹھ کر اس کی ٹانگیں دبانے لگی۔

''کیسی بات پنو......؟''

''یہی کہ جب صاحب اسٹیج پر گاڑاں گاتے ہیں تو کڑیاں پرچیاں کیوں اقصم صاحب پہ سوٹتی ہیں؟'' مناب اس کے سوال پر دھیرے سے مسکرادی۔

''پنو ان پرچیوں پر لڑکیاں اپنا فون نمبر لکھ کر پھینکتی ہیں، کچھ آٹوگراف مانگتی ہیں، کچھ محبت کا اظہار کرتی ہیں اور کچھ بیسٹ وشز لکھ کر اپنے فیورٹ سنگر کی طرف پھینکتی ہیں۔'' مناب کی بات پر پنو نے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

''ہا...... ہائے فٹے منہ ان کڑیوں پہ...... شرم نہیں آئی ان کو شادی شدہ مردوں پہ ڈورے ڈالتے ہوئے...... اپنا فون نمبر دیتے ہوئے، لعنت ہے ایسی کڑیوں پہ......'' پنو کا انداز کچھ ایسا تھا کہ مناب ہنسنے پہ مجبور ہوگئی۔

''پنو وہ لڑکیاں اقصم کی فین ہوتی ہیں، اس کے گائے گانے شوق سے سنتی اور دیکھتی ہیں۔ اور اسے اپنے سامنے پرفارم کرتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتی ہیں اور اس طرح سے اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔'' مناب نے اسے سمجھانا چاہا۔

''پر فیر وی بی بی جی یہ کوئی چنگی گل تو نہیں اے ناں......'' مناب جواباً مسکرادی...... وہ پنو کو مطمئن نہیں کرسکتی تھی۔

''اِک گل کہوں مناب بی بی آپ برا تو نہیں منائیں گی؟'' پنو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''آف کورس پنو تم کہو......''

''وہ جی صاحب تو اِک سے اِک سوہنڑیں کڑیوں کے سامنے گاڑاں گاتے ہیں، آپ اپنا خیال رکھا کریں

اقصم صاحب کی نظریں آپ کے علاوہ کسی اور کڑی پہ نہیں اٹھیں گی...... جب خاوند سوزان اور اتنا مشہور ہو تو کڑیاں آپے ہی پیچھے لگ جاتی ہیں۔ آج کل تو ویسے وی شرم وحیا مک گئی ہے۔'' مناب اس کی بات پر دھیرے سے مسکرا دی۔

''پینو بس کرو۔ میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' مناب نے ٹانگیں سمیٹ لیں اور سر تکیے پر گرا دیا۔ شام تک وہ یونہی لیٹی رہی تھی۔ پینو پھر سے سمیرا بیگم کا پیغام لے کر اس کے کمرے میں آئی۔

''مناب بی بی، بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں آپ تیار ہو کر آ جائیں۔ بیگم صاحبہ کی کچھ سہیلیاں آئی ہیں وہ آپ کو ان سے ملوانا چاہتی ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے میں آتی ہوں......'' مناب نے بستر چھوڑا اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

دلنشیں نے خود زارون کو ڈنر کی دعوت دی تھی اور زارون باوجود کوشش کے اسے انکار نہیں کر پایا تھا بلکہ اس رات وہ بہت عرصے بعد بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس بھرپور دلچسپی سے تیار ہو رہا تھا...... عنایہ بیڈ پر بیٹھی گہری نگاہوں سے اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔

''زارون تمہاری تیاری دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے تم کسی آفیشل ڈنر کے بجائے اپنی کسی گرل فرینڈ سے ملنے جا رہے ہو۔''

عنایہ کے قیاس پر ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ مسکراتا ہوا اسٹڈ کے کف لنکس لگاتا اس کے قریب آ گیا تھا۔

''میری پہلی اور آخری گرل فرینڈ میری بیوی ہے جس سے مجھے بے انتہا محبت ہے۔'' زارون نے محبت سے اس کے گال چھوئے تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''جانتی ہوں میں......'' عنایہ مسکرائی۔

''تو پھر اس طرح کے مذاق کیوں کرتی ہو مجھ سے؟'' زارون کا انداز ہنوز محبت لیے ہوئے تھا۔

''تاکہ تمہارے منہ سے محبت بھرا یہ اظہار سن سکوں......''

''توبہ تم بیویاں بھی کتنی چالاک ہوتی ہو...... ایسے، ایسے بہانے ڈھونڈتی ہو تعریف کروانے کے...... مائی گاڈ۔'' زارون مسکراتا ہوا دوبارہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنے بال سنوارنے لگا۔

''میری کمر میں اتنا درد نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ اس آفیشل ڈنر پر ضرور جاتی۔''

''یہ سلسلہ تو بعد میں بھی چلتا ہی رہے گا، تمہیں آج کل آرام کی اشد ضرورت ہے۔ میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔'' زارون نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی گھڑی اٹھائی۔ ''تم ٹائم پہ کھانا کھا لینا اور ہاں میڈیسن کھانا مت بھولنا...... کل بھی رات ایک ڈوز مس کر دی تھی تم نے۔'' گھڑی باندھنے کے بعد زارون نے خود پہ پرفیوم اسپرے کیا اور اسے تنبیہ کی۔

''او کے میری جان......'' تیار ہونے کے بعد زارون نے محبت پاش انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔

عنایہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو زارون کمرے سے باہر نکل گیا۔

دلنشیں نے زارون کے لیے گھر میں ڈنر کا اہتمام کر رکھا تھا۔ نواز احمد اری نے اسے ماڈل ٹاؤن میں ایک شاندار کوٹھی گفٹ کی تھی۔ آج کل وہ اسی کوٹھی میں مقیم تھی۔ ایک فائیو اسٹار ہوٹل سے اس نے زارون کی پسند کا کھانا

منگوا رکھا تھا۔ ریڈ سلیولیس اور بیک لیس بلاؤز کے ساتھ بلیک ساڑی میں ملبوس آنکھوں پہ گہرا اسموکی میک اپ کیے ہونٹوں پہ ڈیپ ریڈ لپ اسٹک لگائے وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔

''زارون جی مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا آپ میرے اس غریب خانے میں تشریف لائے ہیں۔ آپ کے آنے سے اس گھر کے ساتھ، ساتھ میرا دل بھی روشن ہو گیا ہے۔ یقین نہیں آرہا آپ میرے اس قدر قریب بیٹھے ہیں۔'' دلنشیں اس کے ساتھ چپکی اس کی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے محبت سے لبریز لہجے میں بولی۔

''دعوت دینے والی ہستی اتنی حسین اور ہوشربا ہو تو کون کافر یہاں آنے سے انکار کرے گا؟'' زارون نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ اِک انداز سے مسکرائی۔

''نہ کریں زارون جی ایسی باتیں...... آپ کی بیوی سے حسد محسوس ہونے لگتا ہے مجھے...... سچ تو یہ ہے کہ میں نے آپ جیسا خوب صورت مرد زندگی میں نہیں دیکھا، تسخیر کر لیا ہے آپ نے مجھے میرے دن کا چین اور راتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں آپ نے۔'' وہ محبت سے چور انداز میں اظہار کر رہی تھی۔

''دلنشیں...... تم واقعی ایک دلنشیں لڑکی ہو، دل میں گھر کر جانے والی۔ دل کی دنیا کو تہس نہس کر دینے والی...... تمہاری دلکشی نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا ہے۔ تمہاری خاطر میں جھوٹ بولنے لگا ہوں اپنی بیوی سے۔'' زارون کی نظریں اس کا حسین سراپا ٹٹول رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور پھر اس نے اپنا سر زارون کے کندھے پر ٹکا دیا۔

''زارون جی پتا ہے میرا دل چاہ رہا ہے اس وقت کو ہمیشہ کے لیے اپنی مٹھی میں قید کر لوں اور ساری زندگی آپ کی بانہوں میں گزار دوں...... زارون بھی، کبھی یہ دل بھی کتنی واہیات خواہشیں کرنے لگتا ہے نہ پوری ہونے والی خواہش...... آپ ایک شادی شدہ مرد ہیں آپ کے دل پہ پہلے سے کسی کا نام درج ہے...... پھر بھی دیکھیں ناں...... میرا نادان سا دل آپ کی ہمراہی کے خواب دیکھنے لگا ہے۔ آپ کا ساتھ مانگنے لگا ہے۔ ہر وقت آپ کو اپنے آس پاس دیکھنے کی خواہش کرنے لگا ہے۔ آپ ہی بتائیں ناں اس گمبھیر مسئلے کا حل۔'' وہ بڑے پیار سے ادا سے اور نروٹھے سے انداز میں اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اور زارون دل و جان سے اس کی محبت میں سرشار ہو رہا تھا۔

''دلنشیں! میرے دل کی حالت بھی تم سے مختلف نہیں ہے...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، تمہیں اپنی شوبز کی مصروفیت سے وقت نکال کر روز مجھ سے ملنا ہوگا۔'' زارون کے لہجے میں تڑپ کے ساتھ التجا بھی تھی۔

''آپ کے لیے وقت نکالنا خود کے لیے وقت لگانا ہے میرے لیے......'' اس کی بات پر زارون نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا تھا۔

ڈنر کے بعد دلنشیں نے اسے اتنی محبت سے شراب پلائی تھی کہ وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔ رات دو بجے کے بعد اس کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ زارون سمجھ رہا تھا کہ عنایہ سو رہی ہے مگر کمرے میں آتے ہی اس کے لڑکھڑاتے قدموں نے عنایہ کو بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ عنایہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی، شاکڈ ہو گئی تھی۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔

☆☆☆

بلیک ڈریس میں اس کا حسین سراپا اور بھی غضب ڈھا رہا تھا۔ سمیرا بیگم کی فرینڈز نے مناب کی بہت تعریف کی تھی، وہ تھی ہی بہت ڈیسنٹ اور سلجھی ہوئی، مقابل کو اپنا بنا لینے والی نرم دل...... لیکن اقصم کے لیے اس کا دل انتہائی سخت ہو گیا تھا سمیرا بیگم کی فرینڈز کی مہمان نوازی کرتے ہوئے اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ جلدی سے

اپنا حلیہ چینج کر لینا چاہتی تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اقصم اسے یوں تیار ہوا دیکھ کر کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ اس کے لیے تیار ہوئی ہے۔ وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی...... مگر کچھ چیزیں سوچنے اور پلان کر لینے کے باوجود ہم نہیں کر سکتے...... جب قدرت کا عمل دخل بیچ میں آ جائے تو انسان کے پلان بھی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

وہ اپنے کمرے میں جا کر چینج کرنے لگی تھی جب سمیرا بیگم نے اسے ڈنر کے بعد کافی کے لیے اپنی فرینڈز کو جوائن کرنے کی ہدایت کی تھی مجبوراً اسے اُن سب کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا۔ اس کی نظریں بار، بار گھڑی پر مرکوز ہو رہی تھیں...... اللہ، اللہ کر کے رات گیارہ بجے وہ مہمانوں سے فارغ ہوئی اور اپنے کمرے میں آئی۔ ابھی وہ وارڈ روب کے پاس کھڑی اپنا نائٹ سوٹ نکال رہی تھی جب اقصم عجلت میں تھکے ہوئے انداز سے کمرے میں داخل ہوا مگر اندر داخل ہوتے ہی مناب کو سجا سنوارا دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔ مناب نے اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنا نائٹ سوٹ نکالا۔ تب تک وہ اس کے قریب آ چکا تھا۔

''کل تک میں یہ خواب دیکھا کرتا تھا جب میں اپنے کمرے میں آؤں تو آپ اسی طرح سے ڈریس اپ ہو کر میرا انتظار کرتی ہوئی اس کمرے میں مجھے نظر آئیں......'' وہ اپنی ساری تھکاوٹ بھول کر اس کے مقابل کھڑا اسے بتا رہا تھا۔

''تمہارا یہ خواب ہمیشہ ایک خواب ہی رہے گا...... کبھی حقیقت بن کر جاگتی آنکھوں سے اس خواب کی تعبیر نہیں دیکھ سکو گے تم۔'' وہ تنفر سے کہتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی لیکن اگلے ہی لمحے اقصم نے اسے کلائی سے تھام کر پھر سے اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

''آپ اتنی ظالم اور اتنی کٹھور کیسے ہو سکتی ہیں۔'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھنے لگا۔ ''اتنی پتھر دل تو نہیں تھیں آپ؟''

''ڈونٹ ٹچ می...... چھوڑو میرا ہاتھ......'' وہ جھنجلائی۔

''اگر نہ چھوڑوں تو...... تو کیا کر لیں گی آپ؟'' اقصم نے اس کی کلائی پہ اپنی گرفت مضبوط کر کے اسے اپنے سے مزید قریب کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم نے بچپن سے لے کر اب تک صرف میرا پیار دیکھا ہے۔ غصہ نہیں دیکھا...... چھوڑو میرا بازو۔'' اس نے اپنا بازو چھڑانے کی بھرپور کوشش کی۔

''غصہ ہی تو دیکھ رہا ہوں آپ کا...... جان نکالنے والا غصہ...... غارت کر دینے والا غصہ...... نیند اڑا دینے والا غصہ...... جلا کر راکھ کر دینے والا غصہ......'' اقصم نے اس کے ماتھے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

''تم ایک بدتمیز شخص ہو اور انتہائی ڈھیٹ بھی۔'' وہ غرائی۔

''تعریف کا شکریہ...... ! ویسے آج آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں...... اور یہ ہیئر اسٹائل آپ پر بہت سوٹ کر رہا ہے اور بلیک کلر میں تو آپ ویسے بھی میری نیت خراب کر رہی ہیں۔'' وہ اس کے غصے کی پروانہ کرتے ہوئے اس کی تعریف کیے جا رہا تھا۔ اور مناب کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

''زہر لگتی ہے مجھے تمہاری تعریف......'' ہنوز غصے میں بتایا گیا۔

''اطلاع کے لیے شکریہ......'' اسے زچ کر کے اقصم کو ایک عجیب سی خوشی مل رہی تھی۔

''میں...... میں صبح ماموں سے تمہاری شکایت کروں گی تم انتہا کے بدتمیز انسان ہو۔'' اس نے بے بسی سے اقصم کو دھمکایا۔

اس کے انداز..... مزاحمت اور بے بسی پر وہ مسکرایا۔

''کیا شکایت لگائیں گی آپ ڈیڈ سے میری؟'' وہ اس کے اور بھی قریب آیا۔ مناب وارڈ روب کے دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

''اور میں نے ایسی کون سی بدتمیزی کی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے؟'' ایک ہاتھ وارڈ روب کے پٹ پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے اس کے گلے میں موجود لاکٹ کو چھوتے ہوئے اس کے مقابل کھڑے اس کا راستہ روکے وہ بہت آرام سے شکوہ کر گیا تھا۔

''پیچھے ہٹو..... میرے پاس تمہارے کسی فضول سوال کا جواب نہیں ہے۔'' وہ تلخ انداز میں بولی..... اور اس نے اقصم کو خود سے دور کرنا چاہا۔

''میرے تو سوال بھی فضول ہیں اور آپ کے یہ خودسر رویے؟ انہیں کیا نام دوں میں؟'' اس کی نظریں اب بھی مناب کے چہرے پہ مرکوز تھیں، وہ جان بوجھ کر اس سے بحث کر رہا تھا اور اسے باتوں میں الجھا کر اسے جی بھر کے دیکھ رہا تھا۔

''شکر کرو تمہارے ساتھ اس کمرے میں رہ رہی ہوں..... ورنہ تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے وہ ناقابل معافی ہے، میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور ہاں آئندہ مجھے ہاتھ لگانے کی غلطی بھی مت کرنا۔''

''میرے ساتھ اجنبی بن کر رہ رہی ہیں آپ اور کیا، کیا ہے میں نے آپ کے ساتھ؟ شکر کریں اس دوسر چیٹر آدمی سے آپ کی جان چھوٹ گئی۔ امریکا میں بھی اس نے خفیہ شادی کر رکھی تھی۔'' اقصم غصے میں بولا ایک سائڈ پر ہٹ گیا۔

''تمہیں تو خدا واسطے کا بیر ہوگا ہی ولی سے..... اس جیسی محبت جو نہیں دی تمہیں، الزام تو لگاؤ گے ہی تم اس پر..... مگر ایسا کر کے مجھے خود سے قریب ہرگز نہیں کر سکتے سنا تم نے۔'' زہر اگلتے لفظوں سے اسے چھلنی کرتے ہوئے وہ اس کے قریب سے گزری..... اقصم نے غصے میں اس کی کلائی پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے پھر خود سے قریب کیا۔ اس کی باتوں نے اقصم کا میٹر گھما دیا تھا۔

''آئندہ کے بعد میرے سامنے اس گھٹیا شخص کا نام مت لیجیے گا اور مجھے اس چیپ شخص پر الزام لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ حقیقت ایک دن خود آپ پر کھل جائے گی۔ کیونکہ جھوٹ کبھی نہیں چھپتا..... اور رہی بات آپ کو قریب لانے کی تو..... آپ کو اپنے قریب لانے کے لیے ولی تو کیا اس کا باپ بھی مجھے نہیں روک سکتا..... آپ بیوی ہیں میری..... میں جب چاہے اپنی مرضی سے آپ کو اپنے قریب لا سکتا ہوں..... اور اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میری ہی شرافت ہے کہ میں آپ کو آپ کی اجازت کے بغیر.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی..... اور ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ کر اسے خود سے دور کرتے ہوئے مزید کہا۔

''آئندہ مجھے غلطی سے بھی یہ وارننگ مت دیجیے گا کہ میں آپ کے قریب نہ آؤں، آپ کو ہاتھ نہ لگاؤں کیونکہ اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔'' مناب اپنی کلائی سہلاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی۔ مناب نے اس کا یہ جارحانہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ اندر سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ اس پر شروع ہی سے رعب جھاڑتی آئی تھی لیکن اب بات دوسری تھی وہ یہ بھول رہی تھی کہ اب وہ اس کا شوہر ہے۔

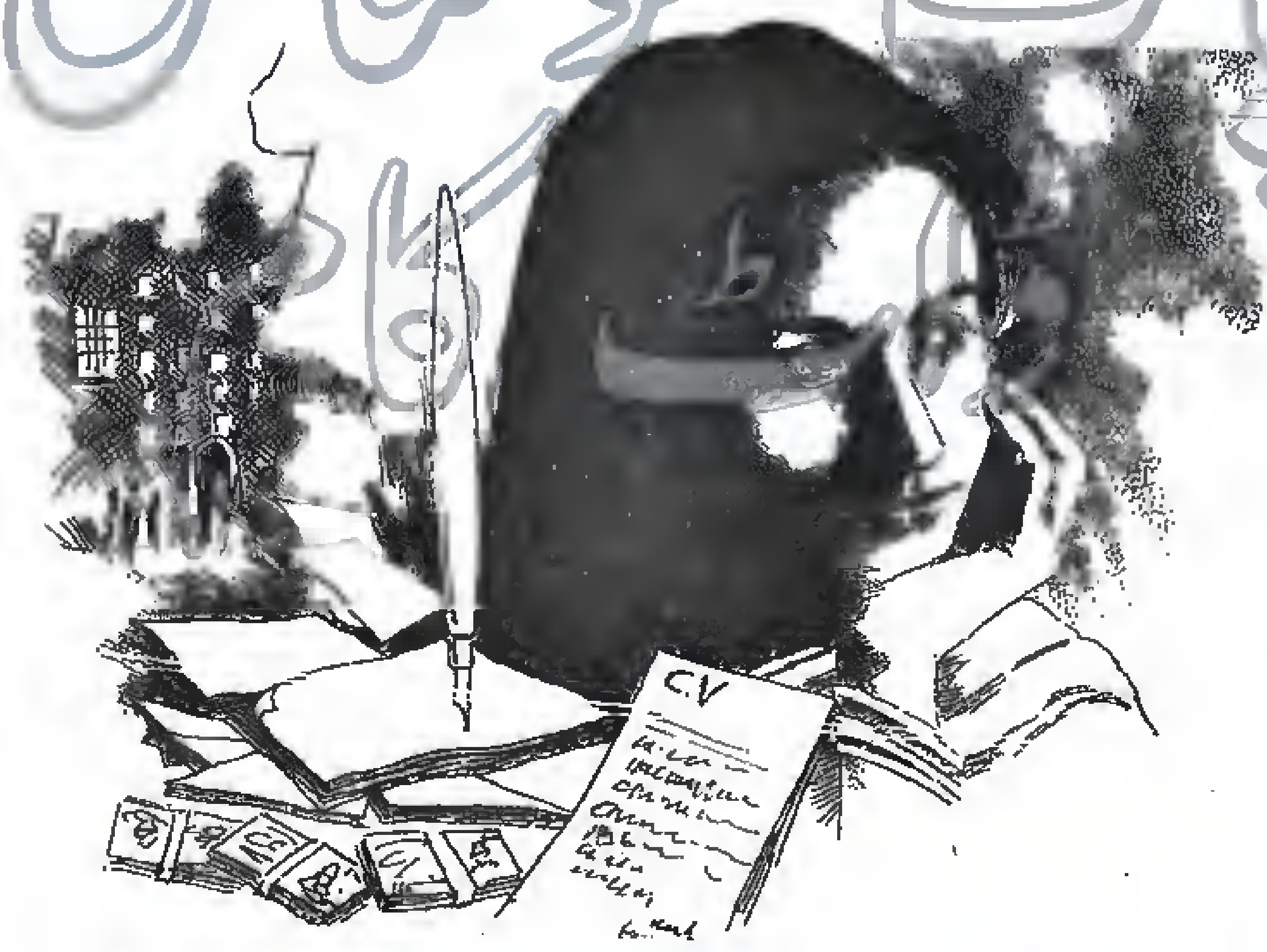
جان بوجھ کر واش میں زیادہ دیر لگا کر جب کمرے میں آئی تب تک وہ بازو آنکھوں پر رکھے بیڈ پر لیٹ چکا تھا..... وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی اور پھر دوسری سائڈ سے اپنا تکیہ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی..... پہلی بار اس نے اقصم کو اس قدر جارحانہ روپ میں دیکھا تھا جیسے وہ کچھ بھی کر گزرے گا۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ

اوپن میرٹ

فرح طاہر قریشی

نوٹس اور کتابوں کے بے ترتیب ڈھیر کے بیچ کتاب میں سر دیے اپنے اطراف سے بالکل بے خبر بیٹھی وہ بڑی شد و مد سے صفحے پر بکھرے لفظوں پر نظر جمائے ہلتے ہونٹوں کے ساتھ سوال یاد کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی...... جب صالحہ بیگم نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اسے جگانے کی نیت سے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے اس طرح کتاب پر جھکے دیکھ کر مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں۔



''میں تمہیں جگانے آئی تھی مگر تم تو پہلے سے ہی جاگ چکی ہو......'' اس کے قریب بیٹھتے ہوئے انہوں نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں سوئی کب ہوں امی! جو مجھے جاگنے کی ضرورت پڑتی؟'' اُن کی بات سن کر ذرا دیر کو جھکے سر کو اٹھا کر اس نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے ان کی طرف دیکھا...... جو اس کی بات سن کر حیران ہونے کے ساتھ، ساتھ اس کے لیے متفکر بھی ہوئی تھیں۔

''کیا تم رات سے پڑھ رہی ہو...... مطلب تھوڑا سا بھی نہیں سوئیں؟'' انہوں نے فکر میں ڈوبی نظروں سے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا۔

''جی......'' اس نے مختصراً جواب دے کر دوبارہ نظریں کتاب کی طرف مرکوز کر دیں۔

''علیز ے! ابھی تمہارے پیپر میں دو دن باقی تو ہیں...... پھر کیوں اتنا اسٹریس لے رہی ہو؟''

''یہی سوچ کر اگر ریلیکس ہوتی رہی تو میں بھی اچھی تیاری نہیں کر سکوں گی امی......''

''اب میں تمہیں اتنا بھی ریلیکس ہونے کو نہیں کہہ رہی کہ پیپر کی تیاری ہی ڈسٹرب ہو جائے...... میں بس یہ چاہتی ہوں کہ تم تھوڑی سی نیند لے لو تاکہ نیند کے بعد فریش ہو کر مزید اچھی طرح تیاری کر سکو......''

''بس ایک آخری پیپر ہی تو رہتا ہے اس کے بعد جی بھر کر آرام کرلوں گی ناں......''

''ہاں، میں جانتی ہوں کتنا آرام کرو گی تم ...... پیپرز کے اختتام کے اگلے روز سے ہی تم سیکنڈ سمسٹر کی تیاریوں میں جت جاؤ گی......'' وہ اس کے لیے حد درجہ فکرمند تھیں مگر وہ ان کی فکر محسوس کرنے کے باوجود ہنوز اپنی ہی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''امی...... اگر تیاری نہیں کروں گی تو پھر اچھا جی پی کیسے حاصل کر سکوں گی...... آپ اچھے سے جانتی ہیں کم جی پی کے ساتھ مجھے کہیں کوئی جاب نہیں ملنے والی۔'' اس بار اس نے ذرا سنجیدہ ہوتے ہوئے ان کو سمجھا کر ان کی فکر کم کرنے کی کوشش کی۔

''جانتی ہوں مگر اس کے باوجود بھی میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس وقت تھوڑی سی نیند لے لو......'' یہ کہنے کے ساتھ اس بار انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے اردگرد بجے نوٹس اور کتابوں کے ڈھیر کو سمیٹ کر اس کے قریب آتے ہوئے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر لٹا دیا تھا۔

''خدا جانے کہاں سے یہ جاب کا بھوت تم پر سوار ہو گیا ہے...... جس کی وجہ سے ہر وقت پڑھ، پڑھ کر خود کو تھکائی رہتی ہو۔'' وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور انہیں حد درجہ عزیز بھی...... اس لیے وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس طرح خود کو مشقت میں ڈالے...... مگر اسے تو جیسے جنون ہو چلا تھا۔ اس لیے دن رات کا فرق مٹائے ہر وقت پڑھائی میں جتی رہتی۔

''امی!'' اس نے ہلکے سے احتجاج کے ساتھ اٹھنا چاہا تھا مگر انہوں نے ایک سخت سی گھوری کے ساتھ اسے واپس لٹا دیا۔

''کہا ناں تھوڑی سی نیند لے لو......'' ذرا سا جھک کر انہوں نے کمبل کی تہہ کھول کر اس کے اوپر پھیلا دیا...... کمبل کی گرماہٹ نے منٹوں میں اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا...... نیند تو پہلے ہی کب سے پلکوں کی باڑ پر اٹکی تھی...... اب جو گرم بستر کا سکون ملا تو اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں...... اس نے تیز، تیز آنکھیں جھپک کر نیند کو بھگانے کی کوشش کی مگر اس سے نیند کی دیوی نے اس قدر منہ زوری کی کہ وہ پل میں نیند کی وادی میں اتر کر بے خبر ہو گئی...... صالحہ بیگم نے اسے سوتے دیکھا تو سکون کی سانس لے کر لائٹ آف کرتی کمرے سے نکل آئیں۔

☆☆☆

ایگزامز کے تقریباً ہفتہ بھر بعد سے سیکنڈ سمسٹر کی کلاسز اسٹارٹ ہو گئی تھیں...... فرسٹ ڈے ہونے کی وجہ سے آج اسٹوڈنٹس کی تعداد بہت کم تھی...... اسی وجہ سے کوئی لیکچر بھی پروپر طریقے سے نہیں ہو پا رہا تھا...... پروفیسرز کلاس میں آتے ان کے پیپرز کو ڈسکس کرتے اور اسٹوڈنٹس کی غیر حاضری کی وجہ سے لیکچر کے لیے

نیکسٹ ڈے کا کہہ کر چلے جاتے...... باقی بچے تو اب خود بھی اپنے آنے پر پچھتانے لگے تھے...... اسی لیے منہ لٹکائے فائل اور بیگ سنبھالے وہ کلاس روم سے باہر آئے...... ان کا ارادہ کینٹین کی طرف جانے کا تھا جب سست روی سے چلتے ہوئے علیزے کو ایک دم ہی کچھ یاد آیا...... تو وہ اپنی فرینڈز کی طرف مڑی۔

''مجھے لائبریری سے ایک بک ایشو کروانی ہے...... تم لوگ کینٹین چل کر کچھ آرڈر کرو...... بس میں بک لے کر آتی ہوں۔'' کندھے سے پھسلتے بیگ کو پھر سے کندھے پر چڑھاتے ہوئے اس نے انہیں کہا اور تیزی سے لائبریری کی طرف بڑھ گئی...... جبکہ اس کی فرینڈز نے کینٹین کی طرف قدم بڑھا دیے...... پھر جس وقت علیزے بک لے کر لوٹی تو انہیں کولڈ ڈرنک اور برگر سامنے رکھے اپنا منتظر پایا۔

''سوری، میں تھوڑا لیٹ ہوگئی......'' بیگ اور فائل ٹیبل پر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اپنے لیٹ ہو جانے پر ایکسکیوز کیا۔

''یہ تو تمہاری پرانی عادت ہے، پانچ منٹ کا کہہ کر جاتی ہو اور آدھا، آدھا گھنٹا غائب رہنے کے بعد آ کر معصوم سی شکل بنا کر سوری کرنے لگتی ہو۔ اس لیے اب یہ بات چھوڑو اور کوئی نئی بات کرو......'' فریحہ نے ہاتھ میں پکڑے پیپر کو ہوا میں لہراتے ہوئے ناک پر بیٹھی مکھی کی طرح اس کی سوری کو ہوا میں اڑایا...... اس کے انداز پر جہاں باقی سب کی ہنسی چھوٹی وہاں علیزے کی ناک چڑھ گئی۔

''شرم تو نہیں آ رہی ناں تمہیں اس طرح دوست ہو کر دشمنوں کی طرح طنز کرتے ہوئے بالکل تمہارے ہی جیسے لوگوں کے لیے بڑے بوڑھے، دوست نما دشمن ...... جیسے محاورے بول گئے ہیں۔'' اس نے جوابی وار کر کے جیسے اس سے بدلہ لیا تھا مگر وہ فریحہ ہی کیا جو کسی کی بات پر کان دھرلے اس لیے وہ نیوز اسی انداز میں مسکراتی رہی۔

''ہاں اور تمہارے جیسے لوگوں کے لیے شاعر حضرات نے کہا ہے کہ ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر ایک کام کرنے میں......'' فریحہ دانت نکوسے اس کا دل بری طرح جلا گئی تھی۔

''مروتم، طنز کی مشین......'' اس نے ذرا سا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ سے اس پیپر کو چھینا جسے وہ ہوا میں لہرا، لہرا کر اس کا خون جلا رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کاغذ کو توڑ موڑ کر اچھالتی...... تہمینہ نے ایک دم تیزی سے ہاتھ بڑھایا۔

''علیزے! ذرا سنبھل کر، اس پیپر کو کچھ مت کرنا......'' اس نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ سے وہ پیپر لینا چاہا تھا۔ مگر علیزے نے ہاتھ بلند کر کے کاغذ کو اس کی دسترس سے دور کیا۔

''کیوں؟ کیا خاص بات ہے اس پیپر میں؟'' وہ تنک کر بولی۔

''یہ (فلاں) اسکول کی سیٹس کا فارم ہے......'' اس کے غور کرنے سے پہلے ہی اس نے بتایا تو وہ ایک دم سیدھی ہوتی اس کی طرف مڑی۔

''اسکول کا فارم......؟ مگر تم اس کا کیا کرو گی......؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''فارم اپلائی کرنے کے لیے ہوتا ہے......'' فریحہ نے حسب معمول اپنے انداز میں جواب دیا مگر علیزے کی توجہ اس بار اس کے انداز کی طرف کم اور کاغذ کی طرف زیادہ تھی۔ اس لیے اسے نظر انداز کر گئی۔

''مگر ہم ابھی کیسے اپلائی کر سکتے ہیں ابھی تو ہمارے ماسٹر کا فرسٹ ایئر ہے......'' وہ اسی پر اٹک گئی تھی۔

اس بار یہی تو کمال ہوا ہے ان سیٹس کے لیے کوالیفکیشن ڈیمانڈ صرف بی ایس سی ہے۔'' ثمرین نے کہا تو وہ خوشگوار حیرت میں گھر گئی۔

''ارے واہ...... یہ تو گڈ نیوز سنائی تم نے...... پھر تو ہم سب اپلائی کر سکتے ہیں۔'' علیزے نے فارم کو احتیاط سے بک کے نیچے دبایا۔

''ہاں...... اور اس سے بھی زیادہ گڈ نیوز یہ ہے

کہ اس بار کسی قسم کی کوئی دھاندلی نہیں ہوگی سب کچھ اوپن میرٹ پر ہوگا۔''

فریحہ کی اس بات نے تو اسے مزید خوش کر دیا تھا..... اس سے ان سب کے چہروں پر امید بھری چمک دار ..... خوشی بڑی واضح تھی۔

''مجھے بھی اس فارم کی ایک کاپی دینا.....'' علیزے نے فریحہ سے کہا۔

''یہ کاپی تم ہی رکھو میرے پاس گھر میں دوسری کاپی موجود ہے۔'' فریحہ نے سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فارم اس کی ملکیت میں دیا تو وہ شکریہ کہہ کر فارم کو تہ کر کے بیگ میں رکھنے لگی۔

''دوستی میں کوئی تھینکس وینکس نہیں چلتا..... اس لیے تکلف چھوڑو اور اب اس بوتل اور برگر کو بھی توجہ سے نواز دو ورنہ بیچارے یونہی پڑے، پڑے مزید باسی ہوجائیں گے.....'' اس کے احساس دلانے پر ان سب نے مسکراتے ہوئے کولڈ ڈرنک کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

☆☆☆

لاسٹ ڈیٹ سے دو روز قبل فارم جمع کروانے کے بعد اب انہیں انٹرویو کے دن کا انتظار تھا جو ایک مہینے بعد ہونا تھا..... فرسٹ ٹائم کسی سیٹ کے لیے اپلائی کر کے وہ بہت زیادہ ایکسائٹڈ تو تھیں ہی ساتھ ہی پُرامید بھی کہ بی ایس سی ان سیکنڈ ڈویژن ڈیمانڈ پر ان کا سلیکشن آسانی سے ہوجائے گا۔

ایک کے بعد ایک دن گزرنے لگے۔ تو ان کی مصروفیت میں جیسے، جیسے اضافہ ہونے لگا تو انٹرویو کے شوق میں ٹھہراؤ آ گیا..... اب بھی پہلے کی طرح انہیں انٹرویو کے دن کا انتظار تو تھا مگر وہ اتاؤلہ پن اب نہیں رہا تھا..... لیکن ان میں علیزے نے جو سب سے زیادہ ایکسائٹڈ تھی..... یونیورسٹی میں کسی وجہ سے اسٹرائیک کے باعث اچانک چھٹیاں ہوجانے کی وجہ سے وہ اپنی امی، ابو کے ساتھ پنڈی میں مقیم اپنے تایا کے گھر چلی گئی..... جہاں جا کر انٹرویو کی ڈیٹ اس کے ذہن سے بالکل ہی محو ہوگئی..... پھر جب وہ لوٹی تو انٹرویو کو گزرے دو دن بیت چکے تھے۔

لوٹنے کے بعد جب اسے خبر ملی تو وہ بری طرح افسوس میں گھر گئی۔

''کیا ہوتا جو اگر تم میں سے کوئی ایک مجھے فون کر کے یاد کرا دیتا.....'' افسوس کی حالت میں اسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ اپنی دوستوں پر ہی چڑھ دوڑی۔

''فون تو ہم تمہیں اس صورت میں کرتے ناں جب ہمیں معلوم ہوتا کہ تم اتنی اہم بات بھول گئی ہو۔'' ثمرین نے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس کو اس طرح مسلسل افسوس میں ڈوبا دیکھ کر فریحہ نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''اب اس طرح افسوس کرتے رہنے سے کیا ملے گا۔'' فریحہ کو اس کی اس حالت پر افسوس ہوا۔ ''اس سے تو بہتر ہے کہ تم ایک بار خود ہی ای ڈی او (EDD) آفس جا کر بات کرو، کیا معلوم کوئی راستہ نکل آئے.....'' اس کی بات میں دم تھا۔

علیزے کی ٹوٹی آس نے ہلکی سی سانس لے کر جڑی رہنے کی کوشش کی تھی..... اس لیے وہ اگلے دن یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اپنی امی کے ہمراہ EDD آفس کے لیے نکلی تھی..... اس طرح اکی سی بھی جگہ پر آنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا اس لیے کنفیوز ہوتے ہوئے وہ اس بڑی سی عمارت میں داخل ہوئی جس کے بیرونی گیٹ پر EDD آفس کے نام کا بڑا سا سائن بورڈ آویزاں تھا..... گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ نہیں جانتی تھی کہ اب اسے کس طرف جانا چاہیے..... اس لیے ایک طرف کھڑے شخص سے آفس کا معلوم کرتے ہوئے اسی طرف بڑھی..... مگر جب وہ آفس کے دروازے پر پہنچی تو ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ EDO صاحب سیٹ پر موجود نہیں تھے۔ یہ بات ان کے سیکرٹری نے بتائی۔ منہ لٹکائے اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا جو پہلے سے ہی اس کی

طرف متوجہ تھیں۔

''مایوس نہیں ہوتے بیٹا...... جب خدا نے یہاں تک کا سفر کروایا ہے تو وہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا......'' انہوں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی سعی کی۔

''تو پھر اب کیا کریں امی......'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا تو انہوں نے چند پل کے لیے کچھ سوچا پھر اسے ساتھ لیے......دوسرے کاؤنٹر پر براجمان شخص کی طرف بڑھیں...... پھر جب انہوں نے اس سے انٹرویو کے متعلق بات کی تو وہ انہیں اپنے ہمراہ لیے کاریڈور سے گزر کر ایک بڑے اور کھلے کمرے میں لے آیا...... یہ شاید کلرک روم تھا...... جہاں ہر کوئی سر جھکائے اپنے سامنے بڑی فائل میں کام کرنے میں مصروف تھا۔ اس شخص نے رک کر ایک نظر وہاں موجود سبھی افراد کو دیکھا پھر انہیں لیے ایک طرف کو بڑھا...... اور چند قدم چل کر دائیں طرف موجود دوسری ٹیبل پر موجود شخص کے قریب پہنچ گیا۔

''بھٹی صاحب! جن سیٹس کے لیے انٹرویو کی ڈیٹ میں دو دن کی توسیع کا اعلان ہوا ہے، یہ انہیں سیٹ کی ایک کینڈیڈیٹ ہیں...... ان کا انٹرویو لے لیں......''

اس کی بات سن کر علیزے نے فوراً اپنی امی کی طرف دیکھ کر سکون کی سانس لی۔ انٹرویو کی ڈیٹ بڑھ جانے کا سن کر اسے بے تحاشا خوشی ہوئی تھی...... اسی لیے اس کی ڈوبتی ابھرتی امید کو فوراً یقین کا کنارہ ملا تھا...... اس نے سوچا تھا کہ اللہ اس کے لیے ہر راستے میں آسانیاں پیدا کر رہا۔ تو وہ اس کی سلیکشن میں بھی یقیناً مدد کرے گا...... ان کو وہاں چھوڑ کر وہ شخص جا چکا تھا۔ ٹیبل کی اس طرف بیٹھے شخص نے اسے چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھ جانے کو کہا تو وہ اپنی ڈاکومنٹس فائل کو سنبھالتی بیٹھ گئی تھی...... اسے بیٹھتے دیکھ کر صالحہ بیگم بھی ایک طرف پڑے بینچ پر جا بیٹھیں...... ماں کو بیٹھتے دیکھ کر مطمئن انداز میں وہ اب سامنے بیٹھے شخص کی طرف متوجہ ہوئی جو فائل میں لگے پیج میں اس کا نام ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کا نام ملنے پر پین سے ٹک کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی! کہاں سے آئی ہیں آپ؟'' اس کا سوال انتہائی بے تکا تھا...... اس نے سر اٹھا کر حیرت سے اس شخص کی طرف جو انتہائی سنجیدگی سے اسی کی طرف متوجہ تھا۔

''صدر سے......'' سوال عجیب لگنے کے باوجود بھی اس نے جواب دے دیا تھا۔

''دعائے قنوت سنائیں......'' اب کی بار شاید فرمائش ہوئی تھی جو اسے پہلے سے کہیں زیادہ عجیب محسوس ہوئی تھی۔ وہ سائنس سیٹ پر انٹرویو دینے آئی تھی اور وہ شخص اس سے اس طرح کے سوالات کر رہا تھا۔ وہ بالکل چپ بیٹھی تھی جب اس طرف سے سوال ہوا تھا۔

''کیا دعائے قنوت نہیں آتی؟''

''جی آتی ہے......'' ہلکی سی آواز میں جواب دیتے ہوئے اس بار اس نے بغور اس شخص کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر سجی داڑھی اس کی شخصیت کے وقار کو بڑھا رہی تھی...... تو دوسری طرف اس کے چہرے پر سجی سنجیدگی اس کے رعب میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس نے ہلکی سی سانس خارج کی اور ذہن میں آئی سوچوں کو جھٹک کر دھیمی آواز میں دعائے قنوت سنا دی...... جب وہ سنا چکی تو اس نے وہ پیج (صفحہ) فائل سمیت اس کے سامنے کرتے ہوئے اسے وہاں دستخط کرنے کو کہا...... پھر جب وہ دستخط کر چکی تو اس نے فائل کو بند کر کے ایک طرف رکھ دیا...... وہ منتظر تھی کہ وہ اس کے اوریجنل ڈاکومنٹس چیک کرے گا مگر دوسری طرف سے اس سے ڈاکومنٹس کا مطالبہ نہیں ہوا تھا۔ اسے حیرانی ہوئی تھی، وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ آخر یہ کس طرح کا انٹرویو لیا گیا تھا جس میں نہ تو اس کے سبجیکٹ کے متعلق سوال ہوا تھا...... نہ ہی اس کے ڈاکومنٹس چیک کر کے یہ جاننے کی کوشش کی گئی تھی کہ آیا وہ واقعی رئیل کینڈیڈیٹ ہے بھی یا کوئی دوسرا کسی کی جگہ یہ انٹرویو دینے آیا تھا...... حیران ہوتی وہ کرسی پیچھے دھکیل

کرا بھی اور جانے کو مڑی مگر پھر کچھ سوچ کر وہ دوبارہ اس شخص کی طرف پلٹی۔

''ایکسکیوزمی سر......''

''جی فرمائیں......'' وہ جو رجسٹر کھولنے میں مصروف تھا۔اس کی پکار پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا آپ مجھے آگے کے پروسیجر کے متعلق کچھ بتا سکتے ہیں......؟ میرا مطلب ہے کہ اب آگے کیا ہوگا' ہمیں ہماری سلیکشن کا کیسے پتا لگے گا......؟''

''بی بی! ابھی سے آپ کہاں سلیکشن تک چلی گئی ہیں......؟ ابھی تو میرٹ لسٹ لگے گی پھر اس کے بعد تین چار لسٹیں مزید لگیں گی تب کہیں جا کر سلیکشن کا پروسیجر عمل میں آئے گا......'' اس کا انداز اسے ہلکا سا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔اس لیے لب بھینچتی مزید کچھ پوچھے بنا وہ جانے کو پلٹی ہی تھی کہ اس شخص نے خود اسے پکارا۔

''آپ نے لگتا ہے پہلی مرتبہ اپلائی کیا ہے اس لیے کچھ نہیں جانتیں...... یہ میرا نمبر ہے اگر مزید کچھ جاننا ہو یا کوئی پرابلم ہو تو آپ اس نمبر پر کال کر کے مجھ سے رابطہ کرسکتی ہیں۔'' چٹ پر فون نمبر لکھ کر اس نے وہ چٹ اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے ہاتھ بڑھا کر تھاما اور اپنی امی کے ساتھ اس کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

اس شخص نے ٹھیک کہا تھا سلیکشن لسٹ سے پہلے بہت سی دوسری لسٹیں لگنی تھیں۔ پچیس دن کے وقفوں کے ساتھ اب تک تین لسٹیں لگ چکی تھیں۔اس کے باوجود ابھی تک فائنل لسٹ کے متعلق کوئی خبر سننے میں نہیں آرہی تھی...... گزرتے وقت نے ان کے شوق میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا...... سلیکشن کا انتظار تو انہیں اب بھی تھا مگر اب پہلے سا وہ جنون باقی نہیں رہا تھا...... چونکہ مڈٹرم کے ایگزامز کے لیے ڈیٹ فائنل ہونے ہی والی تھی اس لیے وہ سب کچھ بھول بھال کر ایک دفعہ پھر اپنے پیپرز کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔ فائنل لسٹ کا جو انتظار تھا پیپرز کی ٹینشن نے اب اس پر بھی ہلکی سی گرد ڈال دی تھی...... پندرہ دن گزرنے کے بعد ان کے ایگزامز اسٹارٹ ہوگئے......اس دوران فائنل لسٹ لگنے کی نوید ملی......مگر ان میں سے کوئی بھی لسٹ دیکھنے جانے کے چکر میں اپنا ایک دن ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے ایک دوسرے کو جانے کے لیے راضی کرنے کی سعی کرتے رہے تب ان میں سے ثمرین جانے کو راضی ہو ہی گئی۔ثمرین لسٹ دیکھ آئی تھی اور ان کے لیے شاکنگ نیوز یہ تھی کہ ان میں سے کسی کا نام بھی لسٹ میں نہیں آیا تھا۔ ان کی حیرت کسی صورت کم نہیں ہورہی تھی۔

''ایسے کیسے ہوسکتا ہے، فرسٹ کلاس ڈویژن کے باوجود ہمارا نام لسٹ میں کیوں نہیں آیا......؟'' سب سے پہلے علیزے نے اپنی حیرت کو لفظوں کا روپ دیا۔

''کیونکہ ساری اپائنٹمنٹ ماسٹر یا ایم فل والوں کو دے دی گئی ہیں۔'' ثمرین نے بڑے مایوس انداز میں اس کی حیرت کا جواب دیا تھا۔

''ارے...... یہ کیا بات ہوئی...... جب یہ سیٹس ساری بی ایس سی لیول کے لیے تھیں تو پھر ماسٹر اور ایم فل والوں کی سلیکشن کیسے ہوگئی......؟'' اس بار فریحہ نے سوال اٹھایا۔ ثمرین چونکہ خود جا کر تسلی کرآئی تھی اس لیے ان کے سوالوں کے جواب دے کر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کررہی تھی۔

''بے شک ان سیٹس کے لیے بی ایس سی ڈیمانڈ تھی مگر یہ اس میں کہیں درج نہیں تھا کہ ماسٹر اسٹوڈنٹس اپلائی نہیں کریں......حق تو ان کا بھی بنتا تھا ناں......سو انہوں نے بھی اپلائی کیا......''

''ہاں تو ان کے اپلائی کرنے پر کس کو اعتراض ہے......؟ وہ اپلائی کریں مگر کم ازکم اپنے لیول کی سیٹ پر اپلائی کریں...... اتنے چھوٹے اسکیل پر اپلائی کر کے تو وہ ہمارے جیسوں کا حق اڑا جائیں گے......کیونکہ ان کے اپلائی کرنے کی وجہ سے میرٹ اتنا ہائی ہوجائے گا کہ بی ایس سی کی ڈگری رکھنے والا کنڈیڈیٹ کبھی اس میرٹ تک رسائی حاصل نہیں

کر سکے گا۔" علیزے نے ناک چڑھا کر تیز لہجے میں کہا تو ثمرین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"اتنا ہائپر مت ہو علیزے...... ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو اس میں ان بیچاروں کا تو کوئی قصور نہیں...... وہ چھوٹے اسکیل پر اپلائی کرنے کے لیے مجبور ہیں کیونکہ ان کے لیول اسکیل پر بھی تو پی ایچ ڈی کی ڈگری یافتہ اپلائی کر کے ان کا حق اڑا رہے ہیں اور تم اچھے سے جانتی ہو ہمارے ملک میں تو کھانے کا رواج کس قدر عام ہے مگر اس بار یہ سوچ کر تسلی ملتی ہے کہ سب کچھ اوپن میرٹ پر ہو رہا ہے دھاندلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے غصہ اور ناراضی چھوڑ کر ہم اپنے ٹاسک پر فوکس کرتے ہیں کیونکہ ہمارا ماسٹر بس کچھ ہی عرصے بعد مکمل ہو جائے گا پھر ہمیں بھی ڈگری مل جائے گی۔ جس کی بدولت ہماری سلیکشن میں بھی آسانی ہو جائے گی۔" خوش آمند سپنوں کا خوب صورت دلاسا دے کر اس نے ان سب کے افسوس کو کم کرنے کی سعی کی تھی اور اپنی اس کوشش میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی رہی تھی...... تمام بری سوچوں کو دماغ سے جھٹک کر وہ پیپرز کی تیاری میں لگ گئی تھیں۔

☆☆☆

مڈ ٹرم کے بعد ان کے فائنل ایگزام بھی ہو گئے...... اب بس انہیں رزلٹ کا انتظار تھا مگر رزلٹ سے پہلے NTS کے اس ٹیسٹ کی ڈیٹ آ گئی جس کو کلیئر کرنے کے بعد ہی وہ جاب کے لیے اپلائی کر سکتی تھیں...... یونیورسٹی کے بعد بھی وہ سب آپس میں رابطے میں تھیں...... اس لیے باہمی مشورے کے بعد انہوں نے NTS کے لیے فارم جمع کروا دیا...... ٹیسٹ اچھا ہوا تھا۔ اس لیے ان سب نے اچھے نمبروں سے ٹیسٹ کلیئر کر لیا تھا۔ جیسے ہی ان کا رزلٹ آؤٹ ہوا اس کے کچھ ہفتوں بعد ہی سیٹیں کی اناؤنسمنٹ بھی ہو گئی۔ پہلے سے کہیں زیادہ امید و یقین کے ساتھ ایک بار پھر انہوں نے اپلائی کر دیا...... سلیکشن لسٹ سے پہلے ابھی



دلہن مہرین ولیمے کی تقریب میں

تک صرف دو لسٹیں ہی لگی تھیں۔ فائنل لسٹ لگنے سے پہلے ہی یہ سننے میں آ رہا تھا کہ ان سیٹوں پر بین لگ جائے گا...... علیزے تک جب یہ خبر پہنچی تو پریشانی کے عالم میں اپنی ای سے مشورے کے بعد اس نے اس شخص کو کال کی جس نے پچھلی بار انٹرویو کے موقع پر اسے اپنا نمبر دیا تھا...... سلام دعا کے بعد جان پہچان کے مراحل طے کر کے اس نے اس شخص سے اس خبر کی تصدیق چاہی تو وہ جواباً کچھ یوں بولا۔

"ہاں جی سنائی میں تو میرے بھی یہی کچھ آیا ہے۔"

"اوہ...... ! تو پھر اب کیا ہوگا......؟" پریشانی کے عالم میں وہ بے ساختہ بولی۔

"آپ پریشان مت ہوں۔" اس نے دلاسا دیتے ہوئے مزید کہا۔ "اگر آپ چاہیں گی تو میں آپ

کی مدد کروں گا......'' اس کی آفر پر وہ ایک پل کے لیے چپ ہو کر کچھ سمجھنے کی کوشش کرنے لگی مگر جب پوری طرح سمجھ نہ سکی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

''آپ میری مدد کس طرح کر سکتے ہیں......''

اس نے پوچھا تو دوسری طرف سے اس نے فوراً اپنا پلان اس کے گوش گزار کر دیا تھا۔

''جس دن آپ کا انٹرویو ہوا، مجھے ایک میسج کر کے بتا دینا میں انٹرویو سینٹر پہنچ جاؤں گا......'' اس کا پروگرام سن کر علیزے کے من میں ایک دم بہت سے سوالوں نے سر اٹھایا تھا۔ سوالوں کو جھٹک کر اس نے آم کھا کر پیڑ نہ گننے کا فیصلہ کرتے ہوئے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

انٹرویو سے ایک دن پہلے اس نے بھٹی صاحب کو میسج کر کے اپنے انٹرویو کے متعلق تمام ضروری معلومات سینڈ کی تھیں۔ پھر انٹرویو کے دن اپنی امی کے ہمراہ انٹرویو سینٹر پہنچ کر وہ بھٹی صاحب کے انتظار میں گیٹ سے ذرا فاصلے پر کھڑی ہو گئی اس دوران اس کی نظر اپنی ایک کالج فیلو پر پڑی......تو وہ تیز، تیز قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی۔

''ہیلو ثناشا......'' اس کی پکار پر اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو شناسائی کے تاثرات فوراً اس کے چہرے سے جھلکے......جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ اسے پہچان گئی ہے۔ اس نے بھی علیزے کے جواب میں خیر خیریت پوچھی۔

''ارے ثناشا! ایف ایس سی کے بعد تو تم کہیں نظر ہی نہیں آئیں۔ کہیں شادی تو نہیں کرا لی......؟'' وہ شوخی بھرے انداز میں اسے چھیڑنے لگی۔

''نہیں ابھی شادی تو نہیں ہوئی بی ایس سی کے بعد جاب ہو گئی تھی اس لیے جاب میں اتنا بزی ہوئی کہ نہ تو مزید پڑھ سکی نہ کسی سے رابطہ کر سکی۔'' مسکرا کر اس کی بات سنتی علیزے بری طرح چونکی تھی۔

''تمہاری جاب ہو گئی؟''

''ہاں......اور آج انٹرویو پینل کے ساتھ یہاں آئی ہوں......'' اس کو سو والٹ کا جھٹکا لگا کہ اس کی کیفیت سے بے خبر وہ اس سے سوال کر رہی تھی۔

''تم بتاؤ تم کیا کر رہی ہو؟ اسٹڈی ابھی تک جاری رکھی ہوئی ہے یا چھوڑ دی؟'' سوال کر کے علیزے کا جواب سننے سے پہلے وہ اپنی ایک کولیگ کی پکار پر اس سے بعد میں ملنے کا کہہ کر آگے بڑھ گئی جبکہ وہ حیرت میں گھری ابھی تک اسی سوچ پر اٹکی تھی کہ سیکنڈ ڈویژن ہونے کے باوجود ثناشا کی جاب کیسے ہو گئی......؟ اس کے سوال کا جواب بڑا سیدھا اور واضح ہو سکتا تھا۔ مگر اوپن میرٹ کا بڑا سا سائن بورڈ اس کی سوچ کو کسی دوسری طرف جانے نہیں دے رہا تھا۔ ورنہ ثناشا کے ابو کا آفیسر ہونا ہی اس کے سوال کا جواب تھا۔

مزید آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد جب بھٹی صاحب نے گیٹ سے اندر قدم رکھا تو وہ لپک کر ان کی طرف بڑھی۔

''سر، آپ اس قدر لیٹ آئے ہیں؟ انٹرویو کب سے شروع ہو چکا ہے۔'' وہ کافی الجھی ہونے کے ساتھ، ساتھ اب پریشان بھی تھی۔

''بی ریلیکس، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں......آپ کا انٹرویو ہو جائے گا۔'' ایک ہاتھ میں ہیلمٹ سنبھالے دوسرے ہاتھ سے سیل فون چیک کرتے ہوئے انہوں نے بنا اس کی طرف دیکھے اسے تسلی دی تھی۔

''مگر سر؟'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے وہ بول اٹھے۔

''آپ چلیں! سب سے پہلے آپ کا ہی انٹرویو کروا دیتے ہیں......'' بھٹی صاحب نے آگے کی طرف قدم بڑھائے تو وہ بھی چپ چاپ ان کے پیچھے چل پڑی......صالحہ بیگم اس کے ہمراہ تھیں۔ سامنے بڑے سے کاریڈور کو پار کرنے کے بعد دائیں طرف بنے ایک بڑے سے روم کے باہر بھٹی صاحب کے قدم رکے تو وہ دونوں بھی اپنی جگہ ٹھہر گئیں۔

ڈومنٹ آپ یہاں رکیں میں ابھی آتا ہوں......'' انہیں انتظار کا کہہ کر وہ اس روم میں داخل ہو گئے......اس بار انہیں زیادہ انتظار کی زحمت اٹھانا نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ چند سیکنڈ بعد ہی بھٹی صاحب مسکراتے ہوئے باہر آتے دکھائی دیے تھے۔

''آپ آجائیں......'' اس نے کہا تو وہ اپنی ڈاکومنٹس فائل سنبھالتی ان کے پیچھے ہولی......اندر قدم رکھتے ہی وہ بری طرح چکرا گئی کیونکہ پورا کمرا لڑکیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ کسی قسم کے بھی ڈسپلن کا خیال نہیں رکھا جا رہا تھا، وہ ایک دوسرے کو دھکیل کر آگے جگہ لینے کی کوشش کرتی لڑکیوں کو دیکھنے میں مگن تھی جب بھٹی صاحب کی آواز پر چونک کر وہ اُن کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اس سے کہہ رہے تھے۔

''آپ اِدھر آجائیں، پہلے آپ کا انٹرویو ہوگا......'' اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بازو کو ٹچ کرتے ہوئے اسے آگے کرنے کی کوشش کی تو وہ ایک دم خود میں سمٹ کر فائل کے گرد اپنے دونوں بازو لپیٹے ہوئے تیزی سے آگے ہوئی......مگر بھٹی صاحب ہنوز اس کے پیچھے تھے......ایک عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر اتنے رش میں وہ انہیں تلاش نہیں کر سکی تھی۔

''رشید صاحب......!'' بھٹی صاحب نے انٹرویو پینل میں موجود افراد میں سے کسی ایک کو پکارا۔

''جی بھٹی صاحب......!'' وہ شخص فوراً ان کی پکار پر ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''ان کا انٹرویو دلوانا تھا......'' اس نے مسکرا کر علیزے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہو جائے گا انٹرویو......آپ مجھے ان کے.... ڈاکومنٹس چیک کروائیں......'' رشید صاحب نے کہا تو وہ جو خود اپنی فائل ان کی طرف بڑھانے کو تھی......مگر اس سے پہلے بھٹی صاحب نے بے تکلفی سے خود اس کے ہاتھ سے فائل لے کر رشید صاحب کی طرف بڑھا دی......جنہوں نے باری باری سارے.... ڈاکومنٹس چیک کرنے کے بعد اسے واپس کیے اور اس سے دستخط کروا کر انٹرویو کی فارمیلٹی کو پورا کر دیا......اس سارے پروسیجر سے فراغت کے بعد وہ مجبوراً ہی سہی مگر بھٹی صاحب کے ہمراہ باہر آئی تھی۔ جہاں اپنی ماں کو دیکھتے ہی وہ فوراً ان کے برابر آ گئی تھی۔

''اچھا جی آپ کا کام ہو گیا......اب میں چلتا ہوں۔ پھر کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو بتائیے گا۔'' رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا اور وہ انہیں وہیں چھوڑے آگے بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے عورت کو جن سات حسوں سے نوازا ان میں سے ایک حس ایسی بھی ہے جو کچھ غلط ہونے کا احساس عورت کے دل میں ڈال کر اسے محتاط کر دیتی ہے۔ علیزے کے دل میں بھی عجیب سے احساس نے سر تو اٹھایا تھا مگر وہ اپنے اس احساس کو پوری طرح سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ انٹرویو دیے پندرہ روز گزر چکے تھے، اب کچھ دنوں تک سلیکشن لسٹ بھی لگ جانی تھی...... جیسے جیسے دن گزر رہے تھے اس کی فکر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا......ایک طرف جہاں آس و نراس کی سی کیفیت تھی وہیں دوسری طرف بھٹی صاحب کی مدد سے سب سے پہلے دیے گئے انٹرویو کے متعلق سوچ کر اپنی ڈر، ڈر کر سانس لیتی امید کو سلامت رکھنے کی سعی کرتی......اس لیے جب فائنل لسٹ لگنے میں دو دن باقی رہ گئے تو اس نے بھٹی صاحب کو فون کر دیا۔

دوسری طرف پہلی ہی بیل پر اس کی کال پک کر لی گئی تھی۔

''السلام علیکم سر! میں علیزے بات کر رہی ہوں......'' دھیمی سی آواز میں اس نے اپنا تعارف پیش کیا تھا۔

''ہاں جی پہچان گیا ہوں......کہیے آج کیسے یاد کر لیا......؟'' ان کے انداز میں ہلکی سی طنز کی آمیزش نمایاں تھی۔

''آپ نے کہا تھا کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو آپ سے پہلے رابطہ کرلوں...... '' اس بار پہلے سے کہیں زیادہ دھیما انداز تھا اس کا۔
''ہاں کہا تو تھا...... کیسی اب کیسی ہیلپ چاہیے آپ کو......؟'' لفظوں کو کھینچ، کھینچ کر ادا کیا گیا تھا۔
''پرسوں فائنل لسٹ لگنی ہے تو اس لیے......'' ابھی وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پائی تھی کہ وہ ایک دم تیزی سے بولے۔
''پرسوں لسٹ لگنی ہے تو...... اس لیے آج آپ کو مجھ سے بات کرنے کا خیال آیا...... ہے ناں......؟'' اس بار کھل کر طنز کیا گیا تھا۔ وہ بوکھلا سی گئی۔
''نہ۔نہیں سر ایسی تو بات نہیں ہے۔''
''ایسی ہی تو بات ہے میڈم...... ورنہ آپ مجھ سے پہلے بھی تو رابطہ کر سکتی تھیں......'' کس قدر روڈ انداز تھا ان کا...... وہ اپنے کال کرنے کے عمل پر پچھتانے لگی تھی۔
''میں نے تو یہ سوچ کر آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا کہ آپ بزی ہوتے ہیں، میرا بار، بار کال کرنا آپ کو دقت میں نہ ڈال دے......'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ وضاحت دے رہی تھی اور شاید یہ اس کی وضاحت کا ہی اثر تھا کہ وہ قدرے نارمل ہو کر بولے۔
''اب ایسی بھی بات نہیں ہے، میں جتنا بھی بزی ہوں آپ مجھے کال کر کے بات کر سکتی ہیں، میں ڈسٹرب نہیں ہوں گا......'' نہ جانے وہ اس سے کیا چاہ رہے تھے۔ وہ بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ آخر وہ اس کو اس طرح، بار، بار کال کرنے پر زور کیوں دے رہے ہیں۔
''اوکے سر! میں آئندہ خیال رکھوں گی......'' اس نے یونہی جان چھڑانے کے سے انداز میں کہتے ہوئے آخر میں ایک بار پھر ہچکچاتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔ ''میری سلیکشن تو ہو جائے گی ناں سر......؟''
''سلیکشن تو ہو ہی جائے گی...... بس آپ دعا کے ساتھ کچھ دوا بھی کریں......'' ان کی بات کے اختتام پر وہ ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہوئی تھی۔ نہ جانے کس قسم کا جلیبی ٹائپ انسان تھا وہ......؟ کبھی سیدھے طریقے سے بات کرتا ہی نہیں تھا۔
''دعا تو میں کرتی ہی ہوں...... باقی دوا کا آپ بتا دیں، میں دینے کو تیار ہوں۔'' اس بار اس نے کھل کر بات کی...... اب اتنی سمجھ تو وہ رکھتی ہی تھی کہ ان کی اس بات کا کیا مطلب ہے اس لیے اس بار آسانی سے ان کی بات کی تہ تک پہنچ کر جان گئی کہ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں اس سے رشوت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔
''اچھا...... تو پھر ٹھیک ہے پھر کل کا کوئی پروگرام سیٹ کرلیں مل کر کہیں چائے پانی پیتے ہیں......'' اس سے مطالبہ کرتے ہوئے وہ مزید بولے۔ ''اور لسٹ کی طرف سے بے فکر ہو جائیں...... آپ کا نام لسٹ میں آجائے گا...... اور اگر نہ بھی آیا تو یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہیں نہ کہیں آپ کی جاب کروا دوں گا۔'' اس کی رضامندی پا کر وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو گئے تھے۔
مگر...... دوسری طرف وہ ان کا مطالبہ سن کر دنگ رہ گئی تھی۔ آخر وہ اس کو کیا سمجھ رہے تھے؟ اس طرح کا مطالبہ کر کے وہ اس سے کیا چاہ رہے تھے؟ بس ایک پل لگا تھا اسے ساری بات سمجھنے میں...... اور جب سب کچھ اس کی سمجھ میں آیا تو ان تمام تر عجیب احساسات کو زبان مل گئی جو اتنے دنوں سے اسے پریشان کر رہے تھے...... کیے بعد دیگرے بھٹی صاحب کی ساری باتیں، ان کی حرکتیں، اس کی سمجھ میں آ کر اسے سن کرتی چلی گئیں...... وہ شخص کیا تھا؟ اور وہ اسے کیا سمجھ رہی تھی؟ اس کی باپ کی عمر کے برابر کا وہ باریش شخص اس قدر گھٹیا شخصیت کا مالک بھی ہو سکتا تھا؟ اس کا اعتبار پنکھ لگا کر اڑان بھرتا اس سے دور ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تعلیم جیسے مقدس شعبے میں بھی ایسی کالی بھیڑوں نے جنم لے لیا ہے جو اوپن میرٹ کے سائن بورڈ کے پیچھے لوگوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر من چاہی دھاندلی کر رہے تھے۔

ہمیں مارکیٹ میں گھومتے ہوئے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خوار ہوتے ہوئے یہ چوتھا گھنٹا شروع ہو چکا تھا۔ میرے تو پیر بھی اب دہائیاں دینے لگے تھے۔ جی چاہ رہا تھا فٹ سے رکشا ٹیکسی روکوں اور پٹ سے گھر پہنچ جاؤں۔ مگر میری ساس کا اب بھی کوئی ارادہ نظر نہیں آرہا تھا گھر واپسی کا..... بلکہ وہ تو اب بھی یوں لپک، لپک کر ہر دکان میں گھس رہی تھیں جیسے ابھی، ابھی مارکیٹ میں آئی ہوں۔ خوشی اُن کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی اور ہوتی بھی کیوں نہ...آخر بیٹی کو عیدی کے طور پر دینے کے لیے شاپنگ کر رہی تھیں۔

سسرال کا مان

ہالہ احمد



انہیں خوش کرنے کو تو یہی خیال کافی تھا کہ جب ان کی بیٹی یہ سب چیزیں ان سے وصول کرے گی تو وہ کتنی خوش ہوگی۔ اور ان ہر دو خوشیوں کے چکر میں جو میرا حال ابتر ہوا جا رہا تھا، وہ میں ہی جانتی تھی۔ اب تو بیزاری میرے چہرے سے عیاں ہونے لگی تھی اور بات کرتے ہوئے لہجے میں بھی اترنے لگی تھی۔ خدا، خدا کر کے شاپنگ مکمل ہوئی یا اللہ جانے آنٹی (ساس) خود بھی تھک گئی تھیں۔ بہر حال انہوں نے گھر واپسی کا عندیہ دیا اور میں نے اگلا ایک سیکنڈ بھی ضائع کیے بغیر ٹیکسی کو ہاتھ دے دیا۔

اس وقت سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ جب ہم گھر واپس پہنچے میاں جی کے آنے میں تو ابھی وقت تھا۔ لہٰذا اس وقت گھر میں صرف میں اور آنٹی ہی ہوتے تھے۔ میری صرف ایک نند آسیہ تھی وہ بھی شادی شدہ اور آج کی ساری شاپنگ اس کی عیدی پر ہی مشتمل تھی۔ خیر گھر پہنچنے پر میں نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔ آنٹی کو پانی پلایا اور اپنا گلاس لے کر ان کے پاس ہی صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے فون اٹھایا۔ گفتگو سے مجھے کچھ اندازہ نہیں ہوا کہ کس کا فون ہے مگر اتنا ضرور جان گئی کہ کسی مہمان کی آمد ہے، جب فون بند ہوا تو میں رہ نہیں سکی۔

آنٹی کوئی آرہا ہے کیا؟“

”ہاں، تمہاری امی کا فون تھا۔ وہ لوگ پرسوں آنے کا کہہ رہے ہیں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ میں بھی خوش ہوگئی۔ جانتی تھی کہ میری امی، بھابی اور بہن بھی میری عیدی لے کر آرہی ہیں۔

”کرن! میں سوچ رہی ہوں کہ اگر پرسوں تمہاری امی آرہی ہیں تو ہم کل جا کر آسیہ کو عیدی دے آئیں؟“ آنٹی نے مجھ سے پوچھا تو میں نے فوراً کہا۔

”جی آنٹی جیسے آپ کہیں...... اب صرف پانچ، چھ روز تو باقی ہیں عید میں۔“

”ہاں وہی ناں، میں بھی اسی لیے کہہ رہی ہوں، اچھا تم ایسے کرو یہ سب چیزیں نکالو اور انہیں ذرا طریقے سے پیک کر دو...... کپڑے الگ، چوڑیاں الگ اور کھانے کا سامان الگ......“ آنٹی نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے شاپنگ بیگ کھول کر سارا سامان نکالنا شروع کر دیا۔ دو سوٹ...... میرون اور سی گرین کلر کے خوب جھلمل کرتے ہوئے۔ ہم رنگ چوڑیوں کے سیٹ، آرٹی فیشل مگر بہت نفیس سا جیولری سیٹ...... میچنگ چپل، مہندی، سویاں، ڈرائی فروٹ وغیرہ اور بہت کچھ اس کے علاوہ تھا۔ اچانک ہی پتا نہیں کیسے ایک خیال میرے ذہن میں کوندا سا بن کر لپکا...... جہاں آنٹی نے آسیہ کے لیے اتنے چاؤ سے ایک، ایک چیز خریدی ہے، وہ بھی میری ہمراہی میں...... وہاں بے شک ایک چھوٹی سی چیز ہی سہی مگر اپنی بہو یعنی میری عیدی کے نام پر ہی لے لیتیں...... کتنی خوشی ہوتی مجھے مگر شادی کے بعد تین سالوں میں آنے والی کوئی ایک عید بھی ایسی تو نہیں تھی جس پر آنٹی نے میری عیدی کے طور پر مجھے ایک چھلا بھی دیا ہو۔ ہاں میاں جانی نے تو جوڑا بنایا ہی تھا لیکن میں اس بات کو کبھی زبان پر نہ لائی تھی...... نہ ہی اس بات کو لے کر کبھی کوئی عداوت دل میں پالی تھی بلکہ ہر عید پر آنٹی کے ساتھ جا کر آسیہ کے لیے خوشی، خوشی شاپنگ بھی کرتی تھی۔

ہاں مگر جب میرے میکے سے میری امی، بہن اور بھابی وغیرہ میری عیدی لے کر میرے گھر آتے اور بہن اور بھابی بڑی جستجو سے مجھ سے پوچھتیں۔

”کرن تمہاری ساس نے تمہیں کیا عیدی دی؟“ تب میرے دل میں بھی یہ معصوم سی خواہش حسرت بن کر ابھرتی کہ کاش آنٹی نے بھی مجھے کچھ دیا ہوتا تو میں فخر سے اپنے میکے والوں کو دکھاتی کیونکہ میری امی بھی بڑی باقاعدگی سے میری بھابی کو عیدی کے طور پر کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے دیتی تھیں اور وہ دکھاتے ہوئے بھابی کے چہرے پر جو مان ہوتا تھا.. جو خوشی ہوتی تھی وہ مجھے کبھی نہیں مل پائی تھی۔

ایسی بات ہرگز نہیں تھی کہ میں اپنی بھابی یا اپنی نند

سے کسی قسم کی کوئی جیلسی محسوس کرتی تھی۔ نہ ہی مجھ پر شاپنگ کے معاملے میں کوئی پابندی یا روک ٹوک تھی مگر بس میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں بھی اسی مان سے اپنی عیدی اپنے گھر والوں کو یہ کہتے ہوئے دکھاؤں کہ یہ مجھے میری ساس نے دی ہے۔ مگر...... ابھی تک یہ حسرت بس حسرت ہی تھی۔ ہر طرح سے پیار، محبت کرنے اور خیال رکھنے والی آنٹی کے دل میں یہ خیال پتا نہیں کیوں کبھی نہیں آیا تھا۔ خیر میں سوچوں کے سمندر میں کچھ زیادہ ہی غوطے کھانے لگی تھی۔ جب اُن کی کسی بات نے میرا ارتکاز توڑا...... میں جی بھی سر جھٹک کر چیزوں کی طرف متوجہ ہوگئی اور پھر اُن سے سے پوچھ کر سب سامان ان کی مرضی کے مطابق سیٹ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

”جیتی رہو۔“ انہوں نے خوش ہو کر مجھے دعا دی اور میں مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

اگلے دن شام کو میں اور ساس، آسیہ کے گھر جانے کے لیے تیار ہوئے۔ آسیہ کا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ سو ہم جلد ہی پہنچ گئے۔ آسیہ کی ساس نے بڑے تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ آسیہ خوب کھلی ہوئی تھی اور آنٹی اس کو دیکھ کر نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ چائے کا پُر تکلف دور چلا...... پھر آنٹی نے آسیہ کو اس کی عیدی دی۔ آسیہ نے فوراً ہی پیکنگ کھولنا شروع کر دی۔ میں اس کے پُر شوق مظاہرے پر مسکرا اٹھی۔ جونہی آسیہ کی نظر میرون والے سوٹ پر پڑی وہ چلا اٹھی۔

”ارے یہ میرون کلر...... بالکل اسی کلر میں ماما نے بھی مجھے عید کا سوٹ بنوا کر دیا ہے، رکیں میں ابھی لے کر آتی ہوں۔“ وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں گئی اور ایک بیگ اٹھا لائی۔ پھر اس نے چیزیں نکالنا شروع کیں۔ میرون کلر کا بے حد خوب صورت سوٹ، میچنگ جیولری اور کچھ میک اپ کا سامان، اور ایسی ہی چھوٹی، چھوٹی اور چیزیں...... اور یہ سب دکھاتے ہوئے آسیہ کے چہرے پر میں نے وہی فخر اور وہی خوشی دیکھی جو میں اپنی بھابی کے چہرے پر دیکھتی تھی۔ لمحے بھر کو میرا دل بجھ سا گیا مگر میں نے کمال خوب صورتی



رفعت شبانہ اور ان کے دولھا (کراچی)

میرے ساجن

چوڑی بھی کھنکتی ہے
بندیا بھی چمکتی ہے
لبوں پر گہری لالی ہے
آنکھیں بھی متوالی ہیں
مگر یہ سب ہے بے مایہ
گر تم اُن کو نہ سراہو
اسی لیے تو کہتی ہوں
اس عید پر تو آ جاؤ
میرا جیون مہک اٹھے
میرے کنگنے چھنک اٹھیں
دل کی کلی کھل جائے
زمانے کی ہر خوشی مل جائے
مراد بر آئے
زلف لہرا جائے
گر تم اس عید پر آ جاؤ
میرے من کو مہکا جاؤ
اندیشے دفن ہو جائیں
خزاں دل سے رخصت ہو
بہاریں لوٹ کر آئیں
آ جاؤ، بس آ جاؤ
اس عید پر تو آ جاؤ

شاعرہ: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤ الدین

سے اپنے دل کو سنبھال ہی لیا۔ آنٹی نے آسیہ کی ساس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اُن کی بیٹی کا کتنا خیال رکھتی ہیں تو اس کی ساس دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

''بس بہن! یہ تو معمولی چیزیں ہیں، میرے لیے تو یہی بہت ہوتا ہے کہ میری بہو کو کبھی پیار، محبت میں کمی محسوس نہیں ہو۔ اس کی ان چھوٹی، چھوٹی سی خوشیوں کا خیال رکھنا میری ذمے داری ہے...... بچیوں کو بڑا مان ہوتا ہے، سسرال سے ملنے والی ایک معمولی سی شے بھی بچیوں کو اُن کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔ اور یہ احساس ہی سب کچھ ہے ورنہ تو انہیں اپنے ماں باپ کے گھروں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔'' میں نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا...... میرے دل کی آواز کو ان کی زبان الفاظ کا جامہ پہنا رہی تھی۔ آنٹی اثبات میں سر تو ہلا رہی تھیں مگر اُن کی توجہ آسیہ ہی کی طرف تھی۔ مجھے لگا جیسے انہوں نے آسیہ کی ساس کی بات سنی ہی نہیں ہے۔ میں قدرے مایوس ہوئی۔ پھر کچھ وقت مزید بیٹھنے کے بعد ہم نے واپسی کی راہ لی۔

اگلا دن کافی مصروفیت لیے ہوئے تھا۔ میاں کو آفس روانہ کرنے کے بعد میں نے کمر کس لی۔ سارے گھر کی صفائی ستھرائی کرنے کے بعد کچن کی خبر لی۔ میں چاہتی تھی سب کام کاج اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر امی وغیرہ کے آنے سے پہلے خود کو بھی تھوڑا تازہ دم کرلوں...... اور اپنی اس کوشش میں، میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھی کہ جب امی، بھابی اور چھوٹی بہن شام کو آئے تو میں بہت فریش نظر آرہی تھی...... اور بہت خوش بھی...... جب میں چائے وغیرہ بنانے کچن میں آئی تو بھابی اور بہن بھی میرے ساتھ ہی آگئیں۔ میں جانتی تھی وہ کیا پوچھنے والی تھیں۔ اور یہی ہوا کہ کچن میں داخل ہوتے ہی بھابی نے سوال داغ دیا۔

''کرن آنٹی سے کیا ملا عیدی میں؟''

''بس بھابی آج کل میں ہی آنٹی مجھے عیدی دینے والی ہیں پھر نہ صرف بتاؤں گی بلکہ دکھاؤں گی بھی آپ کو......'' میں نے مہارت سے انہیں ٹال دیا۔

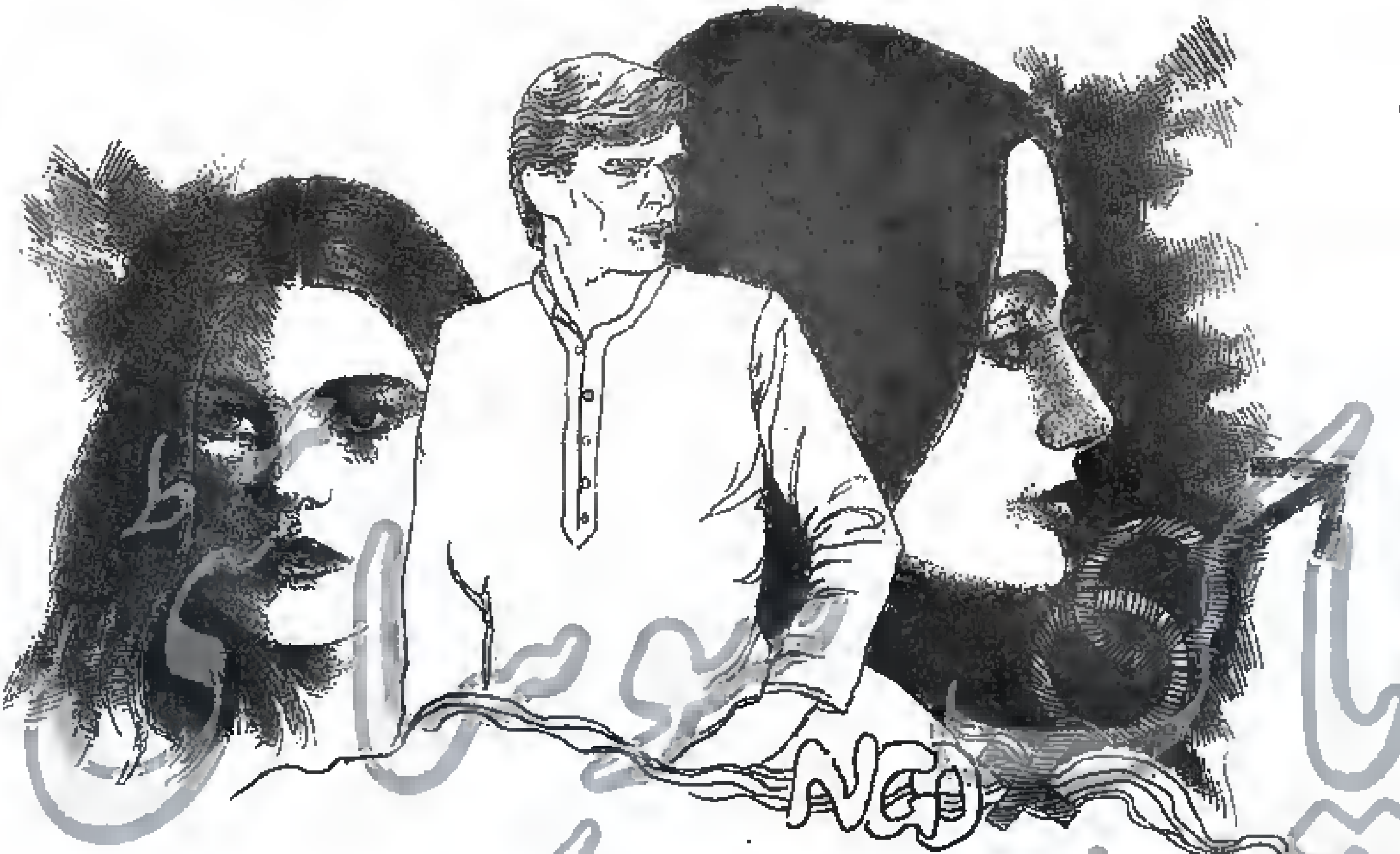
چائے کی تیاری میں ان دونوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا سو سب کچھ جلدی، جلدی تیار ہو گیا۔ بڑے اچھے ماحول میں گپ شپ کے ساتھ چائے پی گئی۔ امی نے مجھے میرے تحائف دیے اور بہت سارا پیار بھی...... میں بہت مسرت کے ساتھ سب سامان دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک سے میری ساس کی آواز آئی۔

''کرن! یہاں آؤ میرے پاس......'' سب لوگ حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی میری ساس کو تک رہے تھے۔ میں بھی نا سمجھی کے عالم میں چلتی ہوئی اُن کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اپنی کلائی میں پڑے ہوئے دو عدد سونے کے کنگنوں میں سے ایک اتارا اور...... اسے میری کلائی میں ڈال دیا۔ میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مجھے تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔

''میں نے سوچا کرن نے خود بھی عید کی کافی شاپنگ کرلی ہے اور پھر آپ لوگ بھی بہت خوب صورت تحائف لے کر آئے ہیں تو مجھے اپنی پیاری سی بہو کو کچھ منفرد سی عیدی دینی چاہیے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے امی سے کہا۔ امی تو بے پناہ خوش ہو گئیں، میں بڑھ کر آنٹی کے گلے لگ گئی۔

''آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔''

''کوئی زیادہ نہیں بیٹا......! یہ تو بچیوں کا مان ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماں، باپ سے تمام عمر تحفے وصول کرتی ہیں...... مگر سسرال سے ملنے والا تحفہ انہیں ان کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔'' میں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا...... گویا کل آسیہ کے گھر اس کی ساس کی بات سنتے ہوئے آنٹی بالکل بھی بے خبر نہیں تھیں۔ میں نے شکر گزاری سے نظریں جھکا لیں۔ جو خوشی اور مان میں بھابی اور آسیہ کے چہروں پر دیکھتی تھی آج وہی مان اور خوشی میرے چہرے پر تھی...... اور اس کا اندازہ میرے دل کے ساتھ، ساتھ امی، بھابی اور بہن کے چہروں سے بھی ہو رہا تھا جو مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔



بغاوت کی چنگاری

سلمیٰ غزل

جولائی کی گرم سہ پہر اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے پسینے میں شرابور دیگچی میں چمچہ چلا رہی تھی۔ گرمی کی حرارت دماغ تک جا پہنچی تھی اور اس پر بچوں کا شور دماغ پر جیسے ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"ہماری بھی کوئی زندگی ہے ہر وقت کی غلامی ...... صبح فجر سے لے کر رات گئے تک کام ہی کام گویا عورت نہ ہوئی کولھو کا بیل ہوگئی۔" ایسی ہی کئی سوچیں اس کے دماغ پر حاوی تھیں۔ وہ چولھا بند کر کے کمرے

میں آکر پسینہ سکھانے لگی۔ پنکھے کی ہوا نے ذہن کو سکون بخشا تو کارنس پر دھری اپنی اور انشال کی مسکراتی ہوئی تصویر نے پل بھر میں اس کا غصہ زائل کر دیا۔

"کتنے اچھے ہیں انشال، یہ سب فضا باجی کی فضول باتوں کا اثر ہے ورنہ انشال تو ہرگز بھی ایسے نہیں ہیں، صبح سے شام تک کولہو کا بیل بنے رہتے ہیں مگر مجال ہے جو ماتھے پر شکن ہو۔ کالج سے نکل کر کوچنگ سینٹر چلے جاتے ہیں پھر ٹیوشن پڑھا کر رات گئے جب گھر لوٹتے ہیں تو خوش باش ہنستے مسکراتے..... اور بغیر آرام کیے اپنے بچوں کو بھی پڑھائی میں مدد دینے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر ماہ پوری تنخواہ میرے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی سیاہ وسفید کی مالک میں خود اور اپنی ضرورت کے لیے مجھ ہی سے پیسے مانگتے ہیں..... " ذہن کو ٹھنڈک اور تازگی ملی تو اپنے منفی خیالات پر اسے شرمندگی ہونے لگی وہ بچوں کی آوازیں سن کر باہر آئی تو ان کی شرارتوں اور معصوم مسکراہٹوں نے دل کا سارا غبار دور کر دیا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد جب وہ دوبارہ کچن میں گئی تو دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

"بیٹا آؤ دروازہ کھولو تمہارے ابو ہوں گے۔"

ہمیشہ وہ خود گیٹ کھول کر والہانہ انداز میں انشال کا استقبال کرتی تھی لیکن آج اس کے کانوں میں فضا باجی کی آواز گونج رہی تھی۔

" عورت خود بڑھ کر مرد کا استقبال کرتی ہے یہ ذہنی پستی اور غلامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

"بیٹا! تمہاری امی کہاں ہیں؟" انشال نے آتے ہی بے تابی سے پوچھا کیونکہ سوائے بیماری کے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے خود بڑھ کر دروازہ نہ کھولا ہو۔

"ابو، امی شاید کچن میں ہیں۔" علیزہ کا دل چاہا کہ لپک کر کچن سے باہر نکل آئے۔

"کیا بات ہے میری جان! آج اب تک کچن میں ہو۔" انشال نے وہیں اس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے پیار سے کہا وہ بے مقصد چیزیں ادھر سے ادھر کرنے لگی۔

"آپ کمرے میں چلیں، میں آتی ہوں۔" پھر وہ بے چین ہو کر اس کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

کھانا بہت مزیدار تھا مگر بریانی میں مرچیں کافی تیز تھیں خود علیزہ کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بچوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"امی بریانی میں مرچیں حد سے زیادہ ہیں۔ ہم نہیں کھا پا رہے..... رائتے میں بھی آپ نے زیادہ مرچیں کر دیں۔" انشال کی بھی سی سی جاری تھی۔

"آج مرچیں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں چلو میری تو خیر ہے مگر بچے نہیں کھا رہے۔ تم یوں کرو علیزہ انہیں آملیٹ ڈبل روٹی دے دو......" انشال نے نرمی سے کہا اور علیزہ کے کانوں میں فضا باجی کی آواز گونج اٹھی۔

"کیا عورتیں صرف تنقید سننے کو رہ گئی ہیں۔" اسے غصہ آ گیا۔ "سارا دن کام میں لگی رہتی ہوں اور بچوں کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" پھر اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چیخ کر بولی۔

"لونڈی ہوں ناں اس گھر کی..... باپ، بیٹے نقص نکالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ دو لفظ تعریف کے تو کبھی منہ سے نکلتے نہیں۔" اس کے منہ میں جو آیا وہ نظریں ملائے بغیر بولتی چلی گئی یہ دیکھے بغیر کہ اس کے تیز و تند جملوں کا بچوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اور وہ کس قدر عجیب وغریب نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انشال کی بے چین نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"یہ میری علیزہ تو نہیں صبر و تحمل اور برداشت والی۔" خود انشال کو بھی اونچی آواز میں بولنا اور چھوٹی، چھوٹی باتوں پر بھڑکنا اور بدمزگی پھیلانا پسند نہیں تھا۔ علیزہ کی اس خوبی کا تو وہ بھی معترف تھا کہ عام عورتوں کی طرح گھر میں گھستے ہی اس کے سامنے مہنگائی کا رونا، کام کی زیادتی اور بچوں کی شکایتوں کا دفتر نہیں کھولتی تھی بلکہ وہ ہمیشہ انشال کا حوصلہ بڑھاتی اور قدم،

قدم پر اس کا ساتھ دے کر اپنی محبت کا یقین دلاتی تھی حالانکہ شادی کے ابتدائی دن کچھ زیادہ پُر آسائش نہیں تھے۔ انشال کی والدہ حیات تھیں اور والد گزر چکے تھے۔ دو بہنیں ملک سے باہر بیاہی تھیں لیکن مسقط اور دبئی اتنا بھی دور نہ تھا کہ سال میں ایک مرتبہ پاکستان نہیں آئیں اور علیزہ بہت اچھی مہمان نواز تھی۔ انشال کی تنخواہ محدود تھی۔ ایک سترہ گریڈ کے لیکچرار کو تنخواہ ملتی ہی کتنی ہے پھر اماں نے اس کی نوکری ہوتے ہی شادی کا غلغلہ مچا دیا تھا۔ علیزہ ان کی پسند تھی، پڑھی لکھی، سلیقہ شعار، سگھڑ اور محنتی۔ مگر آج علیزہ کو جانے کیا ہوگیا تھا۔ انشال نے خاموشی کو زباں نہ دی اس پر علیزہ اور بھی چڑ گئی۔

''ہاں، ہاں میں تو پاگل ہوں جو بلاوجہ ہی چیخے چلی جا رہی ہوں۔ بچوں اور ان کے ابا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو...... برستی گرمی اور تپتی دوپہر میں ایک دن بھی کھانا پکالیں تو ہوش ٹھکانے آجائیں، ایک میں ہوں کہ سارا دن چرخی کی طرح گھر میں ناچتی رہتی ہوں۔ اس پر نہ کسی کو احساس ہے نہ میری قدر بس سب سے تنقید کروالو......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی کہ دو نرم گرم بانہوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا وہ گھبرا گئی، بچے جانے کب اس کے غصے سے ڈر کر بھوکے ہی میز سے اٹھ گئے تھے۔

''علیزہ میری جان مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ہمارے لیے اتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے کوشش تو بہت کرتا ہوں آمدنی میں اضافے کی مگر وقت کی کمی ہے......'' انشال کی نرم اور پُرخلوص آواز نے اسے ندامت کے پاتال میں دھکیل دیا۔

''علیزہ مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے جب تمہیں اتنی محنت کرتے دیکھتا ہوں اور وہ بھی ہمارے لیے...... گھر سنبھالنا، کھانا پکانا اور بچے پالنا صرف عورت ہی کی تو ذمے داری نہیں یقیناً مجھے بھی تمہارا ان کاموں میں کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے مگر کیا کروں، وقت ہی نہیں ملتا...... میں نے تمہیں بارہا کہا ہے فل ٹائم نوکر رکھ لو میں کسی نہ کسی طرح مینج کرلوں گا مگر تم پر تو بچت کا بھوت سوار رہتا ہے اپنا گھر بنانے کے لیے...... گھر بھی انشاءاللہ ...... بن جائے گا مگر تم حوصلہ اور ہمت نہ ہارو ورنہ میں تھک جاؤں گا تم سے تو مجھے توانائی ملتی ہے تمہارے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں......'' علیزہ کو لگا جیسے اس نے تھکے ہارے انشال سے کھانے کے دو لقمے بھی چھین لیے ہوں، کم ظرفی کی انتہا تھی کھانا بھی کسی نے سکون سے نہیں کھایا اور یہ صرف اس کے غصے کی وجہ سے ہوا۔ وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی انشال کے الفاظ میں جادو تھا جس نے اسے شرمندگی سے دوچار کردیا اور وہ انشال کے سینے میں منہ چھپا کر ندامت کے آنسو بہانے لگی۔ الفاظ ساتھ چھوڑ چکے تھے لفظ گونگے ہوگئے تھے۔ صرف دھڑکنوں کی تال پر دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔

☆☆☆

وہ سالن بھون رہی تھی جب چھوٹی بہن رمشا جو اسی بلڈنگ کے سیکنڈ فلور پر رہتی تھی اس کے پاس آگئی۔

''باجی، فضا باجی کے یہاں نہیں چلوگی، آج ان کے گھر میٹنگ ہے۔''

''نہیں رمشا اس وقت نہیں، یہ میرے کام کا وقت ہے، بچے اسکول سے آئیں گے اور تمہارے بہنوئی بھی دوپہر کو کھانا کھانے گھر ہی آتے ہیں اور پھر رات تک مصروف رہتے ہیں۔'' علیزہ کے لہجے میں انشال کے لیے پیار چھلک رہا تھا۔

''حد ہے باجی تم تو بالکل گھر کی 'گھونس' بن کر رہ گئی ہو میں نے تو صاف تمہارے بہنوئی سے کہہ دیا ہے کہ آفس سے آتے ہوئے کھانا لیتے آئیں خود بھی کھائیں اور بچوں کو بھی کھلا دیں۔ صاف کردی میں نے تو اپنے میاں کی طبیعت آگے سے کچھ بولنے ہی نہیں دیا۔ ...آخر اپنی زندگی پر میرا بھی کچھ حق ہے۔'' رمشا کی زبان کے آگے تو خندق تھی، اس نے علیزہ کو کچھ بولنے ہی نہیں دیا اور گھسیٹتی ہوئی گراؤنڈ فلور کے فلیٹ پر لے آئی جہاں سے فضا کی آواز گھر سے باہر تک آرہی تھی۔

''ہماری آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ بچے ہیں، مرد ہمیں بچوں کی نادیدہ زنجیروں میں جکڑ کر غلامی کا طوق پہنا دیتے ہیں۔ بچوں کی پیدائش ان کی دیکھ بھال اوران کی تعلیم وتربیت ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہے، جوانی کب آئی کب رخصت ہوگئی پتا ہی نہیں چلتا اور ہم مرد کی غلامی میں خوش رہتے ہیں۔ بچوں کو دودھ پلانا...... جونکوں کو خون چوسانے کے مترادف ہے ہماری رعنائی اور دلبرائی سب ان کی نذر ہوجاتی ہے پھر یہی میلے کچیلے ہاتھ اوراجڑے چہرے والی بیویاں انہیں زہر لگنے لگتی ہیں اور وہ پھر حسین، خوب صورت اور دلفریب چہروں کی تلاش میں دریافت کے پرندے کی طرح ڈال...ڈال، پات، پات بھٹکنا شروع کردیتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ آخر عورت کو اس مقام پر کس نے پہنچایا اور کیوں؟ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اس کو ہم اپنی مرضی سے اپنی خوشی کے مطابق کیوں نہیں گزاریں۔ وہ تو جیسے تقریر یاد کیے ہوئے تھیں۔ ''ہم عورتوں کا المیہ یہی ہے کہ ہمیں صرف اپنے فرائض یاد رہتے ہیں حقوق کا پتا ہی نہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنا مقام پہچانیں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور بچوں جیسی مصیبت سے دور رہیں جن کی موجودگی آپ کی جوانی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔'' فضا باجی کی آواز میں تلخی تھی نفرت اور حقارت تھی۔

'' بچے اور مصیبت! توبہ، توبہ فضا باجی کو کیا ہوگیا ہے بچوں سے تو زندگی کا احساس اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ میرے دونوں بیٹے میرے پاس نہ ہوں تو زندگی کھنڈر کی طرح لگے ویران اور اداس...... ان کی معصوم پیاری پیاری باتیں تو جینے کا آسرا ہوتی ہیں اور پھر بزرگ کہتے ہیں کہ بچے تو میاں، بیوی کے رشتے کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ پل بن جاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان بھلا بچوں کے بغیر زندگی بھی کوئی زندگی ہے ادھوری اور نامکمل......!'' یہ علیزہ کے اندر کی آواز تھی جس پر فضا کی تقریر بھاری پڑ رہی تھی مگر علیزہ بے چین تھی اپنے بچوں اور شوہر کے لیے جو گھر پر اس کا انتظار کررہے ہوں گے تب ہی رمشا نے اس کا کاندھا ہلایا۔

''چلو باجی، گھر چلیں دیکھا تم نے فضا باجی نے کتنی اچھی تقریر کی...... میں تو متاثر ہوگئی ہوں ان کے فرمودات سے کس قدر عورتوں کی ہمدرد اور ان کے ساتھ مخلص ہیں۔'' علیزہ گم صم کھوئی، کھوئی حالت میں گھر پہنچی تو انشال اور بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے وہ شرمندہ، شرمندہ فوراً کچن میں گھس گئی۔

☆☆☆

شام کو نہا دھو کر اس نے چکن کا نیا جوڑا پہنا۔ آج چھٹی کا دن تھا اور انشال بچوں کو نزدیکی پارک لے گئے تھے وہ گیلے بال سلجھا رہی تھی کہ بچے ہنستے مسکراتے آگئے۔

''علیزہ ذرا آذر کو نہلا دو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا ہے۔'' علیزہ کو غصہ آگیا اس نے کس کے ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

''کیا کرتی ہو بلاوجہ اسے مارا، لاؤ مجھے دو، میں نہلا دیتا ہوں۔'' انشال کے لہجے میں ملامت تھی۔

''بس رہنے دیں۔'' وہ غصے میں آذر کو کھینچتی ہوئی باتھ روم لے آئی جواس کے غصے سے سہم گیا تھا کپڑے بدلوا کر جب وہ اس کے کنگھا کررہی تھی تو وہ اس سے لپٹ گیا۔

''سوری امی، اب میں کبھی مٹی میں نہیں کھیلوں گا۔'' علیزہ تڑپ اٹھی اس کے دل پر گھونسا سا لگا اور وہ بے اختیار اس کو گلے لگا کر چومنے لگی اور خود پر ڈھیروں لعنت بھی بھیجی۔

فضا انصاری کو گراؤنڈ فلور پر آئے صرف دو ماہ ہوئے تھے مگر اس قلیل مدت میں وہ ہر دلعزیز ہوگئی تھی، وہ عورتوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے میں پیش، پیش تھی اور انہیں اپنے حقوق سے آگاہ کرنا اس کا مشن تھا۔ اس کے ساتھ دو تین ادھیڑ عمر کی عورتیں اور بھی تھیں جو خود کو سوشل ورکر کہتی تھیں۔ ہر وقت بنی سنوری ٹپ ٹاپ.... انگریزی ان کی لونڈی اور فیشن ان کا غلام تھا۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

سارے مرد اُن سے متاثر تھے۔ یہ متوسط طبقے کا علاقہ تھا زیادہ تر آبادی اپارٹمنٹ پر مشتمل تھی۔ اس لیے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساجھی اور شریک تھے۔ زیادہ تر مرد حضرات اپنے کام پر اور خواتین گھر میں مصروف رہتی تھیں اور انہیں ان خواتین سے خاص ہمدردی تھی جو حقوق کے لفظ سے نا آشنا تھیں اور خود کو گھر اور بچوں تک محدود کر رکھا تھا وہ انہیں بیدار کرنا چاہ رہی تھیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوگئی تھیں۔ علیزہ کی چھوٹی بہن رمشا تھرڈ فلو پر رہتی تھی طبعاً علیزہ کی ضد تھی بے حد باتونی، طرح دار اور فیشن کی دلدادہ دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود اس کا بچپنا نہیں گیا تھا اس کا شوہر انشال کا دوست ہونے کے ساتھ، ساتھ اسی کالج میں پڑھاتا تھا۔ بے حد سلجھا ہوا، متین اور سنجیدہ ...... علیزہ کی طرح رمشا کو گھرداری یا بچے سنبھالنے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی اکثر بھانجا، بھانجی علیزہ کے گھر ہی نظر آتے جن کی علیزہ کے دونوں بیٹوں سے بے حد دوستی تھی۔ جہاں علیزہ کا گھر اس کے سلیقے اور سگھڑاپے کی منہ بولتی تصویر تھا وہیں رمشا کا فلیٹ اس کے پھوہڑپنے ...... بدسلیقگی اور بدانتظامی کا آئینہ دار...... آئے دن ان دونوں میاں، بیوی کے درمیان گھریلو معاملات میں جھگڑے ہوتے ہی رہتے اور علیزہ کے سمجھانے کے باوجود وہ اس کی نصیحتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیتی جبکہ اس کے سگھڑاپے اور گھرداری کا مذاق بھی اڑاتی۔ جب تک علیزہ کی ساس زندہ رہیں اس کو خود بھی گھرداری کا اتنا پتا نہیں تھا کیونکہ وہ مزے سے ایک اسکول میں پڑھا رہی تھیں ساس جہاں طبعاً مشفق اور محبت کرنے والی تھیں وہیں علیزہ بھی ساس کی قدردان اور احترام کرنے والی۔ ان کا گھر محبت، پیار اور امن وسکون کا گہوارہ تھا...... اس کا میکا حیدرآباد میں تھا مگر وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح بھاگ، بھاگ کر حیدرآباد نہیں گئی...... دونوں بچوں کی پیدائش پر بھی اس کی ساس نے اس کا پوری طرح خیال رکھا اور اسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہوئی کہ ماں حیدرآباد سے سفر کرنے

بدگمانی کا زہر

چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے رشتوں میں ایسے بدگمانی کے سوراخ کردیتی ہیں کہ انسان ساری عمر اُن سوراخوں میں وضاحتوں کی اینٹیں لگا کر بھی اپنے خوب صورت رشتے کو نہیں بچا پاتا۔

از: نگہت زیدی، بہارہ کہو



فریدہ افتخار (اسلام آباد)

سے معذور تھی۔ اس کا بھرا پرا میکا تھا۔ تین شادی شدہ بھائی تھے مگر اس کے آنے پر بھابیاں خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتی تھیں کیونکہ وہاں پر بھی وہ نچلی نہیں بیٹھتی تھی بلکہ ان کے ساتھ ہر کام میں لگی رہتی تاکہ کسی کو اس کا آنا بوجھ نہ لگے۔ جبکہ رمشا کو دیکھ کر بھابیوں کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے کیونکہ وہ وہاں مہمانوں کی طرح بڑے ٹھسے اور طمطراق سے رہتی تھی اور باوجود علیزہ کے سمجھانے کے ہل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی۔

”میں یہاں آرام کرنے آتی ہوں کام کرنے نہیں۔ تمہیں اگر ”بندوڑ“ بننے کا شوق ہے تو بنو مگر مجھے

معاف رکھو۔" رمشا کی زبان کے آگے خندق تھی وہ بولتی زیادہ اور سنتی کم تھی جس سے ماں، باپ بھی عاجز تھے۔

آج کل علیزہ خود سے بھی پریشان رہنے لگی تھی پتا نہیں اسے کیا ہوتا جارہا تھا۔ گھر کے کاموں میں اس کی دلچسپی ختم ہوتی جارہی تھی اور شوہر سے تو تکرار بھی ہونے لگی تھی۔ ہر کام محبت مانگتا ہے جس کام کو بھی پیار اور محبت سے عبادت سمجھ کر کیا جائے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں لذت تھی۔ جس کے سب دیوانے تھے مگر آج کل بچوں کو یہی شکایت تھی کہ "امی کھانا مزے کا نہیں بنارہیں۔"

☆☆☆

آج کل وہ خود احتسابی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اسے اپنے رویے پر ندامت تو ماحول کی پراگندگی پر شرمندگی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب فضا باجی کی باتوں پر کان دھر کر اپنی پُرسکون زندگی کو آگ نہیں لگائے گی، نہ گھر کی جنت کو دوزخ بننے دے گی۔ اس روز اس نے دل لگا کر کھانا پکایا۔ بچے نیچے کی بلڈنگ کی چار دیواری میں دوستوں کے ساتھ کھیلنے گئے ہوئے تھے وہ ابھی نہانے جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ بیل کی آواز سے فلیٹ گونج اٹھا۔

"یہ کون بے وقت دوپہر کو آگیا۔" اس نے دروازہ کھولا تو فضا باجی کھڑی تھیں۔ بنی سنوری...... نوک پلک سے درست وہ بوکھلا گئی گھر تو صاف ستھرا تھا مگر اس کا حال سر جھاڑ منہ پھاڑ...... اس نے فضا کو لا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

"تمہارا فلیٹ بڑا خوب صورت اور صاف ستھرا ہے۔" انہوں نے کھلے دل سے تعریف کی اور علیزہ خوش ہوگئی۔

"تم سارا دن کیا کرتی رہتی ہو باہر نکلا کرو ناں......"

"بس باجی وقت نہیں ملتا......"

"حد ہے بھئی!" ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"میں نے تو سنا تھا تم ایم اے انگلش ہو۔"

"جی۔" علیزہ کے لہجے میں فخر تھا۔

"تو پھر اپنے آپ کو گھر داری میں کیوں ضائع کررہی ہو، اپنی صلاحیتوں کو آزماؤ، اپنے ٹیلنٹ سے فائدہ اٹھاؤ، یہ چولھا چکی تمہارا کام نہیں، یہ تو کوئی بھی ان پڑھ کرسکتا ہے۔"

"اصل میں جب تک میری مرحومہ ساس زندہ تھیں۔ میں جاب کرتی رہی کیونکہ ان کی زندگی میں نہ مجھے بچوں کی فکر تھی نہ گھر داری کی، خدا انہیں کروٹ، کروٹ جنت نصیب کرے پورا گھر انہوں نے سنبھال رکھا تھا سچ پوچھیں تو ان کی وفات کے بعد مجھے آٹے دال کا بھاؤ پتا چلا اور مجھے نوکری چھوڑنی پڑی کیونکہ اب بچوں اور گھر کو میری زیادہ ضرورت تھی، بچے بڑے ہوجائیں گے تو پھر سوچوں گی۔"

"ہونہہ...... تم حد درجہ بے وقوف ہو علیزہ۔" وہ بے تکلفی سے منہ بنا کر بولیں۔ "تم خود اتنی اچھی ہو کہ ساس کے چلتر پن کو پہچان نہیں سکیں انہوں نے ایک طرح سے پورے گھر پر قبضہ کر کے تمہیں دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکالا ہوا تھا، اچھا مجھے بتاؤ تمہارے شوہر تنخواہ کسے دیتے تھے؟"

"اماں کو...... آخر وہ پورا گھر چلاتی تھیں البتہ میری تنخواہ میرے پاس ہی رہتی تھی۔" علیزہ کو فضا کے سوال جواب پر غصہ تو بے حد آرہا تھا لیکن گھر آئے مہمان کی بے عزتی کرنا روایات کے خلاف ہے اسی لیے وہ سنتی رہی۔

"بس یہیں سے ان کی چالاکی کا پتا چلتا ہے۔ تم کماتی تھیں اس لیے اپنی تنخواہ پر تمہارا حق تھا لیکن شوہر کی تنخواہ کی بھی تم حقدار تھیں جس پر تمہاری ساس زندگی بھر سانپ بن کر بیٹھی رہیں اور تمہیں الو بناگئیں۔"

علیزہ کا دل چاہ رہا تھا فضا کو کھری، کھری سنا دے وہ کون ہوتی ہے مرحومہ ساس کی برائیاں کرنے والی۔ اس کو اچھی طرح یاد تھا۔ دونوں بیٹوں کے داخلے کے وقت وہ دونوں میاں بیوی کتنا پریشان تھے اچھے اسکول میں تعلیم دلانا دونوں کا خواب تھا مگر اسکول کی

ایڈمیشن فیس ان کی بساط سے باہر تھی تب یہ اماں ہی تھیں جنہوں نے یکمشت پچاس ہزار روپے انہیں دے کر ان کی مشکل آسان کر دی تھی۔

"بیٹا...... میں گھر کے خرچے سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ بچا لیا کرتی تھی تاکہ آڑے وقت میں کام آئے......" وہ دونوں خوشی سے اماں سے لپٹ گئے تھے۔

علیزہ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا ایک جارہا تھا فضا نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا کر موضوع ہی بدل دیا تھا۔

"علیزہ تمہارے بال کتنے خوب صورت ہیں۔" علیزہ نے نہانے کے لیے بال کھول رکھے تھے جو آبشار کی طرح پوری کمر پر پھیلے ہوئے تھے یوں تو وہ خود بھی خوش شکل اور اسمارٹ تھی لیکن بال نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت تھے، لمبے گھنے سیاہ چمکیلے اور سلکی...... انشال تو دیوانہ تھا اس کے بالوں کا...... اکثر رات کو شرارت سے اس کی زلفوں میں منہ چھپا کر کہتا۔

"علیزہ جان ان زلفوں کی چھاؤں میں مجھے نیند بڑی اچھی آتی ہے۔ تم انہیں میری امانت سمجھ کر سنبھال کر رکھا کرو......" اور حقیقتاً علیزہ کو انشال کی ہی وجہ سے اپنے بال...... بے حد عزیز تھے نہ جانے کون، کون سے ٹونے ٹوٹکے استعمال کر کے وہ ان کی حفاظت کرتی تھی۔

"انشال کو میرے بال بے حد پسند ہیں۔" وہ فخر اور پیار کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔

"لیکن آج کل کس کے پاس وقت ہے ان گھنے جنگلوں کو سنبھالنے کا۔" فضا منہ بنا کر بولی۔

"آج کل تو لمبے بالوں کا فیشن بھی نہیں تم نے خواہ مخواہ دردِ سر پال رکھا ہے۔ پینڈو رکھتے ہیں لمبے بال، تم تو پڑھی لکھی ہو میری مانو تو کٹوا لو...... میرے ساتھ چلو بیوٹی شاپ میں کٹوا دوں گی آفت لگو گی۔" علیزہ کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر وہ جلدی سے گویا ہوئیں۔ "پیسوں کی فکر نہیں کرو بیوٹی پارلر میری دوست کا ہے مفت میں کاٹ دے گی۔"

"مگر میں نے آپ سے بال کٹوانے کو کب کہا؟ اگر مجھے لمبے بال پسند نہ بھی ہوتے تب بھی نہیں کٹواتی کیونکہ یہ میرے شوہر کی پسند ہے اور میں ہمیشہ اپنی پسند پر انشال کی پسند کو ترجیح دیتی ہوں۔ دراصل فضا باجی۔" اس نے ہمدردی سے کہا۔ "آپ کی شادی نہیں ہوئی ناں اس لیے آپ کو ان رفاقتوں، محبتوں اور چاہتوں کا کیا پتا...... میری مانیں تو آپ بھی شادی کر لیں پھر دیکھیں زندگی کا مزہ......" علیزہ نے خلوص سے مشورہ دیا مگر فضا کو تلوؤں سے لگی تو سر پر بجھی۔

"خیر مجھے کوئی شوق نہیں ہے اپنی آزادی سلب کرانے کا...... یہ غلامی تمہیں ہی مبارک ہو۔ میں تو مردوں کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔" پھر علیزہ کے لاکھ روکنے پر وہ غصے میں چلی گئیں۔

"ہو...... اس طرح کی عورتیں پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہیں خدا جانے ان کے عزائم کیا ہیں جو پُرسکون زندگی میں ہلچل مچانے آجاتی ہیں۔ ازدواجی زندگی میں زہر گھولنا شاید ان کا مشن ہے، شکر ہے مجھے وقت سے پہلے عقل آگئی اور ابھی کچھ نہیں بگڑا لیکن رمشا کو سمجھانا پڑے گا وہ بے وقوف فضا باجی سے بڑی متاثر ہے خدا نہ کرے کہ اس کا کوئی نقصان ہو جائے۔"

☆☆☆

اس دن فضا کی گفتگو نے علیزہ کو کافی محتاط کر دیا تھا اور وہ کچھ پریشان بھی تھی کیونکہ انشال کا رویہ روز بروز پُراسرار ہوتا جارہا تھا اکثر اس کی واپسی رات گئے ہوتی تھی، بچے بھی اس کی غیر موجودگی کو محسوس کرنے لگے تھے۔ گھر سے اس کا تعلق واجبی سا رہ گیا تھا۔

نہ وہ چونچلے، نہ وہ چھیڑ خانی، نہ رات گئے تک علیزہ کے ساتھ مستی بھری سرگوشیاں کس سے اپنے دل کا حال کہتی رمشا نے بھی گھر اور بچوں پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ جس کی علیزہ کو بڑی خوشی تھی۔ اس کی بیرونی سرگرمیاں بھی محدود ہوگئی تھیں اور وہ بے حد سنجیدہ اور خاموش رہنے لگی تھی جو علیزہ کے لیے حیرت کا باعث تھا۔

آج تو حد ہوگئی تھی رات کا ایک بج رہا تھا اور

انشال کا کوئی پتا نہیں تھا۔ کئی واہموں اور خدشوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ آج بھی معمولی بات پر وہ بھڑک اٹھی تھی اور انشال بھی بغیر کچھ کہے غصے میں باہر چلا گیا تھا۔

''اصل میں سارا قصور میرا ہی ہے۔'' جب علیزہ نے ٹھنڈے دل سے سوچا تو ساری غلطی اپنی نظر آئی۔

''سارا دن بیچارے کولھو کا بیل بنے رہتے ہیں۔ پڑھانا کوئی آسان کام تو نہیں۔ پھر کالج سے نکل کر کوچنگ سینٹر جانا، رات گئے تک دوسرے دن کے لیے لیکچر تیار کرنا...... آخر وہ یہ سب کس کے لیے کرتے ہیں میرے اور بچوں کے لیے اتوار کو بھی کسی پرائیویٹ کالج میں کلاس لینے چلے جاتے ہیں تاکہ ہماری ضروریاتِ زندگی سکون سے پوری ہو سکیں۔ اور میں نے کیا، کیا؟ فضا باجی کی باتوں کے سحر میں آکر اپنی جنت کو آگ کے شعلوں کی نذر کرنے کی کوشش کی۔ انشال اور بچوں کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے پھر یہ تو میرا اپنا گھر ہے جس کی میں بغیر کسی کے دخل کے مالک ہوں۔ مہارانی ہوں اس گھر کے تخت و تاج کی سیاہ و سفید کی مالک پھر غلامی کیسی یہ تو حکمرانی ہے۔ مجھے تو دو گھڑی پھر بھی کمر لگانے کا موقع مل جاتا ہے لیکن انشال کو تو چھٹی کے دن بھی آرام نہیں پھر بھی ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں کبھی میں نے انہیں چڑچڑاتے، جھنجلاتے یا غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔''

رات کے سناٹے میں اچانک باؤنڈری وال سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ علیزہ نے گھبرا کر فلیٹ کی بالکونی سے جھانکا ہر فلیٹ سے کوئی نہ کوئی لٹکا ہوا تھا اور نیچے شور ہی شور تھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ انشال کا اب تک کوئی پتا نہیں تھا اس کا دل چاہا وہ رمشا کے پاس جا کر دل کا بوجھ ہلکا کرے مگر بچے سو چکے تھے اتنی رات کو اوپر جانا ٹھیک تھا نہ بچوں کو تنہا چھوڑنا...... اچانک دروازہ ناک ہوا اس نے گھبرا کر دروازہ کھولا اور انشال کو دیکھتے ہی بے تابی سے بولی۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے، میں بے حد پریشان تھی۔''

''بیگم صاحبہ آپ کو پریشانی سے بچانے کے لیے ہی تو یہ خادم آج کل بے حد مصروف تھا۔ گراؤنڈ فلور کے ایک فلیٹ میں چند خواتین نے این جی او کی آڑ میں فحاشی کا اڈا بنایا ہوا تھا ایسی ہی خواتین تو مخلص خواتین کے کام کو داغدار کرتی ہیں۔ ان خواتین کا مقصد ہی ازدواجی زندگی گزارنے والوں کا سکون تباہ کرنا تھا کیونکہ خود اُن کی شادی ہوئی نہیں اس لیے وہ چاہتی ہیں خود نہ بس سکیں تو کسی اور کو بھی نہ بسنے دیں۔'' وہ پھر شرارت سے علیزہ کی ناک دباتے ہوئے شوخ ہوا۔

''تمہارے لیے ایک سرپرائز یا خوش خبری ہے۔ میں تو خیر تمہاری زلفوں کے پیچ وخم میں اس طرح الجھ گیا تھا کہ بقول شاعر......

''اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے...... والا حساب تھا اس سے مجھ پر تو ان خاتون کا جو میڈم فضا کہلاتی ہیں جادو چل نہ سکا لیکن ہمارے بے وقوف دوست جو اتفاق سے تمہارے بہنوئی بھی ہیں اس کا شکار ہوتے، ہوتے بچ گئے، وہ شادی کرنے والے تھے ان سے اور میں بغیر ٹھوس ثبوت کے انہیں سمجھا نہیں سکتا تھا اس لیے آج ان سرگرمیوں سے انہیں آگاہ کیا پولیس کا چھاپا پڑوایا اور یوں اسے اسیری سے بچایا۔ رمشا کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں مگر اسے سمجھانا ضرور کہ میاں بیوی کے درمیان رشتہ محبت، اعتماد، وفا، اخلاص اور قربانی سے ہی قائم رہ سکتا ہے میاں، بیوی کے درمیان خلا نہیں آنا چاہیے ورنہ اس خلا کو پُر ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ محبت اور غلامی میں بڑا فرق ہے اس بے وقوف کو یہ ہی نہیں معلوم کہ آزادی کے نام پر وہ کیا کچھ لٹانے جارہی تھی۔'' آخر میں انشال کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ علیزہ کا سر تشکر کے مارے جھک گیا شرمندگی کی وجہ سے الفاظ لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے بغاوت کی پرچھائیاں نظروں سے اوجھل ہوئیں تو ہر چیز واضح ہو گئی اس نے انشال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اپنی خوشیوں کی دعا کی ابھی تو اسے شکرانے کے نفل بھی پڑھنا تھے۔



رسّی

عقیلہ حق

میرے قدم نہیں اٹھ رہے تھے...... بڑی مشکل سے اپنے وجود کو گھسیٹتی میں دروازے تک پہنچ ہی گئی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ سارے گھر پر ایک عجیب اداسی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے در و دیوار کو دیکھا...... کہیں میں غلط جگہ تو نہیں آگئی۔

میں خاموش وجود کو گھسیٹتی آگے بڑھی...... میری نظر خالی بیڈ پر پڑی...... میرے بڑے بھیا کا بیڈ خالی تھا...... وہ اسپتال میں تھے...... وہ دل کے مریض تھے۔

میں نے دوسرے کمرے میں دیکھا...... بکھرے بال اور اجڑے وجود کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے جو عورت بیٹھی تھی میرا دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ وہ میری

بڑی بھابی ہیں..... میری نظریں دوبارہ بھابی کے وجود پر ٹک گئیں.....''

''بڑی بھابی.....'' میرے منہ سے کپکپاتا ہوا نکلا۔

☆☆☆

''بڑے بھیا کی انجم کو طلاق ہوگئی۔'' میں جو آنکھیں بند کیے لیٹی تھی..... میں نے گھبرا کر موبائل کی جگمگاتی اسکرین کو دیکھا۔

اور پھر دوبارہ فون کان سے لگالیا..... اس امید کے ساتھ جو بھی سنا وہ غلط ہوگا..... دراصل منزہ کچھ اور کہہ رہی ہوگی..... میں نے سنا کچھ اور ہے۔

''کیا کہہ رہی ہو.....؟'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

''بڑے بھیا کی انجم کو طلاق ہوگئی.....'' میری چھوٹی بہن منزہ نے اپنی بات کو دُہرایا۔

''بڑے بھیا کی انجم کو.....؟'' میں شدید حیرت زدہ ہی تھی۔

''ہاں بھئی، بڑے بھیا کی انجم.....'' منزہ کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا سا تھا۔

☆☆☆

''گھر میں ہمارے آئی دلہن سکھی پھول برساؤ.....

گھر میں ہمارے آئی دلہن سکھی پھول برساؤ.....''

بڑے بھیا کی دلہن، نیلوفر بھابی گھر میں داخل ہو رہی تھیں..... اُن کا پھولوں سے استقبال ہو رہا تھا۔ سب لڑکیاں گا رہی تھیں اور ان آوازوں میں سب سے نمایاں آواز میری تھی۔

بڑے بھیا ہم چار بہنوں کے ایک ہی تو بھائی تھے۔ محبت کرنے والے، پُروقار، بڑے بھیا..... ہم چاروں بہنیں بڑے بھیا کو دل و جان سے چاہتے تھے تو بڑے بھیا بھی ہم کو بہنوں سے زیادہ بیٹیوں کی طرح ٹریٹ کرتے۔ میں ساتویں جماعت میں تھی جب بڑی بھابی نیلوفر ہمارے گھر کا حصہ بنیں۔ بڑی آپا کی شادی ہو چکی تھی اور چھوٹی آپا بی اے کر رہی تھیں، میں تیسرے نمبر کی اور سب سے چھوٹی منزہ..... جب سرخ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی بھابی کے برابر میں بڑے بھیا جا کر بیٹھے تو منزہ اُن کی گود میں تھی اور میں..... بڑے بھیا کے گھٹنے سے لگی جھک، جھک کر بڑی بھابی کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''بھابی میں آپ کے کمرے کی صفائی کر دوں؟'' مجھے سانولی سلونی سی بڑی بھابی بہت اچھی لگتی تھیں۔ اور اچھا لگنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ میرے بڑے بھیا کی دلہن تھیں۔

''ہاں، ہاں کر دو..... بلکہ روز ہی کر دیا کرو..... لیکن آہستہ، آہستہ کیونکہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' بڑی بھابی کا لہجہ روکھا سا تھا۔

لیکن مجھے لہجوں کی کہاں پہچان..... میں تو اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ان کے لیے سر درد کی دوا لینے بھاگی..... اور پھر کمرا صاف کرنے کے بعد جب تک بڑی بھابی سو نہیں گئیں میں اُن کا سر دباتی رہی۔

بڑی بھابی مزاجاً کافی نخرے والی تھیں۔ ذرا الگ تھلگ سی رہتیں۔ اپنے کام سے کام رکھتیں..... جب بڑی آپا اپنی سسرال سے آتیں تو انہیں بڑی بھابی کا اس طرح لیے دیئے رہنا بہت کھلتا..... وہ اکثر امی سے شکایتاً کہتیں۔

''ضروری تو نہیں جو تمہاری سسرال میں ہوتا ہے وہی ہم بھی کریں۔'' جواب میں امی کا ایک جملہ بڑی آپا کو خاموش کر دیتا کہ اپنی سسرال میں صبح سے شام تک وہ کاموں میں الجھی رہتیں اور جو ایک آدھ دن کے لیے میکے آتیں تو امی کو اکیلے کام کرتا دیکھ کر ان کے ساتھ لگ جاتیں۔

☆☆☆

میں نے ہاتھ میں پکڑی آئس کریم کو دیکھا..... بڑے بھیا روز آفس سے آکر مجھے اور منزہ کو آئس کریم دلوانے لے کر جاتے۔ میں بہت شوق سے بڑے بھیا کا ہاتھ تھامے آئس کریم کھاتے، کھاتے گھر آتی۔ لیکن اب..... اب بڑے بھیا میری آئس کریم

...... خود ہی لے آئے۔

"کھالو بیٹا.....'' امی نے مجھے جز بز ہوتے دیکھ کر کہا۔ اب بڑے بھیا روز شام کو بڑی بھابی کو لے کر واک پر چلے جاتے تھے۔ اور واپسی پر آئس کریم لیتے آتے تھے۔

"بیٹا بھابی اکیلے جانا چاہتی ہیں، بڑے بھیا اگر اُن کی بات نہیں سنیں گے تو وہ ناراض ہوجائیں گی۔'' امی نے مجھے بہلایا۔

اور میں نے سر جھکا کر آئس کریم کھانا شروع کردی کہ دل مانے یا نہ مانے لیکن بڑے بھیا کو کسی قسم کی پریشانی ہو، یہ بات مجھے کیا گھر میں کسی کو بھی برداشت نہیں ہوسکتی تھی۔

☆☆☆

شاید کچھ لوگوں کا خمیر ناشکری سے اٹھتا ہے اور بڑی بھابی کا شمار اسی قسم کے لوگوں میں ہوتا تھا...... بڑی بھابی کا سب بہت خیال رکھتے...... وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتیں...... بڑے بھیا کے آفس جانے کے بعد یا تو وہ فون پر لگ جاتیں یا پھر اپنے میکے چلی جاتیں اور بڑے بھیا کے آنے سے پہلے واپس آجاتیں۔

امی خاموش رہتیں اور ہم سب کو چپ رہنے کی تاکید کرتیں...... وقت کچھ آگے سرکا تو بھابی رات کے کھانے میں امی کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگیں کہ بھیا بھی موجود ہوتے تھے پھر بڑی بھابی کی گود میں ننھی سی گلابی سی پری آگئی۔ بڑے بھیا کو اپنی بہنوں سے بہت پیار تھا۔ شاید اللہ نے اسی لیے انہیں اوپر تلے دو بیٹیاں دے دیں...... بڑی بھابی کو اللہ سے بڑی شکایت تھی اور ہمارے گھر کا بچہ، بچہ بہت خوش......

لیکن حقیقت میں کچھ لوگ ناشکرے ہی ہوتے ہیں اور بڑی بھابی کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

ہم سب بہت خوش تھے اور بھابی مسہری سے نیچے پیر نہیں اتارتی تھیں۔

پہلے تو بڑی بھابی امی کے ساتھ کام میں تھوڑا بہت میں ہاتھ بٹا بھی لیتی تھیں لیکن جب سے مریم اور انجم پیدا ہوئیں بھابی کا نخرہ اور مزاج آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

بڑی بھابی کبھی گھر کا فرد نہیں بن پائیں۔ شاید انہوں نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔ بڑے بھیا چپ چپ سے لگتے...... میرا دل چاہتا میں بڑے بھیا کے گلے لگ کر پوچھوں۔

"بڑے بھیا پہلے کی طرح ہنستے کیوں نہیں...... ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ کیوں نہیں لگاتے......''

لیکن اب میں بڑی ہوگئی تھی لحاظ...... اور شرم آڑے آتی...... میں اب بڑے بھیا کے پاس جاتی تو وہ خاموشی سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیتے...... اور میں بہت ساری باتیں کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود ان سے کہہ نہیں پاتی۔ میں اسکول سے کالج میں آگئی...... چھوٹی آپا کی بھی شادی ہوگئی۔ ابا اکثر بیمار رہنے لگے۔ امی خاموش رہتیں اور بڑے بھیا...... اپنی دنیا میں گُن کر خاموش......

☆☆☆

"خواہ مخواہ آپ کے گھر والے ڈرامے بازی کرتے ہیں، کوئی آپ سے محبت وحبت نہیں ہے کسی کو...... ارے محبت ہوتی تو اس طرح پیروں میں زنجیریں باندھ کر تو نہیں رکھتے...... آپ کی دونوں بہنیں سسرالوں میں عیش کررہی ہیں اور میں دو، دو بچوں کے ساتھ ایک کمرے میں رہتی ہوں...... رات دن چولھے میں گھسی رہتی ہوں۔ ارے دونوں بڑی تو بڑی آپ کی تو چھوٹی بہنیں بھی بہت زبان دراز ہیں، سارا دن پڑھتی ہیں اور نہ لکھتی لیکن دکھانے کے لیے کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی ہیں۔''

"لیکن......'' بڑے بھیا نے کچھ بولنا چاہا۔

"لیکن ویکن بند کریں...... ارے یہ سب ڈراما ہے، آپ کو دیکھتے ہی اس طرح کاموں میں لگ جاتی ہیں جیسے سارا دن بیچاریاں بھی کام کرتی رہی ہیں۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"سچ کہتے ہیں لوگ ساس، ساس ہوتی ہے اور

ماں، ماں ہوتی ہے۔ آپ کی امی جان کے فرمودات میرے بارے میں کچھ اور ہیں اور اپنی بیٹیوں کے بارے میں کچھ اور.....‘‘

’’امی آپ رہنے دیں...... میں نے کوفتے کا سالن پکا دیا ہے، شامی کباب بھی تیار کر کے ڈیپ فریزر میں رکھ دیے ہیں کچھ اور بتادیں وہ بھی پکا دوں گی تا کہ آپ کو کچھ سہولت تو ہو جائے۔‘‘ بڑی آپا جو سارا دن کے لیے آئی ہوئی تھیں امی سے مخاطب تھیں۔

بڑی آپا اور چھوٹی آپا جب بھی ایک دو دن کے لیے رہنے آتیں امی کے ڈھیروں کام نمٹا جاتیں۔ چھوٹی آپا مشین لگا لیتیں، کپڑے دھوتیں، الماریاں ٹھیک کرتیں تو بڑی آپا کچن سنبھال لیتیں۔ اور میرے اور منزہ کے مزے آجاتے۔ ہم دونوں آرام سے اپنے ادھورے اسائمنٹ مکمل کرتے لیکن......

’’سن رہے ہیں ناں آپ۔‘‘ بڑی بھابی کی آواز مجھ کو حقیقت کی دنیا میں کھینچ لائی۔ ’’اب یہ نہیں ہو سکتا ان دونوں چھوٹی نکمیوں کے ساتھ ساتھ میں ان دونوں بڑی مہارانیوں کے سامنے بھی کھانا ٹرے میں لگاؤں۔ حد ہوتی ہے زیادتیوں کی بھی......‘‘ میں جو بڑے بھیا اور بھابی کو کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ ان کے کمرے سے آتی آوازوں کو سن کر جیسے پتھر کی ہوگئی۔

اور پھر میں خاموشی سے پلٹ گئی...... کبھی کبھی دل چاہتا ہے ناں کہ کاش ہم اندھے، گونگے اور بہرے ہو جائیں...... ہے ناں......!

☆☆☆

’’رک جاؤ...... کھانا کھا کر چلی جانا......‘‘ بڑی بھابی نے مجھے چادر اوڑھتے دیکھ کر اوپری دل سے کہا۔

پتا نہیں کیسے دل اتنے تنگ ہوئے کہ ابا کا گھر بڑی بھابی کو چھوٹا لگنے لگا...... بڑے بھیا کی اوپر تلے دو بیٹیاں ہو گئیں...... تو پھر بڑی بھابی نے الگ گھر کی ضد باندھ لی...... امی اور ابا نے خاموشی سے بڑے بھیا کو الگ کر دیا۔ جس دن بڑے بھیا کا سامان ٹرک پر لدا...... اس دن میں بہت پھوٹ، پھوٹ کر روئی......

بڑے بھیا میرے لیے کیا تھے...... یہ تو بڑے بھیا بھی نہیں جانتے تھے۔

ابا نے بڑے بھیا کے الگ رہنے کو سہنا چاہا لیکن وہ ابا کے دوست بھی تو تھے۔ لاشعوری طور پر بڑے بھیا کی واپسی کے وقت ابا کی آنکھیں وال کلاک پر ٹھہری جاتیں اور پھر ایک رات سینے میں اٹھنے والا درد ہم سے ہمارے ابا کو چھین کر لے گیا۔

☆☆☆

بڑے بھیا کی آمدنی معقول تھی لیکن بڑی بھابی کے شاہانہ خرچوں کی وجہ سے وہ ہر وقت پریشان رہتے۔ ابا کے انتقال کے بعد بڑے بھیا نے بہت چاہا کہ ہم سب ایک بار پھر ایک چھت تلے مل کر رہیں لیکن بڑی بھابی نہیں مانیں۔

☆☆☆

کچھ عورتیں دل میں سسرال والوں کے لیے ایک نہ سمجھ میں آنے والی کدورت لے کر ہی آتی ہیں اور اس کدورت کو سسرال والوں کے اچھے رویے، مخلصانہ برتاؤ اور صلح جوئی کے باوجود کم کرنے کے بجائے اپنے دلوں میں رائی کا پہاڑ بنائے رکھتی ہیں۔ اور وہ اپنے دلوں کا میل اور کدورت اپنی اولادوں میں ضرور منتقل کرتی ہیں اور اولادوں کے دل میں زہر اتارتے وقت وہ یہ بات بھول جاتی ہیں کہ سسرال والوں کی مخالفت میں وہ اولاد کو چھری بنا رہی ہیں...... اور چھری کا کام ہے کاٹنا...... پھر چھری یہ نہیں دیکھتی کہ وہ کس کو کاٹ رہی ہے۔

اور بڑی بھابی کا شمار بھی عورتوں کے اس طبقے سے تھا...... جو گندی مکھی کی طرح صرف زخم پر ہی آ بیٹھتی ہے۔ بھابی کو بھی سفید کاغذ پر صرف ایک کالا نقطہ نظر آتا...... بڑا سا سفید کورا کاغذ انہیں کبھی نظر نہیں آیا۔

بھابی رات دن چھوٹی، چھوٹی بچیوں سے بڑی، بڑی برائیاں کرتیں...... ان کی ننھی، ننھی سماعتوں میں ڈھیروں زہر انڈیلتیں ہمارا کبھی بڑی بھابی سے جھگڑا نہیں ہوا کیونکہ جھگڑا وہاں ہوتا ہے جہاں دو فریق اپنے،

اپنے موقف پر ڈٹ جاتے ہیں...... اور ہم نے بھی بڑی بھابی سے بحث نہیں کی...... اور یوں بڑی بھابی ہمیشہ اپنے خیال میں حق پر رہیں۔

☆☆☆

ابا کے بعد بڑے بھیا اکثر آفس سے گھر آجاتے، گھر کی حالت لاکھ ان سے چھپاتے لیکن بڑے بھیا تو ہمارے بڑے بھیا ہی تھے ناں...... وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ امی کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

میں نے ٹیوشنز لگائی تھیں...... میں اور منزہ مل کر شام کو ٹیوشنز سنبھالتے...... بڑی بھابی کے شاہانہ خرچوں کے باوجود بڑے بھیا ہمارا خیال کرتے اور جو بھی بڑی بھابی کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ رکھ رکھ کرا تنا سناتیں کہ دل چاہتا کہ کاش میں قوتِ سماعت سے محروم ہوتی۔

بڑی بھابی جب بھی آتیں وہ اور بچیاں بہترین کپڑوں میں ملبوس ہوتیں...... بڑی بھابی ہر وقت سجی سنوری رہتیں...... ہمیں اچھا لگتا لیکن پتا نہیں کیوں جب کبھی میں بڑی بھابی کے کپڑوں، جوتوں یا کسی جیولری کی تعریف کرتی تو ان کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ٹھہر سی جاتی...... جسے میں کوئی نام نہیں دے پاتی۔

☆☆☆

سرخ پرنٹڈ کاٹن کی قمیص جس کے دامن کا رنگ بلیچ کی وجہ سے کٹ گیا تھا اور گھسے ہوئے پائنچوں کی مسٹرڈ رنگ کی شلوار......

میں نے حیرت سے دوبارہ اس جوڑے کو دیکھا...... اور پھر بھابی کو......

''ارے لے لو، پہن لینا...... تمہارے بھائی کو تم لوگوں کی بہت فکر رہتی ہے۔ ہر وقت تم لوگوں کی فکر...... تمہاری سوچ، اس طرح تو وہ بیمار ہو جائیں گے...... کل کہہ رہے تھے کہ عاصمہ اور منزہ کے پاس، ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں۔ ان کے کپڑے بنوانے ہیں...... مجھے تو تم دونوں ہمیشہ ہی ایک سے بڑھ کر ایک جوڑے میں نظر آتی ہو...... لیکن بھئی، تمہارے بھائی کی آنکھوں پر نہ جانے تم لوگوں کی محبت کی کون سی پٹی

بندھی ہوئی ہے کہ انہیں اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد بھی انہیں نظر نہیں آتی۔'' بھابی نے میری نظروں کے سوال کا بڑی تفصیلی جواب دیا۔

''لیکن پھر بھی بھابی، اللہ کا شکر ہے، ہمارے پاس سب کچھ ہے، آپ یہ جوڑا کسی غریب کو دے دیجیے گا۔'' لاکھ کوشش کے باوجود میں ضبط نہیں کر سکی اور میں نے آہستگی سے کہتے ہوئے جوڑا واپس شاپر میں ڈال کر بھابی کو تھما دیا۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب بھی ان سے ملو تکلیف ہی ہوتی ہے اور بڑی بھابی کا شمار اُن ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

☆☆☆

”ارے تم کیا کہہ رہی ہو، ساری زندگی تمہارے باپ نے ایک دن میری نہیں سنی لیکن جو اُن کی اماں، بہنیں کہہ دیں بس وہی صحیح ہے باقی ساری دنیا جائے بھاڑ میں...... ارے صبر کرو...... صبر۔“

آج جب مریم کو اس کی دوست کے گھر سے واپسی میں دیر ہونے پر بڑے بھیا نے ڈانٹا تو بھابی نے دونوں بیٹیوں سے کہا۔

بھابی رات دن اپنی بچیوں کو اپنے اوپر ہونے والے خود ساختہ مظالم کی کہانیاں سناتی رہتیں...... ان کی دونوں بیٹیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کی دادی، پھوپیاں بہت بری اور ظالم ہیں۔ اور پھر ایسا ہوا کہ وہ چھری بن گئیں...... تلخی، بدگمانی، بدتمیزی ان کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔

سسرال کی خود ساختہ مخالفت میں، مظلوم اور اچھی بننے کے شوق میں بڑی بھابی نے دونوں لڑکیوں کی شخصیت مسخ کر دی۔ اب نہ وہ ماں کی مانتی تھیں اور نہ ہی باپ کی سنتی تھیں۔

میری اور منزہ کی شادی کے بعد ایک دن چپکے سے امی بھی ابا کے پاس چلی گئیں۔

ہم بہنوں کے پاس صرف بڑے بھیا رہ گئے۔ کبھی کسی نے اُن بہنوں کے بارے میں سوچا ہے جن کے سروں پر سے باپ کی چادر اتر چکی ہوں اور مائیں مٹی کی چادر اوڑھ کر سو چکی ہوں...... ان کے لیے بھائی اور بھائیوں کا گھر کیا حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن بڑی بھابی کے رویے اور ان کی بیٹیوں کی تلخیوں نے ہمارے قدم پتھر کے کر دیے۔

☆☆☆

بڑے بھیا کاروبار اور اپنے گھر بار میں مصروف ہو گئے یا کر دیے گئے۔ ان کی بڑی بیٹی مریم بیاہی گئی...... ماں کے دودھ کے ساتھ سسرالی رشتوں سے نفرت اور بغض اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

لوگ، حسد اور غصے میں سب سے زیادہ نقصان اپنا ہی کرتے ہیں، بڑی بھابی نے بھی نہ جانے کیوں......؟ ہم لوگوں سے ہمیشہ ایک حسد کا تعلق رکھا...... اور جب یہ شکایت، بغض اور حسد اپنے دلوں میں لے کر یکے بعد دیگرے ان کی دونوں بیٹیاں بیاہی گئیں تو مریم کا تو یہ حال تھا کہ ساس نہ سسر...... خالی شوہر تھا لیکن کیونکہ بدزبانی اس کی سرشت میں تھی تو اگر مہینہ بھر شوہر کے ساتھ رہتی تو دو مہینے باپ کے گھر آ کر بیٹھ جاتی...... پھر بڑے بھیا نوٹوں کا بنڈل اسے تھماتے اور وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جاتی۔ سب بہنیں بڑی بھابی اور ان کی بیٹیوں کے رویے کی وجہ سے بڑے بھیا کے گھر تک نہیں جاتی تھیں لیکن میں...... اکثر بڑے بھیا کے گھر چلی جاتی۔

بھابی بظاہر اچھی طرح ملتیں لیکن اب میں ساتویں جماعت میں پڑھنے والی بچی تو نہ تھی، اب میں خود دو بچوں کی ماں تھی...... محبت اور تعلق کا فرق سمجھتی تھی لیکن بھتیجی انجم اس کا رویہ ہمیشہ بہت ہتک آمیز ہوتا۔

اسے ساری دنیا سے شکایتیں تھیں...... وہ بات، بات پر مجھے جتاتی کہ اس کے باپ (بڑے بھیا) نے کیونکہ ساری زندگی اپنی کمائی، اپنی بہنوں پر لٹائی ہے اس لیے وہ کچھ جمع نہیں کر سکے۔

میرا دل چاہتا اسے بتاؤں کہ ہم نے تکلیف کا ایک طویل دور گزارہ لیکن کبھی بھرم سے بندھی مٹھی کسی کے سامنے حتیٰ کہ بڑے بھیا کے سامنے بھی نہیں کھولی۔ ہاں بڑے بھیا خود سے خیال ضرور رکھتے تھے۔ لیکن ان جگہوں پر جو چھپائی نہیں جا سکتیں جیسے ابا کی بیماری یا ہماری شادیاں...... بڑے بھیا کی کمر توڑنے والی مصیبت بڑی بھابی کی جھوٹی شان و شوکت اور فضول خرچی تھی لیکن میں خاموش رہتی کہ جب چھوٹے بدتمیز ہو جائیں تو بڑوں کو اپنی عزت کا خود ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

بڑے بھیا جو ہمارے گھر کے بڑے بھیا تھے......

ان کی اپنے گھر میں بہت معمولی حیثیت تھی کیونکہ عورت ...... گھر کی عورت ...... بیوی، وہ اگر چاہے تو کیا کچھ نہیں کرسکتی ...... لیکن وہ چاہے بھی تو ...... ان کی بیٹیاں باپ سے دو بدو زبان چلائیں ...... بدتمیزیاں کرتیں اور ہم کو تو جوتی کی نوک پر رکھتیں۔ میں اکثر سوچتی اتنی نفرت ...... اتنی شکایت ...... پھر جب خود ماں بنی تو سمجھ میں آیا، مائیں، اپنے دودھ کے ساتھ اولاد کے دل میں محبت اور نفرت اتارتی ہیں ...... تو کیا بڑی بھابی نے بھی ......؟

مجھے سوچتے ہوئے تکلیف ہوتی تھی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ باپ کے گھر کچھ سال گزار کر لڑکی جس گھر میں آخری سانس تک رہتی ہے وہ اس گھر کو اپنا گھر اور اس کے مکینوں کو آخر اپنا کیوں نہیں سمجھتی۔ ہمیشہ ہی تو سسرال والے غلط نہیں ہوتے ناں ......

☆☆☆

انجم ...... بھری پُری سسرال میں بیاہ کر گئی تھی۔

ابھی چند سال پہلے ہی تو بڑے بھیا نے اسے رخصت کیا تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا؟ سوچ، سوچ کر میرا دماغ ماؤف ہورہا تھا ...... میری نگاہیں رو، رو کر سوجی ہوئی آنکھوں والی بڑی بھابی سے ٹکرائیں ...... پہلی دفعہ مجھے ایسا لگا جیسے بڑی بھابی ٹوٹ گئی ہوں۔ پشیمانی، پریشانی، تاسف، ملال، شرمندگی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں ...... ان کے رخساروں کو تر کررہی تھیں۔

''ایسا کیا ہوا تھا؟'' میری آنکھوں نے پھر سوال دُہرایا۔

''کیا ہوا تھا؟'' بھابی نے جیسے منہ ہی منہ میں کہا۔

☆☆☆

''تم ...... تم انتہائی بدتمیز اور بدزبان لڑکی ہو ...... میری سمجھ میں نہیں آتا ...... تم جیسی لڑکیاں کس قماش کی ماؤں کی گودوں میں پرورش پاتی ہو۔ تم چاہتی ہو جس ماں نے پچیس سال مجھے خونِ جگر پلا کر بڑا کیا ...... تمہاری خاطر، میں اس ماں کو چھوڑ دوں ......

صبر کا پھل

☆اپنی روح کے باغ میں صبر اور برداشت کی کھیتی کاشت کرو، بے شک اس کا بیج کڑوا ہے لیکن پھل میٹھا ہے۔ اللہ ہم سب کو صبر، شکر اور برداشت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائے، آمین۔

از: انجم طاہر، کراچی

اس ماں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جاؤں ...... ان بہنوں سے بدتمیزی کروں جو میرا ہاتھ پکڑ کر روز اسکول لے کر جاتی تھیں۔ میں نے غلطی کی ...... میری ماں نے پہلے کہا تھا ...... بیٹا جس لڑکی کی ماں ساری زندگی سسرال سے کٹ کر رہی ہو ...... وہ لڑکی ہمارے گھر کو کیسے جوڑ کر رکھے گی ...... لیکن میں کیا کرتا میں جو تمہاری منحوس شکل پر عاشق تھا، میری ماں نے میری محبت سمجھ کر تمہیں اپنایا ...... اور تم چاہتی ہو میں اپنی ماں کو چھوڑ دوں ...... معاف کرنا انجم صاحبہ ...... ہر کسی کو اپنے باپ کی طرح نہیں سمجھنا ...... تم جیسی عورتوں کو گھروں میں نہیں رکھا جاتا باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ میں نے اور میرے گھر والوں نے تمہاری بدزبانی صرف اس لیے برداشت کی کہ بدقسمتی سے تم میرے بچوں کی ماں ہو ...... میں اپنے بچوں کے لیے تم کو ...... تمہاری جھوٹی فطرت اور بری زبان کو برداشت کرتا رہا ...... لیکن اب بہت ہوگیا۔'' آج جب انجم کی نند آئی تو اس کے بچے سے غلطی سے انجم کی نیل پالش اس کے ڈریسنگ روم کے کارپٹ پر گر گئی اور انجم ...... انجم میں تو برداشت کا مادہ ہی نہیں تھا اور پھر سسرالی رشتے ......

پہلے تو اس نے ایک زوردار طمانچہ اس بچے کے منہ پر مارا اور پھر زبان اور غصے پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر خراب زبان استعمال کی کہ صائم (انجم کا شوہر) جو اتفاقاً دفتر سے جلدی گھر آگیا تھا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کی بوڑھی ماں، بہو کی منتیں کررہی تھیں کہ وہ آہستہ بولے۔ کہیں محلے والے نہ بن

لیس اور اس کی بہن..... جو اپنے گھر میں ملکاؤں کی طرح رہتی تھی......وہ کارپٹ پر کارپٹ کلینر ڈال کر جلدی، جلدی کارپٹ صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی.....اس کے بچے سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے تھے اور اُدھر انجم......وہ کسی کی نہیں سن رہی تھی۔ اس کی ساس جتنا اس کو خاموش ہونے کو کہہ رہی تھیں وہ اتنا ہی چیخ رہی تھی......اور پھر وہ ہو گیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

''بات اتنی بڑی تو نہیں تھی...... مجھے غصہ شاید اس بچے پر نہیں آیا تھا مجھے غصہ اس رشتے پر آیا تھا جو میرا اس کے ساتھ تھا۔''

''سسرال بری ہوتی ہے۔''

''سسرال والوں کو منہ نہیں لگانا چاہیے۔''

''ساس، نندوں سے زیادہ برا کوئی رشتہ نہیں۔''

''کسی سے دب کر نہیں رہنا۔''

''انہی خطوط پر میری تربیت ہوئی......تو میں ان کی اچھائیاں کیا دیکھتی۔ اور پھر......'' انجم کی ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسوؤں نے باہر نکلنا شروع کر دیا۔

میرا دل کانپا وہ میری بھتیجی تھی، میرے بڑے بھیا کی بیٹی......ہم سب کی وہ لاڈلی تھی۔

میرا وجود پتھر کا ہو گیا......فاصلے اتنے تھے کہ سمٹ نہیں رہے تھے......بڑی بھابی الجھے بال، چہرہ نڈھال......رو، رو کر سوجی آنکھیں، خالی، کلائیاں چہرے پر ایک دم پیدا ہونے والا جھریوں کا جال......

''گھر میں ہمارے آئی دلہن سکھی پھول برساؤ''

ہنستی مسکراتی، کھلے ہوئے لمبے، لمبے بال......

ڈیزائنر کا سوٹ پہنے میری آنکھوں میں بڑی بھابی کا سجا سجایا جگمگاتا سراپا لہرایا۔

''تو پھر......یہ اجڑی ہوئی عورت کون ہے؟''

کسی نے مجھ سے پوچھا۔

اور میں جواب دینے کے بجائے بڑی بھابی کے گلے لگ گئی۔

''مجھے معاف کر دینا......زندگی بھر میں نے بہت ناشکری کی......تم لوگوں کی قدر نہیں کی......زندگی بھر تم پر تمہاری محبتوں پر بدگمان رہی۔'' وہ سسک رہی تھیں۔

''مریم کے میاں نے دوسری شادی کر لی۔ یہاں گھر آئی تو تمہارے بھائی نے واپس کر دیا......میری بچی سوکن کے بچے پال رہی ہے۔ اور انجم، انجم کو صائم نے طلاق دے دی اور بچوں کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا، یہ بھی نہیں پتا کہاں......میری بچیاں برباد ہو گئیں۔ ان کی زندگیاں میری جہالت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔''

اب وہ زور، زور سے بین کر رہی تھیں۔

''زندگی بھر میں تم سب کو ستاتی رہی......اور خوش ہوتی رہی، میں بھول گئی تھی کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے......وہ گناہ گاروں کی رسی دراز تو ضرور کرتا ہے لیکن رسی اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس نے میری رسی کھینچ لی......ہاں دیکھو......اس نے میری رسی کھینچ لی ہے۔''

بڑی بھابی مجھ سے لپٹ کر پھوٹ، پھوٹ کر رو رہی تھیں اور انجم ہنس رہی تھی کیونکہ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا۔

میں نے ایک بازو بلکتی ہوئی بڑی بھابی کے گرد پھیلایا اور دوسرے بازو سے بھتیجی کو سمیٹ لیا۔

اور میرے کانوں میں صرف ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

''رسی کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، اس کا سرا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ جب چاہے رسی کو کھینچ لیتا ہے۔ بے شک وہ بے حد انصاف کرنے والا ہے۔''

میرے دل سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی۔

اور پھر میں بھی رو دی......کہ لاکھ شکایتوں کے باوجود اپنوں کی تکلیف پر تکلیف تو ہوتی ہی ہے ناں اور......میرے والدین کا بخشا خوفِ خدا تو میرے اندر موجود تھا ناں......سو میں نے بھابی کو معاف کیا۔ بڑے بھیا کی گھٹی گھٹی سسکیاں مجھے تڑپا رہی تھیں۔



وہ کہاں ہے...؟

عمارہ حنان

چلچلاتی ہوئی دھوپ، شدید حبس، سورج مانو سوا نیزے پر، ساتھ ہی ہو کا عالم...... ہوا کو بھی جیسے کسی نے قید میں ڈال رکھا ہو۔ مجال ہے جو کوئی پتا بھی ہل جائے۔ اس بلا کی گرمی میں ملکِ عزیز کے شہریوں کا ایک ہی مشترکہ سوال ہوتا ہے جو دن میں کم از کم چھ، سات بار ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔

"وہ ہے......؟"

☆☆☆

فاخر گھر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جلے پاؤں کی بلی۔ اوہ سوری جلے پاؤں کے بلے کی طرح

پھر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ کے لیے رکتا، شرٹ کو چٹکی سے پکڑ کر آگے کی طرف کرتا، منہ سے پھونکیں مار کے جیسے پسینے کو خشک کرنے کی کوشش کرتا پھر فریج کے آگے رک کے بوتل نکالنے کے بعد منہ کو ذرا سی دیر کے لیے فریزر کے اندر ڈال کر ٹھنڈک محسوس کر کے سکون کے دو پل گزارتا۔

آخر کار غصے اور جھنجلاہٹ میں پسینے سے بھیگی شرٹ اتار کر گولا بنایا اور کسی ماہر فٹ بالر کی طرح اس گول مول شرٹ کو ایک زوردار کک لگا کے دور پھینکا۔

شرٹ اڑتی ہوئی اس کے موبائل کے پاس گری تو ایک خیال بجلی کی طرح دماغ میں کوندا۔ فوراً بڑھا۔

''ہیلو، ہاں ہیلو......''

''ہاں......''

''یار وہ ہے؟''

''نہیں، صبح سے نہیں آئی آج تو...... جینا محال کر دیا ہے قسم سے۔'' سلو عرف سلمان بھی بھرا بیٹھا تھا شاید۔

''اچھا، اچھا، چل او کے......'' فاخر نے مایوس ہو کے فون رکھا تو سہیل کا دھیان آیا وہ ایک پوش ایریا میں رہتا تھا، جہاں کوئی یہ سوال نہیں کرتا تھا کہ وہ ہے...؟ سہیل کا خیال آتے ہی فاخر نے اسے کال ملائی۔

''یار سہیل......''

''ہاں، ہاں مجھے معلوم ہے، آج پھر وہ نہیں ہوگی اور تو نے پیپر کی تیاری کرنی ہے ناں......؟''

''ہاں یار......'' فاخر نے شرمندہ سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''آجا پھر...... میں بس پروجیکٹ بنانے ہی لگا تھا۔ اچھا ہے مل کے بنالیں گے۔ usb لے آنا بس۔''

سہیل نے یاد دہانی کرائی، میٹرک ہو یا او لیول سب کے امتحانات سر پر تھے اور اسٹوڈنٹ کے یہ قیمتی لمحات ایسے ہی سوالات کی نذر ہو جاتے تھے۔ ''وہ ہے؟ وہ کب آئے گی؟ وہ کب گئی؟''

''سلو کو بھی لے آؤں ناں۔'' فاخر نے جھجک کر پوچھا۔

''ہاں، ہاں یار، پوچھنے کی کیا بات ہے، بھول گیا ہر میتھس کے پیپر میں کیسے جان ہتھیلی پر رکھ کے ہمیں فارمولے نقل کراتا ہے۔'' سہیل نے جاندار قہقہہ لگایا تو فاخر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں یہ تو ہے اور پھر مشکل کے اس پل ہم بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آئے تو کون آئے گا۔''

سہیل نے مزید تسلی کرا کے فون رکھا تو فاخر نے بھی خوشگوار موڈ میں سلمان عرف سلو کو دوبارہ کال کی۔

''تیار ہو جا، سہیل کی طرف چل کے نہ صرف پروجیکٹ بنالیں گے بلکہ کچھ پل سکون کے بھی گزار لیں گے۔''

''اوہ...... شکریہ یار...... میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ صبح سے یہ وقت ہو گیا۔ نہ ہی وہ اور نہ ہی کوئی آثار ہے رات سے پہلے آنے کے۔'' سلو نے مایوسی سے جواب دیا اور بند پنکھے کی طرف دیکھ کے افسوس سے سر ہلایا کہ کل ہی تو وہ ٹیوشن کی فیس ملنے والے سارے پیسوں سے بجلی کا بل بھر کے آیا تھا اور پھر بھی بجلی کی یہ صورتِ حال تھی۔

☆☆☆

ادریس نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے کمرے کی راہ لی اور پنکھا کھولا ہی تھا کہ اماں بی کی پاٹ دار آواز سے بوکھلا گیا۔

''یہ کس نے پنکھا کھولا ہے؟ بند کرو فوراً......''

''یا الٰہی، یہ اماں بی کو برآمدے میں بیٹھے بیٹھے کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں نے پنکھا کھولا ہے۔'' ادریس نے پنکھے کا سوئچ بند کرتے ہوئے خود کلامی کی اور جھلا کے کمرے سے باہر نکلا۔

''اب اس سڑی گرمی میں انسان کو چین سے آ کے ایک پنکھا بھی نہ کھولے کیا؟''

''ارے میرے چاند، ذرا سی دیر کو رک جا، وہ آنے والی ہے بس۔ پھر سیدھا اے سی ہی کھول لیو میرا کاکا...... یو پی ایس ختم ہے۔''

''ہیں...... وہ آئی ہی نہیں ابھی تک۔'' ادریس نے حیرت سے کلائی موڑ کر وقت دیکھنا چاہا۔

''اماں بی وقت تو ہو گیا ناں اس کے آنے کا؟''

"ہاں ہو تو گیا بس کیا بولیں اس نامراد کو، بے وقت کی گئی ہے۔ اب تو یو پی ایس بھی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ جبھی تو تجھے منع کیا تھا فالتو پنکھا نہ چلا، ابھی ہاتھ کے ہاتھ ہی نہ رک جائے یہ بھی۔"

اماں بی نے اویس کی تسلی کرائی۔ جس کے ماتھے پر چمکتے پسینے کو دیکھ کر اماں بی دل ہی دل میں بجلی کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆

"سارہ یہ ترپائی کب کروگی؟ ابھی وہ بنگلے والی آجائے گی تو باتیں سنائے گی۔" عالیہ نے بازار سے آکر اپنی بیٹی سارہ سے جواب طلبی کی۔

"وہ بس اماں یہ ذرا اپنی شرٹ پر بٹن ٹانک رہی تھی پھر ترپائی کرتی ہوں۔" سارہ نے اپنی شرٹ ذرا سی آگے کرتے ہوئے گویا ماں کو دکھایا۔

"اچھا، اچھا کرلو، میں بھی جب تک کپڑے دھولوں پھر......" عالیہ نے اندر کی طرف قدم بڑھائے اور پھر رک کے مزید بولیں۔

"اور یہ تم شام ڈھلے کیوں صحن میں بیٹھی ہو، کتنی بار کہا ہے مغرب کے وقت سے پہلے ہی کمرے میں آجایا کرو۔"

"وہ امی، محسن خالہ آگئی تھیں کپڑے دینے تو بس اِدھر ہی لے بیٹھی اور پھر وہ......"

"آئے ہائے وہ ناس پٹی ابھی تک نہیں آئی؟" عالیہ کی چیختی ہوئی آواز صحن تک آئی تو سارہ نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی۔

"وہی بتارہی تھی امی کہ لائٹ بھی نہیں تھی تو ہم اِدھر ہی بیٹھ گئے اور بجلی آنے کے کوئی آثار بھی نہیں ہیں۔"

"وہ کیوں......؟"

"کیونکہ دھماکے سے گئی ہے۔"

"کم بخت نے زندگی اجیرن کردی ہے، جب جی چاہتا ہے چلی جاتی ہے جب موڈ ہوتا ہے آجاتی ہے۔ اب آواز (دھماکے) سے گئی ہے یعنی پی ایم ٹی اڑی ہوگی...... مصیبت بیٹھے رہو اب انتظار میں کب بجلی والوں کی شاہی سواری آئے گی تو پی ایم ٹی لگائی جائے گی۔" عالیہ جھلا کر بیٹی کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کا میٹر آن ہو چکا تھا، اب بجلی کے بل سے لے کر سبزی کے مہنگے ہونے تک کے دکھ...... ایک کے بعد ایک یاد آتے چلے گئے اور آخر میں سر درد...... دوسری طرف سارہ جلدی، جلدی اپنا بکھرا پھیلاوا سمیٹ رہی تھی کہ اندھیرا ہونے کو آیا تھا۔

☆☆☆

نہ صرف پورا گھر بلکہ گلی تک رنگ برنگے قمقموں سے سجی الگ ہی بہار دکھارہی تھی۔ اور کیوں نہ دکھاتی آخر کو محلے کی باثر شخصیت جبار صاحب کی بیٹی کی شادی تھی کوئی مذاق تو نہیں تھا۔

گھر کے اندر جہاں ایک طرف ڈھولک کی تھاپ پہ تالیوں کی تال تھی تو دوسری طرف بڑے، بڑے اسپیکرز کی بدولت پوری گلی میں شور وغل مچا ہوا تھا۔ جگ مگ کرتی لائٹس کی وجہ سے دن ہے یا رات فرق کرنا مشکل تھا۔

پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا، ان لائٹس کی بدولت اور چار، چار ایسے سی دن رات چلنے کی بدولت جبار صاحب کی واہ، واہ ہو رہی تھی اور وجہ......؟ وجہ کنڈے کی وہ بجلی تھی جو ماہانہ دو سے تین ہزار دے کے حاصل کی گئی تھی۔

اور اسی کنڈے کی بدولت پورے علاقے کی لوڈشیڈنگ کے اوقات میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا کیونکہ نہ صرف جبار صاحب بلکہ آس پاس کے کئی گھرانے بھی اس سہولت سے مستفید ہو جاتے تھے، یہ سوچے سمجھے بغیر کے ان کی اس حرکت سے محلے کی پی ایم ٹی پر اضافی بوجھ کی بدولت وہ آئے دن ٹرپ کر جاتا تھا اور لوگ جس ذہنی اذیت کا شکار ہوتے تھے اس کا اندازہ مشکل تھا۔

☆☆☆

فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے...... دو ہزار کے "کنڈے" سے فائدہ اٹھانا ہے یا 24 گھنٹے کی لائٹ سے کہ جس سے تمام لوگ ہی بلا امتیاز فائدہ اٹھاسکیں۔

مکمل ناول

محبت ہے سمندر سی

فاخرہ گل

دوسرا اور آخری حصہ



''عجیب چھچھوری سی ہیں......... تمہاری کزنز......'' گھر پہنچ کر کمرے میں جاتے ہی توقیر کا پہلا جملہ ہی ایسا تھا کہ اسے بہت برا لگا...... مگر خاموش رہنے کے بجائے اس دفعہ بول اٹھی۔

''ایسا کیا کہا ہے انہوں نے؟ وہ تو بہت اچھی اور سلجھی ہوئی لڑکیاں ہیں سب...... آپ کو اتنی عزت دے رہی تھیں پھر بھی آپ نے اُن کو غلط سمجھا۔''

''اچھا تو غلط میں ہوں؟'' اپنا موبائل جیب سے



نکال کر فوری طور پر چارجر پر لگاتے ہوئے وہ بولا۔
''یہ کوئی طریقہ ہے کہ ایک اجنبی کے سامنے بیٹھ کر کھی، کھی کرتی رہیں، بے تکلف ہونے کی کوشش کریں اور میں کہنا تو نہیں چاہتا لیکن تمہارے بڑے بھی اُن سب کو کھلی اجازت دے کر خود اِدھر اُدھر ہو گئے..... ایسا میں نے تو کبھی کہیں نہیں دیکھا۔''

اگر وہ اس وقت اس کے شوہر کی حیثیت میں نہ ہوتا تو یقینی طور پر اب تک اس کے منہ پر ایک طمانچہ تو مار ہی چکی ہوتی۔ کیونکہ اس وقت یہ بات اسے بے پناہ دکھ دے گئی تھی۔

''آپ ان کے لیے اجنبی نہیں ہیں توقیر..... میرے حوالے سے اب ان کے ساتھ آپ کا بھی رشتہ ہے۔'' اپنے لہجے کو حتی الامکان دھیما اور مناسب رکھتے ہوئے وہ بولی۔

''آپ یہ بات تب کہہ سکتے تھے اگر وہ اس طرح کسی راہ چلتے مرد کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہی ہوتیں..... اور آج کل تو کالجوں میں کو ایجوکیشن ہے۔ لڑکے لڑکیاں کلاس فیلوز ہوں تو وہاں بھی بے تکلفی ہو ہی جاتی ہے ناں..... اپنی فریحہ کی بھی ہو گی۔'' نہ جانے کیسے بات کرتے، کرتے اس کے منہ سے اپنی چھوٹی نند کا نام نکل گیا تھا اور جس طرح باہر کی طرف ابلتی آنکھوں سے توقیر نے اسے دیکھا تھا وہ اپنی جگہ پر خوف سے سٹ کر رہ گئی تھی۔

''فریحہ کو اُن کے ساتھ ملا کر تم فریحہ کی بھی توہین کر رہی ہو اور میری بھی..... اور دوسری بات یہ کہ فریحہ اپنا اچھا برا جانتی ہے یوں ہر ایک کے ساتھ بے تکلف ہونا نہ ہم نے سکھایا اور نہ ہی اسے خود پسند ہے۔ سمجھیں تم.....!''

اور سمجھ تو وہ ان چند ہی دنوں میں بہت کچھ گئی تھی مگر پھر بھی خاموش ہی رہی اور چپ چاپ بیٹھی اپنی جیولری اتارتی رہی۔

''سنو..... یہ چوڑیاں بھی اتار دینا، ہر وقت کی کھن، کھن..... جیسے بھینسوں کے گلے میں لوگوں نے گھنٹیاں باندھی ہوتی ہیں جہاں سے بھی گزریں اُن کی ٹن، ٹن کی آواز آتی رہتی ہے..... میں ذرا سکون پسند بندہ ہوں یہ چوڑیاں، مہندی بالکل نہیں پسند مجھے۔''

کوکو نے بہ مشکل نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ورنہ آنکھوں کے جزیروں میں پانی کا بہاؤ اس قدر تھا کہ قریب تھا کہ بند باندھنا مشکل ہو جاتا مگر اس نے رخ موڑ لیا اور چوڑیاں اتارنے لگی۔

''تمہیں پتا ہے شادی کے بعد اس مہندی نے ہی اب تک تمہیں مجھ سے اتنا دور رکھا ہوا ہے اس کی جو خوشبو ہوتی ہے ناں I just hate it'' وہ ہمیشہ اپنے متعلق، ہی بتاتا رہتا تھا، اسے بس اپنی باتیں کرنے کا شوق تھا، کوکو کے بارے میں نہ تو اس نے کبھی کچھ پوچھا اور نہ ہی اسے بتانے کا موقع دیا۔ اول تو وہ اب تک کوکو، کو اپنی باتوں سے اس قدر بور کر چکا تھا کہ اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ توقیر سے اپنے بارے میں کچھ بات کرے اور اگر وہ کبھی کرتی بھی تو اس کے سننے کا انداز اتنا عجیب ہوتا کہ اسے لگتا وہ صرف اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہے، نہ ہوں نہ ہاں..... اور کوکو..... خوشی اور خوش مزاجی جس کا پہناوا تھی، اوڑھنا بچھونا تھی، چند ہی دنوں میں بجھے ہوئے کوئلوں کی طرح سرد اور بے جان سی ہو گئی تھی۔

شادی کے بعد کزنز کی سنائی ہوئی باتیں، شوہروں کی وارفتگیاں، ناز انداز اٹھانے کے سلسلے، تحفے تحائف، خلوت میں جلوت اور جلوت میں خلوت کے مزے..... ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی زندگی کیسی عجیب سی تھی۔ بظاہر کسی چیز کی کمی نہیں تھی لیکن حقیقتاً اسے اپنا آپ خالی محسوس ہوتا، توقیر کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ بور ہوا کرتی، چلا جاتا تو بھی تنہا محسوس کرتی..... سہولت اور آسائشوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، ٹھنڈے کمروں میں رچی ائر فریشنر کی خوشبو اسپرٹ کی طرح اسے یوں ناک میں گھستی معلوم ہوتی کہ لگتا سانس بند ہو جائے گی۔ اکثر تو وہ گھبرا کر عین دوپہر میں اپنے کمرے کا اے سی بند کر کے کھڑکی کھول دیتی، جہاں سے دور تک تانبے کی طرح چمکتی سڑک اور اس

کے دونوں اطراف بھی چپ چاپ اور کبھی لو کی شدت سے تھکے ماندے درختوں کو وہ اتنی دیر تک دیکھتی کہ کبھی تو لگتا یہ سب سراب ہے۔

اس کا اپنا اطالوی طرز کا بیڈروم تھا۔ دبیز پردوں کے پیچھے چھپی دیواریں انگریز بچوں کی جلد کی طرح صاف، ملائم اور بے داغ تھیں۔ اس کی الماریاں، ڈریسنگ ٹیبل، شیلف، بیڈ حتیٰ کہ روم صوفہ بھی صرف اس لیے سفید تھا کہ توقیر کو پسند تھا۔ ایسے میں کبھی تو ان سنسان دوپہروں میں کوکو، کو یہ سب کفن اوڑھے محسوس ہوا کرتا تو اس کا دم گھٹتا۔

ساتھ والا بیڈروم اس کی ساس کا تھا۔ جو شاید ہائٹ ہاؤس کے سفید گلاب کی طرح دنیا جہان کے گرم، سرد سے بے نیاز صرف اور صرف بجنے سنورنے کے لیے ہی اس دنیا میں آئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر ہمیشہ کوکو، کو لگتا جیسے یہ گوشت پوست کی نہیں بلکہ پلاسٹر آف پیرس کی بنی ہوئی ہیوٹی مونا لیزا ہیں جب بھی کسی کو دیکھتیں بس ہلکی سی اسمائل کر کے اپنے آپ کو تمام ذمے داریوں سے بری الذمہ خیال کرلیتیں۔ ان کی تفریح صرف اور صرف ٹی وی، فلمیں اور فیشن میگ تھے۔

فریحہ کالج سے آکر رسالوں کی ایک الگ ہی دنیا آباد کرلیتی، دن ہوتا یا رات کالج کا کام ختم ہونے کے بعد اس کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی رسالہ ہی نظر آتا۔ جسے پڑھنے کے دوران وہ کسی کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرتی۔ اور یقیناً ہیرو، ہیروئن کی نفسیات کے متعلق توقیر نے جو باتیں کی تھیں وہ انہی رسالوں کی بدولت تھیں۔

سرونٹ کوارٹر کی طرف قدم بڑھانا گناہِ کبیرہ تصور کیا جاتا اور اپنے زیادہ تر رشتے داروں سے وہ لوگ ویسے ہی کٹ چکے تھے۔ کیونکہ اب ان کا اٹھنا بیٹھنا ایسے سوشل سرکل میں تھا کہ جو لوگ ملیں تو بے شک روز لیکن پھر بھی کوئی کسی کو نہ زیادہ جانتا اور نہ ہی زیادہ جاننے کی خواہش رکھتا ہے۔

گھر میں کسی نے بھی نئی بہو سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ویسے بھی کھانے کی میز پر ملاقات ہوا کرتی، ساس صاحبہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہی کہنیاں میز پر ٹکاتیں اور پلاسٹر آف پیرس کے بنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر اُن پر ٹھوڑی ٹکاتیں اور اس کا حال احوال پوچھتیں...... ایک دوسرے کے کمروں میں جانا شاید برا محسوس کیا جاتا تھا۔ کم از کم کوکو، کو تو ایسا ہی لگا جب وہ ایک دو بارا کیلے پن سے تنگ آکر اُن کے پاس گئی تو بڑی سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا اور بن کہے ہی یہ باور کروایا گیا کہ وہ انہیں ڈسٹرب کر رہی ہے...... اور وہ اپنا ٹھنڈا کمرا چھوڑ کر یہاں وہاں گھومتی رہتی۔

اور کبھی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر شیشے کی بڑی سی کھڑکی سے لان میں موجود پھول پتوں کو دیکھتے ہوئے سوچا کرتی کہ اس کے میکے اور سسرال کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں سب کے چہرے مسکراتے مگر دل کسی سوکھے تالاب کی طرح خشک اور بے رونق تھے اور وہاں اگر کبھی کسی نے ناگواری سے منہ بنا بھی لیا تو شام تک اندر باہر سے خوش باش نظر آتے، باتوں کے میدان میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے پر تل جاتے اور کبھی تو ایک وقت میں سبھی یوں بولنے لگتے کہ کسی ایک کی بھی بات سمجھ نہیں آتی اور پھر کسی بڑے کو بڑا پن دکھانا پڑتا تاکہ سب اپنی اپنی باری پہ ہی بات کریں...... ذرا کوئی بیمار ہوتا تو ہر ایک یوں تیمارداری پر تل جاتا کہ بیمار خود شرمندگی محسوس کرتا۔ جبکہ یہاں کا زیادہ سے زیادہ خلوص ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ اور اس کے بعد کھانے کی میز پر طبیعت کا پوچھنا تھا۔ وہاں ذرا جو کسی پر مشکل وقت آتا تو سب دانتوں کی طرح جڑ جاتے مگر یہاں ساری انگلیاں انفرادی حالت میں اپنی تمام مشکل حل کرتیں...... جس کا مقصد یہ بتایا جاتا کہ زندگی کی تمام اونچ، نیچ سمجھ آئے اور کسی کی طرف مدد کے لیے دیکھنا نہ پڑے۔

یہاں سب کے اپنے، اپنے سکھ تھے اور انفرادی دکھ...... جبکہ کوکو کے میکے میں تو چونکہ تین چار فیملیز ایک ساتھ رہتی تھیں تو اس بات پر بھی گھر کی خواتین مل، جل

کر دکھی ہوتیں جس پر تبصرہ کر کے لینا کافی ہوتا۔

مثلاً درزی کو گول گلا کہا تھا اس نے کالر بنا دیا تو یوں پورا دن وہی بات ڈسکس ہوتی کہ کس چاؤ سے خریدا تھا۔ کون سی دکان سے خریدا، دکاندار سے کیسے بھاؤ تاؤ کیا، کپڑوں کا ڈیزائن کہاں سے دیکھا...... لیس میچ کرنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلے، کس گری میں جا کر خریدا، کون سے موقع کے لیے خریدا اور درزی نے کیا بنا دیا، گول گلے سے کالر......!

گھر میں کسی کو دانت میں درد ہوتا یا داڑھ نکلوانا پڑتی تو ہر بندہ اپنے منہ میں تکلیف محسوس کر کے اٹھتے بیٹھتے کم از کم ایک دن تک دانت منہ میں نہ ہونے کے نقصانات اور دانت کے درد کی تکلیف کو بیان کرتا نظر آتا۔

صبح جس کے ہاتھ میں اخبار آتا وہ سب سے دلخراش خبریں بہ آواز بلند سناتا کہ سبھی گھر کے مختلف گوشوں سے تت، تت کرتی ہوئی نکل آتیں اور چند لمحے وہیں بیٹھ کر توبہ تائب ہونے کے بعد پھر اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ جاتیں۔

جبکہ یہاں اخبار اتنی خاموشی سے پڑھا جاتا کہ لگتا نظریں اخبار پر تو ہیں لیکن روح پرواز کر چکی ہے اور سب سے بڑھ کر کوکو کے لیے وہاں ارمغان تھا اور یہاں نہیں تھا۔ یہاں اس کی دلچسپی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا...... سب صرف اپنے لیے جیتے تھے، اپنی باتیں کرتے تھے، اس کی باتیں سننے کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں جاننے کے لیے کسی دل میں خواہش تھی، حتیٰ کہ توقیر کو بھی نہیں......

ایسے میں اسے اپنا میکا اور میکے میں کزنز کی شادیوں کے بعد رہ جانے والا اکلوتا کزن جسے وہ اپنی سہیلی بھی کہتی تھی بے حد یاد آتا...... ارمغان ہمیشہ کتنے دھیان اور دلچسپی سے اس کی باتیں سنا کرتا تھا...... اور اپنی بھی ایک، ایک بات شیئر کرتا تھا...... اماں نے بتایا تو تھا کہ وہ واپس آچکا ہے لیکن ارمغان نے اس سے ایک بار بھی رابطہ نہیں کیا تھا...... جبکہ وہ منتظر تھی کہ کب اس سے بات ہو اور وہ اسے بتائے کہ زندگی اس کے لیے کس حد تک متضاد صورت حال لے کر آئی ہے۔

پتا نہیں قصور اس کی توقعات کا تھا حساسیت کا، میکے کے ماحول کا، کزنز کے سنائے گئے قصوں کا یا اس کا اپنا...... بہر حال جو بھی تھا سارا آنگن ہی ٹیڑھا تھا۔ جس میں وہ بغیر کسی بھی ذہنی تیاری کے ناچنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ اور بالآخر وہ ہوا کہ کوکو کے لیے تو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ بڑی چچی نے فون پر کسی سرپرائز کا تو کہا تھا لیکن اسے کیا پتا تھا کہ یہ سرپرائز اتنا خوب صورت ہوگا۔

اس دن اتفاق سے اُن کے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ آدھا گھنٹا پہلے توقیر آیا تھا کہ اب اچانک ملازم نے مہمانوں کی اطلاع دی۔ کوکو حیران ہوئی کیونکہ اُن کے گھر اور ملنے ملانے والوں میں بغیر بتائے کسی کے گھر جانے کا رواج نہیں تھا اسی لیے توقیر کے ماتھے پر بھی بل پڑنا قدرتی بات تھی۔ اور ڈرائنگ روم میں جا کر اس وقت کوکو کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اماں اور بڑی چچی کے ساتھ کیک اور تازہ پھولوں کا بڑا سا بوکے لیے ارمغان، ہاں ارمغان خود موجود تھا۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اماں اور بڑی چچی کے گلے لگی اور ارمغان سے ہاتھ ملانے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر خلاف توقع ارمغان نے اس سے ہاتھ ملانے کے بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آج تمہاری برتھ ڈے تھی ناں...... ارمغان نے کہا سرپرائز دیں گے اچانک جا کر......'' اماں نے اپنے بغیر بتائے آنے کی وجہ بتائی تو خوشی سے کوکو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''میں جانتی ہوں چاہے ساری دنیا میری سالگرہ بھول جائے لیکن ارمغان بھائی کو پھر بھی یاد رہے گی اس لیے تو کہتی ہوں آپ کے جیسا ساری دنیا میں کوئی نہیں۔'' اماں نے فوراً اپنی سامنے رکھے ٹی ٹیبل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھا نہیں بلکہ پاؤں سے اس کا پاؤں مسل ہی دیا۔ گمان

غالب تھا کہ اگر جوتا آگے سے بند نہ ہوتا تو کوکو کی انگلیاں ضرور کچلی جاتیں۔

''بہتر ہوتا اگر آپ لوگ آنے سے پہلے بتا دیتے کیونکہ ہم ابھی کہیں جانے ہی والے تھے اگر چلے جاتے تو خواہ مخواہ آپ کو پرابلم ہوتی۔'' اب کے توقیر نے کہا تھا۔

''بتا دیتے تو بھلا سرپرائز کیسے رہتا؟ اور میں نے کوکو سے فون پر اتنا تو پوچھ ہی لیا تھا کہ آج وہ گھر پر ہی ہے یا کہیں جانا ہے۔'' بڑی چچی کی وضاحت پر توقیر نے سرد نظروں سے کوکو کو دیکھا جس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی اور وہ حیران تھا کہ اتنی خوش تو وہ شادی کے بعد اس سے پہلی دفعہ باتیں کر کے ہوئی نہ میکے کا پہلا، پہلا چکر لگا کے... پھر آج ایسا کیا ہوا کہ اس کے چہرے کی روشنی اس کے دل کا احوال بتانے پر تلی ہے۔ آج ایسا کیا تھا جو آج سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ اور توقیر کو اپنی یہ الجھن زیادہ دیر چھپانی نہیں پڑتی کہ خود کوکو کا ارمغان سے بات کرنے میں اس قدر بے تابی کا اظہار کرنا توقیر کو بہت کچھ سمجھانے کے لیے کافی تھا۔

''اگر آج آپ اماں اور بڑی چچی کے ساتھ نہ آتے ناں تو یقین کریں ارمغان بھائی میں نے آپ سے بالکل بھی بات نہیں کرنی تھی...... اس دن ایسا گئے کہ میری شادی پر بھی نہیں پہنچے، جانتے بھی ہیں میں نے کتنا انتظار کیا تھا آپ کا......؟'' وہ نروٹھے سے انداز میں بولی تو ارمغان نے ایک نظر سامنے بیٹھے توقیر کو دیکھ کر محتاط انداز میں جواب دیا۔

''بس کام کی نوعیت کچھ ایسی بن گئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اتنا عرصہ رکنا پڑ گیا۔ ورنہ ارادہ تو بس ایک دو روز کا ہی تھا۔''

توقیر کو کسی ضروری کام سے جانا پڑا تو اسے لگا جیسے کسی نے اس کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا ہو۔ بڑے ہی ہلکے پھلکے انداز میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے ارمغان کو بتایا کہ کس طرح اس نے ایک، ایک پل اس کے انتظار میں دروازوں کو تکتے ہوئے گزارا تھا اور یہ بھی کہ وہ اب تک اس کی کمی محسوس کرتی ہے۔ توقیر کا مزاج، اس کی مصروفیت، سسرال کا احوال، کسی بچپن کی سہیلی کی طرح اس نے ایک، ایک بات ارمغان کے ساتھ شیئر کی تھی جبکہ ارمغان نے ایک، ایک بات پر روک کر اسے سمجھانا چاہا تھا کہ وہ جن باتوں کو اپنا دکھ سمجھ رہی ہے وہی اسے آج سے چند سال بعد اپنے سکھ کی ابتدا لگے گی۔ اور تب وہ اپنی آج والی اس فیلنگ پر ہنسے گی اور آئینے میں دیکھے گی تو اسے خود محسوس ہوگا کہ وہ کب ایک گوشت پوست والی زندہ لڑکی سے پلاسٹر آف پیرس سے بنی بیگمات میں شامل ہوئی کہ اسے خود ہی پتا نہیں چلا۔

اور جب وہ تینوں واپس گئے تو اسے اندازہ ہوا کہ ارمغان سے ملنے کے آخری روز سے لے کر اب تک کا درمیانی عرصہ تو شاید اس نے بے جان گزارا تھا۔ معلق اور غیر حاضر رہی تھی...... اور دراصل روح تو اسے آج دوبارہ لوٹائی گئی ہے اور وہ بھی ارمغان سے ملنے اور اس سے باتیں کرنے کی صورت میں...... اور اس نے ارمغان سے وعدہ لیا تھا کہ روز نہ سہی لیکن کبھی کبھار وہ اسے فون ضرور کیا کرے گا۔

☆☆☆

''یہ ارمغان کون ہے؟'' ان کے جانے بعد توقیر گھر آیا اور اسے پہلی مرتبہ میوزک سنتے دیکھ کر پوچھا تو وہ اس کا کوٹ لینے کو صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور میوزک بند کیا اور سادگی سے بولی۔

''ارمغان بھائی میرے تایا کے بیٹے ہیں اور میرے سب سے اچھے دوست......''

''دوست؟'' کوٹ اتار کر اسے پکڑاتے ہوئے اس نے حیرت سے کہا۔

''کچھ عجیب ہی سسٹم ہے تم لوگوں کا...... کیا لڑکیوں کی آپس میں نہیں بنتی جو لڑکوں کو دوست بنایا جاتا ہے؟'' ریموٹ لے کر اس نے ائر کنڈیشنر کی ٹھنڈک میں اضافہ کیا۔

''اس دن میں تمہارے گھر گیا تو تمہاری کزنز

میرے پیچھے پڑ گئیں اور تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔''
''پیچھے پڑنے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ ہم بچپن سے دوست ہیں...... وہ مجھ سے تھوڑے بڑے تو ہیں لیکن بہت خیال رکھتے ہیں شروع سے......'' اس نے خود کو تلخ ہونے سے روکا۔
''دوست؟ یہی تو میں پوچھ رہا ہوں تمہارے خاندان میں کیا لڑکیوں کی لڑکیوں سے دوستی معیوب سمجھی جاتی ہے جو لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں؟''
''دیکھیں خاندان میں موجود تایا، چاچا، خالہ، پھپھو وغیرہ کے بچے صرف اور صرف کزنز ہوتے ہیں اور دوست ہوتے ہیں، جنس سے بالاتر ہوتے ہیں کیونکہ کوئی بھی کسی کو لڑکا یا لڑکی سمجھ کر اس نظر سے نہیں دیکھتا، جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں۔'' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ توقیر کی بے سروپا باتوں کے جواب میں آخر کہے تو کیا کہے...... کیونکہ اس کی باتیں ہی ایسی تھیں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار میں نہ مارے بلکہ دیوار اپنے سر پر مار دے۔
''اچھا؟ ہوتا ہوگا...... لیکن پھر کزنز کے درمیان لو میرج کیسے ہو جاتی ہے جبکہ انہوں نے تو ایک دوسرے کو جنس سے بالاتر سمجھ اور صرف کزن سمجھا ہوتا ہے، دوست سمجھا ہوتا ہے؟'' کچھ بھی کہنے کے بجائے کوکو نے خاموش رہ کر اسے بال کی کھال اتارنے کا موقع دیا۔
''ایک بات اپنے دماغ میں بٹھا لو کوکب لڑکا اور لڑکی کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ ہوسکتا ہے ہمارے... گھرانوں جیسی فیملیز میں اس بات کی اجازت ہو، معیوب تصور نہ کیا جاتا ہو۔ لیکن میرے لیے کم از کم قابلِ قبول نہیں ہے اور نہ ہی تم اس معاملے میں مذہب کی چھت تلے پناہ لے سکتی ہو کیونکہ وہاں تو صرف یہ کہ اس کا تصور بھی ممنوع ہے بلکہ سزا بھی متعین ہے۔''
''آپ ایک عام سی گھریلو بات میں مذہب کو بیچ میں نہ لائیں پلیز......'' وہ زچ ہو گئی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے مذہب کو چھوڑو، معاشرے کی بات کر لیتے ہیں...... تم بتاؤ کیا میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کسی دوست کی ضرورت پڑنی چاہیے؟ ایک عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے مرد کی طرف متوجہ ہو ہی کیوں؟''
''آپ بات کو مکمل طور پر غلط رنگ دے رہے ہیں جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی تھی۔
''میں نے تو جو محسوس کیا وہ تمہیں کہہ دیا...... باقی اپنے اعمال کی تم خود ذمے دار ہو۔'' ڈنر کا وقت ہو رہا تھا اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور فوراً کمرے سے نکل گیا اور وہ نڈھال سی بیٹھی رہ گئی کہ یہی اس گھر کا قانون تھا۔ ہر بندہ اپنے مزاج کے تئیں بلکہ گھڑی کے مطابق کام کرتا تھا اور ہر گھڑی آنے والی گھڑی کے لیے تیاری میں رہتا۔

☆☆☆

''کیا میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے کسی دوست کی ضرورت پڑنی چاہیے؟''
''ایک عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے مرد کی طرف متوجہ ہو ہی کیوں؟'' توقیر کی باتیں صبح اس کے آفس کے جانے کے بعد بھی رہ رہ کر کوکو کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ توقیر کے سامنے چپ کیوں رہتی ہے؟ اس نے کیوں نہ کہہ دیا کہ اگر بیوی کے ہوتے ہوئے شوہر کسی دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو تو قصوروار اس کی بیوی ہے جبکہ اگر اسی صورتِ حال میں بیوی اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی مرد کی طرف متوجہ ہو تو اس میں قصور تو اس کے شوہر کا ہوا کہ اس نے اتنا موقع کیوں دیا؟ زندگی میں ایسی کون سی کمی رہ گئی جس نے شوہر یا بیوی کو کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھانے کا موقع دیا......؟ لیکن یہ اور اس طرح کی تمام باتیں وہ صرف سوچ ہی سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی دوسروں کے کیے گئے غلط اقدام ہمارے لیے سند ہرگز نہیں ہوتے کہ جو انہوں نے کیا وہی ہم بھی کرنے لگیں۔ کیونکہ

اپنے اعمال اور ان پر ملنے والی سزا، جزا کا... ہر بندہ انفرادی طور پر ذمے دار اور جوابدہ ہے۔ اس نے ماں کو فون ملا کر اپنا حالِ دل بیان کر دیا۔

''کوکو، میری جان...... جن باتوں کو تم اس قدر سر پر سوار کر رہی ہو یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ساس، نند مصروف ہوتی ہیں، تم سے بات نہیں کرتیں تو بتاؤ اس کا گلہ میں کس طرح تمہاری سسرال میں آ کر کروں؟ یہ تم لوگوں کا معاملہ ہے۔ توقیر کو اگر لڑکے، لڑکی کے بیچ دوستی بری لگتی ہے تو ایسا انوکھا کیا؟ بیشتر مرد اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اُن کی بیوی کسی دوسرے، خواہ کزن ہی کیوں نہ ہو کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکے...... اور بقول تمہارے توقیر تمہیں وقت نہیں دیتا تو یہ میں کیسے مان لوں جبکہ وہ صرف آفس ٹائم میں ہی گھر سے باہر ہوتا ہے۔'' اماں نے الٹا اس کی کلاس لے لی تھی۔

''لیکن اماں...... وہ گھر پر ہونے کے باوجود میرے ساتھ نہیں ہوتے، مجھے لگتا ہی نہیں کہ وہ میرے شوہر ہیں، اوپری، اوپری رویہ ہے ان کا...... ہماری دوستی ہی نہیں ہے آپس میں۔'' وہ جھنجلا ہی تو گئی تھی کہ آخر اماں اس کی بات سمجھ کیوں نہیں رہی تھیں۔

''اوہ میرے بچے، اس سب کا حل تو تم نے خود نکالنا ہے ناں میری جان...... خود سوچو کیا میں آ کر توقیر سے کہوں کہ ہاں بھئی تم کیوں گھر میں ہونے کے باوجود اس کے ساتھ نہیں ہوتے؟ میری بچی کو یہ محسوس نہیں کرواتے کہ تم اس کے شوہر ہو؟ اور تم نے اب تک میری کوکو سے دوستی کیوں نہیں کی؟ ماں صدقے، شوہر کو اپنے قریب لانا اور اپنے قریب رہنے پر مجبور کرتے رہنا ہی بیوی کا امتحان ہے اور کامیابی بھی۔'' وہ سمجھ رہی تھیں کہ کوکو ہر بات کو حساسیت کی عینک پہن کر دیکھ رہی ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ شادی کے شروع میں خود پر حساسیت طاری کر لینے والی لڑکیاں بالآخر قنوطیت کی شکار ہو کر تنہا اور چڑچڑی ہو جاتی ہیں اور وہ یہی کچھ اس کے ساتھ ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔

''دیکھو کوکو، میں ان ماؤں میں سے ہرگز نہیں جو شادی کے بعد بیٹیوں کو سسرال کو اپنا گھر سمجھنے کی تاکید کرتی ہیں، جو ساس، سسر کو ماں، باپ سمجھنے کی نصیحت کرتی ہیں اور ساری غلطی ہی یہیں سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ساس، سسر کو ماں، باپ سمجھ کر لڑکیاں اُن سے توقعات بھی وہی ماں، باپ والی لگا لیتی ہیں جو کہ پوری نہیں ہوتیں...... البتہ میں تو کہتی ہوں کہ ساس، سسر کو ماں، باپ نہ سمجھو مگر انہیں ہر صورت ماں، باپ کا ہی درجہ دو۔ ان کے ساتھ رویہ ایسا رکھو جو تم چاہو کہ کوئی دوسرا تمہارے والدین کے ساتھ رکھے۔ ویسا رویہ جو تمہارے شوہر کے والدین ہونے کے ناتے تم پر فرض ہے مگر انہیں اپنے حقیقی والدین نہ سمجھو ورنہ ہر موقع پر دل سے یہی حسرت نکلے گی کہ انہوں نے تو میرے ساتھ ایسے کیا، میرے اماں، ابا ہوتے تو کیا ایسے کرتے؟ جو رشتہ جیسا ہے اس کی اسی کی طرح تعظیم ہے، گھٹا بڑھا کر ہم اپنے لیے خود مشکل پیدا کرتے ہیں۔'' وہ چونکہ مکمل تفصیل کے ساتھ اپنے دکھڑے سنا چکی اسی لیے اماں بھی کچن سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں بیٹھی اسے بڑے پیار سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''اسی طرح سسرال کو اپنا گھر سمجھ کر اگر وہی میکے والی عادات، واطوار اپنائے رکھو گی تو پھر بھی مسئلہ ہو گا...... اسی لیے یہ ذہن میں رکھو کہ یہ اماں ابا کا گھر نہیں سسرال ہے سسرال...... جو صرف نکاح کے دو بولوں سے شوہر کی طرح اپنا نہیں بن جاتا بلکہ سسرال کو اپنا گھر بنانے کے لیے اماں، ابا کے گھر کے ناز، نخرے عیش و آرام کم از کم شروع کے کچھ وقت کے لیے چھوڑ کر ان سب کی عادات و اطوار اپنا کر اُن میں گھلنا ملنا پڑتا ہے..... تب بنتا ہے سسرال اپنا گھر...... ورنہ سسرال میں آ کر بھی اماں، ابا کے گھر کی عادتیں سینے سے لگائے رکھنے والی وہ لڑکیاں جو سسرال میں الگ تھلگ رہنے میں انفرادیت سمجھتی ہیں ناں، چائے پر آئی ملائی کی طرح سب سے الگ رہی لگتی ہیں جنہیں کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور اس کے برعکس چینی کی طرح گھل مل کر رہنے والی لڑکیوں کے بغیر سب اپنا آپ ادھورا خیال کرتے ہیں۔''

اِی نے بڑی اچھی مثالیں دے کر اسے سمجھایا تھا مگر کوکو، کو افسوس تھا کہ اماں اس کے محسوسات تک پہنچنے کے بجائے صرف معاشرتی حد تک اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ کیوں نہیں سمجھ رہی تھیں کہ آخر وہ کس کے ساتھ گھلے ملے جب یہاں ایسا کوئی ہے ہی نہیں جس کی یہ خواہش ہو اور توقیر کے پاس اس کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے کچھ تھا ہی کب...... جب گھر میں ہوتا بس اپنی ہی باتیں...... آفس کی، اپنی ذات کی، ٹی وی کی، ملک کی...... کوکو کہاں تھی اس کی لائف میں؟

اماں کو خدا حافظ کہہ کر اس نے ارمغان کو کال کی...... کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ارمغان کے علاوہ اور کوئی بھی اسے نہیں سمجھ پائے گا۔ یا کبھی کبھار اسے لگتا کہ وہ توقیر میں ارمغان کو کھوجتی رہتی ہے۔ توقیر کے کہے گئے ہر عمل، ہر بات پر نہ جانے کیوں لاشعوری طور پر وہ اس کا مقابلہ ارمغان سے کرتے، کرتے الجھ سی جاتی، ارمغان کے فون پر مسلسل بیل ہونے کے باوجود جب اس نے ریسیو نہیں کیا تو وہ اٹھی اور اپنے کمرے میں رکھے لینڈ لائن نمبر سے اس کے فون پر کال کی اور غیر متوقع طور پر فون ریسیو ہو گیا۔ کوکو کی آواز سن کر وہ بے حد حیران تھا کیونکہ اس کے پاس کوکو کی سسرال کا نمبر نہیں تھا۔

"میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہے تھے اور اب یہ اجنبی نمبر تو فوراً ریسیو کر لیا؟" اس نے شکوہ کیا۔

"ارے نہیں، دراصل میں ذرا مصروف ہوں اس وقت...... اس لیے ورنہ اور تو کوئی بات نہیں۔" ارمغان نے بات بنائی ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس دن بھی اگر اماں اور بڑی چچی کو ٹرانسپورٹ کا پرابلم نہ ہوتا تو وہ کبھی اُن کے ساتھ بھی نہ جاتا کیونکہ وہ اب کوکو کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوکو کو دیکھے اس سے بات کرے اور پھر سے بکھر جائے...... اور اس کے کسی بھی جذبے کی حدت کوکو تک جا پہنچے اور خاص طور پر اب جبکہ وہ شادی شدہ ہے۔

"یعنی اب میرے لیے بھی آپ مصروف ہوا کریں گے؟"

"پہلے اور اب میں بہت فرق آگیا ہے کوکو...... نہ تم اب پہلے والی کوکو ہو اور نہ ہی میں......"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا...... میں تو وہی ہوں بالکل نہیں بدلی...... لیکن آپ سب بدل گئے ہیں۔"

"میرا مطلب تھا کہ اب تم صرف کوکو نہیں رہیں مسز کوکب توقیر بن چکی ہو ناں...... اور تمہارے ساتھ، ساتھ ہمیں بھی تمہارے اس نئے رشتے کا لحاظ رکھنا ہے۔ تاکہ تم خوش رہو۔" ارمغان خود کو اس قدر مضبوط محسوس نہیں کر رہا تھا کہ زیادہ دیر تک اس سے باتیں کرتا...... زخم بھرتے، بھرتے پھر سے چھل جائے تو زیادہ تکلیف دیتا ہے، وہ خدا حافظ کہنے ہی والا تھا کہ کوکو کی بات پر چونک گیا۔

"میں خوش نہیں ہوں...... بالکل بھی خوش نہیں ہوں، سب سمجھتے ہیں کہ میرے پاس ہر آسائش ہے لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میرا دل خالی ہے۔ شادی کے بعد سے اب تک میں عجیب الجھنوں میں ہوں لیکن کسی کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے...... آپ خود ہی بتائیں کیا جانور کے آگے صرف روٹی ڈال دینا ہی کافی ہوتا ہے؟ وہ روٹی توے کی ہو یا امپورٹڈ برانڈ کی پلاسٹک کے لفافے میں بند، لیکن وہ جانور بھی تو دم ہلاتا ہوا ہمارے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے ناں کہ ہم اسے پیار سے دیکھیں، اس پر ہاتھ پھیریں، اپنے لمس کا احساس دلائیں۔ جانوروں کے حقوق میں صرف انہیں خوراک دینا تو نہیں ہے ناں...... وہ توجہ بھی تو چاہتے ہیں ناں کہ نہیں؟"

"کوکو، یہ سب تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا تم توقیر کے ساتھ خوش نہیں ہو؟ اس کا تمہارے ساتھ رویہ......"

ارمغان کو لگا جیسے اس رات چھت پر ملنے والا لمحے بھر کا قرب پھر سے تازہ ہو گیا ہو...... زندہ رہنے کا احساس، شدت سے چاہنے کا جذبہ، سارا ماحول، موسم، باتیں گویا ایک پرزم دکھائی دینے لگی تھیں۔ ایسے لگتا جیسے آنکھوں کے آگے ایک زوم لینس لگ گیا ہو جس میں صرف اور صرف کوکو دکھائی دیتی ہو، ہاتھ ملتی ہوئی...... آنکھوں

میں آنسو لیے، سر جھکائے۔

''پھول، پودے ہوں یا انسان سب توجہ چاہتے ہیں...... یہاں تک کہ ہماری خوراک، اگر اسے ہم سونے' چاندی کے برتنوں میں بھی رکھ دیں تو بھی وہ خراب ہوکر گلنا' سڑنا شروع کردے گی۔ جب تک اسے بھی توجہ سے، دھیان سے مناسب درجۂ حرارت پر نہ رکھیں...... لیکن میں......'' اس کی آواز بتارہی تھی کہ وہ رو رہی ہے اور ارمغان کا...... ذرا، ذرا سی بات پر مسکرانے والی آنکھوں کو روتا دیکھنے کے تصور سے ہی عجیب عالم تھا۔

''میں خوش نہیں ہوں...... یہاں کسی کو میری پروا نہیں، کوئی مجھ پر توجہ نہیں دیتا، کسی کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا...... توقیر نے کبھی آپ کی طرح دلچسپی سے میری کوئی بات سنی ہی نہیں...... نہ ہی اس نے کبھی آپ کی طرح مجھے یہ بتایا کہ میں انہیں کس طرح اچھی لگتی ہوں...... ان کی کوئی فیلنگز ہی نہیں ہیں، کوئی جذبات ہی نہیں ان میں...... بس ایک مشین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں اور دوسروں کو بھی مشین ہی سمجھتے ہیں۔''

''دیکھو کوکو ہر بندے کا مزاج الگ ہوتا ہے...... نہ ہر لڑکی کوکو ہوسکتی ہے اور نہ ہی ہر لڑکا توقیر یا ارمغان...... لیکن......''

''نہیں ہوسکتا تو کیا...... بن تو سکتا ہے ناں...... میں نہیں رہ سکتی کسی ایسے بندے کے ساتھ جو میری چھوٹی، چھوٹی خوشیاں، چوڑیاں، مہندی تک چھین لے اور جسے میری باتیں سننے میں' مجھے جاننے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔'' آخر کار وہ باقاعدہ رونے ہی لگی تھی۔ اور اس کے آنسو ارمغان کے دل پر گر رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوکو کی ہر سسکی کے ساتھ ارمغان کے اندر کوئی چقماق رگڑی جاتی اور جسم کے اندر ننھی، ننھی چنگاریاں چھڑنے لگتیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کوکو کی مزید سسکیاں برداشت نہیں کر پائے گا۔ جب جسم معاشرتی اقدار کا قیدی ہو تو دل کو سمجھانا آسان نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ایسا لگتا تھا جیسے آہستہ، آہستہ اس کا دل بغاوت کر رہا ہو، ایسا دل جو ایک قیدی جسم میں رہ کر ہی باغی ہوسکتا ہے۔

اِدھر کوکو، ارمغان کے سامنے سب کچھ بیان کرنے کے بعد خود کو کسی پتنگ کی طرح ہلکا محسوس کررہی تھی۔ اس کے سامنے رونے سے لگتا تھا جیسے کوئی غم، غم نہیں رہا تھا۔ خود ترسی کی کیفیت مٹ گئی تھی۔ اس کے چھوٹے، چھوٹے دکھوں کا دھارا نشیب کے بجائے فراز کی جانب چلنے لگا تھا۔ ارمغان کی سماعتوں نے گویا اسے سمیٹ ہی تو لیا تھا...... پتا نہیں اس کی غلط فہمی تھی یا کہ حقیقت...... لیکن اسے لگتا تھا شاید توقیر کے ساتھ رہ کر وہ ارمغان جسے وہ بیانگ دہل ارمغان بھائی کہا کرتی تھی ان سے محبت کرنے لگی ہے۔

''توقیر تمہارا شوہر ہے کوکو...... ایک ایسا شخص جسے مجازی خدا بنایا گیا ہے تمہارا...... اور...... خدا کے بعد ممکن ہوتا تو...... وہ واحد شخص ہوتا جسے سجدہ کرنے کا حکم ہوتا۔ وہ تم سے پیار تو کرتا ہے ناں تو تم بھی......''

ارمغان کو لگا شاید اس لیے وہ خود غرضی کی اوپری منزل پر کھڑا ہوا ہے خود اپنے الفاظ سے محض اس لیے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں خدانخواستہ کوکو اس کی باتوں پر یقین ہی نہ کرے...... کیونکہ شاید وہ دل سے نہیں چاہتا تھا کہ کوکو اس بات پر یقین کرے کہ دنیا میں اس کے علاوہ بھی کوئی اسے اس حد تک پیار کرسکتا ہے۔

''وہ نہیں کرتے پیار مجھ سے...... اگر کرتے ہوتے تو ان کا رویہ مختلف ہوتا اور اگر وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے تو بھلا میں کیوں کروں......''

''ہوں......'' ارمغان نے گہری سانس خارج کی۔

''بس مجھ سے اب مزید اس سونے کے پنجرے میں نہیں رہا جاتا۔ میں واپس آرہی ہوں اپنے اسی گھر میں۔'' چند لمحوں میں اس نے وہ فیصلہ کرلیا تھا جس پر اکثر اوقات اس کا دل اکسایا کرتا۔

ارمغان کی آواز اور اس کے ساتھ نے گویا کوکو کے لیے اگلی تمام منزلیں آسان کردی تھیں۔

''تم اتنی سخت دوپہر میں کیسے آؤ گی؟ بہت سخت گرمی ہے باہر۔'' اسے پتا تھا اسے کتنی سخت گرمی لگتی تھی۔

''کوئی بات نہیں، رکشا کرلوں گی لیکن اب میں توقیر کے آنے تک گھر میں نہیں رہوں گی۔''

''اچھا تم رکو...... میں آتا ہوں تمہیں لینے۔''

اور کچھ ہی دیر میں اپنا ضروری سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالنے کے بعد جب وہ بائیک پر بیٹھ کر ہمیشہ کی طرح ارمغان کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی تو جہاں توقیر نے رستے میں ایک جگہ ان دونوں کو اس طرح بیٹھے اور کسی بات پر ہنستے ہوئے دیکھا تھا وہیں شیطان کا چیلا بھی اپنی کارکردگی پر پھولا نہیں سمایا تھا کہ میاں، بیوی کے تعلق میں دراڑ ڈالنے والے ہر چیلے کو شیطان کی طرف سے اقربا میں شامل کیا جاتا۔

توقیر نے ان دونوں کو دیکھا تو جس کام کے لیے جارہا تھا اسے چھوڑ کر گاڑی بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے ان دونوں کے تعاقب میں لگادی۔

☆☆☆

ارمغان کے ساتھ موٹر بائیک پر بیٹھی کوکو، کو اپنا آپ اس شہزادی جیسا محسوس ہو رہا تھا جو کسی غار سے اپنے شہزادے کے ساتھ نکل آنے میں کامیاب ہوگئی ہو۔ ایسا لگتا تھا کویا اس کا چپ کا روزہ آج ہی ٹوٹا تھا۔ زبان تالو سے لگنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ارمغان ہمیشہ کی طرح اس کی تمام باتیں بے حد دھیان سے سننے کے ساتھ، ساتھ وقتِ ضرورت خود بھی جواب دے رہا تھا۔

اور اگر یہ کہیں تو کیا غلط ہوگا کہ ہم کسی کا بھی بہترین سامع بن کر اسے اپنے قریب لاسکتے ہیں۔ اس کی توجہ حاصل کرسکتے ہیں، اس کے دل میں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ والدین، بہن، بھائی، دوست، میاں، بیوی کوئی بھی اور رشتہ ہو جس کسی کی بھی بات مکمل توجہ اور دلچسپی سے سنی جائے گی وہ اپنا ہر دکھ سکھ شیئر کرنے کے لیے صرف اور صرف اسی کے پاس جائے گا...... باقی رشتے تو ایک طرف خود والدین بھی اپنی اولاد میں سے اس بچے کے ہی منتظر رہتے ہیں جو ان کے پاس بیٹھتا ہو، ان کی چھوٹی موٹی پرابلم سنتا ہو یا ان کی روٹین سے باخبر رہتا ہو۔

وہ دونوں اپنی ہی دھن میں باتوں میں اتنے مصروف تھے کہ ارمغان ایک دم اچانک سے نمودار ہو کر سامنے سے گزرنے والے کتے کو دیکھ نہ پایا اور اسپیڈ میں جاتی موٹر سائیکل کو جو ایک دم روکا تو کوکو اور ارمغان کے بیچ انچ ڈیڑھ کا فاصلہ بھی سمٹ گیا۔ اسپیڈ سے ایک دم بریک لگی تو نیچے گرنے سے بچاؤ کے لیے کوکو نے دوسرا ہاتھ بھی ارمغان کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھا توقیر یہ تمام منظر نہایت واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ اور وہ جو کہ لڑکے اور لڑکیوں کی دوستی کے بھی خلاف تھا۔ اپنی بیوی کو کسی اور کے اس قدر قریب دیکھ کر طیش میں آگیا۔ قریب تھا کہ وہ گاڑی سے نکل کر اُدھر ہی کوکو کو کھینچ کر اپنی گاڑی میں ڈالتا اور گھر جاکر اس سے بازپرس کرتا کہ موٹر بائیک اسٹارٹ ہوئی اور بہ مشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے توقیر نے بھی گاڑی نیوٹرل سے نکال کر گیئر میں ڈالی۔

☆☆☆

سسرال سے میکے تک کا وہ سفر کوکو نے مکمل طور پر انجوائے کیا تھا۔ یوں گھر سے چلے آنے کی سنگینی کا احساس کیے بغیر رستے میں ایک جگہ ارمغان کو رکوا کر ٹھیلے والے سے دودھ کی کھوپرا لگی قلفی نہ صرف خود کھائی بلکہ اصرار کرکے ارمغان کو بھی کھلائی۔

سگنل پر کھڑے ہونے پر موتیوں کے گجرے لے کر دونوں ہاتھوں میں پہنے اور حسبِ سابق ہاتھ ارمغان کے کندھے پر رکھ دیا۔ یہ سگنل کوکو کے گھر سے بہ مشکل پانچ دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اور یہیں آکر توقیر کا ذہن بدل گیا۔

اسے لگا کہ اگر وہ ابھی اس کے تعاقب میں میکے جاکر شور شرابا کرے اسے لعن طعن کرے اور اس کے بڑے معافی مانگ کر کوکو، کو سمجھاتے بجھاتے ہوئے دوبارہ اس کے ساتھ بھیج بھی دیں تو اس طرح ان کے

بھیجنے اور اس کے آنے کا بھلا کیا فائدہ......

وہ زبردستی اگر اس کا وجود لا کر اپنے کمرے میں رکھ بھی دے پر اس کا دل، اس کی روح اس کی خوشی یہیں رہ جائے تو پھر کیا فائدہ ایسی ملکیت کا جو صرف جسم پر ہو...... اور کیا وہ کسی ایسی کے ساتھ زندگی گزارے گا جس کے لیے یہ تعلق اور رشتہ کوئی معنی نہ رکھتا ہو۔

دل کا دل سے ملاپ نہ ہو سکے تو ایسا تعلق کس کام کا......؟ میاں، بیوی کا تعلق ایک ساتھ ہنسنے اور رونے سے مضبوط ہوتا ہے۔ اس رشتے میں انا اور اکڑ دونوں کی جگہ نہیں ہوتی جبکہ وہ دونوں ہی خودداری اور نام نہاد عزتِ نفس کے پکے تھے۔

شاید ان دونوں کو ہی ایک دوسرے کے جذبات سے زیادہ اپنی خوشی سے سروکار تھا۔ توقیر نے ایک نظر خوشی سے چہکتی کوکو اور بار، بار گردن موڑ کر اس کی باتوں کا جواب دیتے ارمغان کو دیکھا اور دل ہی دل میں دونوں کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کرتے ہوئے گاڑی واپس موڑ لی۔

کوکو اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھائے گھر میں داخل ہوئی تو دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے فوری طور پر کسی سے سامنا نہ ہوا اور وہ خاموشی سے بڑا سا صحن کراس کر کے اپنے پورشن کی طرف چلی آئی۔ کتنا اپنا پن تھا اس گھر میں، صحن میں پھیلی دھوپ، در و دیوار پر پھیلی پرسکون خاموشی...... یہاں تک کہ گرم ہوا سے صحن میں گرتے پتے بھی اسے اپنے، اپنے لگ رہے تھے۔

وہ جو ہر سال مارچ کے اوائل میں ہی گرمی، گرمی کا شور مچا دیا کرتی تھی۔ اب اسے گرم دوپہروں میں آوارہ گردی کرتی لو سے بھی کوئی شکایت نہیں تھی۔

''تم ابھی تک یہاں کیوں کھڑی ہو گرمی میں......''

موٹر بائیک کو چھاؤں میں شیڈ کے نیچے کھڑا کر کے ارمغان اپنے پورشن کی طرف مڑتے، مڑتے اسے دیکھ کر چونکا۔

''جاؤ اور کمرے میں جا کر آرام کرو...... ہو سکتا ہے شام تک توقیر تمہیں لینے آ جائے۔'' خواہش اور خواب کے متضاد بات کرتے ہوئے جانے کیوں ارمغان کو، کوکو کے چہرے پر بکھری بغاوت دیکھ کر سکون ملا تھا۔

''ظاہر ہے جب وہ مجھے گھر پر نہیں دیکھیں گے تو لینے آ ہی جائیں گے یا شاید بغیر پوچھے، بغیر بتائے میرے یہاں آنے پر پنگا بھی کھڑا کر دیں۔ لیکن خیر جو کچھ بھی ہو میں اب کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ ہاں بھی نہیں۔'' اس کا لہجہ مضبوط تھا اور ارادہ اٹل۔

''اچھا ابھی تو اندر جاؤ ناں پھر جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا تم پریشان نہ ہو...... میں سب سنبھال لوں گا......'' ارمغان کی یقین دہانی، الفاظ کی مضبوطی اور لہجے کی سچائی نے کوکو، کو ایک نیا حوصلہ، ایک نئی امید عطا کر دی تھی اور وہ جان گئی تھی کہ وہ اکیلی نہیں ہے بلکہ ارمغان ہر موقع پر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ اس یقین دہانی سے ملنے والا سکون آواز میں بھی نمایاں ہوا۔

''اچھا ٹھیک ہے، آپ اپنے کمرے میں جا کر ہاتھ منہ دھو لیں، میں آپ کے لیے ستو بنا کر لاتی ہوں......''

''نہیں ابھی مجھے کچھ نہیں چاہیے، تم جاؤ چچی کو اپنے آنے کی اطلاع دو۔''

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی......'' کوکو نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے پورشن کی طرف رخ موڑا۔ جہاں اماں اس کے ہی کمرے میں موجود تھیں اور بیٹھی اس کی شادی کا فوٹو البم دیکھ رہی تھیں۔ یوں اچانک بغیر بتائے بنا کسی اطلاع کے اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''کوکو، تم اس وقت؟ اچانک؟ سب خیر تو ہے ناں؟''

''جی اماں...... بالکل خیر ہے اور کیا اپنے گھر آنے کے لیے کوئی وقت دیکھنا ہے؟'' بیگ وہیں دروازے کے پاس ہی رکھ کر وہ ان کے قریب چلی آئی تھی۔

اماں نے البم سرکا کر اٹھ کر اسے گلے لگایا اور دروازے کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولیں۔

''توقیر نہیں آیا کیا؟''

''نہیں، وہ تو آفس گئے ہوئے تھے۔ میں ہی آئی ہوں۔'' کھلے ہوئے فوٹو البم کو بند کرتے ہوئے

اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔ اور خود پاؤں اوپر کر کے آلتی پالتی مارتے ہوئے گود میں تکیہ لے کر بیٹھ گئی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ابھی دو ڈھائی گھنٹے پہلے ہی میری تم سے بات ہوئی ہے، اس وقت تو نہ تم نے اپنے آنے کا بتایا اور نہ ہی تمہارا کوئی ارادہ تھا۔ پھر یہ ایک دم اچانک......؟'' فون پر کوکو کا انداز الجھا، الجھا سا تھا۔ لیکن اس وقت اماں خود مکمل طور پر الجھی ہوئی تھیں۔

''حیرت ہے اماں...... آپ خوش نہیں ہوئیں میرے آنے سے؟''

''ارے پاگل لڑکی...... خوش تو ہوں...... لیکن سچ کہوں تو تمہارا یوں توقیر کے بغیر اچانک آنا مجھے ذرا عجیب بھی لگ رہا ہے۔'' انہوں نے بغیر کسی لگی لپٹی کے سچائی بیان کی۔

''آپ کا خیال ہے کہ میں جن قدموں پہ آئی ہوں انہی پر واپس چلی جاؤں...... ہے ناں؟''

''تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، اچھا یہ بتاؤ کھانا کھاؤ گی؟ اتفاق سے آج تمہارے پسندیدہ کالے چنے اور ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ شامی کباب بنے ہوئے ہیں۔''

''نہیں اماں، ابھی نہیں...... شام کو ہی کھاؤں گی بلکہ کالے چنوں کے سالن کے ساتھ تو صبح پراٹھا بھی بنوا کر کھاؤں گی...... اور وہ آپ کے ہاتھ کا بل دار خستہ پراٹھا......'' اس نے چٹخارہ لیا۔

''یعنی تم شام کو واپس نہیں جاؤ گی؟ کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟'' کوکو کا دل تو چاہ رہا تھا کہ سیدھے اور صاف لفظوں میں اماں کو بتا دے کہ وہ اب ہمیشہ کے لیے آگئی ہے لیکن ان کی گھبراہٹ نے اس کی زبان پر آئے سچ کو وہیں روک دیا۔

''بہت سارے دنوں کے لیے آئی ہوں اماں...... توقیر کو کہیں جانا تھا تو میں نے سوچا کہ اس قبرستان میں رہنے سے بہتر ہے کہ میں اپنے گھر چلی جاؤں، جہاں صبح شام چہل پہل، باتیں، آوازیں، قہقہے، شور اور پتا نہیں کیا، کیا ہوتا ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے جتنے دن چاہو رہو لیکن اپنا گھر تو اب تمہارا وہی ہے ناں جہاں تمہارا شوہر ہے۔ عقل مند بیٹیاں وہی ہوتی ہیں جو سسرال کو سسرال سمجھتے ہوئے اپنے گھر کا درجہ دیں۔ ان کے سکھ میں سکھی اور ان کے غم میں غمگین ہو جائیں ایسی بیٹیاں ماں، باپ کا بھی فخر بنتی ہیں اور سسرال کا بھی غرور کہلاتی ہیں۔ البتہ وہ لڑکیاں جن کے دل میں ان کی ذات کا مقبرہ حقیقی خوشیوں سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے ناں...... انہیں بھرے پُرے گھر بھی قبرستان لگتے ہیں جس میں وقتاً فوقتاً وہ اوروں کے رویوں کی قبر ان کے نام کے ساتھ بناتی چلی جاتی ہیں...... اور خود سوچو بھلا قبروں کے درمیان بھی خوشی نمودار ہوتی ہے کیا۔''

''لیکن اماں میں نے تو ایک عام سی بات کی تھی۔''

''جانتی ہوں......'' وہ مسکرائیں۔ ''جانتی ہوں کہ میری بیٹی ایک باشعور لڑکی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اچھی بیٹیاں وہ ہوتی ہیں جو اپنی خواہشات اور جذبات کے تند و تیز بہاؤ کے سامنے بھی ہمیشہ والدین کی عزت اور خوشی کو ہر چیز سے اہم اور بڑھ کر خیال کرتی ہیں۔''

سمجھ تو وہ گئی تھی کہ اماں ان ڈائریکٹ وے میں اسے کسی بھی ممکنہ غلط اقدام یا منفی رویے سے باز رکھنا چاہ رہی ہیں لیکن پھر بھی انجان بنی مسکراتی رہی۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی اور ان کی جذباتی بلیک میلنگ کو ان کے سامنے کامیاب قرار دیتی رہی۔

سخت دھوپ اور گرمی میں آنے کی وجہ سے انہوں نے اسے آرام کرنے کا کہا اور خود لائٹ آف کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ باتوں، باتوں میں انہوں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں تھا کہ وہ کس کے ساتھ آئی ہے۔ اور نہ ہی کوکو نے انہیں بتانا مناسب سمجھا کہ کہیں وہ مزید سوالات کی زد میں نہ آجائے۔ لیکن ہاں اتنا ضرور تھا، اسے یقین تھا کہ وہ ایک دو دن بعد آرام سے بیٹھ کر اماں کو اعتماد میں لے گی اور ارمغان کے فون سمیت اس کے ساتھ گھر آنے اور توقیر کے رویے تک ہر بات ان کے ساتھ شیئر کرے گی کیونکہ بچپن سے آج.....

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



تک اس نے اپنی زندگی کی ہر چھوٹی، بڑی بات ان کے ساتھ شیئر کی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ اب بھی اگر کوئی معاملات قابلِ قبول نہیں ہیں تو وہ ان کے ساتھ ڈسکس کرے......البتہ ایک بات کا خوف ضرور تھا کہ اگر توقیر اسے لینے آگیا تو کیا ہوگا...؟ اور اگر اس نے آتے ہی اپنے مزاج کے مطابق کوئی لگی لپٹی رکھے.... بغیر ہی کہہ دیا کہ وہ اس سے پوچھے اور بتائے بغیر آئی ہے تو کیا ہوگا؟

اور بالآخر کافی دیر تک ہر پہلو پر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود توقیر کو میسج کر کے صاف لفظوں میں بتادے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے میکے واپس آگئی ہے اور برائے مہربانی وہ اسے لینے آنے کا تکلف نہ کرے.....اور وہ بھی ایسی صورت میں جب ان کے درمیان محبت تو دور دوستی نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے اور یہ اس کی انا گوارا نہیں کرتی کہ وہ صرف اور صرف اپنے شوہر کی جسمانی ضرورت کے طور پر گھر میں موجود رہے۔

☆☆☆

توقیر سگنل سے گاڑی واپس موڑ لینے کے بعد آفس ٹائم ہونے کے باوجود یونہی اِدھر اُدھر گاڑی گھماتا رہا تھا۔ اسی دوران اسے کوکو کا تضحیک آمیز میسج ملا۔ شادی کے اول روز سے وہ اس کی عادات اور انداز نوٹ تو کرہی رہا تھا لیکن اس کی طرف سے توقیر کو چھوڑنے کا اعلان اس کی انا پر تازیانہ بن کر لگا تھا۔ ایکسی لیریٹر پر پاؤں کی شدت بڑھتی جارہی تھی اور سوچوں کا غبار تھا کہ اسے اپنے حصار سے نکلنے پر تیار ہی نہیں ہوتا۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، اس لیے مجھے لینے آنے کا تکلف بھی مت کیجیے گا۔'' میسج کی آخری سطر تو گویا ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔

کبھی سوچتا کہ اس کے اماں اور ابا کے سامنے جا کر شور مچائے، واویلا کرے کیونکہ مزید تو اب وہ خود بھی کوکو کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تھا اس لیے کیوں نہ وہ بھی اسی طرح اپنا دل ہلکا کرلے جیسے کوکو نے میسج میں کیا۔

شادی کے بعد سے اب تک یہ اس کا پہلا اور یقیناً آخری میسج تھا اور وہ بھی زہر خند، ترش.....گھر میں ممی سے وہ اس معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا کہ ان کے نزدیک رشتے بھی ریڈی میڈ لباس کی طرح فوراً بدلے اور دوسرے پسند کیے جاسکتے ہیں۔ وہ زندگی کی آسانیاں دیکھنے کی قائل تھیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی ایک رشتے کے ساتھ روتے' بلکتے چیختے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی متبادل تلاش کر کے ہنسی خوشی زندگی کے چار دنوں کو انجوائے کیا جائے۔ اور آخر کار جب وہ شہر کی سڑکوں پر گاڑی بھگا تا تھک گیا تو وہ ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

شادی کے شروع کے ہی عرصے میں کوکو کی طرف سے کیے گئے اتنے بڑے فیصلے کو وہ کسی کے بھی سامنے چیلنج نہ کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ اور میسج میں جن باتوں کو جواز بنا گیا تھا وہ بھی توقیر کے نزدیک اتنی بڑی نہیں تھیں جن کی بنیاد پر وہ اتنا بڑا اور سنجیدہ فیصلہ کرپاتی لہٰذا صاف ظاہر تھا کہ ضرور اس کے دل میں کوئی اور ہے۔

توقیر نے کوکو کو یہ میسج ٹائپ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں لیکن آخر وہ ایک مرد تھا۔ اس کے لکھے الفاظ کو نظروں سے چھو کر محسوس ....کر کے بتا سکتا تھا کہ ان حروف کو طاقت کس جذبے نے بخشی ہے۔ اس گرے میٹر کی طرح جو اندھوں کی انگلیوں میں چھپا رہتا ہے اور جس کی مدد سے وہ ٹٹول کر چھو کر محسوس کر کے کپڑوں کی رنگت بتادیتے ہیں۔ احساسات کے اسی گرے میٹر نے توقیر کو، کوکو کے دل کے اندر پہلے سے چھپے کسی جذبے کا پتا بتادیا تھا۔ اور اس نے کوکو، کو ایک پہنے ہوئے کپڑے کی طرح اتار پھینکنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

☆☆☆

دوپہر کی نیند لینے کے بعد سب اپنے، اپنے کمروں سے نکلے تو کوکو کے آنے کا جان کر ایک خوشگوار

حیرت نے سب کا احاطہ کرلیا۔

''ارے تم کب آئیں؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟ کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟ واپسی کب ہے؟ اتنے دنوں رہنے کے لیے آخر منایا کیسے؟'' غرضیکہ سبھی کے الگ، الگ سوال تھے۔ جن میں سے اس نے محض چند منتخب سوالوں کے ہی جواب دیے اور باقیوں کو مسکرا کر ٹال دیا۔ صحن میں چارپائیاں اور کرسی ڈالے بیٹھے ان سب کی باتوں، قہقہوں اور چٹکلوں کے درمیان اسے حقیقتاً اپنا آپ زندہ محسوس ہورہا تھا۔ ورنہ اس وقت تو اس کے سسرال میں ساس اور نند کن مشاغل میں ہوتیں اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات تو اُن سے ہمیشہ ہی صرف کھانے کے اوقات میں ہوا کرتی تھی۔

''اے لو...... مجھے تو لائبہ کے لیے بغیر مرچی کا کھانا بنانا یاد ہی نہیں رہا......'' تائی امی کچن سے ہاتھ صاف کرتی آکر بیٹھتے ہی لگی تھیں کہ سامنے بیٹھی لائبہ کو دیکھ کر اچانک بولیں۔

''کوئی بات نہیں تائی امی، آج وہی کھالوں گی ناں۔'' لائبہ کو شرمندگی ہوئی کہ اب صرف اس کے لیے کسی کو بھی دوبارہ کھانا بنانے کے لیے اٹھنا پڑے۔ اس کے ہاں ننھے مہمان کی آمد متوقع تھی اسی لیے ڈاکٹر نے اسے بغیر مرچی کا کھانا کھانے کی ہدایت کی تھی کہ تاکہ ممکنہ تیزابیت سے بچا جائے۔

''کوئی بات کیسے نہیں...... بعد کی تکلیف سے پہلے کی گئی احتیاط بہتر ہوتی ہے بیٹا۔'' انہوں نے بات کرتے ہوئے نظر دوڑائی تاکہ کسی کے ذمے بھی کھانا بنانا لگادیں۔ اور پھر اپنی ہی منجھلی بہو سے بھنڈی کا صرف ایک پلیٹ سالن بنانے کی درخواست کی تو وہ بغیر ماتھے پر بل ڈالے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہارے گھر میں کچن کون چلاتا ہے؟ آئی مین کھانا پکانا وغیرہ کون کرتا ہے؟'' تائی امی نے سب کے بیچ اس سے جو سوال کرلیا تھا اس کا جواب تو خود کو کو، کو بھی معلوم نہیں تھا۔

''کھانا پکانا تو...... ملازمہ کرتی ہے شاید اور ویسے جس کا جو دل چاہے اور جب دل چاہے بندہ خود بھی بنالیتا ہے۔'' وہ گڑبڑا گئی تھی کیونکہ یہ سوال مکمل طور پر خلافِ توقع تھا اس لیے جیسا بھی جواب بن پڑا اس نے دیا۔

''اس کا تو مطلب یہ ہے کہ ابھی تک ہماری کو کو کی سسرال میں کھیر بنانے کی رسم نہیں ہوئی۔'' چھوٹی بہو نے سب کی توجہ اس طرف مبذول کروائی تو گویا وہ جز بز سی ہوگئی۔

''نہیں، وہاں خانساماں ہے ناں تو وہی بنالیتا ہوگا یا شاید ملازمہ...... اس لیے ان رسموں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ویسے بھی وہ لوگ ان رسم ورواج کے پابند نہیں...... فری اسٹائل لوگ ہیں وہ۔'' بات کرتے ہوئے اب وہ سنبھل چکی تھی اس لیے ساتھ، ساتھ مسکرانے بھی لگی۔

یوں بھی جس طرح سردیوں میں نہاتے ہوئے پانی کا صرف پہلا مگ ہی حواس میں کھلبلی مچادیتا ہے اور بعد میں بندہ ذہنی طور پر ان محسوسات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولتے ہوئے بھی محض شروع، شروع ہی میں گھبراہٹ ہوتی ہے، چوری پکڑے جانے کا ڈر ہوتا ہے، ضمیر کی سرگوشیاں کانوں میں پڑتی ہیں سو اگر تو شروع میں ہی اس قسم کے جذبات سے جان چھڑالی جائے تو بندہ پانی کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور ایسے بولتا ہے کہ بعض اوقات خود بھی حیران رہ جاتا ہے۔ سو یہی کیفیت اب کوکو کی تھی جو ایک دم گھبرائی تو ضرور لیکن اب وہ مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔ کسی کے بھی اور کسی بھی قسم کے سوال کا جواب دے سکتی تھی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن کیا دولھا بھائی نے بھی تم سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی؟'' لائبہ نے پوچھا۔

''کیونکہ کاشف تو کھانا کھاتے ہوئے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ لائبہ تم نے آج خاص طور پر میرے لیے کیا بنایا ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ میرے ہاتھ کی بنی ہوئی ڈش سے ہی کھانا اسٹارٹ کریں۔'' لائبہ کی بات پر حسبِ معمول سبھی اس کے نصیب اور اس کے اور

کاشف کے درمیان موجود اس محبت کو سراہ رہے تھے۔ اس جذبے کو مزید نکھرنے کی دعا دے رہے تھے اور ان سب ستائشی جملوں میں اگر انہیں کوکو کا جواب لینا یاد نہیں رہا تھا تو یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ کیونکہ اس طرح کم از کم وہ اس جھوٹ سے بچ گئی تھی جو اب وہ بولنے والی تھی۔

''توقیر نے تو کبھی آج تک مجھ سے کسی بھی طرح کے کھانے تو دور چائے تک کی فرمائش نہیں کی اور نہ ہی کبھی یہ پوچھا کہ آیا.... مجھے کھانا بنانا آتا بھی ہے کہ نہیں.....؟ اور اگر آتا ہے تو کون سی چیز اچھی بنانی آتی ہے؟ یا شادی سے پہلے میں کون سی چیز خاص طور پر اس کے لیے بنانا سیکھی تھی۔'' کوکو نے ظاہری طور پر مسکراتے ہوئے بڑے ہی دکھ سے سوچا۔

اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا باوجود اس کے کہ اماں جانتی تھیں سسرال میں اسے ہانڈی چولہا نہیں سنبھالنا پڑے گا مگر اس سب کے باوجود انہوں نے نہایت کم دنوں کا عرصہ ہوتے ہوئے بھی اسے چند خاص، خاص چیزیں بنانا سکھا ہی دی تھیں اور کچن میں دو کھڑکیاں اور ایگزاسٹ فین ہونے کے باوجود جب انتہائی گرمی میں پسینے سے اس کی قمیص تک چپک جایا کرتی تو وہ سوچتی کہ جب شادی کے بعد میاں جی اس کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانوں کی تعریف کیا کریں گے تو وہ یہ گرمی، حبس، پسینہ سب کچھ بھول جائے گی۔ جب اس کا شوہر اپنے ہاتھوں سے نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالے گا تو وہ تمام تھکن اور گرمی بھول جائے گی جو اس نے کھانا پکانے کے دوران محسوس کی ہوگی۔

''کتنی چھوٹی، چھوٹی اور معمولی خواہشات تھیں جن کے لیے میں بس ترستی ہی رہی، ایک نئی نویلی دلہن ہونے کے باوجود.....'' لائبہ کے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس نے سوچا۔

''جو شخص نو بیاہتا دلہن کے ساتھ اس قدر کرخت، کھردرا اور خشک رویہ رکھنے والا ہو اس سے اگلے چند برسوں میں بھلا کیا امید کی جا سکتی ہے..... میں نے بہت اچھا کیا جو روز، روز سسکنے سے ایک دفعہ ہی اس سونے کے پنجرے کو چھوڑ آئی۔'' کوکو نے خود ہی اپنے حق میں دلیل بھی دی گواہی بھی اور فیصلہ بھی سنا دیا۔

اسی دوران باہر سے ارمغان کی بائیک کی مخصوص آواز آئی۔ وہ آج کل جاب یا کاروبار کے بارے میں یہاں وہاں ہر ایک سے مشورے کر رہا تھا اور ابھی اپنے ایک دوست کی دکان سے اٹھ کر آیا تھا۔

''السلام علیکم گھر کی سو فیصد آبادی.....'' سب کو ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ بھی خوشگوار لہجے میں بولا تو سبھی اس کی طرف سلام کا جواب دیتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

''آؤ بھئی آؤ..... اب تو تم ہی گھر کے واحد کنوارے رہ گئے ہو..... شادی کر لو تاکہ ہماری آبادی میں مزید اضافہ ہو جائے۔'' بڑی بھابی نے شوخی سے کہا تو سبھی اُن کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

''لیکن بھئی ارمغان، کوئی لڑکی نظر میں ہو تو ضرور بتانا ہم لمحہ بھر بھی دیر نہیں کریں گے۔'' چچی کا جوش بھی قابلِ دید تھا البتہ کوکو کو جانے کیوں یہ ذکر بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اور یہ بات ارمغان نے بخوبی محسوس بھی کی تھی۔

''کوکو، تمہاری سسرال میں اگر کوئی لڑکی ہو تو بتانا..... یار تمہاری نند بھی تو ہے اس سے ہی بات چلا لو۔'' بڑی چچی نے تو گویا بیٹھے، بیٹھے رشتہ بھی پکا کر دیا۔

''ارے چچی کہاں، وہ تو بہت چپ چاپ اور اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی ہے۔'' کوکو سنبھل کر بولی۔ ''اس گھر میں تو وہ لڑکی آنی چاہیے ناں جو انہیں اچھی طرح جانتی ہو گھر والوں کو بھی اور اسی شور و غوغے اور رونق و مستی کی عادی ہو۔''

''ہاں بات تو کوکو نے بھی ٹھیک کی ہے لیکن خیر جو بھی ہے اب ارمغان کی شادی میں دیر بالکل نہیں کرنی چاہیے۔'' تائی امی نے ارمغان کو دیکھا جو موٹر سائیکل کھڑی کرنے کے بعد اب منہ دھو کر تولیے سے پونچھ رہا تھا۔

کوکو نے حسبِ سابق لپک کر ٹھنڈا پانی فریج سے نکالا اور فوراً ارمغان کو دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ پانی ختم کرتا

باہر کسی نے بیل پر ہاتھ رکھا تو گویا اٹھانا ہی بھول گیا۔
ارمغان اور کوکو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

کوکو کا تو دل رکنے لگا تھا کہ اگر توقیر ہوا تو جانے سب کے سامنے کیا اول فول کہہ دے کہ مجھ سے بغیر پوچھے یا کسی کو بھی بغیر بتائے کیوں آگئیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ سب کے سامنے ان باکس میں سے میسج نکال کر سب کو پڑھوائے کہ یہ دیکھیے آپ کی تربیت...... کیسے قید سے فرار ہو کر آئی ہے۔

تائی امی نے ارمغان کو پانی پیتے دیکھا تو خود آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے توقیر نہیں بلکہ ارمغان کا ہی کوئی دوست چہرے پر اڑتی ہوائیاں لیے کھڑا تھا۔

''عمیر بیٹا، آؤ اندر آجاؤ، ارمغان گھر پر ہی ہے۔'' اس کے پوچھنے پر تائی امی نے اسے اندر بلالیا تھا۔ اور تب تک صحن سے لڑکیاں اپنے کمروں میں جاچکی تھیں البتہ چچی وغیرہ موجود تھیں۔

''خیریت تو ہے ناں...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' ارمغان نے ہاتھ ملا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت تو اوپر والے کا کرم ہے کہ پہلے ہی ہے لیکن ایک کام پڑ گیا ہے اور وہ بھی تم سے نہیں بلکہ تائی امی سے۔'' اس کی بات پر سبھی چونکے تھے۔ تائی امی نے بھی مروت نبھائی اور اس کے یوں خصوصاً مخاطب کرنے پر اس کے سر پر ہاتھ پھیر ڈالا۔

''ہاں، بیٹا کیوں نہیں...... بچپن سے تم اور ارمغان اکٹھے کھیلتے اور پڑھتے بڑے ہوئے ہو ایسے میں یہ گھر بھی تمہارا اپنا ہوا اور ہم سب بھی۔''

''بہت، بہت شکریہ تائی امی...... اور یہی وجہ تھی کہ میں آج ایک خوشخبری اور ضرورت لے کر آپ کے در پر آیا ہوں۔'' اس کی تمہید بھی کو تجسس میں مبتلا کر رہی تھی مگر اس نے بات کو جاری رکھا۔

''دراصل آج سے دو چار مہینے پہلے ایک جاب کے لیے ٹیسٹ دیا تھا، اس کے بعد انٹرویو کی کال آئی تو انہوں نے کہا کہ اب نتیجہ بعد میں بتایا جائے گا...... میں اب تک بھول بھال چکا تھا تو ایک دوست کے ذریعے لیٹر ملا جس میں مجھے مبارک باد دے کر بتایا گیا ہے کہ میں اس پوسٹ کے لیے موزوں شخص ہوں۔''

''واؤ یار اتنی بڑی نیوز...... واہ بھئی کمال کردیا۔''

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ جیتے رہو، خوش رہو، بہت، بہت مبارک باد......'' تائی امی بھی اس بن ماں باپ کے لڑکے کے لیے بہت خوش ہوئی تھیں۔

''تو پھر اس میں مسئلہ کیا ہے؟'' ارمغان نے پوچھا۔

''دراصل مجھے دو مہینے تک ان کے ہیڈ آفس سے ریلیٹڈ فرم میں کام کرنا ہوگا تاکہ میں ان کے طریقہ کار اور کام کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لوں پھر ان کی مرضی کہ وہ مجھے واپس یہاں اپنی فرم میں لگائیں یا وہیں رکھ لیں...... تو اب مسئلہ دراصل یہ ہے تائی امی۔'' وہ مکمل رخ موڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''کہ یہ تو آپ کو پتا ہے ناں کہ میں اور میری چھوٹی بہن دادا والے گھر میں تایا کی فیملی کے ساتھ رہتے ہیں لیکن اب جبکہ میں دو مہینے تک گھر سے دور رہوں گا تو اسے میں حنا کو اکیلے وہاں پر چھوڑنا مجھے نہ تو مناسب لگ رہا ہے اور نہ ہی میرا دل اجازت دیتا ہے۔''

''بیٹا، گھبراؤ نہیں...... کھل کر بات کرو......'' وہ مکمل دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''تائی امی وہ دراصل کہتے ہیں ناں کہ پیٹ پر سے قمیص ہٹاؤ تو اپنا ہی جسم ننگا ہوتا ہے تو بس یہی سمجھ لیں کہ میرے ساتھ بھی یہی ہوا کہ......'' وہ تھوڑا سا ہچکچایا۔ ''کچھ حالات کا تو آپ کو اندازہ ہے ہی ناں کہ کس طرح ہماری تائی نے حنا کو گھر کی ملازمہ بنا کر رکھا ہے تو ابھی تو میں یہاں ہوں اسے تھوڑا بہت میرا سہارا ہے اور کچھ تائی بھی ذرا لحاظ کرتی ہیں، سوچ رہا ہوں کہ ایک دو دن نہیں بلکہ پورے دو مہینے کے لیے اگر میں کسی دوسرے شہر چلا گیا تو حنا کا کیا بنے گا، وہ کیسے رہے گی ان کے بیچ؟''

''ہوں......'' تائی امی بات کی تہ تک پہنچ چکی تھیں۔

یہ بات میرے لیے باعث شرم تو ہے لیکن کیا، کیا جائے...... دوسروں کی جانب مدد طلب نظروں سے انسان تبھی دیکھتا ہے جب اپنوں سے کوئی امید باقی نہ رہے تو بس میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اگر آپ مہربانی کر کے میرے آنے تک حنا کو یہاں رکھ لیں تو میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔''

ارمغان اور تائی امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر تائی امی نے وہاں موجود دوسری خواتین کے چہرے کے تاثرات بھانپے۔

''دو ماہ بعد فائنل ہو جائے گا تو اگر مجھے وہاں رہنا ہوا تو حنا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا ورنہ یہیں اس کے پاس آجاؤں گا۔''

''پہلے تو مجھے اعتراض اس بات پر ہے کہ کیا تم ہمیں غیر سمجھتے ہو جو اپنوں کی طرف سے امید ختم ہونے کے بعد متوجہ ہوئے؟'' عمیر نے اُن کی بات پر سر جھکا لیا۔

''جیسے ارمغان ویسے تم...... اور یہ تمہارا اپنا گھر ہے، تمہیں تو چاہیے تھا ناں کہ حنا کو ساتھ لے آتے اور کہتے کہ تائی امی یہ میرے آنے تک یہیں رہے گی اور بس...... پاگل پوچھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔''

ارمغان نے بڑی محبت سے تائی امی کو دیکھا جنہوں نے نہ صرف عمیر کا مان رکھا تھا بلکہ اس کا سر بھی فخر سے اونچا کر دیا تھا کہ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جہاں ابھی تک محبت، خلوص، رواداری اور سب سے بڑھ کر انسانیت زندہ ہے۔

☆☆☆

وہ گھر جہاں پر ہر کوئی ہر وقت اور ہر موضوع پر بولنے کو تیار ملتا ایسے میں وہ ایک ایسی بند کتاب کے مانند تھی جو اپنے خوشنما اور جاذب نظر کور سے ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اصرار کرتی کہ اسے پڑھا جائے اور قاری اس کی طرف بس کھنچا ہی چلا آتا۔ اسے کوکو کے کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ خوش باش، چہکتی اور یہاں وہاں اڑتی پھرتی۔ کوکو اس سے بہت جلد اوب گئی تھی۔ اسے لگتا کہ اس میں لڑکیوں والی تو شاید کوئی بات

ہی نہیں جہاں سب بیٹھے ہوتے وہاں سے چپ چاپ غیر محسوس طریقے سے ایسے غائب ہوتی کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلتا۔

اس کے اپنے گھر میں چونکہ اس کی تائی گھر کے اکثر کام اسی سے کروایا کرتی تھی اس لیے جب ایک دو، دن اسے کوئی کام نہیں کرنے دیا گیا تو وہ باقاعدہ روہانسی ہوگئی۔ سو تائی امی نے اسے گھر کے کام کاج کرنے کی اجازت کیا دی اس کے رخساروں کی لالی لوٹ آئی۔

سچ ہے کہ بچپن سے انسان کو جو عادت پڑ جائے وہ پھر چھوڑنا مشکل ہی ہوتا ہے اور یہاں تو وہ چھوڑنے کی نہ تو خواہشمند تھی اور نہ ہی اس پر رضامند...... ایسے میں کوکو جس نے صرف اس لیے اسے اپنے کمرے میں رکھنے پر فراخدلانہ اصرار کیا تھا کہ اس طرح اسے گپ شپ کے لیے ایک اچھی دوست مل جائے گی، بے حد مایوس ہوئی، کچھ تو اس بات کا بھی غصہ تھا کہ توقیر نے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی اور وہ جو یہ سوچ، سوچ کر ہلکان رہی تھی کہ اگر توقیر آگئے اور آکر اس نے وہ میسج سب کو پڑھوا دیا تو کیا ہوگا...... ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور یوں ثابت ہوگیا کہ توقیر یا اس کے گھر والوں کو اس کی ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں...... اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جیسے وہ کوئی گھر میں رکھی بے جان سی چیز ہے......

اماں اور کسی نے اگر پوچھا تو اس نے بڑے ہی اعتماد سے بتا دیا کہ توقیر تو آج کل چونکہ شہر سے باہر ہے اس لیے اس کے واپس آنے تک وہ یہیں رہے گی۔ وجہ مضبوط تھی۔ جس میں شک وشبہ کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ لہٰذا سبھی مطمئن تھے اور وہ خود بھی اب اپنی زندگی میں اتنی مطمئن اور خوش تھی کہ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ توقیر کو ٹھکرا کر کتنی بڑی غلطی کر چکی ہے۔

دوسری طرف تائی امی بھی بڑی جہاندیدہ خاتون تھیں، حنا کے ایک دو دن رہنے کے بعد اس کی عادات و اطوار جان چکی تھیں اور اس قدر خوش تھیں کہ انہوں نے گھر کی بڑی پانچوں خواتین کا ایک خفیہ اجلاس کچن میں طلب کرلیا۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب سب اپنے، اپنے کمروں میں ہوں تو خواتین کچھ دیر کے لیے کچن میں تشریف لائیں اور کچن کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ اس گرمی میں بھی لڑکیاں کچن سے پناہ مانگتیں۔ لہٰذا قیاس یہ تھا کہ اس طرح اس اجلاس کے خفیہ مقصد سے گھر کی لڑکیاں بھی بے خبر ہی رہیں تاکہ کسی مرد کے بھی کانوں تک بات نہ پہنچ پائے اور عین اس وقت جب سب اپنے، اپنے پورشن میں بنے کمروں میں پردے گرا کر لیٹے تھے، یہ ساری خواتین ایک، ایک کرکے برآمدے میں نکلیں اور ایک ساتھ کچن میں جا پہنچیں لیکن اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک گئیں کہ سامنے حنا چولہا صاف کرنے میں مصروف تھی۔ انہیں دیکھا تو وہ بھی یوں سب کے ایک ساتھ آنے پر حیران ہوگئی۔ حنا کی آنکھیں مہاتما بدھ کی آنکھوں جیسی ہی لمبی تھیں۔ مسکراتے ہوئے بھی اداس سی آنکھیں۔

''بیٹا تم اس وقت......؟'' بڑی چچی حیران ہوئیں۔

''دیکھو بیٹا، ٹھیک ہے کہ آپا نے تمہیں گھریلو کام نپٹانے کی اجازت تمہاری خواہش پر دے دی ہے لیکن میری جان، یہ کوئی وقت ہے بھلا دوپہر کے برتن دھونے اور چولھے صاف کرنے کا......''

''ہاں تو اور کیا...... ایک آدھ گھنٹا لیٹنے کے بعد جب سب اٹھتے تو ہو جاتا۔'' چھوٹی چچی نے بھی ان کی تائید کی۔

''دراصل مجھے عادت ہے ناں، وہاں تائی امی کہتی تھیں کہ پہلے سارا کام نپٹاؤ پھر لیٹو...... تو میں نے سوچا کہ وہاں بھی تو کرتی ہی تھی ناں یہاں بھی کردیتی ہوں۔'' وہ رسانیت سے بولی۔

''چندا، کام کرو بے شک کرو...... لیکن وقت پر اور اپنے آرام کا بھی خیال رکھو۔'' تائی امی نے بڑی محبت سے اس کا گال تھپتھپایا۔

''جاؤ شاباش...... جیسے باقی سب اس وقت

ریسٹ کر رہے ہیں تم بھی کرو۔'' تائی امی کے کہنے پر وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتے ہوئے اسٹیل ووِل اور اسفنج وہیں چھوڑ کر سنک پر ہاتھ دھونے لگی۔

سبھی خواتین نے ایک دوسرے کو بڑی ہی سراہتی نظروں سے دیکھا۔ ان سب کی آنکھوں میں محبت تھی، تعریف تھی اور سراہا جانا تھا۔

حنا کچن سے جا چکی تھی۔

''کیا تم سب بھی وہی سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہی ہوں؟'' تائی امی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے ان سب کو دیکھا۔

''سوچ تو ہم بھی کچھ نہ کچھ رہے ہیں لیکن آپا پہلے تو آپ یہ بتائیں ناں کہ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟'' بڑی چچی نے ہونٹوں کے کونوں پر مسکراہٹ دبائی۔

''حنا ایک اچھی، سگھڑ اور سلیقہ مند بچی ہے، اس سے بے شک یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن ارمغان کے دوست کے حوالے سے عمیر کو ہم سب ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس طرح محنت سے اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور بہن کو بھی پڑھایا..... کیا ہی اچھا ہو اگر ہم عمیر کے دو مہینے کے بعد آنے پر بھی حنا کو یہاں سے جانے نہ دیں۔'' تائی امی نے رک کر ان سب کو بولنے اور اپنی رائے دینے کا موقع دیا۔ اور گو کہ سبھی ان کی تمہید کا مطلب سمجھ چکی تھیں سوائے چھوٹی چچی کے سو تائی امی نے پُر جوش انداز میں اپنا خیال ظاہر کیا۔

''دراصل صاف، سیدھے اور مختصر لفظوں میں بتاؤں تو مجھے حنا اپنے ارمغان کے لیے بہت پسند آئی ہے۔ اسی لیے میں سوچ رہی تھی کہ اگر ہم ان دونوں کو تھوڑا سا قریب آنے کا موقع دیں تو وہ بھی ایک دوسرے کو ذرا جان پہچان لیں۔ ان دونوں کو اگر کوئی اعتراض نہ ہو جو کہ مجھے یقین ہے کہ نہیں ہوگا تو ہم عمیر کے آنے پر یہ تجویز اس کے سامنے بھی رکھ سکتے ہیں۔''

''بات تو آپا آپ کی ٹھیک ہے لیکن......'' چھوٹی چچی کے غیر متوقع ''لیکن'' نے ان سب کو چونکایا۔

''اس بات سے تو آپ بھی اتفاق کریں گی ناں کہ اپنا ارمغان ہے، بہت گھنا..... اس کے دل میں کیا چل رہا ہے، نہ تو پہلے اس نے بتایا اور نہ اب بتائے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ کچھ اور دن دیکھ لیں پھر اسے اپنا فیصلہ سنا دیں کہ ہم نے تمہارے لیے یہ سوچا ہے اور بس......''

''نہیں صنوبر، وہ گھنا نہیں ہے کیونکہ کوکو کے معاملے میں اس کی پسندیدگی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور پھر اس نے خود بھائی صاحب سے کوکو کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اب اگر کوکو نے ہی صاف لفظوں میں انکار کر دیا تو اس میں ارمغان کا کیا قصور......؟'' تائی امی نے وضاحت کی۔

''کوکو، میری بیٹی ہے اور آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ ارمغان کی خواہش ضرور تھی لیکن کوکو نے ہی اس رشتے کو قبول نہ کیا۔ ایسے میں ارمغان نے بڑی ہی سمجھداری سے اس کے سامنے ایسے بات سنبھالی کہ وہ اب تک ارمغان کو اپنا سب سے اچھا دوست سمجھتی ہے۔'' منجھلی چچی نے بڑی ہی غیر جانبداری سے سچ کا ساتھ دیتے ہوئے بات واضح کی تو خواتین کی اس کانفرنس میں طے یہ پایا کہ حنا اور ارمغان کو ایک دوسرے کو جاننے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ دونوں کے احساسات کا بخوبی اندازہ لگانے کے بعد ہی کسی بھی قسم کے فیصلے سے آگاہ کیا جائے۔

سب کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے جیسے لمبے عرصے بعد گھر میں کسی کی شادی کی تقریب ہونا ہو۔ حالانکہ ایسا ہرگز بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

کوکو، پہلے کی طرح خوش اور مطمئن تھی۔ اسی طرح ارمغان سے گپ شپ ہوتی اور وہی پہلے کی طرح کی آؤ بھگت، توقیر کا خیال بھولے سے بھی کبھی ذہن میں نہیں آتا تھا بلکہ وہ تو اس بات پر بے حد خوش تھی کہ توقیر نے پلٹ کر اس سے رابطہ ہی نہیں کیا ورنہ گھر بھر میں خوب شور مچتا، سب کزنز کے سامنے اس کی بے عزتی ہوتی اور آخر میں پھر یہی ہوتا جو اب ہو رہا ہے۔ اب اسے کبھی کبھار محسوس ہوتا جیسے ارمغان سے متعلق اماں نے سچ کہا تھا کہ وہ اسے پسند کرتے

ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن شکوہ اسے یہ تھا کہ اگر وہ اتنا ہی اسے پسند کرتے تھے تو اپنی بات منوا کیوں نہ لی؟ کیا مرد بھی اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ اپنی محبت چھوڑ دیں۔ کمپرومائز کر لیں اگر اس نے ایک لڑکی ہو کر اسٹینڈ لیا تھا کہ وہ ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو پھر وہ ایک مرد ہو کر اس بات پر ڈٹ کیوں نہ گئے کہ کوکو میری محبت ہے اور میں کسی اور کو اپنی محبت نہیں سونپ سکتا...... وہ کیا کر لیتی...... آخر کار تو سمجھ ہی جاتی ناں...... لیکن انہوں نے اتنی جلدی ہتھیار کیوں ڈالے...... اور کیا جو کچھ وہ سمجھ رہی ہے ٹھیک بھی ہے یا کہ وہ خود اپنے جذبات کی عینک لگائے دیکھ رہی ہے۔

چند دن میکے میں گزر رہے تھے کہ اسے ایک عجیب سی بے چینی نے آگھیرا تھا۔ سب اسے توقیر کا نام لے کر مذاق کرتے، اس کے متعلق ڈسکس کرتے، اس کی عادات کا پوچھتے، وہ بتاتے بتاتے زچ ہو گئی تھی۔ اب تو اس کا دل چاہتا کہ جو بھی اس کے سامنے توقیر کا نام لے وہ اس کا سر پھوڑ ڈالے کہ ان کے سوالات کی وجہ سے اسے کس قدر جھوٹ بولنا پڑتا ہے صرف اس لیے کہ انہیں مطمئن کر سکے۔

☆☆☆

صحن سے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ بچوں کی چاں پاں بھی ساتھ ہی تھی۔ ارمغان چونکہ اب تک کوئی بھی مستقل جاب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پایا تھا اس لیے اکثر گھر پر ہی ہوتا۔ باہر کے تمام کاموں کی ذمے داری اس پر آگئی تھی۔ جو وہ بخوشی سرانجام دیا کرتا۔ ویسے بھی اسے بہت امید تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہفتے بھر میں اسے ایک متوقع جاب کالیں یا نو معلوم ہونے ہی والا ہے۔ لہٰذا موٹر بائیک پاس تھی جو بھی کوئی کام کہتا وہ فوراً سے بائیک نکالتا اور سب اسے دعائیں دینے لگتے۔

آج بڑی چچی کی بہو میرا کا فالودہ کھانے کو جی چاہ رہا تھا سو بڑی چچی نے ارمغان سے ہی درخواست کی تھی کہ اگر اس کا موڈ ہو تو وہ جا کر سب گھر والوں کے لیے فالودہ لے آئے، سو اس وقت یقینی طور پر ارمغان آچکا تھا۔ جبھی پیالوں اور چمچوں کی آوازیں آرہی تھیں اور ساتھ ہی ارمغان سمیت دو چار آوازیں مل کر اسے بھی پکارنے لگیں۔ بالوں سے ربر بینڈ کھینچ کر اتارنے کے بعد اس نے گردن پر آئے ہوئے بالوں کو بھی سمیٹا اور دوبارہ سے انہیں بینڈ میں ڈال کر باندھا اور پونی جھلاتے ہوئے کمرے سے نکل کر برآمدے سے ہوتی صحن میں آئی تو جیسے دل خوش ہو گیا۔

تین بڑے پیڈسٹل فین ایک مناسب فاصلے کے ساتھ ایک ہی قطار میں موجود تھے۔ اور ان کی ہوا کی سمت عین سامنے چار پانچ چارپائیاں بچھی تھیں۔ ساتھ ہی کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ساتھ، ساتھ ٹھنڈا فالودہ......

''واؤ فالودہ......'' اس نے اتنے جوش سے کہا جیسے فالودہ نہیں بلکہ اس نے اتنی گرمی میں برف گرتی دیکھ لی ہو اور اس کے اسی انداز پر سب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا ہی تھا کہ ارمغان کو فالودے کا پیالہ پکڑاتی حنا کے ہاتھ سے ذرا سا پیالہ سلپ ہوا اور فالودہ ارمغان کی پینٹ اور شرٹ پر آگرا۔ یہ صورت حال سب کے لیے عجیب تھی۔

خصوصاً حنا کو اس وقت بے حد شرمندگی ہو رہی تھی۔ سارے گھر والوں کی نظریں اب اس پر تھیں اور اسے اور تو کچھ نہ سوجھا بس جلدی سے اپنے دوپٹے کے لٹکتے کونے سے اس سے پہلے کہ کچھ صاف کرتی، کوکو تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''تم رہنے دو حنا، میں کرلوں گی۔''

''کوئی بات نہیں، میرا دوپٹا بھی گندا ہی ہے، ابھی ڈریس چینج کر لوں گی۔'' اس نے اپنے شلوار کے نچلے حصے کو دیکھا جہاں پائنچوں پر بھی فالودہ گرا ہوا تھا۔

''تمہارا دوپٹا گندا ہے اسی لیے تو کہہ رہی ہوں ناں کہ رہنے دو...... میں کوئی صاف کپڑا لاتی ہوں...... اس سے تو مزید شرٹ گندی ہو جائے گی بلکہ آپ جا کر جلدی سے واش روم میں ڈریس چینج کر لیں اور یہ کپڑے اُدھر ہی چھوڑ دیں، پھر دھل جائیں گے۔'' کوکو نے وہ

پیالہ جو حنا کے ہاتھ سے سلپ ہونے کے بعد فوراً ارمغان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس سے لے کر اٹھنے کا حکم نامہ جاری کیا تو ارمغان مسکراتا ہوا کندھے اچکا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مجھلی چچی اور پھر کوکو کو مخاطب کیا۔

”حکم تو ایسے چلاتی ہے جیسے میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں..... حالانکہ تم مجھ سے چھوٹی ہو۔“

”دوست، دوست ہوتا ہے چھوٹا بڑا نہیں ہوتا.....“ وہ بچوں کی طرح اترائی۔ ”اگر دوستوں میں بھی چھوٹے بڑے ہونے کا چکر شروع ہو جائے ناں تو بڑوں کا تو ہر وقت ادب آداب کرنا پڑے اور چھوٹے..... چھوٹے ہر وقت چاہیں گے کہ بس انہیں پیار کیا جائے..... اب بتائیں میں چھوٹی ہوں یا دوست.....؟“

کوکو کی باتوں پر سبھی جز بز دکھائی دے رہے تھے کہ ایک تو اس نے حنا سے بدتمیزی سے بات کی اور پھر اب کیسی عجیب باتیں کر رہی ہے۔ خود ارمغان بھی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

”تم میری دوست ہو..... اچھی والی..... سمجھیں.....!“ اس کی پونی کھینچ کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا لیکن سب کے قہقہے کس طرح ایک دم تھم گئے یہ بات کوکو نے قطعی طور پر نوٹ نہیں کی تھی۔

☆☆☆

حنا کمرے سے ڈریس چینج کر کے دوبارہ صحن میں جا رہی تھی کہ ارمغان بھی اپنے کمرے سے نکل کر وہیں جاتا نظر آیا۔

”آئی ایم سوری.....!“ ایک دم غیر متوقع طور پر حنا نے اسے دیکھا تو گڑبڑا گئی اور فوراً معذرت کر لی۔

”سوری فور واٹ.....؟“ ارمغان کو حقیقتاً سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ کس بات پر معذرت کر رہی ہے۔

”اچانک میرے ہاتھ سے پیالہ سلپ ہوا اور آپ کے کپڑے گندے ہو گئے..... پتا نہیں یہ میرے ہاتھوں میں ایسا کیا ہے کہ اتنی چیزیں گرتی ہیں، وہاں تائی امی سے بھی اسی بات پر ڈانٹ پڑتی تھی۔“ اس نے منہ بسورا۔

”ڈونٹ وری، کوکو نے جو کچھ کہا وہ سب بالکل بلا اختیاری طور پر کہہ دیا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی نہیں ڈانٹے گا کیونکہ یہ سب تو چلتا رہتا ہے ٹینشن نہ لو۔“

اس نے یوں بے یقینی سے دیکھا تھا جیسے یقین ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

”بلکہ کوکو کی طرف سے میں تمہیں سوری کہتا ہوں..... وہ بس ایسی ہی ہے ذرا جذباتی سی۔“

”ڈونٹ وری..... کوکو نے جو کچھ کہا وہ سب بالکل بلا اختیاری طور پر کہہ دیا..... ورنہ مجھے یقین ہے کہ مجھے یہاں کوئی نہیں ڈانٹے گا اور یہ سب تو چلتا رہتا ہے ناں..... آپ ٹینشن نہ لیں۔“ حنا نے مکمل طور پر ارمغان ہی کے انداز میں الفاظ کو تھوڑا سا بدل کر اپنی بات کی تو اس کے لیے یہ صورتِ حال بڑی ہی دلچسپ تھی۔

اسی دن ارمغان پر انکشاف ہوا کہ اس کی لمبی، لمبی آنکھیں مسکراتے ہوئے کنپٹیوں کا رخ کرتی ہیں اور جب یہی مسکراہٹ ذرا گہری ہونے لگے تو اس کی آنکھوں کی جگہ سیاہ پلکوں کی ایک لائن سی دکھائی دیتی ہے اور بس.....

اور جب مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کی جگہ ایک گہری سیاہ لائن نے لے لی تو پتا نہیں کیوں ارمغان کا شدت سے جی چاہا کہ وہ جلدی سے آنکھیں کھول دے کہ ان آنکھوں کو قریب سے دیکھنے کی ایسی تمنا کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ اگر بس میں ہوتا تو وہاں سے بھاگ جاتا لیکن وہ نہیں بھاگا، وہیں کھڑا رہا، جب تک کہ اس کی آنکھیں دوبارہ نظر نہ آنے لگیں۔

وہ زیادہ سے زیادہ دو تین سیکنڈ کے لیے اس قدر بھرپور مسکرائی تھی کہ اسے لگا چہرے پر آنکھیں ایک سیاہ لائن چھوڑ گئی ہوں لیکن وہ دو تین سیکنڈز..... صرف اور صرف دو تین سیکنڈز..... سورج طلوع ہونے کا منظر بھی کیا ہی حسین ہوگا مگر جس طرح حنا نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ یہ منظر تو جیسے ارمغان کے دل پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ دل چاہتا کہ وہ بار، بار ایسی باتیں کرے جن پر حنا مسکرائے اور اتنا گہرا

مسکرائے کہ وہ ایک بار پھر سے وہ منظر دیکھ پائے جو اس نے ابھی دیکھا۔ ابھی چند لمحوں میں اس کی حنا سے متعلق رائے تبدیل ہوئی۔

پہلے تو وہ اسے ایک سنجیدہ، آدم بیزار اور زندگی سے دور بھاگنے والی لڑکی سمجھتا تھا لیکن اب..... اب ان کا ذہن مکمل طور پر بدل گیا تھا..... اسے لگتا کہ حنا ایک خوش نما جزیرہ ہے جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہے، پکار رہا ہے کہ اسے جانا جائے، اسے کھوجا جائے اور شاید پھر تسخیر کرلیا جائے۔

اسی وقت پہلی مرتبہ اسے پتا چلا کہ حنا کے بال کافی لمبے ہیں، کمر پر لہراتی سیاہ چٹیا دیکھ کر اسے اس بات پر یقین واثق ہو گیا تھا کہ لڑکیوں کے حسن میں آدھا حصہ ان کے بالوں کا بھی ہوتا ہے۔ چلتے ہوئے حنا کی چٹیا دائیں، بائیں اٹکھیلیاں کرتی جاتی تھی۔

پتا نہیں حنا اتنی حسین تھی بھی یا نہیں لیکن ایک بات تو طے تھی کہ ارمغان مانتا نہ مانتا لیکن یقینی طور پر وہ حنا کو پسند کرنے لگا تھا۔

غضب ہو جستجوئے دل کا یہ انجام ہو جائے
کہ منزل دور ہو اور راستے میں شام ہو جائے
ابھی تو دل میں اک ہلکی خلش محسوس ہوتی ہے
بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے

اور جن سے محبت ہو جائے ان کے چہرے کے نقوش تو ایک طرف، ان کے گھر کو جاتے رستے تک اچھے لگنے لگتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ تم لیلیٰ کی گلی میں بیٹھ کر اوپر ستاروں کو کیوں دیکھتے رہتے ہو؟ اس نے جواب دیا سب ستاروں کو نہیں بلکہ صرف ان ستاروں کو جو لیلیٰ کے گھر کے اوپر ہیں کیونکہ مجھے لیلیٰ کی نسبت اب ان سے بھی پیار ہے۔

اور شاید یہی وجہ تھی کہ ارمغان کو حنا کی چٹیا تو نظر آئی لیکن یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ جا چکی ہے اور نہ ہی یہ پتا چلا کہ برآمدے میں چونکہ لائٹ آن تھی اس لیے جالی لگی ہونے کے باوجود باہر سے تائی امی کی گہری نظر اس پر ہے اور تائی امی نے بھی موقع غنیمت جانا جیسے ہی حنا برآمدے سے نکل کر صحن میں آئی اور منجھلی چچی کے سمجھانے پر کوکو اس سے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگی، انہوں نے اپنا پیالہ سامنے میز پر رکھا اور اس سے پہلے کہ ارمغان بھی صحن میں آتا فوراً اسے اپنے ساتھ لیا اور کمرے میں آگئیں۔

''فکر نہ کرو، تمہارا فالودہ فریج میں رکھوا دیا تھا۔ گرم نہیں ہوا ہوگا ابھی جاؤ گے تو کھالینا آرام سے۔'' تائی امی نے پنکھا آن کیا اور بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ابھی تو میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں بیٹا، اسی لیے کمرے میں تمہارے آئی ہوں۔''

''جی تائی امی حکم کریں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح بڑی فرمانبرداری سے بولا۔

''جیتے رہو میری جان، سدا خوش رہو۔'' چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہوئیں پھر بولیں۔

''بیٹا، ساجدہ کے انتقال کے بعد سے جس طرح تم نے مجھے اپنی ماں کا درجہ دیا ہے۔ اس حوالے سے یقیناً میرے کچھ فرائض ہیں..... اور اب جبکہ گھر میں سبھی بچے، بچیاں بیاہے جا چکے ہیں تو میری خواہش ہے کہ تمہارے لیے ایک پیاری سی لڑکی کا نام تجویز کروں جو تمہیں حقیقی خوشی دے کر ہمیشہ کے لیے ایک مثالی زندگی کا وسیلہ بن جائے۔'' ایک لمحے کے لیے ارمغان کے ذہن میں پھر سے ہنستے ہوئے بند ہو جانے والی آنکھیں ابھریں مگر اگلے ہی پل کوکو اپنی تمام تر شوخی و شرارت کے ساتھ پونی جھلاتی سامنے آگئی۔

اور شاید تائی امی اس کے ذہن میں ہوتی اس آنکھ مچولی کو سمجھ گئی تھیں یا یوں ہی انہوں نے بات کو واضح کرنا چاہا۔

''کوکو کے لیے تمہاری پسندیدگی سے کوکو کے علاوہ شاید سارا ہی گھر واقف تھا لیکن اس نے بچپنا دکھایا اور اس رشتے سے ایسا انکار کیا جیسے اگر ہم نے اسے اس رشتے پر آمادہ بھی کرنے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ بہت ہی بڑی زیادتی اور ناانصافی کے مرتکب ہو جائیں گے۔'' ان کی بات سو فیصد درست تھی ارمغان تائید میں سر ہلاتے ہوئے

ان کی طرف متوجہ ہی رہا۔

''اب جبکہ وہ شادی شدہ ہے اور تم دونوں کے رشتے کی نوعیت بھی بدل چکی ہے گو کہ وہ اپنے شوہر کو بغیر بتائے اس دن تمہارے ساتھ وہاں سے چلی آئی اور میں جانتی ہوں کہ وہ جس نیچر کی لڑکی ہے کبھی واپس نہ جانے کے ارادے سے ہی وہاں سے نکلی ہوگی۔''

ارمغان ایک دم چونکا، تائید میں ہلتا ہوا سر ایک دم ایسا جامد ہوا کہ آنکھیں بھی آخری حد تک پھیل گئیں۔

''تائی امی آپ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''جو کہہ رہی ہوں جانتی ہوں کہ سو فیصد سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے شادی کے شروع وقت میں ہی کوئی شوہر یوں اپنی بیوی کو اتنے دنوں کے لیے میکے جانے دے گا؟ اور کیا لڑکی خود آئے گی۔ وہ بھی اس طرح کہ شوہر کا نہ ہی کوئی فون آئے نہ وہ ملنے آئے...... اور نہ ہی سسرال والوں میں سے کوئی واپسی کا کہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے تائی...... لیکن آپ کے لہجے کا یقین بتا رہا ہے کہ یہ آپ کا تجزیہ نہیں ہے بلکہ یہ سب آپ کو کسی نے کہا ہے، کیا توقیر نے؟''

''ارے نہیں...... بلکہ توقیر کو تو خود کوکو کی اماں نے فون کیا لیکن اس نے بات کرنے سے منع کر دیا تھا اپنی ماں کو...... یہ تو خود کوکو کی ساس نے فون کر کے شکایت لگائی تھی۔ اور بتایا تھا کہ چونکہ اس نے خود کوکو، کو اس دن تمہارے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتے دیکھا...... ابھی چند دن کے لیے یہ بات اسی طرح چلنے دو جیسی ہے کیونکہ فی الحال کوکو اور توقیر دونوں میں اکڑ ہے زبردستی سیدھا کرنے کی کوشش میں نقصان نہ ہو جائے اس لیے ہم سب کوکو کی ہی بات پر یقین کر رہے ہیں۔''

''کوکو، اس طرح کی سسرال ڈیزرو نہیں کرتی تھی......'' ارمغان کا لہجہ بوجھل ہو گیا تھا۔

''میری نظر سے دیکھو تو وہ لوگ بہت اچھے ہیں بیٹا لیکن جب ایک لڑکی بیاہ کر سسرال جاتی ہے تو وہاں موجود تمام لوگ اس ایک نئی آنے والی کے لیے تو خود کو نہیں بدلیں گے ناں، البتہ اس نئی آنے والی لڑکی کو ہی خود کو بدلنا ہوتا ہے۔ اور اس معاملے میں اکثر سسرال والے تو کوئی رعایت نہیں دیتے کہ چلو مہینہ دو میں اپنی عادتیں بدل لو بلکہ وہ تو دلہن کے دوسرے روز سے ہی نئی نویلی دلہن کو اپنے گھر کے مزاج، عادات و اطوار اور رسم و رواج میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں...... ایسے میں توقیر کے گھر والوں نے تو کبھی اس کی کسی بات، کسی کام میں روک ٹوک نہیں کی۔ اسے بھرپور وقت دیا کہ وہ ان کے گھر کے طور طریقے سمجھ جائے...... لیکن کوکو اور اس جیسی سب لڑکیوں کی ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ شادی کے بعد سسرال جا کر خود اپنے آپ کو نہیں بلکہ باقی تمام لوگوں کو بدلنا چاہتی ہیں...... اپنے مزاج اور رویے سے نہیں بلکہ خود کار سسٹم کے تحت فوراً اور پھر سسرال میں ہر وقت میکا ڈھونڈنے والی لڑکیوں کو کبھی ذہنی سکون نہیں ملتا...... خصوصاً ایسی صورت میں جب وہ ایک بات میں یہ سوچتی رہیں کہ یہ کام ہم تو ایسے کرتے تھے، یہ ایسے کیوں کرتے ہیں؟ ہم ایسا کھاتے تھے' یہ ایسے کیوں کھاتے ہیں؟ ہم تو میکے میں ایسا پہنتے اوڑھتے تھے اِدھر سسرال میں تو بس ایویں ہی ہیں، میرا میکا تو فلاں، فلاں کام میں اتنا اچھا ہے اور یہ تو بس ہونہہ۔''

تائی امی کھل طور پر ارمغان کی برین واشنگ کر رہی تھیں کیونکہ ارمغان کا اب تک یہی خیال تھا کہ کوکو کے ساتھ جلد بازی میں گھر والوں کی طرف سے ناانصافی اس لحاظ سے ہوئی کہ لوگوں کو ٹھیک طرح سے جانچا' پرکھا نہیں گیا۔ لیکن اب تائی امی نے ایک نیا رخ دکھا دیا تھا۔

''دعا تو ہے کہ کوکو جلد از جلد اپنے گھر کو پلٹ جائے کیونکہ اگر توقیر نے کوئی انتہائی قدم اٹھا لیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔''

''جی تائی امی یہ تو ہے...... لیکن اگر توقیر کچھ ایسا ویسا کرتا ہے تو کوکو اکیلی نہیں ہے، ہم سب اس کے ساتھ ہیں...... اور خاص طور پر میں کوکو، کو کسی بھی مشکل میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔'' ارمغان نے جس......

بے ساختگی اور مضبوطی سے کہا تھا وہ انداز تائی امی کو بہت کچھ سمجھا گیا تھا، اسی لیے انہوں نے بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے اس پر بات واضح کی۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں ہم سب اس کے ساتھ ہیں اور تم بھی تو اس کے بھائی کی طرح ہو ناں اب اور اگر بہنوں پر کوئی مشکل وقت آئے تو انہیں والدین کے بعد سب سے پہلے بھائی ہی یاد آتے ہیں۔''

ارمغان کو جانے کیا ہوا نظریں جھکا کر ایسے بیٹھا جیسے فرش میں سے کچھ نمودار ہونے والا ہو۔

''کوکو کا تو مجھے یقین ہے کہ شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھنے کے بعد وہ کسی میں بھی دلچسپی لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی لیکن توقیر کی ضمانت تو نہیں دی جا سکتی ناں......''

ارمغان کی طرف سے مکمل خاموشی تھی نہ تائید میں سر ہلا اور نہ ہی منہ سے کوئی ہنکارا ہی ابھرا۔

''شادی شدہ مرد کا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورتوں میں دلچسپی لینا اور ان کی طرف متوجہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نہایت عمدہ، لذیذ، صاف ستھرا اور اشتہا انگیز کھانا چھوڑ کر بدبودار، تعفن زدہ، گلی سڑی اور انتہائی غلیظ خوراک کی طرف متوجہ ہو اور سو فیصد یہی حالت ان بدقسمت بیویوں کی بھی ہے جو اپنے شوہروں کے ہوتے ہوئے کسی غیر مرد کی طرف متوجہ ہوں، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں ارمغان بیٹا۔''

''جی تائی امی......'' وہی جھکا ہوا سر اور ایک دوسرے کے شکنجے میں جکڑی انگلیاں......

''وہ تمہاری بات زیادہ سمجھتی ہے، کوشش کرنا کہ اسے کسی طریقے سے سمجھاؤ۔''

''جی انشاء اللہ، میں کوشش کروں گا۔''

''لو بھئی بات میں تم سے کیا کرنے آئی تھی اور لگ گئی کوکو کی باتیں کرنے۔'' وہ ہلکا سا ہنسیں، ظاہری طور پر نہیں بلکہ مکمل گہرائی اور ایمانداری سے کیونکہ ارمغان اور کوکو کے حوالے سے جو خدشات ان کے ذہن میں اٹھ رہے تھے انہیں یقین تھا کہ وہ نہ صرف ارمغان کو اس کی اور کوکو کی حدود یاد دلا چکی ہیں بلکہ ارمغان کے دل نے ان باتوں پر اثر بھی قبول کیا تھا۔

''تمہیں حنا کیسی لگتی ہے؟'' اتنا بے دھڑک، غیر متوقع اور بے ساختہ سوال، ارمغان نے چونک کر سر اٹھایا۔

''مجھے حنا ہر لحاظ سے بہت اچھی لگی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو عمیر کے آنے پر اس سے تمہارے لیے بات کرلوں......؟''

تائی امی مشتاق نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ لمحہ فیصلے کا تھا۔

ایسا فیصلہ جو صرف ارمغان کی ہی نہیں بلکہ اس فیصلے سے جڑی کئی زندگیوں کے نکھرنے اور بکھرنے کا سبب بن سکتا تھا، جس پر خاص طور پر کوکو کے مستقبل کا دارومدار نظر آتا تھا...... یہ حقیقت تھی کہ کوکو نے سمندر میں چھلانگ لگائی تھی اس بھروسے پر بھی کہ ارمغان اسے ڈوبنے نہیں دے گا، بچا لے گا...... لیکن ایک حقیقت تو یہ بھی تھی کہ اس طرح خود ارمغان کے ساتھ ساتھ کوکو کے کردار پر بھی کئی سوال اٹھ سکتے تھے اور یہ بات بھلا ارمغان کو کیسے گوارا ہوتی۔

کوکو اس کی محبت تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اب مذہبی اور معاشرتی طور پر اس کا مقام اور تھا جو ارمغان کے انوالو ہونے کے بعد یقینی طور پر مشکوک ہو جاتا، لوگ جتنے منہ اتنی باتیں کرتے، اس کے متعلق، اس کے کردار کے بارے میں...... اور جس سے محبت ہو اسے رسوا نہیں کیا جاتا بلکہ عزت دی جاتی ہے۔ اس کی عزت کروائی جاتی ہے کیونکہ جس رشتے میں محبت کے ساتھ عزت نہیں ہوتی وہاں دونوں فریقین ایک اکائی نہیں بن پاتے، گیارہ کا ہندسہ ہی رہتے ہیں، جسے دنیا والے تو ایک ساتھ دیکھتے ہیں لیکن وہ خود اپنی، اپنی ذات میں اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں تو پھر کس کام کی ایسی محبت جس میں بندہ ساتھ رہ کر بھی خود کو تنہا سمجھے۔

''اگر تمہیں کوئی اور پسند ہو تو بے شک اس کا نام بتا دو، حنا کا نام صرف ایک تجویز ہے بیٹا، ورنہ جہاں تم کہو گے، جہاں تمہاری خوشی ہو گی، میں وہیں رشتہ لے جاؤں گی۔''

مجھے آپ کی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں ہے تائی امی۔'' ارمغان نے تائی امی کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی اور کہا۔

''ماشاء اللہ، جیتے رہو، خوش رہو میرے بچے..... سدا سلامت رہو۔'' انہیں حقیقتاً ارمغان کی بات سے بے حد خوشی ہوئی تھی کہ ایک تو حنا جیسی پیاری لڑکی اب اس گھر کا مستقل حصہ بن جائے گی اور دوسرا یہ کہ اب وہ تمام خدشات دم توڑ گئے تھے جو کوکو اور ارمغان کے متعلق ان کے ذہن میں ابھر رہے تھے۔

☆☆☆

کبھی نہ ختم ہوا زندگی کا پھیلاؤ
کہیں بھی ختم غمِ عاشقی نہیں ہوتا
نکل ہی آتی ہے کوئی نہ کوئی گنجائش
کوئی بھی پیار کبھی آخری نہیں ہوتا

ارمغان چھت کی منڈیر پر دونوں ہاتھ رکھے نظر آنے والے آسمان کو اس کے آخری کناروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ آخری کنارے کسی کے نزدیک آسمان کا پہلا کنارہ بھی تھے۔ اور کون جانے کئی میلوں دور کوئی اور بھی رات کی سیاہی میں ٹمٹماتے ستاروں تلے ان کناروں کو پہلا کنارہ سمجھ رہا ہو۔ یہی حال اس وقت ارمغان کے دل کا بھی تھا۔

وہ جو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ کوکو کے بعد اب اس دل کی گہرائی میں اترنا تو دور کی بات سطح کو بھی کوئی چھو نہیں پائے گی تو اس کا اپنا ہی خیال اس قدر بودا نکلا تھا کہ وہ حیران تھا۔

اس دن حنا کے ساتھ اس کا پہلا تنہائی میں مکالمہ، اس کے دل میں اسے مزید جاننے اور ہنستے، ہنستے ان آنکھوں کے کھلنے اور بند ہونے کی حقیقت معلوم کرنے کی کھوج تو پیدا کر ہی چکا تھا لیکن وہ جذبہ محبت ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کا واضح جھکاؤ تائی امی کی باتیں سننے سے پہلے تک کوکو کی ہی طرف تھا لیکن جب سے تائی امی نے بغیر کچھ کہے بھی اتنا واضح کر دیا تھا تو اب اس کو اپنے آپ پر شرم آرہی تھی۔ اپنا وجود اپنی ہی

نظروں میں بہت بونا سا لگ رہا تھا۔ سب سے نظر بچا کر وہ کوکو، کو دی گئی شاعری کی اس کتاب میں اپنی لکھائی سے مزین وہ رقعہ بھی نکال لایا تھا جو اس نے بھیگی آنکھوں اور بھاری دل کے ساتھ لکھ کر کوکو کے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ وہ توقیر کے رویے پر بھی حیران تھا جو یقیناً یہ جاننے کے باوجود کہ کوکو اس کے ساتھ وہاں سے آگئی ہے بغیر کچھ کہے خاموش ہو گیا تھا اگر اس کی بیوی ایسا کرتی تو کیا وہ برداشت کر پاتا؟ توقیر کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھا تو مزید جبر جبری سی آگئی۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کوکو کے سامنے ہر عمل سے یہ ثابت کرے گا کہ اب ان دونوں کے درمیان محبت نما کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ اب تک اس لمحے سے بچتا آیا تھا جبکہ اس کی زبان سے کوکو کے لیے اظہارِ محبت نکلتا اور یہی بات آج اسے اطمینان دلا رہی تھی۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ یہ سب کیا باتیں کر رہے ہیں؟'' کوکو غصے میں پاؤں پٹختی اس کے عقب میں آکھڑی ہوئی تھی۔ وہ پلٹا تو اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور شکوے دیکھ کر وجہ جان گیا۔ مگر پھر بھی انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا؟ کیا باتیں کر رہے ہیں سب لوگ؟ میں تو اوپر ہوں، مجھے کیا معلوم، تم بتاؤ۔''

''آپ کی اور حنا کی بات پکی ہو گئی ہے اور عمیر کے آنے پر باقاعدہ منگنی ہو گی؟ یہ سچ ہے کیا؟''

''اگر سب کہہ رہے تو پھر سچ ہی ہو گا ناں...... زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو......'' وہ جان بوجھ کر موڈ کو خوشگوار بناتے ہوئے بولا۔

''لیکن آپ یہ سب کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ تو حنا سے محبت نہیں کرتے ناں پھر...... پھر اسی سے شادی کریں جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی آپ سے محبت کرنے لگی ہو، آپ اس سے پوچھیں تو سہی ناں......'' انداز میں ایسی بے قراری تھی...... لگتا تھا ابھی رو دے گی۔

''تمہیں کس نے کہہ دیا کہ میں حنا سے محبت

نہیں کرتا؟''
وہ ٹھٹکی...... گم صم آنکھیں اور ساکت چہرہ...... جھینگر بولنے کے علاوہ کوئی آواز بھی واضح نہیں تھی۔

''میں حنا سے محبت کرنے لگا ہوں کوکو اور تائی امی نے مجھ سے پوچھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔'' گم صم آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ ساکت چہرے پر بھی ہلچل تھی، ان بھیگی آنکھوں کا دکھ ارمغان نے اپنے سینے میں محسوس کیا۔ جانے وہ کون سا احساس تھا جس کے زیر اثر اسے اپنا حلق بھی نمکین لگنے لگا۔ سامنے کھڑی کوکو اسے اس لمحے بے حد چھوٹی اور دلبرداشتہ نظر آئی۔ بالکل جنگی قیدیوں کی طرح مجبور اور بدحال......

''دیکھو کوکو، ہم دونوں کی دوستی ہمیشہ رہے گی کیونکہ میں اس جذبے کی عزت کرتا ہوں، جس احساس سے تم اس وقت گزر رہی ہو...... کل جب وقت گزر جائے گا تو خود ہی اس کیفیت پر ہنسا کروگی۔'' اس نے آنسوؤں سے لبالب آنکھیں اوپر اٹھائیں اور نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اس کی بات کی تردید کی۔

''مجھے افسوس ہے کہ اس دن تم اپنا گھر چھوڑ کر میرے ساتھ آئیں تو میں تمہیں سمجھانے کے بجائے خوشی خوشی ساتھ لے آیا۔ لیکن وہ سب غلط تھا جو ہونے جارہا تھا۔ اور یہ سب ہم دونوں کے حق میں اچھا ہے جو ہورہا ہے۔'' ڈھکے چھپے لفظوں میں وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

''آپ کی زندگی میں آنے والے نئے لوگ اور نئے فیصلوں کی مبارک باد...... لیکن مجھے امید ہے کہ آج کے بعد آپ میری زندگی میں کبھی کسی بھی طرح کا دخل نہیں دیں گے۔ میں جو چاہوں گی، وہ کروں گی۔'' اس کا جواب سن کر اس نے بھی کسی قسم کی بھیک مانگنے کے بجائے اپنا فیصلہ سنایا اور بڑے ہی مضبوط قدموں سے نیچے کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو ایک دفعہ بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

رات تو جس طرح گزری سو گزری صبح اٹھی تو اسے محسوس ہوا جیسے دماغ پر بخار کی سی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ Euphoria کی کیفیت! ایسا بخار جس میں کبھی تو دل و دماغ سن ہو جاتے اور پھر کبھی کان کی لویں جلنے لگتیں اور پپوٹے بھاری ہو جاتے ہیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ساری دنیا سے بیزار ہو چکی ہے اور اب اس کے لیے زندگی میں کوئی کشش بھی باقی نہیں رہی لیکن اس تمام کیفیت میں بھی ایک بات واضح تھی کہ اسے توقیر کے گھر سے یوں چلے آنے یا اسے چھوڑنے پر کوئی بھی پچھتاوا نہ تھا اور اب وہ ذہنی طور پر مکمل تیار تھی اس وقت کے لیے جب گھر والوں کو اس کے میکے آنے کی حقیقت پتا چلے۔

اب کوئی خوف باقی نہیں رہا تھا۔ اب اس کے ایک ایک انداز سے بغاوت جھلکتی تھی، وہ خود کو ہر کام کے لیے مکمل آزاد خیال کرنے لگی تھی۔

گھر کی خواتین سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بنے رہنے پر متفق تھیں۔ کوکو کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزرنے لگا تھا۔ اماں سے کہہ کر اس نے حنا کا کمرا تبدیل کروا دیا تھا، اب اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھے بھی۔

اس کا سارا دن یونہی گزرنے لگا، کبھی کتابیں پڑھنے لگتی تو کبھی سو جاتی.... ایک دن یونہی اپنے کالج کی کتاب ہاتھ لگی تو کالج سے وابستہ کئی لوگ ذہن میں ابھر آئے اور ان سے بات کرنے کو جی مچلنے لگا۔ اور تب اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب کتاب کے آخری صفحے پر دو تین فون نمبرز لکھے ہوئے ملے ان میں سے ایک اس کی بہت اچھی دوست اسما کا نمبر بھی تھا۔ سو آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فوراً اس کی آواز سننے کی خواہش دل میں لیے نمبر ملا تو لیا مگر اس وقت سخت مایوسی ہوئی جب اس کی چھوٹی بہن نے بتایا کہ اسما تو شادی کے بعد بیرون ملک جا چکی ہے۔

''اوہ......تو پاکستان کب آئے گی؟'' اس نے پوچھا۔

''ابھی ان کے ڈاکومنٹس میں کچھ پرابلم ہے اس لیے پاکستان آنے کا میں کنفرم کچھ کہہ نہیں سکتی۔'' اسما کی چھوٹی بہن حوریہ نے کہا۔

''یعنی اس سے رابطہ کرنا تو پھر ممکن نہیں ہوگا

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد
نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی
فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم
نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق
رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حنا ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ناں، جب تک وہ پاکستان نہ آ جائے؟

''کیا آپ فیس بک یوز کرتی ہیں آپی؟''

''شادی سے پہلے کبھی کبھار کرتی تھی، اب تو عرصہ ہوا لاگ ان نہیں کیا۔'' اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو ان کی آئی ڈی بتاتی ہوں، آپ انہیں وہاں ایڈ کرلیں اور پھر ایک دوسرے سے رابطے میں رہیے، کیا خیال ہے؟''

''ہاں زبردست آئیڈیا..... پتا نہیں یہ آئیڈیا میرے ذہن میں پہلے کیوں نہیں آیا بلکہ میں اپنی باقی کلاس فیلوز کو بھی سرچ کرلوں گی۔''

اور بس حوریہ سے بات کرنے کے بعد تو جیسے کوکو کے ہاتھ ایک مصروفیت لگ گئی تھی۔

ایک، ایک کر کے اس نے اپنی تمام کلاس فیلوز کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اسما سمیت کچھ تو مل گئیں جبکہ باقی کا کچھ اتا پتا نہیں چل سکا۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی شاید وہ اپنے اصلی نام سے فیس بک استعمال نہیں کرتی ہوں۔ یا پھر سرے سے ہی نہ کرتی ہوں آخر اس میں بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہی ہے۔ خیر جو بھی تھا لیکن اس دنیا میں دوبارہ سے قدم رکھتے ہی کوکو، کو لگا جیسے وہ کوئی ایسی طلسماتی دنیا ہے جہاں اکثر اوقات لوگ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر ہی گھنٹوں، گھنٹوں ان کے ساتھ وقت گزارتے رہتے ہیں، جنہیں ملنے تو کیا دیکھنے کی بھی کوئی واضح امید نہ ہو۔

دوستیں تو ایڈ نہیں ہی مگر اس نے خود بھی کئی گروپس جوائن کر رکھے تھے تاکہ اگر فرینڈز آن لائن نہ ہوں تو یہاں ٹائم گزارا جاسکے۔

اس وقت وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھ کر اپنی سبھی فرینڈز کو آف لائن پایا تو ایک گروپ میں ''کوئی ہے؟'' کا مختصر سا اسٹیٹس لکھا اور ابھی وہ اسکرین سے نظریں ہٹا بھی نہیں پائی تھی کہ جواب آیا۔

''جی فرمائیں۔'' ساتھ ہی کوکو کے ان باکس میں بھی اسی بندے کی طرف سے سلام عرض کرنے کے بعد دوبارہ پوچھا گیا۔

''جی فرمائیں، کوئی کام تھا آپ کو؟''

''جی ہاں کام تھا۔''

''کہیے..... ہوسکتا ہے میں آپ کے کسی کام آجاؤں.....''

''آپ ایدھی ہیں یا انصار برنی؟ جو یوں ایک دم کسی کے کام آنے کو تیار ہوگئے۔''

''محترمہ آپ نے خود پوچھا تھا کوئی ہے؟ میں آن لائن تھا حاضر ہوگیا۔'' کوکو کو لگا وہ کچھ زیادہ ہی تابعدار ہے۔

''اگر یہی اسٹیٹس کوئی لڑکا لکھتا پھر بھی آپ اسی طرح چراغ کے جن کے طرح حاضر ہوجاتے؟''

''میں تو حاضر ہوجاتا لیکن کوئی لڑکا ایک دوسرے لڑکے سے چیٹ کر کے اپنا وقت بھی ضائع کرتا۔ کیونکہ وہ چراغ کے جن کی نہیں بلکہ جھیل سیف الملوک کی پریوں کی آس لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔''

''یعنی آپ بھی جھیل سیف الملوک کی پریوں کے انتظار میں تھے؟''

''نہیں، میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں، جانتا ہوں کہ پریاں نہ جھیل سیف الملوک پر اترتی ہیں نہ فیس بک پر ملتی ہیں..... آپ بتائیں کیا کام تھا آپ کو؟''

کوکو نے محسوس کیا کہ اس برجستہ گو کے ساتھ گزرا کچھ وقت یقیناً ضائع نہیں ہوگا جبھی صاف، صاف بولی۔

''میرا باتیں کرنے کا دل چاہ رہا تھا، بس اسی لیے پوچھا تھا کہ کوئی ہے؟''

دوسری جانب سے جواب کے بجائے دو تین حیرت زدہ کارٹون اسٹیکرز آن موجود ہوئے۔

''میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا کہ آپ کے الفاظ ہی ساتھ چھوڑ گئے۔'' کارٹون اسٹیکرز کو اس نے بہت انجوائے کیا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ مجھ سے اتنی فرینک ہو کے کیسے بات کررہی ہیں جبکہ آج پہلی مرتبہ بس

یونہی اتفاق سے ہی ہماری چیٹ اسٹارٹ ہوگئی نہ جان پہچان، ایسے ہی۔''

''ہم...... پہلی بات تو یہ کہ مسٹر فیک آئی ڈی والے نام، میں اپنے اوپر غلاف نہیں چڑھا سکتی سب کے ساتھ اسی طرح بات کرتی ہوں سو آپ کے ساتھ بھی کرلی۔''

''مسٹر فیک آئی ڈی والے نام، ہاہاہا......'' یقیناً وہ ٹائپ کرتے ہوئے بھی ہنس رہا ہوگا۔

''اور سب کے ساتھ اسی طرح بات کرتی ہیں یعنی آپ تو پھر ہر ایرے غیرے کے ساتھ ہر وقت چیٹ ہی کرتی رہتی ہوں گی ناں۔''

''آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہے...... جائیں جائیں اپنا کام کریں اور اپنے جیسے بکواس لوگوں میں ہی رہیں اور میں وہ گروپ بھی چھوڑ رہی ہوں جس میں آپ جیسے فضول لوگ بھرتی کیے گئے ہوں...... اسٹوپڈ......'' یہ لکھ کر اس نے فوراً وہ گروپ چھوڑا اور غصے میں لاگ آف ہوگئی۔ یہ بات تو سچ تھی کہ جان نہ پہچان لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ پھر بھی اسے اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی، سو لیپ ٹاپ پٹخا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

ارمغان سے اب کوکو کا کم کم ہی سامنا ہوا کرتا تھا گو کہ اب اس کا اپنا دل اچاٹ ہو چکا تھا لیکن اس کے ساتھ، ساتھ اس میں تائی امی کی حکمت عملی کا بڑا دخل تھا۔ وہ حنا سے بھی اس کی مرضی معلوم کرچکی تھیں اور ہر معصوم مشرقی لڑکی کی طرح اس نے بھی انہیں اپنا بڑا مانتے ہوئے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔

اور اب جبکہ عنقریب وہ دونوں طے شدہ پروگرام کے مطابق منگنی اور پھر جلد ہی شادی کے بندھن میں بندھنے والے تھے تو دونوں کا ہی رویہ اس نئے رشتے کا عکس لیے ہوئے محسوس ہوتا۔ ارمغان نے اپنے دل میں موجود کوکو کی محبت کو مصلحت کی چادر تلے چھپا دیا تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ذرا سا بھی اثر کوکو کی زندگی پر پڑے۔

اور یہی وہ صورتِ حال تھی جو کوکو کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی۔ اس روز بھی ارمغان نے اس کی بنائی ہوئی چائے پر حنا کے ہاتھ کی چائے کو ترجیح دی تو اس کا غصہ دیکھنے کے لائق تھا۔ لیکن کمالِ ضبط سے وہ کچھ دیر تو مسکراتی ہوئی بیٹھی رہی پھر چہرے پر اوپری جذبوں اور اداکاری کا نقاب چڑھانا ممکن نہیں رہا تو بڑے ہی غیر محسوس طریقے سے اپنے کمرے میں اٹھ کر آگئی اور اسی دن اس نے خود سے فیصلہ کیا تھا کہ آج کے بعد وہ ارمغان کے متعلق کچھ بھی سوچ کر ٹینس نہیں ہوگی۔

خود کو کمپوز کرنے کے لیے اس نے فیس بک آن کی اور وہاں روزانہ کی بنیاد پر اسی فیک آئی ڈی والے نام کے بندے کے میسجز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تمام پیغامات میں سوری کی گئی تھی اور ساتھ میں جواب دینے کی درخواست بھی...... وہ تو اپنے تئیں یہ سب کچھ بھول بھال چکی تھی لیکن اب یہ پیغامات دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا تھا کہ اس نے اپنی غلطی تسلیم کرکے معذرت کرلی تھی سو اس نے ایک مسکراتے ہوئے کارٹون کا اسٹیکر سینڈ کیا ہی تھا کہ جھٹ سے شکریہ بھی موصول ہوگیا۔

''یعنی آپ ہر وقت چیٹ باکس میں بستر بچھا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔'' کوکو نے مسکراتے ہوئے لکھا۔

''پہلے تو نہیں لیکن ہاں اس دن مجھے لگا کہ میں نے آپ کو کچھ غلط کہہ دیا جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا بس اسی لیے پچھلے تین چار دنوں سے آپ کو سوری کیا...... اور ویسے بھی اس وقت میری چھٹی ہوتی ہے تو کچھ دیر فیس بک دیکھ لیتا ہوں۔''

اور یوں وہ دن ان دونوں کی دوستی کا پہلا دن تھا۔

اِدھر اُدھر کی بات چیت کے دوران نہ کوکو نے اس کے متعلق پوچھا اور نہ ہی اس نے کوکو کے بارے میں جاننے پر اصرار کیا۔ ہلکے پھلکے مذاق کے ساتھ دونوں بس یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے گویا برجستہ گوئی کا مقابلہ کر رہے تھے اور دونوں ہی اس بات چیت کو اتنا انجوائے کر رہے تھے کہ کس طرح دو گھنٹے

گزرے انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

کوکو تو صبح دیر تک سو سکتی تھی لیکن اسے صبح وقت پر جاگ کر کام پر جانا تھا لہٰذا اس نے ہی خدا حافظ کہا اور اس کے بعد بھی آدھا گھنٹا لگ ہی گیا۔

یہاں سے کوکو کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا تھا۔ اسے اب اس فیک آئی ڈی والے کا انتظار رہنے لگا تھا، اس کے میسیجز اچھے لگنے لگے تھے۔ اس کے بارے میں جاننے اور اپنے متعلق بتانے کا دل چاہنے لگا تھا۔ دونوں صبح شام ایک دوسرے کے متعلق باخبر رہا کرتے اور رات کو جب آن لائن ہوتے تو دن بھر کی روداد ایک دوسرے کو سنایا کرتے۔ دن بھر چلتے پھرتے کیے جانے والے میسیجز پر ڈسکس کرتے اور کبھی تو اتنی دیر ہو جاتی کہ دونوں ایک دوسرے پر مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فوراً لاگ آف ہو جاتے مگر چند ہی لمحوں بعد سوری کے تبادلے ہونے لگتے۔

''اچھا! ایک بات تو بتائیں کہ آپ نے اپنا نام فیک آئی ڈی کیوں رکھا ہوا ہے؟''

''اس لیے کہ میں ہوں ہی فیک آئی ڈی۔''

''مطلب.....؟''

''مطلب یہ ڈیئر فرینڈ کہ اگر میں اپنا نام ناصر، احمد، یاسر یا کچھ اور رکھ لوں جو کہ میں نہیں ہوں تو پھر بھی تو وہ فیک آئی ڈی ہی ہوگی ناں... بس اسی لیے میں نے پہلے ہی کلیئر کردیا کہ جو بھی دیکھے اسے معلوم ہو یہ ایک فیک آئی ڈی ہے۔''

''ہم......''

''ویسے تم نے بھی تو اپنا نام نہیں بتایا، ہو تو تم بھی فیس بک کی پرنسس ناں۔''

''میں صرف فیس بک کی ہی نہیں اصلی زندگی میں بھی پرنسس ہوں اور میں آج تک اپنے متعلق کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔''

''ہاں مجھے یقین ہے کہ تم یہ سچ کہہ رہی ہو کیونکہ تمہاری باتیں اتنی خوب صورت اور معصوم ہیں کہ یہ جھوٹ ہو ہی نہیں سکتیں اور شاید اسی لیے......''

کافی دیر انتظار کرنے کے بعد بھی اس نے میسج مکمل نہیں کیا تھا۔

''اور شاید اسی لیے......؟'' کوکو نے لکھا۔

''اور شاید اسی لیے مجھے لگتا ہے کہ مجھے تمہاری باتوں سے محبت ہوگئی ہے۔''

وہ احساس جو خود اس کے اندر پنپ رہا تھا اس کا یوں غیر متوقع اظہار سن کر کوکو، کو لگا جیسے اس کا دل سینے کے بجائے حلق میں دھڑکنے لگا ہو۔

''دل چاہتا ہے کہ بس ہر وقت تمہاری باتیں سنتا رہوں اور وہ موقع تو پتا نہیں نصیب ہو کہ نہیں لیکن میں تو تمہارے میسیجز اتنی، اتنی دفعہ پڑھتا ہوں کہ قائد اعظم کے چودہ نکات کی طرح تمہاری لکھی ایک، ایک سطر کو حفظ بلکہ رٹ چکا ہوں۔''

کوکو کے لیے تو لگتا تھا کہ وقت تھم گیا ہے، ہر طرف سے بس یہی صدا آتی محسوس ہو رہی تھی کہ کسی کو اس سے، اس کی باتوں سے محبت ہوگئی ہے..... کوئی ہے جو اس کی باتیں بس سنتا ہی رہنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے اس کی باتیں، اس کے الفاظ، خیالات اہمیت رکھتے ہیں وہ کافی دیر تک جواب میں کچھ بھی لکھ نہیں پائی تھی۔

''بہت دفعہ سوچا کہ تم سے کہوں لیکن ایک تو میں اظہار کے معاملے میں کنجوس اور پھر ڈر بھی رہا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ تم ناراض ہو جاؤ اور یہ بن دیکھی دوستی بھی ختم ہو جائے۔''

کوکو اب تک اس جملے کے سحر میں تھی۔ ''مجھے تمہاری باتوں سے محبت ہوگئی ہے۔'' دل چاہ رہا تھا کہ وہ بار، بار اس جملے کو پڑھتی اور سوچتی جائے اور پسند تو اسے بھی وہ تھا، اس کی باتیں بہت دلچسپ ہوا کرتی تھیں پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کوکو کی باتوں کو اہمیت دیتا تھا، اسے سننا چاہتا تھا اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا اور کوکو کی تو خواہش ہی یہی تھی کہ کوئی ایسا ہو جس کی زندگی کوکو کے بغیر ادھوری ہو، جو کوکو کے ساتھ کو انجوائے کرے اور اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا کرے...... جسے کوکو کی فکر ہو، پروا ہو...... جو

صرف اور صرف اپنی زندگی کے متعلق باتیں نہ کرتا چلا جائے بلکہ کوکو کو بھی اپنی زندگی میں یوں شامل کرے کہ پھر اس کی ہر بات کوکو۔۔۔ کی ہی بات ہو اور کوکو کی ہر بات اس کی بات ہو۔ وہ جانتی تھی کہ مسٹر اپوزٹ کی خواہش کرنا اس کا بچپنا اور کم عقلی تھی، اکثر لڑکیاں کہتی ضرور ہیں کہ شوہر تو رعب والا ہونا چاہیے تاکہ شوہر کم از کم شوہر تو لگے، شوفر نہ لگے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ خواہش کرنے والی لڑکیوں کو رعب دار شوہر مل جائے تو وہ اسے رعب دار نہیں بلکہ ایک سخت گیر شوہر ہی خیال کرتی ہیں۔ اور پھر ہائے اور کاش کے ساتھ اپنے اردگرد موجود دوسری لڑکیوں کے شوہر دیکھ کر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے سوچتی ہیں کہ فلاں کا شوہر اتنا فرینڈلی ہے اور فلاں کا اتنا کوآپریٹو......

کوکو کی سمجھ میں یہ بات اب بہت اچھی طرح آگئی تھی کہ ایک کامیاب شادی کے لیے شوہر کا مسٹر اپوزٹ یا رعب دار ہونا اہمیت نہیں رکھتا بلکہ ہم خیال اور دوست ہونا اہم ہوتا ہے۔ اور اب تک کی تمام چیٹنگ سے وہ اپنے اس گم نام دوست کی ایک، ایک عادت کے بارے میں جان چکی تھی۔

''ناراض ہو؟'' جب بہت دیر تک کوکو نے جواب میں کچھ نہ لکھا تو اس نے پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں......'' وہ مسکرادی۔

''بلکہ مجھے خوشی ہے کہ آپ کو میری باتوں سے محبت ہے، آپ نے آج تک مجھے دیکھنا تو دور میرا نام تک پوچھنا ضروری نہیں سمجھا اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ صرف نام کی ہی فیک آئی ڈی ہیں۔''

''تمہارا نام بھی پوچھوں گا اور دیکھنے کی خواہش تو خیر کب سے ہے ہی......لیکن ابھی نہیں صرف چند دن بعد......''

''چند دن بعد میں کچھ بھی نہیں......''

''دراصل میں نے آج تک تم سے جھوٹ نہیں بولا اور میں نہیں چاہتا کہ آئندہ بھی بولوں......اور قبل اس کے کہ میں اس محبت کو کسی رشتے کا نام دینے کی درخواست کروں میں خود کو مکمل طور پر پرفیکٹ بنالینا چاہتا ہوں۔''

''آج آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ مجھے بالکل سمجھ نہیں آرہیں۔'' وہ کنفیوز تھی۔

''دراصل مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو بس گپ شپ اور وقت گزاری کے لیے ان سوشل سائٹس پر لڑکیوں سے دوستی کرلیتے ہیں، جب شروع میں ایک دو دن تمہارے ساتھ چیٹ ہوئی تو بس پتا نہیں کیوں۔ لیکن میرا دل تمہاری طرف کھنچنے لگا' تمہارے میسجز کا انتظار رہتا پھر میرے ایک دو طویل میسجز پر جس طرح تم نے اکتا کر مجھے یہ جواب دیا کہ صرف اپنے ہی متعلق بولتے رہنے والے لوگ بہت جلد اکیلے ہوجاتے ہیں، کسی کے دل میں جگہ بنانی ہو تو سب سے پہلے اس کے لیے ایک بہترین سامع ثابت ہوں، اس کی باتیں توجہ اور دلچسپی سے سنیں، اس کی پسند اور ناپسند ڈسکس کریں مگر ساتھ، ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ ان سب باتوں میں آپ کا اپنا آپ اور شخصیت اور سوچ گھٹ کے نہ رہ جائے، دل اوبنے نہ لگے کیونکہ جن لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے دل اوبنے لگے، ان کے ساتھ دیر تک رہنے کو نہیں بلکہ دیر سے ملنے کو ہی جی چاہتا ہے اور مسٹر فیک آئی ڈی، فیصلہ آپ کا ہے کہ آپ ان میں سے کیا منتخب کریں گے۔ یہی سب لکھا تھا ناں تم نے؟''

''جی بالکل۔'' کوکو کو یقین ہوگیا تھا کہ واقعی وہ اس کے لکھے ہوئے میسجز بار، بار پڑھتا رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے حرف بہ حرف سب کچھ یاد تھا۔

''تو بس، میں تمہارے جیسی دوست، اتنے خوب صورت میسجز، اتنی پیاری باتیں اور اتنے زبردست سینس آف ہیومر کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے تمہاری باتوں پر عمل کرکے تمہاری باتیں بھی پڑھیں اور بس پھر پڑھتا ہی چلا گیا......اور اب تو تمہاری آواز سننے کی خواہش ہے لیکن وہ بھی ابھی نہیں۔''

''آپ خود بھی بہت اچھے ہیں مسٹر فیک آئی ڈی، ورنہ اپنی غلطی تسلیم کون کرتا ہے بھلا؟''

سنہرے موتی

☆ دوست وہ رکھو جو سونے کی طرح ہو نہ کہ شیشے کی طرح کیونکہ شیشہ ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے جبکہ سونے کے جتنے بھی ٹکڑے کر دو اس کی قیمت کم نہیں ہوتی۔

☆ دوستی کی قدر دو وقتوں میں ہوتی ہے، ایک ملنے سے پہلے دوسری کھونے کے بعد۔

☆ قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ، ساتھ چلتے ہیں۔ قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے جبکہ اچھا کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔

☆ اچھا سوچیے اور اچھا بولیے کیونکہ بدگمانی اور بدزبانی وہ ایسے عیب ہیں جو انسان کے ہر کمال کو زوال میں بدل دیتے ہیں۔

مرسلہ: صباحت فاطمہ، نیو کراچی

صبح تک وہ اپنی کیفیت پر مکمل طور پر قابو پا چکی تھی اور دل نے مسٹر فیک آئی ڈی کے حوالے سے جو دلائل دیے تھے اس میں سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو کیا ہوا، غیر شادی شدہ تو وہ بھی نہیں اور یہ بات تو بلکہ خود اسے سوچنی چاہیے کہ آیا وہ اس کے میرڈ ہونے کا جان کر بھی اسے اپنائے گا کہ نہیں۔ اور کیا تو تیر اسے یوں اتنی آسانی سے چھوڑ دے گا؟

مگر اس بات پر اسے زیادہ نہیں سوچنا پڑا کہ نہا دھو کر ناشتا کرنے کے بعد ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ بڑی چچی کے کمرے میں جائے کہ ارمغان نے باہر سے آتے ہی اسے اور اماں کو کمرے میں بلایا۔ ارمغان سے اب اس کا تعلق واجبی سا تھا، نہ تو پہلے والی گرم جوشی تھی اور نہ ہی دوستی...... تائی امی کے سمجھانے کے بعد ارمغان نے کوکو کے ساتھ اپنا رویہ بڑا رسمی سا کر لیا تھا۔

’’جو لوگ رشتہ نبھانا چاہتے ہیں وہ اپنی غلطی تسلیم کرنے میں دیر نہیں لگاتے پرنس اور دراصل میرے ممی، ڈیڈی شروع سے ہی بہت سوشل رہے، ان کے پاس اپنی اولاد کی باتیں سننے کے لیے کبھی وقت ہی نہیں ہوتا تھا...... یہاں بات شروع کی وہاں ختم...... اتنا کچھ تو بس دل میں ہی رہ جاتا تھا، اسی لیے جی چاہتا تھا کہ مجھے بھی کوئی بندہ مل جائے تو میں اپنے بارے میں ایک، ایک بات بتانا چاہتا تھا، شاید بچپن کی یہ کمی میری ذات کا حصہ بن گئی تھی۔‘‘

’’تھی......؟‘‘

’’ہاں، اب نہیں...... اب تو میں سب کی سننا چاہتا ہوں، شاید اس لیے بھی کہ میں سب کی باتیں سنوں گا تو ہی لوگ میری بھی سنیں گے ناں، ہاہاہا۔‘‘ میسج کے ساتھ ہی دو تین قہقہہ لگاتے ہوئے اسٹیکرز بھی ظاہر ہوئے۔

’’آپ شادی کر لیں ناں، ساری عمر ایک سننے، سنانے والی مل جائے گی۔‘‘ کوکو نے لاشعوری طور پر جلدی میں لکھ تو دیا تھا مگر پھر خود ہی پچھتائی کیونکہ ان دونوں کے درمیان آج تک اس طرح کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

’’آئی ایم آل ریڈی میرڈ......‘‘ اس کے جواب نے کوکو کو ہوش کر دیا تھا، یعنی وہ شادی شدہ ہے اور اس کے ساتھ یوں ہی رات، رات بھر گپیں مارتا ہے۔ اسے غصہ بھی آیا۔

’’لیکن میری بیوی میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اب تو میں بھی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا آج کل وکیل سے مل کر طلاق کے کاغذات تیار کروا لوں گا...... اور پھر اللہ کرے کہ جس سے میں شادی کرنا چاہوں وہ بھی مان جائے۔‘‘

کوکو اس کا اشارہ سمجھ چکی تھی۔ لیکن وہ شادی شدہ ہے یہ بات اسے چبھ سی گئی تھی۔ سو رات بہت ہونے کا کہہ کر اس نے خدا حافظ لکھا اور لیٹ گئی۔

☆☆☆

''بیٹا خیر تو ہے ناں کیا ہوا؟'' اماں نے پوچھا۔

کوکو البتہ خاموش رہی۔

یوں بھی جب سے اماں نے کوکو، کو یہ بتایا تھا کہ وہ حقیقت جان چکی ہیں کہ وہ کیوں اور کس طرح میکے آئی ہے، کوکو ان سے دل ہی دل میں ناراض تھی کہ انہوں نے کوکو کی طرفداری کرنے کے بجائے اسے ہی موردِالزام کیوں ٹھہرایا۔

''پتا نہیں مجھے یوں براہِ راست الفاظ میں کہنا چاہیے کہ نہیں لیکن توقیر طلاق کے کاغذات تیار کروانا چاہ رہا ہے۔''

''ہائے میرے اللہ.....'' اماں نے ایک دم دل پر ہاتھ رکھا اور وہیں بیٹھ گئیں۔

''تمہیں کیسے پتا چلا میرے بچے؟'' تھوک نگلتے ہوئے انہوں نے پوچھا جبکہ کوکو حیران تھی کہ جس کام کے لیے وہ اتنا پریشان تھی وہ اتنی جلدی بھلا کیسے ہو رہا ہے۔

''جس وکیل سے یہ پیپرز تیار کروانے کی بات کر رہا ہے وہ میرا دوست ہے اور وہ کوکو کی شادی پر بھی آیا تھا۔ وہ سلیمان انکل کا بڑا بیٹا.....'' ارمغان نے وضاحت کی۔

''میں نے فی الحال اسے کہا تو ہے کہ توقیر کو ٹالے تاکہ.....''

''کیوں ٹالے؟ میں نہیں رہنا چاہتی توقیر کے ساتھ..... اور بہتر ہے کہ وہ خود یہ فیصلہ کرلے ورنہ کل کو ہم نے کہا تو پتا نہیں وہ کورٹ کچہری کے کتنے چکر لگوائے گا۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے کوکو کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''اماں بکواس نہیں، حقیقت بیان کر رہی ہوں جو رشتے بوجھ بن جائیں انہیں اتار پھینکنا چاہیے ناں اور میں اس کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہتی، آپ بس اسے کرنے دیں جو کر رہا ہے۔''

''یہ تم نہیں بول رہی ہو کوکو، یہ تمہارے اندر کسی اور کی دی گئی شہ بول رہی ہے اور..... اور مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم کسی اور کو.....''

کوکو نے سر جھکا لیا تھا۔

''اماں، آپ بےفکر رہیں ایسا کچھ نہیں ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں ناں کہ میں اس شخص کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں جسے میری ذات میں کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، آخر میں بھی تو ایک زندہ اور جیتی جاگتی انسان ہوں کہ نہیں۔''

وہ..... ہاتھ مسلتے ہوئے بولی دل بوجھل تو رہتا تھا اب اور ہو گیا ایسا کہ رونے کو جی چاہنے لگا۔ اماں جواب میں کچھ نہیں بولیں بس اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ ارمغان نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن کوکو نے بڑی سہولت سے انہیں اپنے مشورے اپنے پاس رکھنے کا کہہ دیا کہ وہ صرف خود سے باتیں کرنا اور سننا چاہتی تھیں۔ گھر بھر میں جیسے ہی یہ خبر پھیلی ایک عجیب سوگ کا سا عالم ہو گیا تھا۔ اور وہ سب لوگ جو خوش تھے کہ بس چند ہی دنوں میں عمیر واپس آ رہا ہے بھرحال اور ارمغان کی چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیا جائے۔ اب اپنے، اپنے کمروں میں گھسے خاموش بیٹھے تھے اور سب سے بڑھ کر حیرت اس بات پر بھی تھی کہ کوکو خود اس رشتے کو توڑنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''اچھا اگر میں تم سے پوچھوں کہ شادی کرو گی مجھ سے تو؟'' مسٹر فیک آئی ڈی نے پوچھا تھا اور ویسے بھی اب تک تو ان دونوں میں کافی بےتکلفی ہو ہی چکی تھی سو خوشگوار موڈ میں لکھا۔

''اور اگر میں کہوں کہ آئی ایم آل ریڈی میرڈ.....تو؟'' کافی سوچ سمجھ کر کوکو نے جواب لکھا اور اس کا ردِعمل حسبِ توقع ملا۔

''واٹ.....؟ آر یو میرڈ.....؟ یہ کیسا مذاق ہے، جسٹ نان سینس.....''

''مذاق نہیں ہے یہ سب..... سو فیصد حقیقت ہے۔''

''اور تم اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے آئی مین.....''

''میں ان کے ساتھ نہیں رہتی، میکے میں ہوتی ہوں۔'' اس کا ردِعمل نوٹ کرتے ہوئے کوکو نے آج تمام بات کلیئر کر دی تھی۔

''اور اتنی حیرت کیوں مسٹر فیک آئی ڈی؟ آپ

اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے مجھ سے رابطہ رکھ سکتے ہیں تو پھر مجھے شوہر کے ہوتے ہوئے خود سے رابطہ رکھنے پر طعنہ دینا بنتا نہیں ہے آپ کا......"

"نہیں، وہ میرا مطلب تھا کہ......" کوکو نے اتنا واضح اور کھرا جواب دے کر اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تھا کہ وہ نظریں بھی نہ چرا پایا۔

"آئی ایم سوری، میں یہ نہیں کہنا چاہتا تھا جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"آپ کے یوں اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری لڑکی سے عشق و محبت کی پینگیں بڑھانے کی وجہ سے ایسا نہیں ہے کہ میں اپنے اس عمل کو بھی درست مانتی ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ میرے دل پر تو اب بہت بوجھ رہنے لگا ہے گو کہ میرے شوہر کا مجھ سے محض ایک رسمی سا تعلق تھا مگر اس کے باوجود میں خود کو اس کی مجرم ہی سمجھتی ہوں، جانتی ہوں کہ آپ سے یوں دوستی کرنا معاشرتی، مذہبی اور حتیٰ کہ گھریلو سطح پر بھی کس قدر غلط ہے اور اسی وجہ سے میں خود کو بھی موردِ الزام ٹھہراتی ہوں۔ شرمندہ ہوتی ہوں، میری ماں کا خیال ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں اسی لیے سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہوں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اماں سمیت کسی سے بھی نظریں ملانے کی ہمت ہی نہیں کر پاتی۔ کیونکہ جانتی ہوں کہ جو کچھ کر رہی ہوں وہ انتہائی غلط ہے......اور جب تک میں کسی کے نکاح میں ہوں مجھے زیب ہی نہیں دیتا کہ کسی اور مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھوں، کسی کی توجہ چاہوں اور ایک غیر مرد کے میسج یا اس سے رابطے کے لیے ایک، ایک پل کا انتظار کروں......لیکن افسوس کہ میں ایسا کرتی ہوں۔ باوجود اس کے کہ ہمارا تعلق محض چیٹ باکس تک ہے نہ فون نمبرز کے تبادلے ہوئے اور نہ ہی ایک دوسرے کو دیکھنے کی خواہش کی لیکن پھر بھی......پھر بھی میں اس سب کو اپنی نظر میں ایک ناقابلِ معافی جرم سمجھتی ہوں جس کے لیے شاید میں کبھی خود کو معاف نہ کر پاؤں۔"

دوسری طرف سے مکمل دھیان اور توجہ کے ساتھ اس کے میسج پڑھے جا رہے تھے اور وہ دل ہی دل میں اسے سراہ رہا تھا کہ وہ دوسری بہت سی اچھی باتوں کے ساتھ، ساتھ خود احتسابی کی خوبی سے بھی مالا مال ہے۔

"اور اسی لیے میں اس سے طلاق لے رہی ہوں کہ اپنی زندگی کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت نہ اپنے ضمیر کی مجرم بنوں اور نہ ہی کسی امانت میں خیانت کی مرتکب......"

"یو آر گریٹ پرنسس......تم واقعی صرف نام کی نہیں بلکہ حقیقی پرنسس ہو۔" وہ واقعی بہت خوش تھا۔ "ہم دونوں کے یوں ایک دوسرے کے قریب آنے کی وجہ بھی شاید یہی تھی کہ ہمارے درمیان بہت سی قدریں مشترک ہیں لیکن تم فکر نہیں کرو اور خود کو اکیلا نہ سمجھنا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، سمجھیں ناں......" کوکو نے خوشی سے اچھلتا ہوا اسٹیکر روانہ کیا اور سکون سے مسکرائی۔

"اور ہاں کسی بھی معاملے میں میری ہیلپ کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہنا۔" اس نے ساتھ ہی اپنا فون نمبر سینڈ کیا تھا۔ "تم نے تو کہا ہی نہیں تھا اس لیے آج خود اپنا نمبر بھیج رہا ہوں، دل چاہے تو کبھی یوں ہی بات کر لینا۔" ایک مسکراتے ہوئے کارٹون کے ساتھ اس نے میسج کیا۔

"یہ......کس کا نمبر ہے یہ؟" وہ ایک دم سے چونکی تھی جیسے پیروں تلے سے زمین سرک رہی ہو۔

"ڈیئر پرنسس یہی نمبر ہے آپ کے مسٹر فیک آئی ڈی بنام توقیر حسن کا......اور اب جبکہ بہت جلد ہم دونوں ایک دوسرے کے حقیقی نام پوچھنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے والے ہیں تو میں نے سوچا کہ پہل میں ہی کر دوں۔" یعنی وہ توقیر تھا......اس کا شوہر جس کے ساتھ اب وہ ایک بھی منٹ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ جس کے ساتھ گزرے وقت کے تصور سے ہی اس کا دل برا ہونے لگتا تھا اور جس سے اب وہ جلد از جلد طلاق لے لینا چاہتی تھی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ توقیر کے دل پر قابض پرنسس وہ ہی تھی جسے اب وہ بھی اپنے گھر کی پرنسس بنا لینے پر راضی نہیں تھا۔ جسے می کے

سمجھانے کے باوجود وہ اب ہر حال میں طلاق دینا چاہتا تھا کہ ایسی لڑکی جو اس کی بات تک سننا پسند نہیں کرتی ہو اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھنا..... نری حماقت!

''بندہ مروت میں ہی جوابی طور پر اپنا نام اور نمبر بتا دیتا ہے لیکن تم تو میرا نمبر لے کر بس چپ ہی ہو گئیں۔ لگتا ہے فون کر کے ہی سرپرائز کرو گی؟''

وہ اب اس سے فون نمبر ملنے کی امید میں بے صبرا ہو رہا تھا۔

''ویسے آپس کی بات ہے مسٹر فیک آئی ڈی..... آئی مین توقیر حسن کہ اگر مرد گھر میں موجود اپنی بیوی کو ہی پرنسس کا درجہ دے دیا کرے تو انہیں یوں اِدھر اُدھر موجود اصلی نقلی پرنسس کے پیچھے نہ لپکنا پڑے۔ کیونکہ باہر لذیذ کھانا دیکھ کر منہ میں پانی بھی بھرتا ہے جب بندہ گھر سے بھوکا نکلے۔'' کوکو اب اس حیرت انگیز دھچکے سے باہر نکل چکی تھی اسی لیے اب اس کے ردِعمل کی پروا کیے بغیر چڑانے والے ایک اسٹیکر کے ساتھ یہ میسج لکھ کر گہری مسکراہٹ کے ساتھ مزید لکھنے لگی۔

''میں آپ کی پرنسس ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔''

اور اس سے پہلے کہ وہ جواب میں یقینی طور پر اپنی محبت کا اظہار کرتا خدا حافظ کہے بغیر لاگ آؤٹ ہو گئی۔ لیپ ٹاپ سائڈ پر رکھا اور توقیر حسن المعروف مسٹر فیک آئی ڈی کے متعلق ایک نئے انداز میں سوچنے لگی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے توقیر حسن سے طلاق لینے کی بات کی ہے تمام گھر والوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

☆☆☆

خلافِ معمول کوکو آج صبح جلدی جاگ گئی تھی۔ ینگ پارٹی ابھی تک سو رہی تھی۔ جبکہ گھر کی خواتین کچن میں ناشتے کی تیاری میں مصروف تھیں جب شاور لینے کے بعد وہ بھی کچن میں داخل ہوئی۔ مرد صاحبان اپنے، اپنے آفس یا کاروبار پر جانے کے لیے تیاری میں لگے ہوئے تھے اس کے بعد سب کو ایک ساتھ ہی

''چچی امی، پراٹھے سارے بن گئے ہیں تو یہ ہاٹ پاٹ اور برتن وغیرہ وہاں رکھ دوں......؟'' کوکو نے انہیں چولھا بند کر کے چمچا سنک میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر کہا تو اس کی آواز پر سبھی نے اپنے اپنے کام سے سر اٹھا کر یوں حیرت سے دیکھا جیسے اس کی مدھم ملائم آواز کی جگہ کہیں بادل گرجے ہوں۔

''ارے میری جان..... تم آج اتنی جلدی کیوں جاگ گئیں؟''

''کس نے جگایا ہے تمہیں؟ نام بتاؤ اس کا؟''

''اور یہ انہونی کس لیے، پہلے تو کبھی تم نے کچن میں یوں خوشی سے کسی کام کو کرنے کے لیے نہیں کہا؟'' ان سب کی حیرت بجا تھی اور یہ بات کوکو بھی دل ہی دل میں تسلیم کر رہی تھی مگر مسکرائی۔

''آپ سب تو یوں حیران پریشان ہو رہی ہیں جیسے کچن میں، میں نہیں کوئی ہاتھی گھس آیا ہو۔''

''ارے نہیں بس ایسے ہی..... چلو ٹھیک ہے تم ناشتے کے برتن میز پر سیٹ کرو، سب لوگ تیار ہو کر پہنچنے ہی والے ہوں گے۔'' تائی امی نے آنکھ کے اشارے سے ان سب کو خاموش رہنے کا کہہ کر اسے ہاٹ پاٹ تھمایا۔ اماں بھی اس کے بدلے، بدلے رویے پر حیران تھیں۔ وہ ان کی بیٹی تو تھی لیکن اگلے ہی لمحے وہ کیا کرنے والی ہے اس بات کی پیش گوئی خود وہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کا یوں اچنبھے سے دیکھنا خود کوکو نے بھی نوٹ کیا تھا مگر کچھ کہے بغیر ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا اور اپنے مخصوص شرارتی انداز میں ناک چڑھا کر ایک ہاتھ میں ہاٹ پاٹ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے ٹرالی دھکیل کر کھانے کی میز کی طرف لے گئی۔ ٹرالی میں چچی امی نے ناشتے کے برتن سیٹ کر کے رکھے ہوئے تھے تاکہ بار، بار کچن میں نہ آنا پڑے۔ باقی سب تو ٹھیک تھا لیکن کوکو کا یوں جلدی جاگنا پہلے کی طرح چہرے پر شوخی نظر آنا..... سبھی بس سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی رہے۔

☆☆☆

''پاپا، آپ کتنے بجے گھر سے نکلیں گے؟'' کوکو نے انہیں چائے کا کپ تھماتے ہوئے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

''بس بیٹا، زیادہ سے زیادہ بیس منٹ بعد...... کیوں خیریت تو ہے ناں......؟'' چائے میں چینی ملاتے ہوئے انہوں نے پوچھا تو وہ بولی۔

''اماں، میں آج واپس گھر جانا چاہتی ہوں توقیر کے پاس...... اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو بابا مجھے چھوڑ آئیں؟''

''تم واپس جانا چاہتی ہو؟ کیا واقعی؟'' اماں سمیت میز کے گرد بیٹھے سبھی لوگ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثر سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''جی اماں...... بلکہ بابا آپ رہنے دیں، میں خود ہی آئی تھی ناں اب واپس بھی خود ہی جاؤں گی، اکیلی......''

''ارے نہیں بیٹا، میں خود جاؤں گا تمہیں چھوڑنے تم بس تیار ہو جاؤ جلدی سے۔'' بابا نے دل ہی دل میں اللہ کا بے شمار شکر ادا کیا تھا۔

''ہاں کوکو تمہارے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں، تمہارا اکیلے جانا کچھ مناسب نہیں لگتا بلکہ اگر کہو تو میں خود تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' اماں کا جوش قابل دید تھا۔ ہاتھ میں پکڑا نوالہ بھی خوشی کے مارے منہ میں ڈالنے کے بجائے واپس پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

''ارے نہیں اماں...... آپ دونوں بلکہ آپ سب آئیے گا بلکہ ضرور آئیے گا لیکن بعد میں مجھ سے ملنے گا، ابھی مجھے اکیلے جانے دیجیے پلیز......'' اس نے چچی امی اور تائی امی سمیت باقی سب کو دیکھا۔

''بیٹا تمہارے توقیر کے ساتھ جو بھی معاملات ہوئے وہ تم دونوں کے بیچ کی بات تھی، جسے ایک بار پھر زیر بحث لانا مناسب نہیں لگتا لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ شادی کے بعد بیٹیاں اپنے میاں کے ساتھ ہی معتبر لگتی ہیں۔ اس لیے کوشش کرنا کہ خدانخواستہ اگر آئندہ کوئی بات ہو بھی جائے تو وہیں چار دیواری میں ہی اس کا حل نکال لینا۔''

''جی تائی امی، انشاء اللہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا لیکن پلیز آج میرے ساتھ کوئی بھی جانے کی ضد نہ کرے۔'' اس کے لجاجت آمیز انداز پر آنکھوں ہی آنکھوں میں لمحہ بھر بات کرنے کے بعد دعاؤں کے سائے میں اسے تیار ہونے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق اکیلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

☆☆☆

اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھا کر وہ ڈیڑھ کنال پر تعمیر شدہ خوب صورت کوٹھی کے دروازے پر پہنچی تو باہر کرسی پر بیٹھا چوکیدار اسے پہچان کر ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے بیگ لیا اور پوچھنے پر بتایا کہ اس وقت گھر پر کوئی بھی موجود نہیں ہے۔

''لیکن کہاں گئے ہیں سب کچھ معلوم ہے آپ کو؟'' ٹی وی لاؤنج میں داخل ہو کر ائر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈک کو محسوس کرتے ہوئے اسے لگا جیسے توقیر کہیں آس پاس ہی موجود ہے۔

''بیگم صاحب اور چھوٹی بی بی، اعظم صاحب کی بیٹی کی شادی میں اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔ پرسوں تک آجائیں گی۔''

''ہوں۔'' اس نے گہری سانس لی اور اسے جانے کا اشارہ کرنے کے بعد بیگ لے کر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔

وہی نفاست، وہی سکون اور وہی مخصوص خوشبو، اب ایک نئے ہی طرز کے احساسات کے ساتھ اسے زندگی کے بالکل منفرد جذبات سے آشنا کروا رہی تھی۔ عجیب بے خودی کے عالم میں وہ کمرے میں رکھی ایک، ایک چیز کو ہاتھ لگا کر محسوس کر رہی تھی۔ ذہن میں توقیر کے خوب صورت برجستہ جملے اور شگفتہ انداز میں کی گئی دلچسپ گپ شپ گھوم رہی تھی۔ بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھا لیپ ٹاپ جسے اب وہ دل سے اپنا محسن مان چکی تھی کتنی ہی دیر تک اس کی سوچ کا مرکز رہا۔ اور شاید وہ مزید کتنی ہی دیر ان چیزوں کو دیکھتی رہتی کہ

دروازہ کھلا اور توقیر نیوی بلیو ٹراؤزر اور وائٹ شرٹ میں ملبوس بے دھیانی سے اندر داخل ہوا۔

کوکو کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہوگا جبھی اس وقت اس کی وارڈ روب کھولے سامنے کھڑی تھی کہ ایک دم بوکھلا کر پلٹی۔

''تم؟ یہاں......'' توقیر بھی اب جبکہ وہ اسے طلاق دینے کے بارے میں حتمی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ یوں اسے اپنے بیڈ روم میں غیر متوقع طور پر دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''اب کیا کرنے آئی ہو، یہاں؟ جس انداز میں تم گئی تھیں اب تمہاری اس گھر میں کوئی بھی جگہ نہیں ہے۔''

کوکو اس سے اسی رویے کی توقع کررہی تھی۔ مگر توقیر کی امیدوں کے برعکس وہ ایک بھی لفظ کہے بغیر خاموشی سے وارڈ روب بند کر کے واپس صوفے پر جا بیٹھی۔ توقیر بڑی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کا اطمینان یقینی طور پر توقیر کے لیے ایک معما ہی تھا۔ چند لمحوں تک وہیں کھڑے ہو کر کوکو کے ردعمل کا انتظار کرنے کے بعد جھنجلاہٹ میں دروازہ بند کرتے ہوئے وہ باہر نکل گیا تھا۔ کوکو کے لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ اب اس معمے کے ڈراپ سین ہونے کا شدت سے انتظار کررہی تھی۔

☆☆☆

دوپہر سے شام تک توقیر واپس بیڈ روم میں نہیں آیا تھا۔ کوکو نے ٹائم دیکھا، یہ ان دونوں کے آن لائن ہونے کا وقت تھا اس نے اپنی وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور شاور لینے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔ جانتی تھی کہ اس کے موبائل میں آج کل فیس بک لاگ بھی نہیں ہو پارہا تھا اور وہ پرنس سے بات کرنے کے لیے ضرور اپنا لیپ ٹاپ لینے کمرے میں آئے گا...... اور یہی ہوا۔

وہ نہا کر نکلی تو توقیر گود میں لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا، دونوں نے ایک دوسرے کو یکسر نظر انداز کیا تھا۔

پرنس آن لائن نہیں تھی اور توقیر کی بے چینی دیکھ کر اسے خود بڑا مزہ آرہا تھا۔ سو اس نے موبائل ہاتھ میں لیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''اُف توبہ، اتنی بے چینی...... صرف دس منٹ ہی تو انتظار کیا ہے ناں آپ نے......'' کوکو نے اس کے میسجز دیکھ کر ریپلائی کیا۔

''دس منٹ صرف نہیں ہوتے، بہت زیادہ ہوتے ہیں، تمہیں کبھی انتظار کرنا پڑے تو میں پوچھوں۔'' فٹ سے جواب آیا تو وہ مسکرا دی۔

''میں تو کل رات سے انتظار کررہی تھی کہ کب دوبارہ ہماری بات ہو...... بلکہ میں تو اب آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ سے باتیں کرنے کے انتظار میں ہوں۔'' کارٹون کے ہاتھ میں پکڑے دل والا اسٹیکر سینڈ کرتے ہوئے اس نے آئینے میں عقب میں بیٹھے توقیر کو دیکھا جو بڑے خوب صورت اور پُرکشش انداز میں مسکراتے ہوئے کچھ لکھ رہا تھا۔ اچانک غیر ارادی طور پر نظر اس پر پڑی تو کشادہ پیشانی پر بل سے پڑ گئے۔

''آج کی رات تم اس کمرے میں گزار لو۔ میں نے ممی کو کل واپس بلالیا ہے، صبح ہوتے ہی وہ پہلی فلائٹ سے ہمارے پاس ہوں گی اور میں ان کے سامنے ہی اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے والا ہوں۔'' روکھے پھیکے انداز میں کہتے ہوئے لیپ ٹاپ اٹھائے وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

''لگتا ہے آپ کی بیگم واپس آگئی ہیں۔'' توقیر کے باہر جانے کے بعد گہری سانس لے کر اس نے لکھا۔

''ارے واہ تمہیں کیسے پتا چلا......؟ سچ مانو تو بندہ تمہارا مرید ہوگیا ہے پرنس......''

''کیونکہ عام طور پر شوہر حضرات اپنی بیویوں کے سامنے محتاط رہتے ہیں ناں...... اس لیے سوچا کہ شاید آپ بھی اس لیے دیر سے ریپلائی کررہے ہیں۔''

''نہیں یار، ایسا کوئی تعلق نہیں ہے ہمارے بیچ...... اور (God know) خدا جانتا ہے کہ وہ کیوں ایک دم اچانک واپس آئی ہے مگر جو بھی ہے، ممی صبح واپس آرہی ہیں میں ان کے سامنے ہی سارا قصہ تمام کر کے اپنے اور تمہارے متعلق بات کروں گا۔''

توقیر کا میسج پڑھتے ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی، اپنی نادانی اور بے وقوفی کے ہاتھوں وہ کیسے پھر سے اس بندے کو کھو دینے والی تھی کہ اللہ نے اسے سہارا دے کر پھر اسی کے ساتھ جوڑے رکھا۔

''آپ کو بنیادی طور پر شکایت کیا ہے کوکو سے؟ یہی نام بتایا تھا ناں آپ نے اپنی مسز کا؟''

''ہاں یہی نام تو ہے۔ لیکن سچ کہوں تو مجھ سے زیادہ اسے شکایات تھیں مجھ سے یا شاید میں اسے پسند ہی نہیں تھا کیونکہ اس نے کبھی میری باتوں کو تمہاری طرح دھیان، توجہ اور محبت سے نہیں سنا۔ اس نے کبھی خصوصی طور پر میرے لیے کچھ نہیں بنایا، کبھی میرے لیے خصوصی طور پر تیار نہیں ہوئی۔ بس اس کا دل چاہتا تھا کہ میں اس سے ہر وقت اس کے میکے کی باتیں پوچھتا اور سنتا رہوں یا شاید اس کی تعریفیں ہی کرتا رہوں۔ اب تم خود ہی بتاؤ کیا ایسا ممکن تھا؟ وہ بھی اس صورت میں جب میں پہلے سے اسے جانتا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ کسی کے بھی دل میں جگہ بنانے یا محبت پیدا کرنے کا ایک انتہائی مفید گر اس کی باتوں کو دھیان اور توجہ سے سننا ہی ہوتا ہے..... تم خود بتاؤ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ نہیں؟'' میسج لکھ کر سینڈ کرنے کے بعد ہاتھ کا مکا بنا کر اس نے تھوڑی انگلیوں پر ٹکا دی تھی۔

''ہاں میں مانتی ہوں کہ کوکب نے جلد بازی میں غلط فیصلہ کیا۔ لیکن ایک بات شاید آپ بھی بھول گئے کہ کتاب ماضی دلچسپ ضرور ہوتی ہے اگر اپنی ہو تو..... اپنی باتیں سناتے، سناتے آپ اس کے متعلق پوچھنا یا اس کی ذات کے بارے میں بات کرنا شاید بھول گئے ہوں۔ کیونکہ بچپن سے اگر آپ کی ممی نے آپ کو وقت نہیں دیا یا آپ کی کوشش کے باوجود آپ کی کوئی بات نہیں سنی تو اس حقیقت سے وہ بیچاری تو لاعلم تھی ناں..... کیونکہ وہ تو آپ کے گھر میں بیوی کی حیثیت سے آئی تھی۔ ماہر نفسیات کی شکل میں تو نہیں ناں.....''

''تمہیں اس کی سائیڈ لیتے دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے؟'' توقیر نے لکھا اور اس سے پہلے کہ تم بھی کل کو مجھ سے شکوہ کرو کہ میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تو آج بتا ہی دو کہ تم اپنے شوہر سے ناراض ہو کر میکے کیوں گئی تھیں تاکہ میں وہ غلطیاں نہ دہراؤں۔''

''کوئی بہت بڑی بات تو نہیں تھی لیکن میرے نزدیک یہ بات چھوٹی بھی نہیں تھی کہ وہ کبھی میری تعریف ہی نہ کریں...... انہوں نے کبھی مجھ سے اظہارِ محبت نہیں کیا جس سے مجھے احساس ہوتا کہ میں ان کے لیے اب کس قدر ضروری ہوں، انہوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میری پسند ناپسند کیا ہے؟ میرا مزاج کیسا ہے؟ میں اُن کی محبت کو پانے کے لیے دلہن بن کر اس گھر میں گئی تھی مگر ان کے لیے میرا وجود نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ اور پھر سب سے اہم بات یہ بھی کہ شاید وہ لاعلم تھے کہ اگر بیوی کے دل میں سچی محبت پانے کی خواہش ہو تو لازم ہے کہ پہلے اس کے میکے والوں سے محبت جائے یا کم از کم ان کی عزت ضرور کی جائے کیونکہ عورت سسرال میں سب کچھ برداشت کر جاتی ہے مگر میکے والوں کے لیے کسی کا بھی کہا گیا ایک غلط لفظ بھی سہہ نہیں سکتی۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں یار کہ ان سب میں سے کوئی ایک بھی شکایت تمہیں کبھی بھی مجھ سے نہیں ہوگی، بس ایک بار مجھ سے ملو تو سہی...... میں بھی تو دیکھوں کہ اتنی خوب صورت اور محبت بھری باتیں کرنے والی لڑکی ہے کیسی؟ وہ جس کی باتوں نے مجھے حقیقی معنوں میں محبت کرنا سکھایا وہ اتنی محبت سے باتیں کرتی، مسکراتی ہوئی کیسی لگتی ہے، یقین کرو تصورات میں کتنی ہی دیر تمہیں اپنے کمرے میں بیٹھا، گھر میں گھومتا، پھرتا، دیکھتا رہتا ہوں، بس اب تو ملاقات ہو ہی جانی چاہیے۔'' کوکو نے بڑی ہی لگاوٹ سے اس کے لکھے خوب صورت لفظوں کو پڑھا چند لمحے کچھ سوچا اور جوابی میسج ٹائپ کرتے، کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شیور وائے ناٹ...... آپ ذرا اسٹڈی روم کا دروازہ تو کھولیں۔''

"اسٹڈی روم...... وات ڈو یو مین۔"

"چلیں آپ رہنے دیں، میں خود کھول کر آپ کے پاس آتی ہوں۔"

حیران، ششدر اور مکمل طور پر سمجھ نہ آنے والی کیفیت میں دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی اس نے مڑ کر دیکھا تو ہاتھ میں موبائل پکڑے کوکو اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگتی کوکو اسے دیکھ کر مسکرائی۔

توقیر تو کتنی ہی دیر تک کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ ذہن میں ایک ہی خیال آرہا تھا کہ اگر وہ نادانستگی میں اسے طلاق دے دیتا اور بعد میں پتا چلتا کہ جس کے بغیر اب ایک پل گزارنا مشکل ہو رہا ہے یہ وہی ہے جسے وہ صرف ایک پل میں اپنی زندگی سے نکال آیا ہے تو وہ اس وقت کو واپس کیسے لاتا......؟ اپنی غلطی کا ازالہ بھلا کس طرح کر پاتا؟ اس کے جسم کا رواں رواں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"تم، پرنسس......؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جی مسٹر فیک آئی ڈی میں کوکب...... شاید اللہ کو ہمارا اس طرح ایک دوسرے کو ملوانا مقصود تھا۔" اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ وہ دونوں اب ایک دوسرے کو اتنے اچھے طریقے سے جان چکے تھے کہ ایک دوسرے سے شکوہ کرنے کے بجائے محض شکر ہی ادا کیے جا رہے تھے۔ کیونکہ شکر کرنے کی عادت ہو تو صبر کرنے کی نوبت نہیں آتی اور شکوہ کرنا تو ویسے بھی بنتا ہی نہیں تھا۔

نہ سوال جواب نہ وضاحتیں......

وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو وہ تمام شکایتیں بتا چکے تھے جس کی وجہ سے ان میں دوریاں پیدا ہوئیں۔

"سمجھ نہیں آرہا کہ اس خوب صورت ترین اتفاق پر کس طرح اللہ کا شکر ادا کروں...... لیکن ہاں اتنا ضرور ہے کہ اب کم از کم ہم دونوں ہی سمجھ چکے ہیں کہ ہمیں کس طرح کا جیون ساتھی اور اس سے کس انداز کی محبت چاہیے۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"اس دن تو میں نے تمہاری کوئی تعریف نہیں کی تھی ناں بلکہ تمہیں دلہن بنے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ لیکن شاید تب یہ سب کچھ بہت اوور لگتا تھا مگر اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ میری پرنسس کو محبت میں اظہار اور اظہار میں گرمجوشی ہی پسند ہے۔ تو اب تم دیکھنا میرے انداز، اظہار اور گرمجوشی...... پسند نہ آئے تو توقیر حسن سے نام بدل کر مسٹر فیک آئی ڈی رکھ دینا۔"

اس کی باتوں پر کوکو ایک دم کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ "شاید ہم کبھی کبھار لوگوں کو پہچاننے اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے میں بہت جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جلدی کا کام تو ہمیشہ ہوتا ہی شیطان کا ہے اس لیے پھر پچھتاتے بھی ہیں۔"

"چلو روم میں چلتے ہیں...... نہیں بلکہ سب سے پہلے اچھا سا کھانا کھا کر آتے ہیں اور ساتھ ہی میں ممی کو بھی فون کر دوں کہ وہ بے شک آرام سے آئیں جلدی کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں لیکن ذرا جلدی ہاں۔" اسے سر ہلاتے دیکھ کر کوکو نے کہا۔

"واؤ یعنی تمہیں بھی جلدی ہے۔" توقیر نے اس کا گال تھپتھپایا تو وہ بلش ہوگئی۔ اور وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ کچھ لوگوں کی محبت سمندر سی ہوتی ہے خاموش مگر لامحدود...... اظہار سے عاری مگر بھرپور ایسے لوگ اظہار کی اس دنیا میں اپنا آپ لفظوں سے ثابت کرنے پر یقین نہیں رکھتے لیکن جب خدا دلوں کے حال جاننے کے باوجود حمد وثنا اور اپنی تعریف بیان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو پھر انسان تو یوں بھی صرف اور صرف الفاظ کے سہارے جیتا اور ان پر ہی یقین رکھتا ہے۔

اور ویسے بھی محبت جیسی بھی ہو اور جس رشتے سے بھی ہو، اظہار کے بغیر اس کی اہمیت دوا کے خالی ڈبے جیسی ہوتی ہے جو کسی کام آنے یا فائدہ پہنچانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیقت اب توقیر اور کوکو بخوبی جان چکے تھے۔

ختم شد



فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ

عالمگیر شہرت کی حامل صداکارہ اور فن کارہ

نیلوفر عباسی سے دلپذیر باتیں

رضوانہ پرنس

ڈیئر قارئین ہمیں امید ہے کہ آپ کو نیلوفر عباسی کے افسانے کی پہلی قسط پسند آئی ہوگی۔ افسانہ چونکہ طویل ہے اس لیے ہمیں آپ لوگوں کو نیلو جی کی زندگی کے ایک اہم اور خوب صورت موڑ پر چھوڑ کر جانا پڑا تھا

لیکن خیر اب تو مہینہ بھی ہفتے کے مانند ہوگیا ہے۔ دیکھیں کتنی جلدی انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں تو آئیں ہم آپ کو اسی کمرے میں لیے چلتے ہیں جہاں پر ہم نیلو جی سے اُن کا افسانہ سن رہے تھے۔ قارئین آپ ٹی وی

ڈراموں کے ہیروز کے ساتھ نیلوفر جی کی شرارتیں تو پڑھ چکے ہیں اب ذرا ان کی زندگی کے اصل ہیرو کے متعلق بات کر لیتے ہیں۔

✧......اچھا نیلو اب ذرا بات ہو جائے آپ کے اصل ہیرو کی......ہمارا مطلب قمر علی عباسی صاحب سے ہے۔ سب سے پہلے تو ہم جاننا چاہیں گے ان سے پہلی ملاقات کا احوال؟ ہم نے شرارت سے ان کو دیکھا تو وہ دھیمے سے ہنس دیں۔

نیلوفر عباسی ✧......''افسانہ نگار ہوناں اس لیے افسانوی رنگ بھی میری کہانی میں ڈھونڈ رہی ہو اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ رنگ یقیناً تمہیں اس ملاقات میں کہیں جھلکتا نظر آ جائے گا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

✧......اچھا! ہم نے بہت خوش ہو کر متجسس نظروں سے انہیں دیکھا۔

نیلوفر عباسی ✧......''رضوانہ وہ دن اب بھی پوری جزئیات کے ساتھ میری آنکھوں میں روشن ہے۔ یہ نومبر 1972ء کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ میں ریڈیو پاکستان کے اسٹوڈیو سے اپنا پروگرام کر کے معروف علی صاحب کے کمرے میں پہنچی۔ اصل میں میری ممی نون خاتون، اپوا میگزین کی پروگرام کی انچارج تھیں اور انہوں نے اس پروگرام کے سلسلے میں اسکرپٹ دیا تھا جو مجھے اس پروگرام کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر معروف علی صاحب کو دینا تھا۔ اس زمانے میں ریڈیو پاکستان کراچی کے ایک کمرے میں دو اسسٹنٹ ڈائریکٹر بیٹھتے تھے ایک پروگرام کے اور دوسرے ایڈمنسٹریشن کے......جب میں اندر داخل ہوئی تو ایک دم میری نظر معروف صاحب کے ساتھ والی رکھی میز کرسی پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان پر پڑی۔ سرخ و سفید رنگت، شرارتی موٹی، موٹی آنکھیں اور بہت فریش مسکراتا ہوا چہرہ......'' وہ جیسے اس لمحے میں کھو رہی تھیں۔

✧......اوہو یعنی پہلی نظر میں ہی وہ چپکے سے دل میں اتر گئے تھے؟ ہم نے انہیں چھیڑا۔

نیلوفر عباسی ✧......''نہیں اس وقت ایسا کوئی احساس دل میں نہیں جاگا تھا بس سرسری سی نظر میں ان کی شخصیت امپریسو لگی تھی پھر معروف صاحب نے تعارف کروایا کہ یہ نیلوفر علیم ہیں بہت مشہور آرٹسٹ اور یہ قمر علی عباسی ہیں نئے اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایڈمنسٹریشن۔ ابھی کوئٹہ سے تبادلہ ہو کر آئے ہیں۔ اس رسمی سے تعارف کے بعد ہی معروف صاحب سے ممی کے پروگرام کے بارے میں ڈسکس کرنے لگی کہ اچانک قمر علی عباسی مجھ سے مخاطب ہوئے۔'' وہ ایک لمحے کو رکیں۔

✧......اچھا کیا کہا انہوں نے؟ ہم نے دلچسپی سے پوچھا۔

نیلوفر عباسی ✧......''انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کو اپنے پروگراموں کے چیکس وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں؟'' ان کے اس غیر متوقع سوال پر میں نے گڑبڑا کر جواب دیا کہ مجھے اکاؤنٹ سیکشن میں جانے سے بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ تب انہوں نے اکاؤنٹس کلرک کو کہہ کر میرے وہاں رکھے ہوئے ڈھیر سارے چیکس وہیں کمرے میں منگوا دیے۔''

✧......اوہ نیلو جی یعنی پہلی ملاقات میں ہی لاشعوری طور پر آپ دونوں کے دلوں میں ایک بہت پیارا سا جذبہ جاگ اٹھا تھا جس کا احساس آپ لوگوں کو بعد میں ہوا؟ ہم نے فوراً ہی اپنا افسانوی تجزیہ پیش کیا جس پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

نیلوفر عباسی ✧......''بھئی یہ تمہارا خیال ہے ورنہ اس وقت تو میں بس اپنے چیکس مل جانے پر خوش ہو رہی تھی اور مزے کی بات یہ کہ صفیہ کاظم جو ریڈیو پاکستان کا ایک بہت بڑا نام ہیں وہ ان دنوں قمر علی عباسی کے لیے بڑی شد و مد سے لڑکی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ ایک دن وہ کہنے لگیں کہ ان کی ایک کزن جو بہت خوب صورت ہے وہ قمر علی عباسی کے لیے مناسب رہے گی۔ تب کسی اور نے اپنی دوست کی بہن کا ذکر کیا۔ میں نے بھی اپنی دوست کے لیے ان



نیلوفر عباسی اپنی بہن درشہوار کے ساتھ

کے متعلق سوچا...... ہم سب کے منصوبے اکثر ان تک پہنچتے رہتے۔

❖......اوہ گاڈ اور پھر آپ لوگوں کے لائے ہوئے رشتوں پر ان کا کیا ری ایکشن ہوتا تھا؟ ہم نے ہنستے ہوئے انہیں دیکھا تو ایک خوب صورت سی چمک ان کی آنکھوں میں لہرا گئی۔

نیلوفر عباسی ❖......''وہ اپنا ری ایکشن شو نہیں کرتے تھے بس ہمارے لائے ہوئے پروپوزل کو خاموشی سے سن لیتے تھے لیکن ایک دن انہوں نے صفیہ کاظم سے کہا کہ آپ لوگ نہ جانے کس، کس کے رشتے بتاتی رہتی ہیں لیکن کبھی مجھ سے میری پسند نہیں پوچھی...... صفیہ کاظم نے حیران ہو کر جب ان سے پوچھا تو انہوں نے میرا نام لے دیا۔ صفیہ کاظم بہت خوش ہوئیں اور شکوہ کیا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا کہ نیلوفر علیم پسند ہے تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ میں کیسے بتاتا وہ تو خود میرے لیے رشتے لے کر آتی ہیں۔'' یہ بتاتے ہوئے ایک پیارا سا تبسم نیلو کے ہونٹوں پر بکھر گیا جبکہ ہم لوگ بے ساختہ ہنس دیے۔

❖......واہ نیلو جی وہ اپنی پسندیدگی دل میں بسائے بیٹھے رہے اور آپ نے محسوس ہی نہیں کیا؟ ہم نے شرارت سے پوچھا۔

نیلوفر عباسی ❖......''بھئی انہوں نے کبھی اپنے کسی رویے سے اپنی پسندیدگی ظاہر ہی نہیں کی تھی نہ کوئی ذو معنی جملے یا نظروں کا تبادلہ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا، وہ مجھ سے نارمل انداز میں ایسے ہی باتیں کرتے جیسے اور کمپیئرز اور اناؤنسرز سے کرتے تھے ہاں البتہ پروپوزل انہوں نے انوکھے انداز میں دیا۔''

❖......نیلو نے جیسے ہمارا تجسس بڑھا دیا اور ہماری متجسس نظروں کو اپنے چہرے پر مرکوز دیکھ کر انہوں نے اس دلچسپ کہانی کو آگے بڑھایا۔

نیلوفر عباسی ❖......''قمر علی عباسی کا ان دنوں اخبار جہاں میں سوال و جواب کا کالم شائع ہوا کرتا تھا۔ ایک دن میٹنگ کے بعد جب ہم سب اٹھنے لگے تو انہوں نے ایک پرچہ ہاتھ میں تھما دیا۔ میں اس وقت پروگرام کرنے اوپر اسٹوڈیو جا رہی تھی اسی لیے سمجھی کہ پروگرام سے متعلق کوئی ہدایت ہوگی۔ سیڑھیاں چڑھتے

ہوئے پرچہ کھول کر پڑھا تو لکھا تھا۔ ہم آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' نیلوفر بڑے مزے سے بتا رہی تھیں اور ہم لوگ بھی اس قصے کو بہت انجوائے کر رہے تھے۔

✧......نیلو جی آپ تو یہ پڑھ کر شاکڈ رہ گئی ہوں گی؟ ہمارے سوال پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

نیلوفر عباسی ✧......''نہیں، میں سمجھی تھی کہ انہوں نے اخبار جہاں کے سوال و جواب والے کالم کا صفحہ غلطی سے مجھے تھما دیا ہے سو پروگرام ختم کر کے میں ان کے کمرے میں گئی اور وہ پرچہ واپس انہیں کرتے ہوئے کہا کہ یہ پرچہ آپ نے مجھے غلطی سے دے دیا تھا۔'' نیلو کی اس بات پر ہمیں قمر علی عباسی پر بے اختیار ترس آ گیا۔

✧......واہ نیلو جی انہوں نے کتنی محبت سے آپ کو پرپوزل دیا تو آپ کی اس ادا پر کچھ الجھن کچھ خفگی نظر آئی ان کے چہرے پر؟

نیلوفر عباسی ✧......''ارے نہیں، ان کے چہرے پر ویسا ہی سکون تھا۔ انہوں نے بہت اطمینان سے جواب دیا کہ 'جی نہیں، یہ آپ ہی کے لیے ہے سوچ کر جواب لکھیے گا۔' مجھے پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا ......خیر وہ کیا 'الجھے' میں زیادہ الجھن میں پڑ رہی تھی۔ تبھی میں نے ان سے کہا کہ پلیز مجھے ایسا مذاق پسند نہیں انہوں نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا کہ یہ مذاق نہیں وہ بالکل سیریس ہیں، میں نے الجھ کر پوچھا کہ آخر میں ہی کیوں تو انہوں نے جواب دیا کہ 'آپ کی بہت سی باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ بلاوجہ کسی سے فری نہیں ہوتیں، پُراعتماد ہیں، مہذب ہیں، پروگرام کے لیے بلاوجہ کے چکر نہیں لگاتیں اور چیک تک لینے کے لیے اکاؤنٹس سیکشن نہیں جاتیں ہیں' آخری جملہ کہتے ہوئے وہ ہنس دیے۔ اپنی اتنی خوبیاں سننے کے بعد میں نے جھجکتے ہوئے اپنی ایک خامی بھی انہیں بتادی کہ دیکھیے میں بہت سگھڑ نہیں ہوں مجھے کھانا پکانا نہیں آتا ہے۔''

✧......واہ یہ تو بہت ہی اہم بات بتائی آپ نے عباسی صاحب کو ہم بے ساختہ ہنس دیے۔

نیلوفر عباسی ✧......''اور میری اس خامی کو سن کر وہ ہنوز اسی اطمینان سے بولے کہ 'کوئی بات نہیں ہم سکھا دیں گے کیونکہ گھر سے دور رہنے کے باعث ہمیں ہر قسم کے کھانے پکانے آ گئے ہیں۔' میں نے پھر ایک اور جواز ان کے سامنے رکھا کہ میرا تعلق شوبز سے ہے اکثر لوگ اس کے لیے کچھ بہتر تاثر نہیں رکھتے بعد میں آپ کو کوئی افسوس یا پچھتاوا نہ ہو تو وہ بہت فراخدلی سے بولے تھے کہ 'میں بھی اسی میڈیا سے ہوں اور میرے لیے یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔'' نیلو کی نظروں کے سامنے جیسے وہ منظر وہ لمحہ مجسم ہو کر سامنے آ گیا تھا۔

✧......نیلو جی ہم تو سمجھے تھے کہ اس موقع پر آپ کچھ شرما سی گئی ہوں گی اور انہوں نے کچھ خوب صورت جملے بولے ہوں گے لیکن آپ دونوں نے تو بہت سمپل اور پریکٹیکل انداز میں بات چیت کی؟ ہمارے شرارت بھرے جملے پر انہوں نے اپنی اسی دلکش ہنسی کے ساتھ ہمیں دیکھا۔

نیلوفر عباسی ✧......''عباسی صاحب بہت پریکٹیکل انسان تھے۔ رومینٹک نہیں تھے۔ بس جو کہنا ہوتا وہ سیدھے سادے انداز میں کہہ دیتے انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی وجہ سے مجھے بلاوجہ شرمانا پڑتا۔ خیر پھر وہ تمام معاملات جو بڑوں کے درمیان طے ہوتے ہیں ہونے کے بعد میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی۔''

✧......واہ بھئی یہ تو اچھی بات ہوئی کہ کوئی ظالم سماج درمیان میں نہیں آیا۔ اچھا نیلو جی اب ہم اپنے قارئین کے ساتھ آپ کی شادی میں شرکت کرنا چاہیں گے، ذرا ہمیں شروع سے اپنی شادی کی تفصیل تو بتائیں؟ ہماری فرمائش نے جیسے انہیں ایک بار پھر ان حسین یادوں میں لوٹا دیا جو ایک لڑکی کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتی ہیں۔

نیلوفر عباسی ✧......''میری شادی 2 دسمبر 1973ء کو بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور اس میں



میرے دوستوں، رشتے داروں کے علاوہ شوبز کی دنیا کے ستاروں نے بھی حقِ دوستی نبھایا۔ اس زمانے میں پاکستان ٹیلی ویژن کے علاوہ کوئی اور چینل نہیں تھا لیکن ہر اخبار نے شادی کی خبر تفصیل سے شائع کی۔ شام کے اخبارات ڈیلی نیوز اور اسٹار تقریباً روز ہی شادی کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر ضرور لگاتے تھے اور یوں سب ہی لوگوں کو شادی کی تاریخ اور جگہ کا علم ہو ہی گیا۔"

✧......او ہو پھر تو بن بلائے مہمانوں کا ہجوم ہو گیا ہوگا؟ ہمارے منہ سے بے اختیار نکلا۔

نیلوفر عباسی ✧......"ایسا ویسا۔" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔ "یہ میں تمہیں آگے چل کر بتاؤں گی۔ بہر حال شادی سے سات آٹھ دن پہلے ہی سے گھر میں شادی کی رونقیں اتر آئی تھیں۔ مہمانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔ ممی نے ان سارے دنوں میں شاندار مہمان نوازی کی۔ ناشتے سے لے کر دونوں وقت کے کھانے کا اہتمام وہ اس طرح کرتیں کہ ہر بار کا کھانا ایک دعوت کے مانند لگتا...... میرے ماموؤں نے بھی اپنے دفتروں سے دس، دس دن کی چھٹیاں لے لی تھیں۔ ہر شام معین اختر، طلعت حسین، شکیل، جمشید انصاری، زینت یاسمین، ذہین طاہرہ، عشرت ہاشمی، قربان جیلانی اور دیگر بہت سارے مشہور ٹی وی آرٹسٹ بہت مصروف ہونے کے باوجود ہمارے گھر جمع ہوتے۔ شادی بیاہ کے گیت گائے جاتے، ہنسی مذاق، قہقہوں سے گھر گونجا کرتا۔ روشی بھی اپنی دوستوں کے ساتھ ہنگامہ مچائے رکھتی۔ کزنز کی اپنی ٹولی تھی۔ غرضیکہ تم سوچ نہیں سکتیں کہ گھر میں کتنی رونق اور ہنگامہ مچا رہتا تھا۔ اتنے سال گزر چکے ہیں لیکن ان یادگار لمحات اور سب لوگوں کی محبت اور خلوص کی گرمی آج بھی ویسے ہی محسوس ہوتی ہے۔" نیلو جس طرح ان دنوں کا نقشہ کھینچ رہی تھیں ہم تو جیسے اس میں بالکل ہی گم ہو گئے تھے۔

✧......اچھا نیلو جی ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ کی شادی کا جوڑا کیسا بنا؟

نیلوفر عباسی ✧......"شادی کا جوڑا سرخ رنگ کا تھا جس پر بہت نفیس گوٹے کا کام تھا اور ولیمے کا جوڑا چٹا پٹی کا تھا اور یہ دونوں میری ممانی نگہت ارشد نے خود تیار کیے تھے کیونکہ بہترین سلائی کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔"

✧......اور بھئی آپ کے دولھا میاں نے اس

دن کیا پہنا تھا کچھ یاد ہے آپ کو؟ ہمارے سوال پر ایک شوخ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔

نیلوفر عباسی ❖...... ''تم یاد کا کیا کہہ رہی ہو ان کا وہ روپ تو میری آنکھوں میں بسا ہوا ہے۔ انہوں نے ڈارک براؤن ڈبل بریسٹ کا سوٹ پہنا تھا اور پگڑی میں بڑا سا چمکدار بروچ ٹنکا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان پر بڑا روپ چڑھا تھا دولھا بن کر۔'' نیلو جی بڑے جذب سے تعریف کر رہی تھیں اپنے شریک سفر کی۔ ''ارے ہاں یہ تو میں بتانا ہی بھول گئی کہ جب میری شادی کے کارڈ بھیجے جا رہے تھے تو اچانک ہی کسی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ میں نصرت بھٹو کو کارڈ نہیں بھیج رہی کیا؟ میں نے ہنس کر کہا۔ ان کو کارڈ بھیجنے کا کیا فائدہ وہ خاتون اوّل ہیں، وزیراعظم کی بیگم ہیں بھلا وہ میری شادی میں کیوں آئیں گی لیکن میری کزن کا کہنا تھا کہ وہ تمہاری بہت بڑی فین ہیں، تمہیں گورنر ہاؤس میں بھی انوائٹ کیا تھا اور کتنا خوش ہوئی تھیں تم سے مل کر تو بھلا کارڈ بھیجنے میں کیا حرج ہے اور یوں ایک کارڈ پر خاتونِ اوّل کا نام اور پرائم منسٹر ہاؤس اسلام آباد لکھ کر بھیجے جانے والے کارڈوں میں رکھ دیا گیا۔''

❖...... اچھا پھر کیا وہ آئیں؟ ہم نے دلچسپی سے پوچھا۔

نیلوفر عباسی ❖...... ''ہاں خلاف توقع وہ اچانک ہی آگئیں۔ اصل میں جب پرل کانٹی نینٹل کے کمرے میں پاکستان ٹی وی کے سینئر میک اپ آرٹسٹ گوہر انوار میرا میک اپ کر رہے تھے تو مجھے برابر یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور بینکوئٹ منیجر، ممی، ڈیڈی سے بار، بار پوچھ رہے تھے کہ پانچ سو مہمان ہی آئیں گے ناں...... حالانکہ اتفاق سے اس دن پٹرول کی عدم فراہمی کی وجہ سے رکشا، ٹیکسی سب بند تھے اور پٹرول کی قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے ہڑتال بھی تھی لیکن پھر بھی مہمان تھے کہ اُمڈے پڑ رہے تھے۔ ہوٹل مینجمنٹ کی حالت اس وقت مزید خراب ہوگئی جب ان کے پاس فون آیا کہ خاتونِ اوّل بیگم نصرت بھٹو خصوصی طور پر شرکت کے لیے تشریف لا رہی ہیں۔ کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ محض ایک سادہ سا انویٹیشن کارڈ اتنی اہم شخصیت کو شادی میں شرکت کرنے کے لیے لے آئے گا۔ حالانکہ وہ لاہور میں تھیں اور اپنی مصروفیات ترک کر کے کراچی تقریب میں شرکت کرنے پہنچی تھیں۔ میں جب دوستوں اور کزنز کے ہمراہ کمرے سے ہال میں جانے کے لیے نکلی اور لابی میں لفٹ کا دروازہ کھلا تو حیران رہ گئی۔ ہوٹل کے کاریڈور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے اور مجھے ہال میں پہنچنے کے لیے راستہ نہیں مل رہا تھا۔''

❖...... یہ سب دیکھ کر آپ نروس تو نہیں ہوئیں؟ تصور کی آنکھ سے وہ منظر خود بخود ہمیں بھی نظر آ رہا تھا تبھی یہ سوال پوچھ بیٹھے۔

نیلوفر عباسی ❖...... ''ارے نہیں، زرق برق لباس میں ملبوس وہ سب مہمان چہرے پر بے پناہ خوشی سجائے جس پیار سے ویلکم کر رہے تھے وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ ہال میں پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد بیگم نصرت بھٹو کی آمد نے ہال میں ایک بار پھر ہلچل مچا دی۔ مجھے آج بھی ان کی ساڑی کا کلر یاد ہے جو انگوری رنگ کا تھا۔ بالوں کا جوڑا بنائے خوب صورت ساڑی میں وہ بہت گریس فل لگ رہی تھیں۔ ان کو سیدھا اسٹیج پر لا کر ہم دونوں کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ انہوں نے مجھے فیروزے سے جڑی سونے کی انگوٹھی گفٹ کی اور ساتھ ہی اپنے اور ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ پرائم منسٹر ہاؤس میں اسلام آباد میں ڈنر کی دعوت کا کارڈ بھی دیا۔''

❖...... واہ بھئی نیلو جی آپ کی شادی تو کسی شہزادی کی شادی سے کم نہیں لگ رہی۔ ایسی شہرت اور عزت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہم واقعی دل سے معترف ہو رہے تھے۔

نیلوفر عباسی ❖...... ''بس رضوانہ یہ میرے اللہ کا کرم ہے، شادی کے اگلے دن ولیمہ تھا جو بیچ لگژری ہوٹل میں تھا۔ ولیمے کے دن منظور جمال جو نہ صرف



ریڈیو پاکستان کے اسٹاف آرٹسٹ ہیں بلکہ کمرشل شوز کروانے والے سب سے بڑے آرگنا ئزر بھی تھے انہوں نے شاندار پروگرام ترتیب دیا۔ جس میں ایم افراہیم، نگہت سیما اور تاج ملتانی نے خوب رنگ جمایا۔ منی بیگم اس زمانے میں نئی، نئی آئی تھیں۔ لیکن انہوں نے بھی اپنی غزلوں سے مہمانوں کو بہت محظوظ کیا۔ اسماعیل تارہ اور صلاح الدین طوفانی کے مزاحیہ خاکوں سے بھی سب بہت لطف اندوز ہوئے اور یوں میری شادی اور ولیمے کی تقریبات اپنے اختتام کو پہنچیں اور قمر علی عباسی ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں شامل ہوئے۔" نیلو نے مسکراتے ہوئے شادی کے خوب صورت چیپٹر کا اختتام کیا۔

✧......واہ نیلو جی آپ کے افسانے میں اس افسانوی سی شادی کو ہمارے قارئین یقیناً انجوائے کر رہے ہوں گے لیکن یہاں پر ہیرو ہیروئن کی شادی پر افسانے کا اینڈ نہیں ہوگا بلکہ اصل کہانی تو اب شروع ہوگی جسے عام فہم میں پریکٹیکل لائف کہا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے یہ بتائیں کہ آپ لوگ ہنی مون کے لیے کہاں گئے تھے بھئی اتنے رومینٹک ماحول سے ایک دم پریکٹیکل لائف میں نہیں جایا جا سکتا ناں...... ہماری بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

نیلوفر عباسی ✤......"شادی کے ایک ہفتے بعد ہم لوگ اسلام آباد چلے گئے اور پھر وہاں سے مری جہاں ڈاک بنگلا بک کروا رکھا تھا لیکن رضوانہ وہ ڈاک بنگلا کم اور بھوت بنگلا زیادہ لگ رہا تھا، بہت ویران سا اور ڈرؤانا سا لگ رہا تھا۔ عباسی صاحب نے فوراً ہی مال روڈ پر واقع مرحبا ہوٹل میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ وہاں بے حد حسین وقت گزرا۔ ہم لوگ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے اور چکن کڑاہی منگوائی لیکن بیرا اس کے ساتھ قورمہ، بریانی اور سیخ کباب بھی لے آیا۔ ہم لوگوں نے کہا ہم نے یہ آرڈر نہیں کیا تھا تب منیجر صاحب خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے۔ عباسی صاحب سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ سر یہ ہماری طرف سے آپ کی شادی کی خوشی میں ہے۔ ہر اخبار اور رسالے میں ہماری شادی کی تصویریں چھپی تھیں۔ جگہ، جگہ لڑکیاں اور خواتین ہمیں روک، روک کر مبارک باد دیتیں۔ ہم تین دن مری میں ٹھہرے اور ان تین دنوں کے حسین رنگ میری زندگی سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ مری سے واپسی پر اسلام آباد اور پنڈی میں دوستوں کی جانب سے بے شمار دعوتیں ہماری منتظر تھیں۔ وہاں پر

بھی بے حد پُرلطف وقت گزرا۔ میں سوچتی ہوں کاش ہم وقت کو ری وائنڈ کر سکتے۔''

✧......آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں نیلو جی لیکن اگر یہ انسان کے بس میں ہوتا تو پھر سب اپنے پسندیدہ وقتوں میں رہتے۔ دکھ نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہ ہوتی۔ خیر اب ہم اپنے افسانے کو آپ کی شادی کے بعد کی گھریلو زندگی کی طرف موڑتے ہیں۔ نئے لوگ، نئے گھر میں ایک اجنبی کو بالکل اپنا بنانے کے بعد زندگی کیسی لگ رہی تھی؟ ہماری بات پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

نیلوفر عباسی ✧......''رضوانہ ایک عورت کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہوتی ہے کہ اسے ایک اچھا شریکِ سفر ملے۔ قمر علی عباسی نے مجھے جس چاہ سے اپنایا تھا، اس کا بھرم انہوں نے ہمیشہ قائم رکھا۔ مجھے ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ وہ بہت اچھے شوہر اور بہترین انسان تھے۔ کسی بات کو کبھی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے۔ شادی کے بعد بھی جب مجھے ڈراموں کے لیے آفرز آرہی تھیں تو انہوں نے کبھی منع نہیں کیا۔ میں اگر مشہور آرٹسٹ تھی، تو وہ بہت مشہور مصنف تھے۔ جن کے کریڈیٹ پر پی ٹی وی کے مشہور سیریل بہت سے ڈرامے ریڈیو پر بے شمار پروگرام، مشہور کالم نگار و بہترین سفرنامہ نگار تھے۔ تمغۂ امتیاز کے علاوہ بہترین ادب کا خصوصی ایوارڈ اے پی این ایس ایوارڈ اور دوسرے کئی ایوارڈ کے مالک تھے وہ۔'' اپنے شوہر کی کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فخر کا احساس ان کے چہرے سے عیاں تھا۔

✧......آپ بہر حال اپنے ڈراموں اور سیریلز کی وجہ سے سب کی بے حد پسندیدہ آرٹسٹ تھیں تو عام شوہروں کی طرح وہ جیلسی تو نہیں فیل کرتے تھے؟ ہم نے تھوڑا چبھتا ہوا سوال کیا۔

نیلوفر عباسی ✧......''ارے بالکل نہیں میں نے بتایا ناں کہ ان میں حسد اور عناد قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔

شادی کے فوراً بعد حسینہ معین اور پروڈیوسر محسن علی ایک اسکرپٹ ''گڑیا'' کے نام سے لے کر آئے۔ یہ بڑا خوب صورت اور اثر انگیز ڈراما تھا لیکن میں نے صرف اس لیے انکار کر دیا کیونکہ اس میں ایک عورت شادی کے بعد جلدی بیوہ ہو جاتی ہے اور اپنی چھوٹی سی بچی کو تن تنہا پالتی ہے اور میرا دل ہی نہیں مانا کہ شادی کے بعد پہلے ڈرامے میں بیوہ کا رول کروں۔ قمر نے مجھے سمجھایا کہ یہ محض ڈراما ہے یقین جانو ان کی پوری کوشش یہی تھی کہ میں یہ ڈراما کر لوں لیکن میں نہیں مانی.... وہ بے حد وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے لیکن میری ہمیشہ خود یہ کوشش رہی کہ میں ان کے پیچھے رہوں۔ ہماری کامیاب شادی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے مدِمقابل نہیں آئے۔''

✧......اچھا نیلو جی باقی بیچر کیا وہ رومینٹک تھے؟ اتنے اچھے رائٹر بھی تھے یقیناً خوب صورت ڈائیلاگز آپ کی نذر کرتے ہوں گے؟

نیلوفر عباسی ✧......''نہیں رضوانہ، وہ بالکل رومینٹک نہیں تھے بلکہ دوسرے الفاظ میں، بہت پریکٹیکل انسان تھے۔ چاہت سے شادی کی تھی تبھی تو میری چھوٹی، چھوٹی سی خوشیوں اور پسند ناپسند کا ہمیشہ بے حد خیال رکھا لیکن رومینٹک ہونا انہیں نہیں آتا تھا۔'' وہ دھیمی سی ہنسی ہنس دیں۔ ''انہیں میں سادگی میں اچھی لگتی تھی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد ایک بار کسی تقریب میں جانے کے لیے میں نے اچھا سا میک اپ کیا اور کانوں میں بڑی، بڑی سی بجلیاں پہن لیں۔ جب میں تیار ہو کر ان کے سامنے آئی تو ایک نظر مجھ پر ڈال کر پوچھا کہ ''آپ ایسے جائیں گی؟'' میں نے بھی حیرت سے سوال کیا کہ ''کیا مطلب؟'' وہ بولے ''اتنی بڑی، بڑی بجلیاں پہن کر جائیں گی؟''

بس اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ ان کی پسند کے مطابق تیار ہوتی تھی۔ مجھے مہندی بے حد پسند تھی لیکن انہیں پسند نہیں تھی اس لیے میں نے کبھی مہندی نہیں لگائی۔ رضوانہ ان کی بے پناہ چاہت کے سامنے



یہ سب چیزیں ثانوی تھیں۔ مجھے میٹھا اب تک بے حد پسند ہے۔ وہ روز فریسکو سے میرے لیے مٹھائی لے کر آتے۔ مجھے گڑیوں کا کریز تھا شادی کے بعد بھی یہ کریز قائم رہا اور قمر علی عباسی نے میرے اس شوق کی تکمیل کچھ اس طرح کی کہ جس ملک بھی جاتے وہاں سے میرے لیے ایک گڑیا کا لانا بھی لازمی ہوتا۔ میرے پاس ہر ملک کی گڑیا موجود تھی۔ مجھے کرشن چندر اور فیض پسند ہیں اور ان کا بہترین کلیکشن بھی قمر علی عباسی کی وجہ سے ہی میرے پاس موجود ہے۔'' شوہر کی محبت ایک پھوار بن کر جیسے ان کے سارے وجود کو بھگو رہی تھی اور ہم بہت خاموشی سے ان کی خوب صورت یادوں میں ان کے ساتھ، ساتھ چل رہے تھے۔ ''شادی کے فوراً بعد مجھے پاکستان نیشنل سینٹر کی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر کی جاب کی آفر ہوئی۔ یہ ایک بہت اہم پوسٹ اور بہت بڑی ذمے داری تھی لیکن قمر علی عباسی نے قدم، قدم پر میرا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ وہ ڈرامے بھی کبھی کبھار کرتی رہی۔ حسینہ معین کے لکھے ہوئے سیریل روی میں بھی اس شرط پر کام کیا کہ مغرب کے بعد میں بالکل شوٹ نہیں کروں گی اور ان سب چیزوں میں بھرپور تعاون میں میرا ساتھ دیا۔''

◇......سچ نیلو جی واقعی قمر علی عباسی صاحب کا یہ روپ بھی بہت خوب صورت اور مثالی تھا۔ ذرا یہ تو بتائیں کہ گھومنے پھرنے کے بھی شوقین تھے وہ؟ ہمارے سوال پر ایک بار پھر ان کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

نیلوفر عباسی ✤......''بالکل تھے خاص طور پر میری وجہ سے انہوں نے فلمیں بھی دیکھنا شروع کر دی تھیں۔ اس زمانے میں ایک عرشی سینما ہوا کرتا تھا۔ یہاں ہم لوگ اکثر فلم دیکھنے جایا کرتے تھے۔ عرشی سینما کے اوپر ایک اور چھوٹا سا سینما بھی بنا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ہم لوگ میٹنی شو دیکھنے کے بعد اوپر جا کر چھ بجے والا شو بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ ایک فلم اسٹار نیلو کی پنجابی فلم خطرناک جب لگی تو وہ فلم دیکھنے کو میرا دل چاہنے لگا لیکن مشکل یہ تھی کہ سب کہہ رہے تھے کہ خواتین کے لیے یہ فلم مناسب نہیں لیکن میرا دل چاہنے کی وجہ سے عباسی صاحب مجھے وہ فلم دکھانے لے گئے۔ ہال میں ایک بھی عورت نہیں تھی لیکن مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھ قمر علی عباسی ہیں۔ لیکن اتفاق دیکھو کہ انٹرول میں کچھ لوگوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ میں تو ڈر ہی گئی اور میرے کہنے پر ہم لوگ بس آدھی فلم دیکھ کر ہی واپس آگئے۔ سچ رضوانہ آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں قمر علی

عباسی کی بس باتیں کرتی ہی چلی جاؤں۔"

✧......ہاں، ہاں نیلو جی ان کی باتوں سے ہی تو یہ افسانہ دلکش ہوتا جارہا ہے۔آپ کی خوب صورت یادیں یقیناً قارئین کو بھی مسحور کررہی ہوں گی۔ہم نے ہنس کر کہا۔

نیلوفر عباسی ❖......"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔یہ یادیں میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں پھر میرے آنگن میں تین پھول ثوبیہ، وجاہت اور ماریہ کے روپ میں کھلے تو زندگی مزید خوب صورت ہوگئی۔ پیار کرنے والا شوہر تین محبت کرنے والے فرمانبردار بچے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے مجھے دنیا میں ہی اللہ نے جنت دے دی ہو۔میری بیٹی ثوبیہ 24 جولائی کو پیدا ہوئی۔وجاہت 20 جولائی اور ماریہ 30 جولائی کو۔تینوں بچوں کے دوست مشترکہ تھے اور سالگرہ بھی ایک ہی ماہ میں تھیں۔سو ہم کسی ایک تاریخ پر تینوں کی برتھ ڈے بہت دھوم دھام سے کرتے۔کیک بھی بڑے اہتمام سے بنوائے جاتے۔خوب گیمز ہوتے مہمان بچوں کو تحفے دیے جاتے۔قمر علی عباسی کے دوست گلوکار مجیب عالم خوب ڈھیر سارے خوب صورت نغمے سناتے۔" نیلو ایک جذب سے جارہی تھیں۔

✧......لیکن قارئین انسان کی زندگی ایک جادوئی آئینے کے مانند منظر بدلتی رہتی ہے۔ایسا ہی کچھ نیلو اور قمر علی عباسی کے ساتھ بھی ہوا جو ہمیں نیلو بتارہی تھیں آپ بھی سنیں۔

نیلوفر عباسی ❖......"یہ فیکٹ ہے کہ انسان کو ایسے اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں کبھی اس نے سوچا بھی نہیں ہوتا، میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہماری فیملی کو کبھی یوں اچانک اپنا وطن چھوڑ کر امریکا شفٹ ہونا پڑے گا۔بس عباسی صاحب کی ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ حالات ایسے ہوئے کہ عباسی صاحب کی جان کو خطرہ ہوا زیادہ تفصیلات میں جائے بغیر اتنا کہتی ہوں کہ جب بچے ہمارے یہاں سیٹ تھے اس وقت ہمیں یہاں سے جانا پڑا۔یہ مارچ 1999ء تھا جب امریکا جانے کا فیصلہ فائنل ہوگیا۔

✧......نیلو جی ایک لمحے کو خاموش ہوگئیں۔ ماحول پر ایک سکوت سا طاری تھا۔ہمیں ایسا محسوس ہورہا تھا... جیسے ابھی ان کی کہانی کا انٹرول ہوا ہے اور اس کے بعد ان کی کہانی کا نیا رخ ہمارے سامنے آئے گا۔ہم بھی کچھ پوچھے بنا ہم ان کے بولنے کے منتظر تھے۔

نیلوفر عباسی ❖......"رضوانہ اپنی یادوں کے البم میں جب میں جھانکتی ہوں تو اس دن کی تصویر جب ہم کراچی کے انٹرنیشنل ڈیپارچر لاؤنج میں بیٹھے اپنی فلائٹ کا انتظار کررہے تھے اپنی پوری جزئیات کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔دل بہت بوجھل ہورہا تھا۔کراچی نے مجھے وہ سب کچھ دیا جو میں نے اپنے رب سے مانگا۔خوشیوں کے کامیابیوں کے دن، وہ ہنستے مسکراتے لمحات جیسے مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے لیکن ہمیں اب سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے جانا تھا۔ہم لوگ 1991ء میں پہلی بار امریکا جب گھومنے پھرنے گئے تھے تو اس وقت دل کتنا خوش تھا۔ سب نے بے حد آؤ بھگت کی تھی۔خاطر مدارات کی حد ختم کردی تھی۔ایک خوشی اور سرشاری میں وقت گزرا تھا ہمارا۔اب ہم لوگ مستقل طور پر وہاں شفٹ ہورہے تھے تو دل ہزاروسوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا کہ اب تو رہنا ہی وہیں ہے۔مصروف شہر الگ سی زندگی سب لوگ اپنی جاب میں بزی بھلا کس کے پاس ہمارے لیے وقت ہوگا مگر آفرین ہے اہل نیو یارک پر کہ انہوں نے قمر علی عباسی کی ایسی پزیرائی کی اتنی عزت اور محبت دی جو کہ بے مثال تھی۔ہر ویک اینڈ پر ان کے لیے تقریبات ہوتیں، ماشاءاللہ ہر تقریب کی صدارت قمر علی عباسی کے ہی ذمے ہوتی تھی حتیٰ کہ ان کا نام اہلِ نیو یارک نے صدر علی عباسی رکھ دیا تھا۔بین الاقوامی مشاعرے اور اردو کانفرنس کا انعقاد ہوتا اس میں نیلوفر عباسی اور قمر علی عباسی کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ہم جو کراچی سے چلتے وقت سوچ رہے تھے کہ یہاں کی



رونقیں، محفلیں، دوست احباب، عزیز و اقارب سب ہم سے چھوٹ جائیں گے نیویارک میں بھلا ہماری کیا مصروفیات ہوں گی تو اللہ کا احسان ہے کہ وہاں ہمیں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ ماشاء اللہ بچوں کو بھی بہت اچھی جاب مل گئی۔ ماریہ نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ ثوبیہ بینک میں ہو گئی اور وجاہت کو اسٹیٹ کی جاب مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا۔ میں نے دو سال تک پاکستانی کمیونٹی کے لیے ٹی وی شو Good morning Pakistan بھی کیا۔ زندگی پھر سے جیسے خوب صورت راستوں پر گامزن ہو گئی اور پھر ہم جب بھی یہاں آتے دوست احباب اسی طرح محبت، عزت اور پیار دیتے۔ لیکن رضوانہ زندگی اچھی گزر رہی کہ میری زندگی کا ایک بہت بڑا امتحان میرا منتظر تھا۔ ایسا امتحان جس کے بارے میں کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر ہماری جانب دیکھا۔

✧ ......ہم جانتے تھے کہ وہ اب کیا بتانے جا رہی ہیں، ماحول میں ایک عجیب سی اداسی اتر آئی۔ جانتے تھے کہ افسانے کے آخر میں یہ تکلیف دہ ذکر ضرور آئے گا۔ نیلو جی پوچھنے کا نہ دل چاہ رہا ہے اور نہ ہمت ہو رہی ہے لیکن پھر بھی آپ کو اپنا افسانہ تکمیل تک تو پہنچانا ہی ہے ناں......؟ ہم نے دھیمے سے کہا تو انہوں نے آنکھوں میں آئی نمی کو چھپاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

نیلوفر عباسی ✧......"وہ تیس اپریل 2013ء کا دن تھا۔ میری صبح ساڑھے آٹھ بجے Dentist سے اپائنٹمنٹ تھی۔ قمر علی عباسی نے مجھ سے کہا کہ ابھی ابھی آپ کی reminder call آئی ہے جلدی سے تیار ہو جائیں۔ پھر ہم دونوں نے ساتھ ناشتا کیا۔

ناشتے کے بعد میں اپائنٹمنٹ پر چلی گئی۔ بیٹی ماریہ اور بہو ارج ان کے پاس تھیں۔ اس زمانے میں الیکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں جب میں واپس آئی تو وہ اسی سلسلے میں ہونے والے ڈسکشن ٹی وی پر دیکھ رہے تھے۔ میرے آنے کے بعد کہنے لگے میں ذرا انٹرنیٹ اخبار دیکھنے جا رہا ہوں۔ وہ اٹھ کر کمپیوٹر روم میں چلے گئے۔ میں نے انہیں لے جا کر انرجی ڈرنک دی۔ اخبار پڑھ کر وہ اپنے کمرے میں جانے لگے۔ بیڈ روم سے ذرا فاصلے پر لابی میں وہ اچانک اپنا بیلنس کھونے لگے۔ میں گھبرا کر چیخی۔ "کیا ہوا، کیا ہوا؟" میری آواز سن کر کچن سے ماریہ اور ارج بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے ان کو پکڑ کر بستر پر لٹا دیا۔ ماریہ نے فوراً 911 کو کال کیا یہ پورے امریکا میں ایمرجنسی نمبر ہے کسی بھی مشکل وقت میں مدد کے لیے اس پر کال کی جاتی ہے۔ 911 والوں نے فون پر ہی بیٹی کو ہدایات دینی شروع کر دیں۔ کس طرح سینے پر دباؤ ڈال کے آرٹیفشل سانس دینی ہے۔ تین منٹ کے اندر ایمبولینس

دروازے پر تھی۔ سیکنڈوں میں انہیں مسہری سے اتار کر نیچے کارپٹ پر لٹا کر آکسیجن لگا کر سانس بحال کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں پھر فوراً انہیں ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ بیٹا وجاہت اور داماد سب اسپتال پہنچ گئے۔ بڑی بیٹی ثوبیہ کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ بڑا ہی تکلیف دہ اور کڑا وقت تھا وہ ہمارے لیے waiting area میں خاموش آنسوؤں کے ساتھ صدقِ دل سے ان کی زندگی کی دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ پھر ڈاکٹر نے آکر بتایا کہ ان کی اپنی سانس اور ہارٹ بیٹ بحال ہوگئی ہے آپ لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ہمیشہ چہکنے والے ڈھیروں باتیں کرنے والے قمر علی عباسی ساکت اور خاموش لیٹے تھے۔ ان کو اڑتالیس گھنٹے تک آبزرویشن میں رہنا تھا۔ یہ اڑتالیس گھنٹے ہمارے لیے قیامت سے کم نہیں تھے۔ دعاؤں کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ پاکستان فون کر کے دعاؤں اور صدقے کے لیے کہا گیا۔ پھر دعائیں رنگ لائیں انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ہم نے اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ادا کیا انہیں cardiac arrest ہوا تھا۔ ابھی انہیں اسپتال میں رہنا تھا ہر روز مختلف ٹیسٹ ہوتے رپورٹس بہتر سے بہتر ہوتی جارہی تھیں۔ ڈاکٹر مطمئن تھے، ایک مہینہ گزر گیا۔ یہ 30 مئی کی صبح کی بات ہے کہ ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی کہ پیر کو یہ گھر جاسکتے ہیں۔ مگر وہ گھڑی نہیں آئی۔'' اس بات کے ساتھ ہی نیلو کی آنکھوں میں بے شمار آنسو امنڈ آئے، ان کا دکھ ہم اچھی طرح سے محسوس کررہے تھے۔ اپنی عزیز از جان ہستی کی دائمی جدائی کو سہنا بھلا کوئی آسان کام ہے۔ اپنے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ہم نے بوجھل آواز میں پوچھا۔

✧......لیکن اچانک اب کیا ہوگیا تھا نیلو جی کہ وہ ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق گھر واپس نہیں جاسکتے تھے؟ نیلو نے رخسار پر بہتے آنسوؤں کو پونچھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

نیلوفر عباسی ✧...... ''جمعرات 30 مئی کی رات، میں اور میرا بیٹا وجاہت ان کے پاس تھے کہ انہیں دوسرا cardiac arrest ہوگیا۔ پھر سب کچھ صفر ہوگیا۔ دوبارہ انہیں آئی سی یو میں شفٹ کردیا گیا۔ میری بیٹیاں ثوبیہ، ماریہ، بہو ارج داماد ذکا، میں اور میرا بیٹا وجاہت سب ان کے کمرے کے باہر کھڑے دل و جان سے دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔ ساری رات اسی طرح گزری۔ صبح طلوع ہوئی مگر وہ ہماری امیدوں کی صبح نہیں تھی۔ بہت مشکل وقت تھا۔ ڈاکٹرز پوری کوشش کررہے تھے خاص طور سے ڈاکٹر حسین خواجہ۔ یہ ایک پاکستانی ڈاکٹر تھے جو ہر لمحے عباسی صاحب کے ساتھ تھے اور پھر... نرسنگ ہیڈ شیرن میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی اور بولی۔

''وہ جارہا ہے اب اس کو کوئی نہیں روک سکتا جاؤ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دل سے اسے گڈ بائی کہہ دو۔'' نیلو کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ قارئین اس وقت ان کا درد جیسے ہمیں اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ ایک انسان کے لیے بے بسی کی کتنی بڑی انتہا ہوتی ہے کہ موت اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پیارے کو لیے جارہی ہوتی ہے اور وہ سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ ہم نے اپنے آنسو روکتے ہوئے نیلو کی طرف دیکھا جو کہہ رہی تھیں ''پھر میرا ہم سفر جو میری زندگی تھا ہمیشہ کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گیا۔ وہ قمر جو میرے بچوں کا اور میرا چاند، سورج سب ہی کچھ تھا ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

خیال و خواب ہوا برگ و بار کا موسم
بچھڑ گیا تیری صورت بہار کا موسم''

قارئین کرام نیلو فرسمیت ہم سب بے حد جذباتی اور افسردہ ہوگئے تھے مگر پھر اس سوچ کے ساتھ محفل برخاست ہوئی کہ جانے والوں کا دکھ تو بے شک کم نہیں ہوتا مگر ان کی خوشگوار یادوں کے ساتھ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے زندگی کا بقیہ سفر کچھ آسان ہوجاتا ہے۔

☆☆☆

شادی مبارک

پاکیزہ بہنیں



میری بہن بنی دلہن

میری پیاری بہن اریبہ حسین کی شادی بہت دھوم دھام سے 3 اپریل 2016ء کو کراچی میں ہوئی۔ جس میں ہمارے تمام رشتے دار، ملنے جلنے والے اور میری بہن کی سہیلیاں وغیرہ شریک ہوئیں۔ ہمیں بہت مزہ آیا۔ مہندی، مایوں، نکاح، بارات اور پھر ولیمے کی تمام تقریبات بہت اچھی رہیں۔ مارچ کا آخر اور اپریل کا شروع تھا۔ اس لیے کراچی کا موسم بھی بہت اچھا رہا اور سب کو تیار شیار ہونے کا مزہ بھی خوب آیا۔ ہم پاکیزہ رسالہ بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس کا دلہن نمبر ہمیں بہت پسند ہے، اسی لیے میں نے یہ چھوٹا سا احوال اپنی بہن کی شادی کی خوشی میں لکھا ہے۔ میرے بہنوئی زاہد خان بہت اچھے اخلاق کے ہیں اور ان کے گھر والے بھی سب بہت اچھے ہیں۔ اللہ میری بہن اریبہ اور بہنوئی زاہد خان کو دنیا بھر کی خوشیاں عطا کرے، آپ سب بھی دعا کیجیے گا۔ اللہ آپ کے رسالے کو ترقی دے اور اس کے ارکان کو بھی ڈھیروں خوشیاں عطا کرے، الٰہی آمین۔

تحریر: حرا حسین، کراچی

لاڈلا بھیا بنا دولہا

سب بہنوں کی طرح مجھے بھی اپنے پیارے بھائی کی شادی کا بہت ارمان تھا۔ شاید ہر بہن کی بچپن سے ہی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ''ویر'' کب گھوڑی چڑھے اور ہم ''واگ پھڑائی'' اور ''راستہ

رکائی" کا نیگ وصول کریں۔ جی ہاں وہ وقت آخر 7 مارچ 2015ء کو آہی گیا تھا۔ ہم چار بہن بھائی ہیں، تین بہنیں اور ایک بھائی..... دونوں بہنوں کی شادی تو ہو چکی اب بھائی کی باری تھی جس میں مجھے تو خوب انجوائے کرنا تھا کیونکہ میں اب فرسٹ ایئر میں آ گئی تھی اور سجنے سنورنے کا شعور بھی آ گیا تھا سو مجھے تو بہت ہی انتظار تھا۔ مارچ 2014ء میں بھائی "حسن علیم" کا نکاح ہوا تھا اور شادی ایک سال بعد ہونا قرار پائی کہ بھابی کا ایم بی اے رہتا تھا اور بھائی کی ملک سے باہر جاب تھی، ویزے کا بھی کرنا تھا۔ سو یہ ایک سال کا عرصہ دونوں طرف تیاری میں گزرا، ہماری بھابی معصومہ بہت نازک، پیاری اور بے حد ملنسار ہیں۔ نکاح کے بعد کے پورے سال میں میری ان سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ یوں ہم ایک دوسرے کے گھروں میں جا کر اور مل ملانے کے بعد کافی حد تک ایک دوسرے کی عادات اور گھروں کے طور طریقے سے واقف ہو گئے۔ بھابی کی فیملی بہت اچھی روایات کی مالک ہے، خوش اخلاق اور بے حد مہمان نواز سب لوگ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسی قسم کی پریشانی یا الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ سب باشعور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ 4 مارچ سے شادی کی باقاعدہ تقاریب کا آغاز ہوا جس میں دلہن کے گھر مایوں پھر ہمارے گھر مایوں اور پھر مشترکہ مہندی کی تقریب وغیرہ...... دلہن کے مایوں والے دن ہی ہم لوگ بری لے کر چلے گئے تھے۔ میلاد پاک سے تقریب کا آغاز ہوا پھر رسمیں شروع ہوئیں معصومہ بھابی کے گھر کی پہلی تقریب تھی اس لیے ان کے ہاں بیرونِ ملک اور دوسرے شہروں سے بھی بہت رشتے دار آئے ہوئے تھے۔ اسلام آباد کا موسم تو ہوتا ہی خوشگوار ہے مگر شادی کے پورے ہفتے بارشوں نے ساتھ نہ چھوڑا ہم سب برستی پھوار میں ہی تمام



دولہا حسن علی اپنی دلہن معصومہ علیم کے ساتھ

تقریبات میں آتے جاتے رہے۔ انتظامات چونکہ بہت عمدہ تھے اس لیے کسی قسم کی بدمزگی یا بدانتظامی نہ ہوئی۔ اسلام آباد میں بھی اب بے انتہا خوب صورت بینکوئٹ اور مارکیز وغیرہ بن گئے ہیں ورنہ پہلے تو ہوٹلز کے بال رومز اور ہالز شادیوں کے لیے بک کروائے جاتے تھے جہاں محدود گنجائش ہوتی تھی۔

بہرحال مہندی، شادی اور ولیمہ بہترین ہوئے۔ سردی کے موسم کی وجہ سے ویلوٹ، مخمل اور سلک بنارسی سوٹوں کی ہر طرف بہار تھی۔ بارات میں ہم سب نے خاص طور پر غرارے اور شرارے پہننے کا اہتمام کیا تھا۔ مہندی میں تو سب کے رنگا رنگ شوخ کپڑے تھے۔ اور سب لڑکیوں اور خواتین نے ماتھا پٹی بھی لگائی تھی جبکہ شادی کے دن ماتھے پر ٹیکوں اور جھومر کا خاص اہتمام تھا۔ سردیوں کی شادی میں گرما گرم سوپ، چائنیز اور باربی کیو نے مزہ دوبالا کر دیا۔ آج کل تو ہر ایک کے ہاتھ میں کیمرا ہوتا ہے اس لیے ہر وقت الرٹ بھی رہنا پڑتا ہے کب کون کس زاویے سے تصویر کھینچ لے۔ پیاری بہنو! لکھنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے مگر شاید اتنی زیادہ تفصیل آ نہ سکے۔ غرضیکہ تمام تقریبات میں بہت مزہ آیا۔ مہندی کی ایک خاص بات گیندے کے خوب صورت پھولوں سے سجی چھتری تھی جو میں نے اور میری کزنز نے دلہن دولہا کے اوپر باری باری تانی ہوئی تھی۔ اب مووی دیکھتی ہوں تو بہت اچھا لگتا ہے۔ چھتری کے کناروں سے لٹکتی گیندے کی لڑیاں بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھیں۔ دلہن کو مہندی کے دن ہال میں سجی سجائی ڈولی میں بٹھا کر لایا گیا تھا۔ میں چونکہ سب سے چھوٹی بہن ہوں اس لیے سب موقعوں پر آگے آگے رہی۔ اللہ میرے بھائی بھابی کو ہمیشہ خوش آباد رکھے۔ الٰہی آمین!

تحریر: فاطمہ حسن، اسلام آباد



دلہن عنبرین تبسم اور دولہا وقار علی (کراچی)



رابعہ عمران چودھری (رحیم یار خان)

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ......!

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یاالٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆ پیاری بہنو! آپ یقیناً یہ حقیقت جانتی ہی ہوں گی کہ شادی ایک سودے کی طرح ہوتی ہے۔ یہ سودا منافع کا بھی ہوسکتا ہے اور گھاٹے کا بھی...... اکثر ہمیں ایسی شادی کی خبریں ملتی رہتی ہیں جو بالآخر بربادی اور بدمزگی پر منتج ہوتی ہیں۔ ٹی وی کے چینلز اور اخبارات میں طلاقوں کی سنسنی خیز خبریں دیکھی جاسکتی ہیں جو مار پیٹ سے شروع ہوکر قتل تک بھی پہنچ جاتی ہیں...... ایسے میں ایک محتاط کنوارا انہیں پڑھ کر شادی کے خیال سے ہی متنفر ہوسکتا ہے اور پھر وہ صرف ایسے ہی خواب دیکھتا ہے کہ اس کے آنے والی بیوی ہر برائی سے مبرا ہو۔ یوں بھی آج کل کے لڑکے یہی چاہتے ہیں (چاہے وہ خود کیسے بھی ہوں) بیوی خوب صورت، دولت مند، تعلیم یافتہ، سلیقہ مند، نیک چلن، فرماں بردار ہو۔ گھر کا سارا کام اور کھانا پکا کر وہ سر جھکا کر مزید جی حضوری کرنے کی بھی متمنی ہو۔ ظاہر ہے ایسی بیوی کے لیے اسے بہاری عمر صرف انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ آپ کو اپنی پسند کے قریب ترین لڑکی تو مل سکتی ہے مگر تمام خوبیوں کا مجموعہ ایک گلدستے کی صورت میں وہ کسی کسی کو ہی ملا کرتا ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو لڑکی کی تلاش میں مارے مارے پھرا کرتے ہیں وہ ایک نظر اپنی ماں اور بہنوں کو بھی دیکھیں...... اس کے بعد اپنے لیے لڑکی کا چناؤ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہر لڑکے اور ہر لڑکی کی شادی کے بعد کی نئی زندگی اپنی رحمت سے کامیاب اور کامران رہے، آمین!

☆ پیاری بہنو! ان دنوں ہماری دو مصنفات بے حد غم زدہ ہیں...... صائمہ اکرم اپنے والد کے انتقال کی وجہ سے اور رضوانہ پرنس اپنے چھوٹے بھائی کی وفات کی وجہ سے۔ آپ اپنی ان دونوں مصنفات کے ساتھ غم گساری کیجیے...... اللہ انہیں صبر عطا فرمائے اور وہ یہ اندوہ ناک صدمہ جھیل جائیں، آمین!

☆ آیئے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ ہماری معروف مصنفہ ساجدہ حبیب جنہوں نے کشمیر کے لیے ہمیشہ اس طرح لکھا...... جیسا کہ اس کا حق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں پڑھ کر آنکھ اور دل سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔ آخر کب تک کشمیری قوم کے نوجوان اپنی زندگیوں کی قربانیاں دے، دے کر اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرتے رہیں گے...... حال ہی میں پوسٹر بوائے برہان وانی شہید کی شہادت نے مزاحمت کا نیا باب کھول دیا ہے۔ قارئین کے بے پناہ اصرار پر ہماری یہ مصنفہ اپنی خوب صورت تحریروں کو کتابی شکل میں لے آئی ہیں۔ جس کا نام چنار کے آنسو ہے۔ انتساب میری ماں جی اور میرے کشمیر کے نام ہے۔ اس ضخیم کتاب کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ جسے بہت اہتمام سے محمد علی قریشی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ہر لائبریری کی زینت ہونی چاہیے۔ کتاب منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے...... القریش پبلی کیشنز سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور فون نمبر (042.37652546...042.37668958)

☆ بوسنیا ایک آوارہ گرد کی نظر میں، سفرنامہ جب میرے پاس آیا تو میں نے سوچا کسی نئے لکھنے والے نے کوئی سفر کیا ہوگا۔ اور اس کا سرسری سا جائزہ شاید کتاب چھپوانے کے شوق میں لکھ مارا ہوگا اور جب میں نے کتاب پڑھی تو نہ صرف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



میری معلومات میں اضافہ ہوا بلکہ معلوم ہوا کہ محمد زوہیب صدیقی تو بہت اچھے مصنف ہیں جو اتنے مشکل حالات میں گھرنے والے ملک کے بارے میں انتہائی سہل انداز میں لکھتے چلے گئے کہ ذرا برابر بھی بوریت نہیں ہوئی۔ پورے بوسنیا میں گھوم کر اور مختلف نسلی گروہوں کی نمائندگی کرنے والوں سے بات چیت کے بعد مصنف کا یہ نتیجہ ہے کہ جو آگ یہاں بیس سال پہلے لگی یا لگائی گئی تھی وہ آگ ابھی پوری طرح بجھ نہیں پائی ہے۔ اب بھی اس راکھ کے شعلے دکھائی دیتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ایک دفعہ پھر زور کی ہوا چلے گی اور یہ آگ پھر سے ضرور بھڑکے گی اور اب کی بار یہ چھوٹا سا ٹکڑا بھی مسلمانوں سے چھین لیا جائے گا۔ یہ معلوماتی کتاب آپ کو ضرور پڑھنی چاہیے۔ اس کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ خزینہ علم ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ رابطہ پاکستان:(03112077769.اور رابطہ برطانیہ۔ 00447414114144)

☆ عظمیٰ آفاق کی کتاب ذرا سا گھوم لوں میں کتابی صورت میں آگئی ہے جس میں تین ملکوں کے سفرنامے دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ فلیپ پر تحریر عذرا رسول، عامرہ شاہد اور دیگر کی رائے ہے کتاب گھر بیٹھے بذریعہ وی پی حاصل کرنے کے لیے القریش پبلشرز لاہور سے اس نمبر پر رابطہ کیجیے۔(0300.4183997)

☆ مصنفہ رفاقت جاوید اپنے شوہر کے ساتھ امریکا جانے والی ہیں اپنے لاڈلے بیٹے عمر کے پاس۔(ماشاءاللہ)

☆ ہماری مستقل تبصرہ نگار تسنیم ماہا پارا، شکاگو سے اسی ماہ واپس کراچی آجائیں گی۔(انشاءاللہ)

☆ مصنفہ رضوانہ پرنس اپنے بھائی سلیم کی رحلت کی خبر سن کر فوراً لندن چلی گئی ہیں۔

☆ پچھلے دنوں نیلم احمد بشیر ایک نجی چینل پر مدعو تھیں جہاں انہوں نے مدھر آواز میں گلوکاری کے جوہر بھی دکھائے۔

☆ مصنفہ سمیرا شریف طور کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے۔(مبارکاں)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری نیلوفر خان، بھارہ کہو کی بچیوں نے تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔(مبارک باد)

☆ مستقل قاری غزالہ طارق امریکا میں پاکیزہ کی تعریفیں سمیٹ رہی ہیں اس میں شامل انٹرویوز اور مجھ سے ملیے کے خصوصی سلسلے وہاں کی بہنوں کو پسند آتے ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری بشریٰ رضوی، کراچی آج کل اپنی بڑی بہن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔(مبارک باد)

☆ مستقل قاری فضہ بتول، بھارہ کہو شمالی علاقہ جات میں تعطیلات گزار کر واپس آگئیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری نگہت آصف کے بیٹے نے میگا ٹرانکس انجینئرنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فاطمہ علی عباس، کراچی کے ہاں بچی تولد ہوئی ہے۔(مبارکاں)

☆ مستقل قاری عذرا ریحان، راولپنڈی کے بھائی رضوان حسین کی شادی پچھلے دنوں بخیر وخوبی انجام پائی۔(مبارک باد)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی ان دنوں علیل ہیں۔

☆ مستقل قاری آرزو شاہد، کراچی کی ٹانگوں میں درد ہے اور وہ سُن بھی ہو جاتی ہیں۔

☆ قاری شہلا ظفر، کراچی ہنوز بستر علالت پر ہیں۔

☆ قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی کو ابھی آپ کی مزید دعاؤں کی ضرورت ہے۔

☆ مصنفہ غزالہ عزیز کراچی آشوب چشم کا شکار ہیں۔(دعائے صحت)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری قیصر سلطانہ، کراچی ان دنوں پھر بیمار ہیں۔

☆ ہم سب کی چہیتی تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب سلاتوالی اس ماہ بھی بے حد بیمار ہیں۔ ابھی ان کو آپ کی دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غزل خان، نیویارک کو کینسر ہو گیا ہے۔ آپ کی دعاؤں سے دو پورشن قدرے بہتر آگئی ہیں مگر آپ اپنی دعاؤں میں انہیں شامل رکھیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا بی بی، راولپنڈی کی والدہ ہنوز بستر علالت پر ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز عابد، لاہور کا بیٹا شدید علیل ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار مصباح رضا سعید، فیصل آباد کی بیٹی کی ذہنی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ناز ظفر کاظمی کی والدہ کے لیے دعا کریں۔

☆ شاعرہ اور مصنفہ فریدہ جاوید فری، لاہور شدید بیمار ہیں اور اسپتال میں داخل ہیں۔

انتقالِ پُرملال

☆ مصنفہ صائمہ اکرم چوہدری کے والد چل بسے۔

☆ مصنفہ رضوانہ پرنس کے چھوٹے بھائی سلیم لندن میں انتقال کر گئے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار ناہید بنت نور، واہ سیمنٹ ورکس کے والد کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب کے شوہر ایوب زاہد شیخ کی اس ماہ برسی ہے۔

نوٹ۔ تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

✿ عمیرہ احمد، لاہور کی رائے پاکیزہ کے لیے۔ ”آپ کا بے حد شکریہ کہ پاکیزہ کے ذریعے مجھے یاد رکھتے ہیں۔ میں پاکیزہ بڑی باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ یہ نہیں کہوں گی کہ پورا پڑھتی ہوں، ہاں بہنوں کی محفل ضرور پڑھتی ہوں اور مصنفات و دیگر شخصیات سے کیے گئے انٹرویو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ سوالات کا چناؤ بہت عمدہ ہے۔ اس سے مختلف رائٹرز کی مکمل شخصیت کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ افسانوں پر بھی ضرور وقت ملنے پر نظر ڈالتی ہوں۔ میں آج کل کچھ نیا پرنٹ میڈیا کے لیے نہیں لکھ رہی انشاء اللہ جلد ہی پاکیزہ قارئین کی فرمائش پوری کروں گی۔ آپ بس دعاؤں میں یاد رکھیں۔“ (آپ کے اس وعدے کا انتظار رہے گا...... کہ کب آپ کی تحریریں پاکیزہ کی زینت بنیں گی)

✿ عالیہ بخاری، کراچی کی رائے پاکیزہ کے لیے۔ ”پاکیزہ میں شامل تمام افسانے، کہانیاں اچھی جا رہی ہیں مگر کبھی کبھی کہانیوں میں طویل لیکچر یا وعظ کا سا گمان ہوتا ہے۔ افسانوں کو افسانہ ہونا چاہیے نصیحت نامہ نہیں...... ویسے آج کل کئی مصنفات اچھا لکھ رہی ہیں۔ میری مصروفیت اسکرپٹ رائٹنگ ہی ہے، انشاء اللہ پاکیزہ کے لیے جلد لکھوں گی۔ پرچہ باقاعدگی سے دیکھتی ہوں اور بہنوں کی سرگرمیوں سے آگاہ رہتی ہوں۔ میری دعائیں آپ سب کے لیے اور پاکیزہ کے لیے ہمیشہ رہیں گی۔ (آپ کی دعاؤں کے لیے مشکور ہوں) مصنفات سے انٹرویوز کا سلسلہ اچھا ہے۔ ان کے بارے میں پڑھنا اچھا لگتا ہے مگر میں خود انٹرویو دینے سے دور بھاگتی ہوں ابھی تو بہت کام کرنے ہیں، ایک بات میں نئی رائٹرز سے ضرور کہوں گی کہ مطالعہ کیے بغیر اچھی تحریریں سامنے نہیں آتیں سو لکھنے کے لیے اپنے اساتذہ، سینئرز اور ہم عصروں کو بھی پڑھتی رہیں۔ آپ لوگ اپنی مصنفات کو یاد رکھتے ہیں اس کے لیے شکریہ......“ (جی بالکل مطالعہ تو واقعی بے حد ضروری ہے)

✿ پروفیسر افسر سلطانہ، کراچی سے۔ ”نگہت سیما کا ناول شروع سے آخر تک دلچسپی لیے رہا اور پھر آخر میں جو رازوں پر سے پردے اٹھے تو مزہ ہی آگیا۔ گم شدہ محبت ایک منفرد کہانی منفرد عنوان جسے آپ نے خاص بنا دیا۔ آپ کی یہ کاوش یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ میں نے انجم کی شائع شدہ تقریباً سب ہی ناول پڑھے...... انجم کی دستخط شدہ کتابیں میں نے بہت سنبھال کر رکھی ہیں۔ ان سب کتابوں میں ایک اہم بات جو انجم کو ممتاز کرتی ہے وہ ان کے قلم کی احتیاط...... جو کتاب عظمیٰ اپنے کنوار پن میں پڑھ سکتی تھی وہ آج کی ہر کنواری لڑکی پڑھ سکتی ہے۔ انجم کا قلم شوخ تو ہوتا ہے، بے باک نہیں...... قلم کی حرمت کے رکھوالے کبھی کبھی کوئی، کوئی ہوتے اور ملتے ہیں۔ جیتی رہیے۔ شائستہ عزیز کا افسانہ سب سے اچھا رہا۔ پروین عذرا، غزالہ فرخ، ہاجرہ ریحان اور بشریٰ گوندل نے بھی مایوس نہیں کیا۔ اس بار اختر شجاعت موجود تھیں اچھا لگا۔ شائستہ زریں کا سروے بھی خوب رہا۔ سیما رضا کو دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ سیما تمہاری آواز سننے کو ترس گئی ہوں، کئی دفعہ فون ملایا بات نہ ہو سکی۔ بہنوں کی محفل میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ نیلوفر کا انٹرویو دوبارہ پڑھ کر بھی اتنا ہی مزہ آرہا ہے جتنا پہلی مرتبہ...... عظمیٰ کو عمرے کی مبارک

باد..... بیماروں کی صحت یابی کے لیے دعا گو ہوں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے۔ شکریہ)

☆ شگفتہ شفیق، کراچی سے۔ ''اگست کے خوب صورت پاکیزہ کا ٹائٹل حسب معمول دل ربا رہا۔ بہت کم الفاظ میں بے حد بامعنی اداریہ صرف انجم باجی ہی لکھ سکتی ہیں۔ بہترین نصیحت کی ہے کہ مسابقت سے نہ گھبرائیں بلکہ اپنے آپ کو اہل ثابت کریں۔ عظمیٰ آفاق کو عمرے کی مبارک باد۔ اس بار پاکیزہ کی تمام تحریریں لاجواب رہیں۔ گم شدہ محبت سپرہٹ جارہا ہے۔ برستا ساون اور میں، غزالہ فرخ کا افسانہ پسند آیا، فسانہ نہیں حقیقت ہے یہ، میں نیلوفر عباسی کے انٹرویو کا پہلا حصہ بہت پسند آیا۔ دوسرے حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔ رفعت شبانہ کا سمجھوتا بھی پیارا اور حقیقی تھا باقی افسانے بھی بہترین رہے۔'' (شکریہ)

☆ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ''بہت مشکل سے وقت نکال کر بہنوں کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں کہ یہ میرا پسندیدہ کالم ہے شرکت کی تو ہر مرتبہ کوشش کی مگر کبھی، کبھی تو غیر حاضری بھی لگ ہی جاتی ہے۔ غیر دانستہ بڑا گھر چھوڑ کر چھوٹا اور بنا کر عید کے بعد شفٹ کیا تو بے اختیار یہ مصرعہ یاد آگیا کہ سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں...... دریا کو کوزے میں بند کرنا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ کافی سامان ضرورت مندوں میں دے کر کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور شکر الحمدللہ اچھی طرح سیٹ ہوگئی۔ پورا رسالہ تو نہیں پڑھ سکی مگر چونکہ آپ کا ناول صفحۂ اول پر آگیا ہے اس لیے ایک ہی نشست میں اسے پڑھا، مزہ آیا تھوڑے صفحات اور بڑھادیں پھر یاسمین لاری کا انٹرویو بالکل اپنی جیسی کہانی لگی کہ دونوں بیٹے امریکا کو پیارے ہوگئے مگر اللہ کا صد احسان ہے بیٹی یہیں ہے۔ ساون کی رُت بدلی، پروین عذرا تشنہ کا پختہ تحریر کا آئینہ دار، غزالہ فرخ کا برستا ساون اور میں بامقصد افسانہ...... رفاقت جاوید کا پے انگ گیسٹ زیادہ متاثر نہ کرسکا۔ کام، کام اور صرف کام بھی زیادہ مزہ نہ دے سکا کہ عمر کے ساتھ، ساتھ اعصاب تھک جاتے ہیں کام سے زیادہ عبادت میں دل لگتا ہے کام کرنے سے درد کم ضرور ہو جاتا ہے لیکن ختم نہیں ہوتا اور کام نہ کرکے انسان اپاہج بھی نہیں ہوتا۔ کوئی حقیقت نہیں، میں فرحین اظفر نے محرم اور نامحرم کا فرق بڑی خوب صورتی سے واضح کیا ہے، ویل ڈن۔ سمجھوتا رفعت شبانہ کا اچھا تھا لیکن آمنہ جیسی لڑکیاں اب ناپید ہیں جو جلدی بات سمجھ لیتی ہیں۔ شائستہ عزیز کا آئینوں کے درمیاں مزہ نہ دے سکا۔ بھلا ڈالا اور پھر ماہین کے ساتھ زیادتی جو انہوں نے معمولی بات کہی۔ کچھ عجیب ہی لگا ایسے فرشتہ صفت مرد اس دنیا میں ہوتے نہیں اور پھر عدالت میں راز کو طشت از بام کرنا۔ کس عورت کے بس میں ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

☆ فریدہ ہاشمی تحقی، کراچی سے۔ ''محترمہ ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت کے مضامین ہم سب کے لیے رشد و ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، خدا ان کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ یادوں کی مالا کا یہ آخری حصہ ہے۔ آپ سے فرمائش ہے کہ ذکیہ بہن اگر اور نہ کچھ لکھ سکیں تو ان کے پرانے مضامین کو پھر سے شائع کریں۔ شکریہ۔ ناول سب بہت اچھے جارہے ہیں۔ خاص کر آپ کا ناول بہت پسند آیا ہے۔ شگفتہ انداز میں لکھا ہوا آپ کا ناول اب بالکل نئے موڑ پر آیا ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ شیریں حیدر اور ناہید فاطمہ حسنین کا انٹرویو بہت اچھا لگا...... دونوں نہایت قابل بہنیں ہیں۔ نزہت کے سوالات اور ان کے جوابات دونوں بہت پُراثر تھے۔ شیریں حیدر کے ناول لکن نے بھی بہت متاثر کیا...... اپنی زندگی میں ہم بڑی، بڑی غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ روبی کے روپ میں ایک مثبت کردار پیش کیا گیا ہے۔ خدا ان کی کوششوں کو کامیاب کرے اور لوگ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، آمین۔ ام ایمان کا ناول بھی بہت پسند آیا۔ جولائی کے پرچے میں عالیہ حرا کا ناول سر فہرست رہا۔ اسی کو کہتے ہیں محبت فاتح عالم...... خالدہ نسیم کا ناول پڑھ کر یقین ہوگیا کہ دنیا میں ابھی فرشتے موجود ہیں۔ فصیحہ آصف خان اور شائستہ کی نظمیں پسند آئیں۔ ہما بیگ کا مختصر مضمون بہت اچھا لگا۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

☆ سمیرا بنت یوسف، کراچی سے۔ ''آپ نے میرے معمولی خط کو اتنی اہمیت دی۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میری رب پاک سے دعا ہے کہ پاکیزہ کو اتنی ترقی ہو کہ وہ تمام رسالوں کا سردار کہلائے۔ (آمین) مدیرہ اعلیٰ عذرا آنٹی کو دل سے سلام...... آپ نے پاکیزہ کا نام بالکل پرفیکٹ رکھا۔ واقعی یہ پاک جیسا ہے۔ یادوں کی مالا میں ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی آنٹی میں مجھے اپنی امی جان کا عکس دکھتا ہے۔ یہ بہت نفیس سی آنٹی ہیں ان کو بھی دل سے سلام......'' (محترمہ عذرا رسول

صاحبہ، ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی آپ کو دعا کہتی ہیں۔)

✿ حرا قریشی، ملتان سے۔ ''روحانی سفر کا نواں اور آخری باب پڑھا نہ پوچھیں قلبِ ناتواں کو طمانیت اور راحت کی کس قدر دولت محسوس ہوئی۔ جابجا خود کو ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ سے متفق پایا۔ قرآن پاک سے متعلق گفت وشنید کو دل و دماغ حاضر کیے ذہن کی مسند پر رکھا۔ نعمتوں اور رحمتوں کا ادج کیا ہوتا ہے، بخوبی محسوس ہوا۔ پتھر کا دیس حرا کی توجہ مانگ رہی ہے۔ دیکھیں محترمہ کب نظرِ کرم فرمائیں گی۔ عید مبارک اخلاقی سبق کے لبادے کو زیب تن کیے عمدگی کی چاشنی میں ملفوف تھی۔ پہلی سی محبت میں مصنفہ صاحبہ کی بیچاری محبت کے ہمراہ ہماری تمام ہمدردیاں رہیں، شبانہ اور ریحان کی محبت میں تلخ حقائق کے کڑوے سچ عیاں تھے۔ میرے چارہ گر، عالیہ جی نے اس دفعہ بھی توجہ کو مرکز کے دائرے سے باہر نہ آنے دیا۔ ثانیہ کو بخوبی منصور نے زبان کی چیرہ دستیوں پر قابو پانے کا سبق دیا، خوب۔ مجھے عید منانی ہے، نزہت آپی نے گرمی سے بے حال رقیہ کی حالت سے حظ اٹھانے پر مجبور کیا۔ عیدی ہو یا عید وہ تو ہوتی ہی اپنوں کے بغیر ادھوری ہے۔ مختصر مگر جامع تحریر بڑی خوب صورتی سے اپنا مدعا قارئین سے سہل الفاظ میں واضح کرتی چلی گئیں۔ ویری ویل ڈن جور کے پہلو میں بھی حکمت بھرا پیغام چھپا تھا۔ ناہید فاطمہ سے مل کر ہم بھی مسحور کن، شاد محبت کے جذبات سے سرشار ہوئے۔ سیما مناف، صدف و دیگر ہستیوں سے مل کر حقیقتاً عید کا لطف دوبالا ہوگیا۔ خوش ذائقہ پڑھ کر خود بھی خوش وخرم ہوگئے۔ حسن تمہارے لیے میں بڑے آزمودہ ٹوٹکے سامنے آئے تو آج ہی لاتے ہیں ہم بھی تربوز! کیا خیال ہے؟ سارا کا سارا پاکیزہ عزیز من بلیک فارسیٹ کیک کی طرح لذیذ، مزے دار، دیدہ زیب و دلچسپ تھا۔'' (شکریہ)

✿ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ''اگست کا شمارہ ہر لحاظ سے مکمل لگا، یوم آزادی اور ساون کے حوالے سے سب تحریریں بہت اچھی تھیں۔ پروین عذرا تشنہ کا ناولٹ بہترین رہا۔ ان کا موضوع بہت اچھا تھا۔ مدیحہ شاہد اپنے ناولٹ کو بہت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ رامین کے ساتھ زیادتی کرنے والے اللہ کی پکڑ سے پہلے ہی اپنے شکنجے میں پھنس گئے۔ غزالہ فرخ نے بھی ساون کے حوالے سے سوتیلی ماں کی آنکھیں کھول دیں...... رفاقت جاوید کی کہانی اچھی تھی۔ شائستہ عزیز کی کہانی بہت ہی اچھی رہی...... عامل اور ان کے چیلے جس طرح ضرورت مندوں کو تاراج کرتے ہیں دل رو پڑا۔ ہاجرہ ریحان نے بھی جھوٹے پیروں کا پردہ فاش کیا ہے...... نایاب نے اسما کی کشتی پار لگادی انہوں نے خواہ مخواہ کہانی کو طویل کیا حالانکہ یہ سمٹ سکتی تھی۔ بہرحال کچھ چیزیں اس کی اچھی لگیں۔ ثمن بلال کی تحریر بھی پسند آرہی ہے۔ رفعت سراج اپنا نیا ناول لے کر آئیں، نام تو منفرد ہے ہی پر کہانی بھی اچھی لگی۔ گم شدہ محبت کے لیے کیا لکھوں...... حارث کے دوست کا فون اور شہلا کا ماموں سمجھ کر بات کرنا یہ سب ایک ہی نشست میں پڑھنے والا تھا...... میں تمہارا ناول اس وقت پڑھتی ہوں جب مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کرتا ہے...... یہ ناول تمہارے دوسرے ناولوں سے مختلف ہے مگر اس میں ہر بات ٹو دی پوائنٹ ہے۔ کہانی میں یقیناً ابھی بہت سے موڑ آتے دکھائی دے رہے ہیں۔ نیلوفر سے ملاقات رضوانہ نے بہت اچھی کروائی۔ مل کر مزہ آیا۔ فاخرہ گل نے بھی اچھا لکھا اور دوسری قسط کا انتظار ہے۔ جلترنگ کے لیے کیا کہوں...... دونوں پڑوسنوں کی نوک جھونک اور پھر ایک ہوجانا پڑھ کر مزہ آیا۔ روحانی مشورے کا ایک صفحہ اور بڑھادیں۔ تکبر کے موضوع پر اختر شجاعت نے اچھا لکھا۔ عظمیٰ نے ڈائری اچھی سجائی۔'' (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

✿ تسنیم ماپارہ، شکاگو سے۔ ''چار سال بعد اپنے سب عزیز واقارب اور دوستوں سے مل کر بہت مزہ آرہا ہے اور سب بڑی محبت سے آکر مجھ سے مل رہے ہیں...... پاکیزہ پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوئی...... تمام بیمار بہنوں کے لیے صحت کی دعا کرتی ہوں۔ اور جن، جن کو خوشیاں ملی ہوں ان کو میری جانب سے بہت مبارک باد......'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

✿ فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ ''اپنی طبیعت خرابی کے باعث کئی ماہ بعد اس محفل میں شریک ہو رہی ہوں...... روحانی مشورے میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اس لیے میں بھی اپنی بہنوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ روزانہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) کی چھ تسبیح پڑھ لیا کریں اس طرح آپ کو دو سو قرآن پاک پڑھنے کا ثواب ملے گا...... جسے آپ تمام مرحومین، مومنین کو بخش سکتی ہیں اور اپنے لیے اپنے عزیز واقارب کے لیے قبر کے لیے محفوظ بھی کرسکتی ہیں (جزاک

اللہ) ناول سب اچھے جا رہے ہیں، نیلوفر کے انٹرویو کا پہلا حصہ بہت اچھا لگا۔ دیگر کہانیاں بھی پسند آئیں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی طبیعت اب کیسی ہے)

✍ فریدہ بانو، نیویارک سے۔'' آپ سے کافی عرصے بعد رابطہ کر رہی ہوں۔ حال ہی میں بیت المقدس ہو کر آئی ہوں، میں بتا نہیں سکتی کہ وہاں جا کر کتنا اچھا لگا۔ میں آپ کے مشورے شوق سے پڑھتی ہوں، ایک چھوٹی سی بات اس محفل کے توسط سے اپنی بہنوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ قرآن پاک کا ترجمہ روز پڑھیں بے شک آہستہ، آہستہ اور سمجھ کر پڑھیں...... مگر پڑھیں ضرور اس کو پڑھ کر آپ کو خود پتا چلے گا کہ زندگی کے تمام مسائل کا حل ہمیں ہماری کتاب خود بتاتی ہے۔'' (بے شک اور رہنمائی کرنے کے لیے جزاک اللہ)

✍ پروفیسر قمر جہاں، کراچی سے۔'' ایک طویل عرصے کے بعد آپ کی اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں اس کی سب سے بڑی وجہ آپ کے ٹیلی فون نمبر کی تبدیلی بھی ہے۔ پھر ذکیہ بلگرامی سے فون پر بات کی تو انہوں نے بتایا کہ اب انجم کا نیا نمبر یہ ہے۔ (021-36964779) ہے۔ اس کے بعد آنکھوں میں تکلیف شروع ہونے کے باعث پاکیزہ نہیں پڑھا جا سکا۔ اب قدرے بہتر ہوں۔ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا دوبارہ پڑھی اور اس طرح لطف اندوز ہوئی۔ آپ کا ناول بہت اچھی اٹھان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔ دیگر تحریریں بھی آہستہ، آہستہ پڑھوں گی۔ نیلوفر کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آیا۔'' (قمر اب آپ اتنی لمبی چھٹی نہیں کریں گی، ہاں پسندیدگی کا شکریہ)

✍ مسز عابد، لاہور سے۔'' پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں، مجھے روحانی مشورے بے حد پسند ہیں، میرے جوان بچے کی ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے کسی کے پاس کوئی آزمودہ نسخہ یا دعا ہو تو ضرور پاکیزہ میں دیں۔'' (اگر کسی بہن کے پاس ہو تو وہ ہمیں ضرور بھیجیں)

✍ ایس رانی، سندھ سے۔'' پاکیزہ میں میرا سب سے پسندیدہ سلسلہ تو جلترنگ ہے، اس کے بعد ناول اور بہنوں کی محفل شوق سے پڑھتی ہوں بلکہ آپ کو حیرت ہوگی میں بار، بار بھی پڑھتی ہوں۔ پاکیزہ بہت زیادہ پڑھا جانے والا ڈائجسٹ ہے۔ مجھے اپنی آٹھ سال کی بچی کے لیے ڈائٹ پلان چاہیے۔ جس کا وزن چونتیس کے جی ہو گیا ہے۔ ہمارے گھر میں بہت زیادہ مرغن غذائیں نہیں کھائی جاتیں۔ سادہ کھانا پکتا ہے مگر دیگر بیٹیوں کے مقابلے میں ایک بچی کا وزن تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ابھی تو بچی ہے اور گول مٹول سی خوب صورت بھی لگا کرتی ہے مگر بعد میں یہی خوبی اس کی خامی بھی بن سکتی ہے۔'' (پیاری بہن آپ کی اس پریشانی سے میں بھی متفق ہوں اگر کسی بہن نے اپنا کوئی ڈائٹ پلان ہمیں لکھ کر بھیجا تو ہم اسے ضرور پاکیزہ میں شائع کریں گے)

✍ زرقا، کالا پُل کراچی سے۔'' انجم باجی مجھے پاکیزہ حد سے زیادہ پسند ہے۔ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ پاکیزہ میں کہانیاں، بہنوں کی محفل بار، بار پڑھتی ہوں۔ آپ کی آواز سننے کا شوق تھا شکر ہے کہ وہ بھی سن لی۔'' (پیاری زرقا آپ اپنی رائے سے ہر ماہ ہمیں آگاہ کریں...... ہاں ہماری آواز کا تذکرہ تو آپ ایسے کر رہی ہیں جیسے کسی گلوکارہ کی آواز سن لی ہو)

✍ پروین عذرا تشنہ، کراچی سے۔'' صد شکر میری تحریر پاکیزہ کی زینت بنی...... میرے حلقۂ احباب میں سب نے بے حد تعریف کی ہے۔ طبیعت خرابی کی وجہ سے پاکیزہ آہستہ، آہستہ پڑھ رہی ہوں۔ ابھی صرف انجم تمہارا ناول گم شدہ محبت کی قسط پڑھی ہے اور بہت اچھی لگی ہے۔ ہر خاندان کی کہانی ساتھ لے کر چل رہی ہو...... مجھے عظمیٰ کی کتاب ذرا سا گھوم لوں چاہیے...... وہ کہاں سے مل سکے گی۔'' (ناول کی پسندیدگی کا شکریہ...... ہمارا پورا کا پورا پاکیزہ ہی شاندار تحریروں سے مزین ہوتا ہے۔ آپ پڑھ کر اپنی بھرپور رائے سے نوازیں۔ عظمیٰ کا سفرنامہ گھر بیٹھے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ محمد علی قریشی کو لاہور فون کر کے کہہ دیں کہ ذرا سا گھوم لوں میں آپ کے ایڈریس پر وی پی کر دیں۔ قریشی صاحب کو اپنا مکمل ایڈریس لکھوا دیجیے گا۔ ان کا فون نمبر یہ ہے۔ 042.37652546)

✉ صدف نورین، لاہور سے۔ تمہارا خط پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پاکیزہ کے تمام سلسلوں میں حصہ لو۔ توجہ ضرور بٹے گی۔ انشاء اللہ۔

⊠ نبیٰ فردوس احمد، گوجرانوالہ: تمہارا ناولٹ قابلِ اشاعت ہے۔ اپنے خط میں تم نے اپنا فون نمبر نہیں لکھا تھا۔ ورنہ دیگر باتوں کے لیے تم سے بات کرتی۔

⊠ فائزہ فاروق سحر، ماڈل ٹاؤن، لاہور: گڑیا آپ نے اپنے خط میں صرف مجھے دعائیں دینے کے کچھ اور لکھا ہی نہیں ہے۔ آپ کی ساری دعاؤں کے لیے میں دل سے احسان مند ہوں مگر پاکیزہ کی تحریروں کے بارے میں اپنی رائے تو دیجیے.....

✉ ڈاکٹر ممتاز ضیا، ضیاالدین اسپتال کراچی سے۔ ''شمارہ مجموعی طور پر بہت اچھا تھا۔ مجھے کچھ کہنا ہے حسب معمول تھا۔ اللہ اور رسول کی باتیں تبصرے سے بالاتر ہیں۔ ذکیہ کا روحانی سفر اختتام کو پہنچا دل تو چاہتا ہے کہ وہ لکھتی رہیں اور ہم پڑھتے رہیں، اپنے بارے میں آپ دونوں کی گفتگو پڑھ کر ذہن میں آیا ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ آپ دونوں نے مجھے اپنا مقروض کر دیا۔ ذکیہ اتنی پرانی باتیں یاد رکھنے کا شکریہ دعاؤں میں یاد رکھنا میں گناہ گار بندی بھی تمہارے، عالیہ اور تمہاری فیملی کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ اعتبار وفا اچھی رہی مگر بیچارے ثمر حیات کو کیوں مار دیا؟ پتھر کا دیس کچھ خاص نہیں لگ رہا۔ گم شدہ محبت میں ایک نئے ماحول سے آگاہی مزہ دے رہی ہے۔ تھوڑے صفحے بڑھا دو۔ حد مختصر مگر اچھا تھا۔ نایاب جیلانی کا ناول ذرا جلدی میں اختتام کو پہنچا۔ بہر حال اچھی کہانی تھی۔ نزہت جبیں اور رضوانہ پرنس کی کہانیاں بھی اچھی لگیں۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب...... اپنے عجب کھیلوں کے ساتھ بڑھ لیا جاتا ہے۔ نزہت نے ناہید فاطمہ سے جامع ملاقات کرائی۔ ناہید فاطمہ سے مل کر اچھا لگا۔ بہنوں کی محفل اور دیگر سلسلے اچھے رہے۔'' (پیاری ممتاز اللہ آپ کو کلی صحت دے۔ آپ کے بھرپور تبصرے کے لیے مشکور ہوں)

✉ زرین زبیر کوٹھاری، کراچی سے۔ ''جب ہاکر پاکیزہ دینے میں دیر کرتا ہے تو بس نہ پوچھیں۔ ہمارے شوہر صاحب کو تو جلترنگ پڑھنے کا شوق ہے۔ اس ماہ کا اداریہ بہترین اور بامعنی تھا۔ واقعی میں خود آگاہی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور مسابقت اس وقت ہمارے ملک کی ترقی کے لیے اشد ضروری ہے۔ گم شدہ محبت تیز جا رہا ہے۔ قسط ختم ہوتے ہی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ واقعی انجم باجی کے قلم کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے ویلڈن۔ نئی ناول دیار صبح کے اجالوں میں نایاب جیلانی کی شاہکار تحریر ثابت ہوئی۔ رفاقت جاوید کا پے انگ گیسٹ بہترین رہا جبکہ شمیم فضل خالق کا افسانہ کام، کام اور صرف کام بے حد پسند آیا۔ فرخندہ جعفری کا یادگار عید کا واقعہ مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ تھا۔ واقعی تعطیلات اور تہواروں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اس طرف ضرور غور کیا جائے۔ رفعت شائستہ کی سمجھوتا اچھی تحریر تھی مگر کہیں، کہیں قلم پر گرفت کمزور ہوئی اور بے جا طوالت بھی نظر آئی۔ نیلوفر عباسی کا انٹرویو رضوانہ پرنس نے جس انداز میں لیا یقین مانیں بار، بار پڑھنے کو جی کرتا ہے اور بار، بار پڑھنے کے باوجود بوریت کا قطعی احساس نہیں ہوا۔'' (ہاں یہ بات تو ہے ہماری رضوانہ نے یہ انٹرویو بڑی محبت اور محنت سے تیار کیا تھا)

✉ امینہ عندلیب، ملانوالی سے۔ ''اگست کا پاکیزہ بہت تاخیر سے ملا بوجہ صحت پورا تو نہیں پڑھ سکی۔ آپ نے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا پیغام دیا۔ میرے آس پاس ایسے لوگ موجود ہیں اپنا منا و چاہتے ہیں خود کی امتحان میں پڑنے کے بجائے اوروں کو امتحان میں ڈالتے ہیں۔ بہر میں ایسی نہیں ہوں۔ گم شدہ محبت کی یہ قسط بہت اچھی رہی سسپنس رہا، ساون کے موضوع پر تمام تحریریں پسند آئیں۔ بارش، بادل، ٹھنڈی ہوائیں، کالی گھٹائیں میری کمزوری ہیں۔ ان رتوں کو بہت انجوائے کرتی ہوں، بارش میں بھیگنے کی عادتیں بھی برقرار رہیں۔ اور اب بات ہو جائے محترمہ رفعت سراج کے خوب صورت سلسلے وار ناول کی۔ یہ کہاں بچیں کہ دل ہے، آغاز میں کیا غضب، کی شاعری واہ...... دل پر ہاتھ رکھے۔ رومانی انداز میں لکھی گئی پہلی قسط شہنشاہوں ماحول، ہیروئن کے نام، ساحل، ساون، پرنس، مصدر معاشرے کے آزادانہ ماحول پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ خاص طور پر لڑکیوں کے حوالے سے اچھا لگا۔ باجی اختر شجاعت نے تکبر کے موضوع پر بہت اچھا لکھا۔ بچیوں کو ستایا اور ان کے ساتھ آپ نے اپنی ماؤں کو یہ پیاری، پیاری باتیں بتاتی ہیں۔ نیلوفر عباسی کی طویل گفتگو، ملاقات بہت اچھی لگی۔ خاص طور پر ایک فلیٹ میں پورے خاندان کا یوں محبت سے رہنا، ان کی بچپن کی یادیں بہت اچھی تھیں۔ سکھیاں، وہ دھانی آنچل چٹکیں اور موسم ساون کا واہ، واہ شائستہ زریں کی کیا بات ہے، عنوان کو بھی سات رنگ دیے (کتنی کیسے ہیں) پہلے تو شائستہ زریں آپ کو داد دیتی ہوں کہ آغاز میں اتنی خوب صورت شاعری دماغ تو ایک ہوتا ہے؟ آپ ماشاء اللہ بہت ذہین اور محنتی ہیں، پاکیزہ سر دے پر تو

آپ کو اتنے دن دل سے داد دیتی ہوں۔ (ہمارے معاملے میں آپ کی یادداشت کیوں کمزور ہے بھئی) سردے میں شگفتہ شفیق نے دل موہ لیا۔ شاعرہ ہیں ناں، ماشاء اللہ۔ سیما سراج کے بھی انداز و لفظوں میں ساون کے رنگ کھلے، کھلے پائے گئے۔ باقی بہنوں نے بھی ساون کے حوالے سے ...بہت اچھا لکھا۔ بہنوں کی محفل میں ہنسی مذاق تبصرے مشورے، دعائیں، مسکراہٹیں، رنگ بکھیرتی ہیں۔ باجی ڈاکٹر ممتاز ضیا نے دو ماہ سے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بہت اچھا تبصرہ لکھتی ہیں۔ ان کی طبیعت ناساز تھی۔ اللہ تعالیٰ صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ رابعہ یاسمین بلوچ، کوئٹہ سے۔ ''کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ آپ کی محفل میں آ گئے۔ آپ تو شاید بھول گئی ہوں گی مگر کیا کریں پاکیزہ کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔ کچھ عرصے پہلے اپنے بھانجے ڈاکٹر عمران کی منگنی کے سلسلے میں کراچی آنا ہوا، لڑکی والوں کا گھر ملیر میں تھا۔ بہت جی چاہا کہ آپ سے ملوں مگر آپ کے گھر کے بارے میں معلوم نہ تھا اور آپ تو بہت مصروف ہیں، پتا نہیں ملاقات کرتی یا نہیں۔ (آپ فون کر لیتیں) طارق روڈ پر گھومتے ہوئے بے اختیار کراچی کی پاکیزہ بہنیں یاد آنے لگیں کہ کاش کسی سے ملاقات ہو جاتی مگر یہ ہماری قسمت کہ سوائے ٹی وی کے شبیر جان کے کسی کو نہ دیکھا اور رخ چوہدری، ممتاز ضیا، عظمیٰ اور کئی بہنوں سے ملنے کی حسرت لیے کوئٹہ واپس آ گئے۔ اداریہ ہر ماہ کی طرح بہترین تھا۔ پاکیزہ کا ہر شمارہ مجھے بہت پسند آتا ہے، میری بہنیں، بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ اس بار سارے افسانے اچھے تھے اور بہنوں کی محفل کا تو جواب ہی نہیں۔ ڈاکٹر ممتاز ضیا صاحبہ کا تبصرہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ہر افسانے پر ان کی گہری نظر ہے۔ نگہت سیما کا ناول بے حد پسند آیا۔ آپ کا ناول بھی بہت اچھا ہے...... عظمیٰ کی تحریر بہت دلچسپ ہوتی ہے کیا ان کی کتاب کوئٹہ سے مل سکتی ہے؟'' (آپ محمد علی قریشی کو فون کر لیں وہ بتا دیں گے ان کا نمبر محفل میں ہے عذرا رسول جتنی خوب صورت ہیں ویسی ان کی تصاویر نہیں آتی ہیں۔ پاکیزہ کی پسندیدگی کا شکریہ...... ڈاکٹر ممتاز اور نگہت سیما شکریہ کہہ رہی ہیں)

٭ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ ''اس دفعہ کا ٹائٹل بہت خوب صورت تھا۔ ماڈل کا فریش لک اور آنکھوں کا میک اپ زبردست لگ رہا تھا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح اثر چھوڑ رہا۔ گم شدہ محبت ٹاپ پر جا رہا ہے۔ دیکھیں اب صبا اور عاشر کی ملاقات کہاں پر ہوتی ہے۔ رفعت سراج کا نیا ناول پہ کہاں بچیں کہ دل ہے، بہت ہی اچھا آغاز ہے، دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے، ویسے رفعت جب بھی آتی ہیں متاثر کر کے جاتی ہیں۔ نایاب جیلانی کا دیا صبح کے اجالوں میں کی آخری قسط مسرور کر گئی اسما کا صبر اور خدمت گزاری رنگ لائی اور ہادی صاحب جتنے بیزار تھے اتنے ہی مشتاق ہو گئے۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب میں شکر ہے کہ ایشال اور عمر میں محبت کی انٹری تو ہوئی جبکہ مناب اور دلی کی شادی بجائے اقسم بیچارے پر کون سے پہاڑ توڑے۔ آئینوں کے درمیان شائستہ عزیز کی تحریر پڑھ کر دل بہت افسردہ ہوا خدا کے نام کے پیچھے لوگوں نے کیسے، کیسے ڈرامے کیے ہوئے ہوتے ہیں، دیگر کہانیوں میں برستا ساون اور حسن کام، کام اور صرف کام کوئی حقیقت نہیں اور محبت منتظر ٹھہری، بہت ہی متاثر کن تحریریں ہیں، نیلوفر عباسی سے ملاقات مسرور کر گئی۔ قلعۂ روہتاس کی سیر نے انوکھا مزہ دیا۔ بہنوں کی محفل میں اپنی پیاری، پیاری بہنوں کی خیر و عافیت سے آگہی ملی، دل شاد ہوا، انجم باجی یہ محبتیں بلاشبہ ہمارا قابل فخر اثاثہ ہیں۔ جنہوں نے ہم سب بہنوں کو ایک لڑی میں پرو کر رکھا ہے اللہ کرے محبتیں ہوں اور زیادہ......'' (آپ کی اس خوب صورت بات کے جواب میں سوائے آمین کے کچھ نہیں کہہ سکتی ہاں تبصرے کا شکریہ)

٭ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''گرمی، لوڈشیڈنگ، موڈ آف پھر بھی پاکیزہ کا مطالعہ اس عالم میں بھی جاری رہا۔ کیونکہ اس کے بنا جی نہیں سکتے...... ہم اور پاکیزہ لازم و ملزوم جو ٹھہرے۔ اگست کا پاکیزہ جیسے ہی ملا اک فرحت بخش احساس ہوا۔ سرورق پہ گھنیرے بالوں والی ماڈل معصومانہ حسن کے ساتھ جی کو بھا گئی۔ یوم آزادی کی مبارک باد دیتا آپ کا دلربا اداریہ من میں اتر گیا۔ یقین جانیں آپ کی باتیں نصیحت بالکل نہیں لگتیں بلکہ اک دلفریب انداز میں مشورے لگتے ہیں۔ جو واقعی ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ بصیرت افروز مضامین کے بعد گم شدہ محبت کی تلاش میں آ گئے۔ حارث کی ڈرامے بازی اور جملے بہت اچھے لگے۔ شہلا کو تھوڑی سی عقل سکھائیں۔ صنم رحیم کا با کردار ہونا آج کل کی لڑکیوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ کریم کی حرکتیں طیش دلاتی ہیں، بہرحال کہانی میں دلچسپی کے تمام لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں اور یہ آپ

کی کامیابی کی سند ٹھہری۔ پروین عذرا تشنہ کی یوم آزادی کے حوالے سے تحریر پسند آئی مگر جو بچھڑ گئے ان کے لیے دل دکھی ہوا...... رافع اور نعمان کو منزل مل گئی گھر پھر سے آباد ہوگیا۔ بے انگ گیسٹ ایک نفسیاتی مریضہ کا قصہ تھا۔ بہر حال اک سبق دیا گیا ویل ڈن ڈیئر رفاقت جی...... رفعت سراج کی پہلی قسط میں موجود چاشنی نے گرویدہ کرلیا۔ ان کے جملے اور تشبیہات کے کیا کہنے اک نئے موضوع پر لکھی جانے والی یہ تحریر یقیناً سب کو پسند ہی آئے گی۔ سبق آموز تو شمیم فضل خالق کی تحریر کام، کام اور صرف کام بھی ٹھہری بالکل یہی الفاظ میری مرحومہ خالہ جان کے تھے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے ورنہ دل و دماغ کے ساتھ، ساتھ جوڑوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ فرحین اظفر کی دلکش تحریر نے کئی افراد کی آنکھیں کھول دیں کہ اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ ہمسائے کے لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنالیا جاتا ہے جو بعد ازاں سراسر نقصان کا باعث بنتا ہے۔ لوٹی دیار صبح کے اجالوں میں اختتام کو پہنچا...... انجام حسب توقع رہا، رائی کا پہاڑ بنا کیا جو بات دو قسطوں میں مکمل ہونا تھی اسے بلاوجہ طول دیا گیا۔ سمجھوتا مختصر انداز میں شبانہ نے بے حد خوب صورت انداز میں سمجھانے کی بات کی۔ شائستہ عزیز نے آئینوں کے درمیان لکھ کر بوسیدہ اذہان سے اس غلاظت کو نکالنے کی کوشش کی جس میں معاشرے کے احمق ترین افراد رہتے چلے جارہے ہیں۔ تکبر اک لاجواب مضمون رہا، صد شکر کہ میں تو خود کو بے حد معمولی وارزاں شے سمجھتی ہوں اور تکبر تو صرف اور صرف اللہ کو زیبا ہے۔ نیلوفر عباسی سے ملاقات اور تصاویر نے دل موہ لیا۔ آئندہ بھی ایسی نایاب تصاویر لگا ئیے گا۔ قلعہ روہتاس کے بارے میں مضمون کارآمد رہا۔ ساون کا سروے تو تھا ہی مزیدار...... شگفتہ شفیق اور سیما سراج میری ہارٹ فیورٹ ہیں۔ اپنی عندلیب تو میری بھی بہنوں جیسی ہیں۔ اللہ انہیں کلی صحت عطا فرمائے۔'' (طویل تبصرے کا شکریہ)

✉ طیبہ عنصر مغل، راولپنڈی سے۔ ''آپی مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ پڑھنے والا کوئی اور میرے لکھے ہوئے کو کس رنگ میں پڑھتا ہے مجھے الحمدللہ آپ کی دانائی پر بھروسا ہے اور اس بات پر فخر بھی کہ میں ایک ایسے ادارے سے وابستہ ہوچکی ہوں جس میں کوئی جانبداری نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں ایک شمارے میں انگلش ناول کا چربہ جوں کا توں موجود دیکھ کر حیرت ہوئی مگر اپنے شمارے پاکیزہ پر فخر ہوا کہ آپ ہم سب کو موقع دے رہی ہیں۔ پاکیزہ میں ہماری تحاریر شائع کرکے جبکہ باقی شماروں میں وہی چند خوشامدی لوگ چھائے رہتے ہیں یا سوائے نامی نامور رائٹرز کے۔'' (بیٹا طیبہ دوسرے لوگ کیا کررہے ہیں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے، جس کا جو دل چاہے وہ کرے۔ ہمیں کسی پر انگلی بھی نہیں اٹھانی چاہیے۔ آپ اور دیگر تمام سینئرز اور نئی رائٹرز ہمارا سرمایہ ہیں۔ جنہیں ہمیں اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے)

✉ سیدہ رابعہ شاہ...... گجرات سے۔ ''میں اس محفل میں پہلی بار تشریف لائی ہوں اور پاکیزہ کی بہت بڑی فین ہوں۔ جب پاکیزہ پڑھتی ہوں تو مجھے اپنے اردگرد کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ آخر پڑھنے میں اتنا مزہ جو آتا ہے۔ پاکیزہ کی سب کہانیاں، ناول، ناولٹ اتنے زبردست ہیں کہ کیا بتاؤں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے پاکیزہ بہت بڑا کردیں اور ایک ماہ میں تین بار شائع ہوکر آئے۔ پاکیزہ ہر دفعہ لاجواب ہوتا ہے ہر ماہ کا ٹائٹل بھی زبردست ہوتا ہے۔ میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں پلیز میرا خط شائع ضرور کریں۔ ورنہ میرا چھوٹا سا، ننھا سا، منا سا دل ٹوٹ جائے گا۔'' (اب تو آپ کا دل نہیں ٹوٹے گا ناں، ہم سب ہی قارئین کے دل کا خیال رکھتے ہیں۔ مختصر خط کا شکریہ)

✉ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ ''سیما کا اعتبار وفا اختتام پزیر ہوا۔ بچھڑے سارے مل گئے اچھا اینڈ تھا لیکن ثمر حیات کو جیو ندار کھتے تو اچھا ہوتا بہر حال نگہت سیما کو ایک اچھا ناول لکھنے پر بہت، بہت مبارک ہو۔ (شکریہ) خالدہ نسیم کا ناول زندگی کی تلخ سچائیوں اور تجربات پر مبنی تھا بہت مشکل زندگی ہے عورت کے لیے ہر قدم پر امتحان، کٹھن مرحلے، آزمائش جو انسان پر آجاتی ہے۔ (جی ہاں) تحفہ عید، سحرش فاطمہ کی اچھی تحریر تھی۔ پتھر کا دلیس میں مدیحہ شاہد نے پھر سسپنس چھوڑ دیا۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔'' (آگے بھی یقیناً اچھا ہی ہوگا اور آپ کو آئندہ اقساط بھی اچھی لگیں گی)

✉ صائمہ عطا محمد، ڈیرا غازی خان۔ صائمہ آپ کی کہانیاں ناقابل اشاعت ہیں، ابھی آپ کو مطالعے کی شدید ضرورت ہے۔ کہانی بھیجنے کے لیے اسے پھولوں اور اسٹیکرز سے سجانا ضروری نہیں، بس متن اچھا ہو۔ بہر حال آپ نے کافی محنت کی ہے اسے سجانے میں۔ فی الحال آپ مختلف مصنفات کی تحریروں کا مطالعہ کریں پھر کہانی لکھنے کی کوشش کیجیے گا۔

✉ افتخار شوق، میاں چنوں سے۔ ''رسالہ تو خیر اے ون جارہا ہے۔ بہترین مصنفات کی بہترین کہانیاں اور

دوسرے مستقل سلسلے...... انجم انصار کی بہنوں کی محفل کے کیا کہنے...... اسی سے پتا چلا کہ نزہت اصغر اسلام آباد ہو کر واپس کراچی چلی گئیں جبکہ ان کا وعدہ تھا کہ میاں چنوں، خانیوال میں رک کر جائیں گی۔ چلیں آئندہ سہی...... میری چھٹیاں تو سرکاری میٹنگز کی نذر ہو گئیں۔ پھر بھی مجھے لکھنے کے لیے موضوعات مل جاتے ہیں اور اللہ آپ کو خوش رکھے میری سرگرمیاں لگاتی رہتی ہیں، اس دفعہ موسم بہار میں پانچ سو پودے لگا کر ہم نے شہر بھر میں ہفتہ شجر کاری کا آغاز کیا۔'' (بہت، بہت مبارک ہو)

✉ نیلوفر خان، بہارہ کہوسے۔ ''ماہ جون اور ماہ جولائی کے پاکیزہ ایک ساتھ ہی پڑھے کیونکہ رمضان المبارک اور عید کی مصروفیات تھیں۔ مدیحہ شاہد ڈائجسٹ رائٹر والی ہیں ناں اچھی کہانی ہے مگر سسپنس بہت ہے۔ صائمہ قریشی نے بڑی ہلکی پھلکی دلچسپ کہانی ناسوں کے بارے میں لکھی ایسی کہانیاں ہونی چاہئیں۔ صائمہ قیصر کی بیٹی کی شادی کا احوال اچھا تھا جولائی میں کھانے کی ترکیبیں بہت اچھی تھیں میں نے ٹرائی بھی کی تھیں۔ اور آخر میں اعتبار وفا ناول نے تو رُلا دیا۔ نگہت سیما نے بہت اچھی طرح اینڈ کیا کوئی بات رہ نہیں گئی۔ ثمر حیات کو مار دیا مگر شاید وہ بھی ضروری تھا۔ اب نگہت سیما کا انٹرویو اور ناول کے بارے میں بھی وہ ضرور کچھ لکھیں۔ بیچ میں ذرا کنفیوژن تھا مگر پھر رشتے کھلتے چلے گئے۔ اچھی کہانیاں سلیکٹ کرنے پر آپ لوگوں کا شکریہ...... شاعری میں بھی مشہور شاعروں کی غزلیں دیا کریں۔ انٹرویو وغیرہ کا بھی اچھا سلسلہ ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے)

✉ نفیسہ آرا، راس الخیمہ سے۔ ''پاکیزہ عید نمبر کے بعد ساون نمبر بھی اچھا تھا مگر آپ نے ٹائٹل پر کیوں نہیں لکھا ساون نمبر...... نئی رائٹر ہاجرہ ریحان کی مختصر کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔ مدیحہ شاہد لگتا ہے بڑے خوابناک ماحول میں ناول لکھ رہی ہیں۔ غزالہ فرخ کی کہانی بہت ہی اچھی تھی ان کا بھی نزہت اصغر انٹرویو ضرور کریں ان کے علاوہ اور بھی رائٹروں کے متعلق بتائیں، نیلوفر عباسی کے بارے میں الگ انداز کا انٹرویو بہت اچھا لگا جیسے گھر میں بیٹھے بات کر رہے ہوں۔'' (تبصرے کا شکریہ)

☆☆☆

عزیز بہنو! بہنوں کی محفل کے صفحات کا کوٹا اب ختم ہوا۔ دیر سے آنے والے خطوط انشاء اللہ آئندہ ماہ شامل کر لیے جائیں گے...... اور اب آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں یا اللہ، یا رحمٰن یا رحیم...... اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور نیک کام کی توفیق، ہمت، طاقت اور مہلت ہم کو ضرور عطا کرنا...... اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے وقت ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا نامۂ اعمال ہمارے داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ میرے معبود...... اے وحدہ لاشریک...... تو آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب کو ہی بخش دے...... ہمارے تمام مسائل حل کر دے۔ اے سلامتی دینے والے ہمیں ہر بیماری خاص کر لاعلاج و مہلک بیماریوں سے بچا...... ہمیں تمام شرور سے بچا، ہمیں ہمیشہ عافیت والی زندگی دے تاکہ ہم تیرے دین کو ساری انسانیت تک پہنچا سکیں، آمین ثم آمین۔

یا مجیبُ، یا مجیبُ، یا مجیب

دعا گو

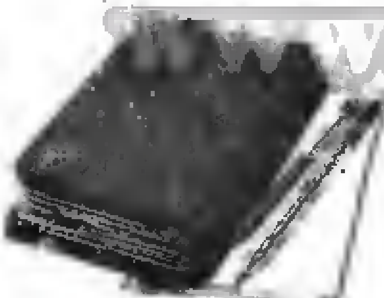
آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ C-63 فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفتاب سعید

حمدِ باری تعالیٰ

اے میرے مالک میرے رب کریم
تیری ذات پاک ہے یکتا رحیم
تو نے سیپی میں گہر پیدا کیا
اور قطرے کو کیا بحرِ عظیم
تو نے پھولوں کو عطا کی ہے مہک
اور سورج کو عطا کی روشنی مولا کریم
یا الٰہی لب پہ ہو میرے سدا
یا کریم و یا غفورٌ و یا رحیم
تو نے ہی انسان کو پیدا کیا
اور بخشی پھر اسے عقلِ سلیم
یا الٰہی روزِ محشر یہ دعا ہے رعنا کی
سر پہ ہو سایہ فگن عرشِ عظیم

شاعرہ: رعنا حسن

مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

نورِ خدا

روشن ہے میری دنیا اب نورِ خدا سے
ہر ذرہ چمکتا ہے اب نورِ خدا سے
ڈوبی ہوئی ہوں عشقِ حقیقی میں اس طرح
دل میرا منور ہے اب نورِ خدا سے
حمد و ثنا کرتی ہوں ہر لحہ بیاں میں
لفظوں میں اثر ہے میرے اب نورِ خدا سے
تاریک راستوں کا بھی کچھ خوف نہیں ہے
جگ مگ ہیں میری راہیں اب نورِ خدا سے
چلتی ہی جا رہی ہوں میں راہِ عشق پہ
منزل ہے میری آساں اب نورِ خدا سے
پہنچی ہوں کہاں پہ کیسی یہ ضیا ہے
ہر سمت اجالا ہے اب نورِ خدا سے

کلام: عالیہ ضیا، کراچی

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے تمنا کہ جو پہنچوں تو ہو جنت میں قیام
اور مل جائے مجھے مومنِ کامل کا مقام
ایسا کچھ کر کے چلوں مجھ سے خدا ہو راضی
دیکھ کر مجھ کو فرشتے بھی کریں پیش سلام
دید ہو جائے نبیؐ کی تو کروں ان سے کلام
بات کیا ہوگی کروں پیش درود اور سلام
آپؐ کے روضے پہ جانے کی تمنا تھی مجھے
میں نے بھیجا تھا کئی بار پیام اور سلام
دل یہ کہتا تھا ملاقات کبھی ہوگی ضرور
پھول اخلاص کے چن لوں تو کروں آپؐ کے نام
جانتے ہیں یہ سب ہی کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان
صرف دنیا کے لیے جو بھی جیا وہ ناکام

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

صبر و برداشت

حضرت ابو عبداللہؒ خیاط اللہ کے برگزیدہ بندے تھے اور آپ نے درزی کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ ایک مجوسی آپ سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور جب بھی آپ سے کپڑے سلاتا تو مزدوری میں کھوٹا درہم دیتا آپ خاموشی سے لے لیتے اور اس کو واپس نہ کرتے اور نہ ہی اس کو بتاتے کہ یہ درہم کھوٹا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ مجوسی آپ کی دکان پر مزدوری دینے آیا مگر آپ اتفاق سے دکان پر موجود نہیں تھے آپ کا شاگرد بیٹھا تھا اس نے اپنے کپڑے کی اجرت شاگرد کو دیتے ہوئے اپنے کپڑے طلب کیے شاگرد نے جب درہم کی طرف دیکھا تو وہ کھوٹا تھا اس نے درہم واپس کر دیا جب حضرت ابو عبداللہؒ واپس تشریف لائے تو شاگرد

نے آپ سے صورتِ حال بیان کی۔ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم نے برا کیا وہ مجوسی تو ایک سال سے میرے ساتھ یہی معاملہ کرتا چلا آرہا ہے اور میں خاموشی سے اجرت لے کر کنویں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ یہ کسی اور مسلمان کو دھوکا نہ دے سکے۔ واہ سبحان اللہ......

(احیاء العلوم)

از: فرح ناز، ملکوال

اے کاش

اے کاش حاجیوں میں میرا شمار ہوتا
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار زار ہوتا
روتی ہوئی میں جاتی طیبہ کے گھومنے کو
سرور جا کے ہوتی جالی کے چومنے کو
جاں کو نثار کرتی دل شاد میرا ہوتا
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار، زار ہوتا
انوار تیرے در کے دل میں سمیٹ لیتی
غم زیست کے میں سارے پل میں لپیٹ لیتی
آنکھوں کے سامنے جب وہ غمخوار ہوتا
سفرِ مدینہ ہوتا دل زار زار ہوتا

از: کوثر خالد، جڑانوالہ

کوشش ہے شرط

جب کوئی بندہ صبح ہوتے ہی کلمہ پڑھ کر اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ کے احکامات کے مطابق دن گزارتا ہے، رات کو سوتے وقت بھی اللہ کو یاد کرتا سنتوں پر عمل کر کے اللہ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے اپنے اس بندے کو بھول سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایسا رحیم اور کریم ہے کہ اپنے بندے کے ایک اچھے عمل کا دس گنا زیادہ ثواب عطا کرتا ہے۔ بس کوشش شرط ہے۔

از: رفعت مبین رفی، یو ایس اے

برسات

وہ گزرے برس کی پہلی رات
جب میں اور تم ساتھ تھے
وہ سہانی شام
جب تم بھیگی بھیگی سی
شرمائی اور تھوڑی، تھوڑی گھبرائی سی
میرے بہت پاس تھیں
مجھے آج بہت یاد آئی
وہ گزری شام
کیونکہ اس برس، برسات کی پہلی شام مجھے
ویران کر گئی
بارش جھل تھل برس گئی
تم بن

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

یاد رکھنا

☆ انسان کی فطرت اس کے چھوٹے، چھوٹے کاموں سے معلوم ہوتی ہے۔

☆ اچھی بات چاہیے کوئی کہے اپنے پلے سے باندھ لو اور کیونکہ جب موتی کی قیمت مقرر کی جاتی ہے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اسے سمندر کی تہ سے لانے والا شریف ہے یا ذلیل۔

☆ چھوٹے، چھوٹے اخراجات کا خیال رکھو...... معمولی سا سوراخ بہت بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔

مرسلہ: نور افشاں، شکار پور

غزل

اپنا دکھ سنا چکی کب کی
میں اسے آزما چکی کب کی
میری قسمت میں اس کا پیار نہیں
ہاتھ اپنا دکھا چکی کب کی
اب تم آئے ہو لے کے سازِ حیات
گیت سارے میں گا چکی کب کی
اس کے دل کا مکان چھوڑ دیا
پاس اپنے میں آ چکی کب کی
سانس لیتی تھی دیکھ کر جس کو
میں وہ چہرہ بھلا چکی کب کی
جتنے بھی آس کے پرندے ہیں

اپنے دل سے اڑا چکی کب کی
ڈھونڈ سکتا نہیں وہ تمثیلہ
مجھ کو تنہائی کھا چکی کب کی

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

اقوالِ زریں

☆ تکبر سے پاک گفتگو، مفاد سے پاک محبت، لالچ سے پاک خدمت اور خود غرضی سے پاک دعا سچے رشتوں کی دلیل ہے۔

☆ زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی اسے آسان بنانا پڑتا ہے، کچھ نظر انداز کر کے کچھ برداشت کر کے۔

☆ اچھی کتابیں اور سچے دل ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔

☆ اچھے لوگوں کی یہ خوبی ہے کہ ان کو یاد نہیں رکھنا پڑتا وہ خود یاد رہ جاتے ہیں۔

مرسلہ: غزل شاہین، رحیم یار خان

ایک لڑکی تھی

عجب لڑکی تھی رہتی تھی بس خیالوں میں
وہ ضرب کرتی تھی تقسیم کے سوالوں میں
کلاس روم میں پنسل تلاش کرتی تھی
وہ بھول جاتی تھی اس کو لگا کے بالوں میں
اس کی آنکھوں سے ظاہر تھی ہر اک بات جسے
وہ بند رکھتی تھی دل کے ہزار تالوں میں
وہ پیار چھوٹوں سے، عزت بڑوں کی کرتی تھی
نہ میں بچوں میں آسکا نہ عمر والوں میں
نہ جانے اب بھی اگر دل کی باتیں پڑھ نہ سکے
تو ہم نے سیکھا کیا زندگی کے اتنے سالوں میں

انتخاب: مہوش جواد، چوک اعظم لیہ

بہت اچھا تھا وہ

آئندہ کسی کے مرنے پر اس کی تعزیت ممکنہ طور پر کچھ اس طرح کی ہوا کرے گی۔

مرحوم بہت ہی اچھا انسان تھا، ہمیشہ آن لائن رہتا تھا، ہر ایک کی ریکوئسٹ ایکسیپٹ کر لیتا تھا۔ کبھی اپنے کمنٹس سے کسی کو تکلیف نہیں دی۔ اس کی پوسٹیں بڑی جاندار ہوتی تھیں، بڑے دل کا مالک تھا، کبھی کسی کو بلاک نہیں کیا۔ دوستوں کی سیلفیز دل کھول کر لائک کرتا تھا۔ امیروں سے شیئر اور غریبوں کو ٹیگ کیا کرتا تھا۔ ہر گروپ کا ممبر تھا، جب موت آئی تب بھی فیس بک پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ بہت ہی اچھا آدمی تھا۔

از: یاسمین حیدر، کراچی

شاپنگ

فرمائشیں تو ان کی ہیں باقی ابھی بہت
کہتا ہے کون، قرض کی حاجت نہیں مجھے
شاپنگ کا وہ حکم کرے اور کروں میں دیر
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

از: ساجد ظفر، کمالیہ

سچی گل اے

افسر نے فائل سے نظریں اٹھائے بغیر انٹرویو لیتے ہوئے پوچھا۔ ”ہاں تو آپ کو کیا معذوری ہے؟“

”آپ دیکھیے...... میری یہ ٹانگ، ایک حادثے میں اڑتے اڑتے رہ گئی تھی۔ اس لیے کہ میرے کہنے سے نہیں چلتی ہے...... جب اس کا دل چاہتا ہے چلتی ہے۔ حادثے کی وجہ سے ابنارمل ہوگئی ہے بلکہ معذور ہی سمجھیں آپ۔“

”ٹھیک ہے آپ کو ابھی لیٹر مل جائے گا یہ سرکاری نوکری ہے دفتری اوقات صبح نو بجے سے پانچ بجے تک کے ہیں، آپ گیارہ بجے آجائیں اور ظہر کی نماز کے وقفے میں گھر چلے جائیں۔ آپ کی ٹانگ ابنارمل ہے، ہم لوگ تو باہر گھوم پھر لیتے ہیں۔ آپ کہاں گپیں مارنے جائیں گے...... سرکاری نوکری ہے، مزے کریں۔“

مرسلہ: صبا نور، لیہ

لوٹ آنا

اداس راتوں کی سسکیوں میں
کبھی جو میرا خیال آئے

تو بیتے لمحوں کو یاد کر کے
انہی فضاؤں میں لوٹ آنا
تم آیا کرتے تھے خواب بن کر
کبھی مہکتے گلاب بن کر
میں خشک ہونٹوں سے جب پکاروں
انہی اداؤں میں لوٹ آنا
میری وفاؤں کا پاس رکھنا
میری دعاؤں کی لاج رکھنا
میں خالی ہاتھوں کو جب اٹھاؤں
میری دعاؤں میں لوٹ آنا......

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

اسے کیا کہیے

معزز صارف!
پی ٹی سی ایل میں کال کرنے کا شکریہ۔
اردو کے لیے ایک دبائیں۔
انگریزی کے لیے دو دبائیں۔
براڈ بینڈ کے لیے تین دبائیں۔
اسمارٹ ٹی وی کے لیے چار دبائیں۔
فون کی شکایت درج کرانے کے لیے پانچ دبائیں۔
آپ کی کال کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کی کال ریکارڈ کر لی گئی ہے۔
وقت ملنے پر ہمارا نمائندہ آپ کی کال اٹینڈ کرے گا۔
مزید معلومات کے لیے ہمارے جواب کا انتظار کرتے ہوئے اپنا سر دبائیں یا پھر گلا......
پی ٹی سی ایل میں کال کرنے کا شکریہ
میوزک......

تحریر: فریدہ افتخار، اسلام آباد

میاں جانی تم ہی تو ہو

میرے دل کا دروازہ بہت بلند اور اس کی دیواریں بہت مضبوط تھیں، نہ تو کوئی اس کے دروازے تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس کی دیواریں توڑ سکا لیکن یہ صرف تم ہی تو ہو کہ جو اپنے اور میرے والدین کو سیڑھی بنا کر آسانی سے میرے دل تک تو کیا میرے دل کے اس کونے تک پہنچ گئے جس کو میں نے دیکھا تک نہیں تھا۔ اب تم میرے دل کی دھڑکن ہو اور تم جانتے ہو کہ دل دھڑکنا بند کر دے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے تم ہی تو ہو میری آن بان اور شان...... بلکہ میرے پرنس ہو......

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

محنت سے کامیاب منزل

آج کل اکثر بچے تعلیم کے معاملے میں بے حد پریشان نظر آتے ہیں۔ میں ان کو مشورہ دوں گی کہ اپنے اندر محنت کا فارمولا ڈالیں اور مایوسی چھوڑ دیں۔ مایوسی و کاہلی ان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اپنے اندر سے لفظ کاش کو نکال دیں۔ اس فارمولے کو ساتھ لیں کہ ہاں میں بھی ایسا بن سکتا ہوں۔ محنت، جذبہ، سچائی کو ساتھ لیں، اللہ پر پختہ یقین اور بھروسا کریں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ محنت کریں اور آپ کو صلہ نہیں ملے۔

از: مشیرہ سحر، میانوالی

قابل غور

☆ سب سے جلدی راضی ہونے والی ہستی اللہ پاک کی ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس سے بڑھ کر اور عطا کیا ہو گی۔ کام کیسے رک سکتا ہے۔

☆ سب سے بڑا سہارا...... اللہ!
☆ سب سے بڑی نعمت...... تندرستی!
☆ سب سے بڑی دولت...... سچا دوست!
☆ سب سے اچھا ہنر...... محنت!
☆ سب سے بڑا طبیب...... پرہیز!
☆ سب سے بڑا جنون...... محبت!
☆ سب سے بڑا یقین...... توکل!
☆ سب سے بڑا گناہ...... دل آزاری!
☆ سب سے بڑا انعام...... دعا ہے!

اپنے پیاروں کو پُر خلوص دعاؤں کا تحفہ دیں۔

از: نگینہ ضیا، کیماڑی

جلترنگ

انجم انصار

کبھی جان لیں تو

یہ بات نہیں تھی کہ سنجیدہ بھابی کو کوئی بات معلوم نہ ہو، وہ اڑتی چڑیا کے پر بھی گن لیتی تھیں اور رہی بات معلومات کی تو اس کا تو ان کے پاس خزانہ تھا۔

"بڑی چچی نے رخسانہ کے جہیز میں پہنے ہوئے چیکٹ کپڑے تک دیے ہیں۔"

"تو کیا ان کی سسرال والوں نے پہچان نہ لیے ہوں گے، ان کے ہاں تو ایک سے ایک کائیاں (چالاک) ہیں۔" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"مگر بڑی چچی سے تو سب ہی کم ہیں ناں انہوں نے پلاسٹک میں سوٹ رکھ کر آگے سے مشین سے بخیہ کر دیا اب تھیلیاں پھاڑنے کا زمانہ تو آج سے تیس سال پہلے کا تھا اب کہاں رہا ہے۔"

"بڑے خالو، خالہ کے چہلم میں اپنے لیے لڑکی دیکھ رہے تھے۔"

"بھابی شرم کریں کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... بڑے خالو پچھتر اور اسّی کے درمیان ہوں گے۔ اس عمر میں عقد کریں گے کیا وہ؟" مجھے ان کی بات سن کر غصہ تو آ گیا تھا۔

"بڑے خالو کس قدر بیمار رہتے ہیں شوگر کے مریض، بلڈ پریشر کے مریض، ڈپریشن انہیں نہیں ہے مگر وہ دوسروں کو تو ڈپریشن میں مبتلا کر دیتے ہیں کیا اتنی ساری بیماریاں کافی نہیں ہیں؟ ان کی شادی ہو جائے گی۔" سنجیدہ بھابی شگفتہ بنی کہہ رہی تھیں۔

"نہیں ہو سکتی ان کی شادی، آپ خواہ مخواہ میں ہمارے خاندان والوں کا مذاق مت اڑایا کریں۔"

"یہ تو تم مانو گی ناں کہ تمہارے بڑے خالو پیسے کے ہوتے ہوئے بھی خاصے کنجوس ہیں بلکہ مہا کنجوس ہیں۔"

"یہ کوئی ایسی برائی نہیں ہے کہ اکثر حد سے زیادہ سلیقہ مند لوگ اسی کیٹیگری میں آتے ہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں وہ اپنے لیے نرس رکھیں گے نہیں کہ آٹھ گھنٹے کی دیکھ بھال کے وہ دس سے بیس ہزار کے درمیان لے گی اگر چوبیس گھنٹے کی دیکھ بھال کے لیے خاندان کی کوئی غریب بڑھیا مل جائے تو ان کی دیکھ بھال کے ساتھ، ساتھ مزے، مزے کے کھانے بھی پکا کر انہیں کھلائے تو کون سی بڑی بات ہو گی۔"

"وہ جانیں اور ان کے معاملات آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے... کہ کسی کے بارے میں بے پر کی اڑائیں؟"

"نواب اخبار پڑھنا تو چھوڑ دیا ہے کہ پڑھ کر سر میں درد ہوتا ہے، ارد گرد کی خبریں سن کر اگر مسکرا لیں تو کیا مضائقہ ہے۔" وہ دو گز کا قہقہہ لگا کر کہتیں۔

"بھابی! آپ صرف نام کی ہی سنجیدہ ہیں جبکہ حقیقت میں ہر ایک کو رنجیدہ کرنا جانتی ہیں۔"

"اے لو مجھے کیا معلوم کون کس بات سے چڑتا ہے اور کس بات سے الجھتا ہے، نہ ہی مجھے کسی کی چوکسی کرنے کی عادت ہے اور نہ ہی کن سوئیاں لینے کی ورنہ برا مت ماننا تمہارے گھر کے لوگوں نے میرے خط تک کھول، کھول کر پڑھے اور ٹیلی فون تو ٹیپ تک کیے گئے جیسے میرے پاس آپ لوگوں کی باتوں کے سوا بولنے کے لیے کوئی موضوع ہی نہیں ہو۔" سنجیدہ بھابی لگیں شکایتیں کرنے۔

"بعض لوگوں کو بڑائی راس ہی نہیں آتی تو کیا

کریں۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''اس میں برائی کی بات کہاں سے آ گئی؟'' ان کا لہجہ تک حیران تھا۔

''فون صرف بڑے لوگوں کے ٹیپ ہوتے ہیں اور ان کو سن کر ان کو سزائیں دلوائی جاتی ہیں، ایک ہم ہیں مجال ہے کہ کبھی آپ کی بات آپ کے سامنے دُہرائی بھی ہو۔ ہم تو صرف ہنسنے ہنسانے کے لیے آپ کے فون سن لیتے تھے کہ ذرا دل پشوری ہو جاتی تھی۔''

''مگر ہے تو بات غلط ناں......'' وہ کسی اڑیل گھوڑے کی طرح ڈٹی ہوئی تھیں۔

''پیاری بھابی! اب غلط اور صحیح میں کوئی خاص فرق نہیں رہا ہے جو بات آپ کے لیے غلط ہے وہ ہمارے لیے صحیح اور جو بات کسی تیسرے کے لیے غلط ہو وہ ہو سکتا ہے ہم دونوں کے لیے صحیح ہو ایسے حالات میں بحث کرنا فضول ہی ہوتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ کی مصلحت بعض مرتبہ سمجھ میں نہیں آتی کیا تھا کہ میری شادی نہ ہوتی مگر بعض مرتبہ گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے جب ہی تو میری شادی بھڑوں کے چھتے جیسے خاندان میں ہوئی اور میاں بھی ایسا کاٹھ کا اُلو ملا جسے اپنی عقل کے بجائے اپنی ساتوں بہنوں کی عقلوں پر زیادہ بھروسا ہے مجال ہے کہ کبھی وہ میری بات سن کر اس پر عمل پیرا بھی ہو سکیں شادی کو بارہ برس بیت گئے مگر حالات جوں کے توں ہی ہیں۔''

''اپنی نندوں تو کیا پوری سسرال پر تم کتنی حاوی ہو اس کا اندازہ اپنی تقریروں سے لگانا جو صبح سے شام تک تم اپنی سسرال میں بیٹھ کر کرتی ہو۔'' میں نے غصے سے بپھر کر کہا۔

''اے ہے، یہ کیا کہہ رہی ہو تم۔ میں تو اسکول سے کالج تک ایک اچھی مقررہ رہی ہوں یہ وصف کوئی تم لوگوں نے تو مجھے عطا نہیں کیا۔''

''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ آپ کی کندھوں پر پڑی زبان جو آپ میکے سے لے کر آئی تھی وہ اب بھی آپ کے کندھوں پر ہی پڑی ہے ظالم سسرال والوں نے کاٹی



سونی آنکھیں اجڑی کلائی پھیکی عید
بن تیرے ہو کیسے ساجن میری عید

نہیں ہے۔''

''اللہ، کیسے، کیسے ارمان ہیں تم لوگوں کے دلوں میں۔''

''تمہارے میاں نے تمہاری چٹیا کاٹ دی جسے تم پر کٹی کہلا کر ماڈرن ہونے کا بہلاوا لے لیتی ہو مگر عزائم بڑے زہریلے رکھتی ہو۔''

''عزائم اور عمل میں سمندر کے دو پاٹوں کا فاصلہ ہوا کرتا ہے اس لیے کسی کے عزائم جان کر اس سے نفرت کرنی چاہیے کہ عمل کرنے کا اختیار بعض مرتبہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ میں نہیں آتا۔ ہمارے وار سے کوئی اگر بچ جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مارنے والے سے تو بچانے والا بڑا ہے جو ہر شے پر قادر ہے۔ ہم جو زمیں پر اکڑ کر چلتے ہیں۔ بکواس کرتے پھرتے ہیں۔ اپنی اوقات نہیں جانتے۔'' میں نے کہا۔

''کاش کبھی جان لیں تو اپنی زبان کو اپنے دانتوں سے دبا کر رکھیں گوشت کی یہ زبان جس

میں بڑی نہیں ہوتی مگر گفتگو کے زہر سے اتنی سخت ہو جاتی ہے کہ کسی کے بھی دماغ کی ہڈی توڑ سکتی ہے۔"

شادی کے نئے نکور سے کارڈز

"آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی......

مورخہ 12 ستمبر کو ٹینا کی جی سے شادی فلاں ہال میں ہو رہی ہے، جو آپ کی رہائش سے قریب ترین ہے، نیوتا پانچ ہزار روپے سے زائد دینے والے ولیمے کی تقریب کا کارڈ حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک ہزار کم دینے والے مہمان تقریب میں ہرگز شرکت نہ کریں...... ورنہ......"

اہلِ دل مہمانوں کے منتظر: مسٹر اینڈ مسز ایکس وائی

☆☆☆

"ہمارے پیارے بیٹے شہزاد کا ولیمہ فلاں فائیو اسٹار ہوٹل میں ہو رہا ہے۔ بچوں کو لانا منع ہے، مرد حضرات کے لیے سیاہ ڈنر سوٹ پہننے کی پابندی ہوگی، ہاں خواتین اپنی پسند کے ملبوسات میں آسکتی ہیں۔"

نوٹ: تحائف دینے کے بجائے صرف کیش میں اپنا نیوتا والدہ شہزاد کو دیا جائے، جو استقبالیہ پر موجود ہوں گی۔ (ان کی شناختی علامت گلابی ساڑی، بڑا سا پرس اور دائیں ہاتھ میں موٹا سا کڑا ہے۔)

منتظر: مسٹر اینڈ مسز شہزاد

☆☆☆

"ہماری پیاری بیٹی رضیہ سلطانہ کی رسم رخصتی گھر سے ہو رہی ہے۔ سنگل بلاوا ہے رخصتی کی تقریب رات کے بارہ بجے ہے۔ آپ پونے بارہ بجے تشریف لائیں ایک ہاتھ سے اپنا نیوتا دیں اور دوسرے ہاتھ سے برگر اور جوس کا پیکٹ حاصل کریں، آپ کی چند منٹوں کی یہ شرکت ہمارے لیے نہایت صد افتخار ہوگی۔ شکریہ......"

شرکت کے متمنی: مسٹر اینڈ مسز تجمل

☆☆☆

"بفضلِ خدا ہمارے پیارے بیٹے کی دوسری شادی ہو رہی ہے۔ آپ اس خوش قسمت تقریب میں شرکت کر کے اپنے لائحہ عمل پر بھی سوچ بچار کر سکتے ہیں۔ ہماری ہونے والی بہو ایک نامی گرامی پرائیویٹ کالج کی پروفیسر ہے۔ اس کے کالج میں داخلہ لینے والوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔"

استقبالیہ: پہلی والی کے سب بچے، منتظر: والدین

☆☆☆

"ہمارے پیارے بھائی گڈو کی شادی ٹی وی اسکرین کی شہزادی مس گلابو سے ہو رہی ہے۔ شادی کی تقریب میں ٹی وی اور فلم کے نامی گرامی فنکار شرکت کریں گے، جہاں آپ اپنے پسندیدہ فنکاروں سے آٹو گراف بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ شادی کے کارڈز اگر آپ اپنے دوستوں کو بھی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ فی کارڈ ایک ہزار ہے، شادی میں آنے والوں سے نیوتا ہمارا اپنا گارڈ وصول کرے گا۔ برائے مہربانی اپنے لفافے کھلے دیں کیونکہ ہمارے گارڈز لفافے چیک کر کے ڈالیں گے۔

انتظامیہ: شادی کمیٹی

☆☆☆

"یہ اطلاع انتہائی خوشی کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ ہماری لاڈلی بیٹی شادی کرنے پر رضامند ہوگئیں۔ نواب فیملی سے تعلق رکھنے والے شہزادے گلفام نے گھر داماد کی شرط قبول کر لی ہے وہ آئندہ اتوار رخصت ہو کر ہمارے دولت کدہ میں آجائیں گے۔ آپ سے التماس ہے کہ خوب صورت بوکے، تائس تہنیتی کارڈز اور اعلیٰ تحائف کے ہمراہ دونوں کو دعا دینے کے لیے گیارہ بجے شب تشریف لائیں۔ شکریے اور کولڈ ڈرنکس کے ساتھ ہم آپ کو الوداع کہیں گے۔"

"نوٹ: تمام مدعوئین اور ان کے تحائف کی فلم ٹی وی کے فلاں چینل پر بھرپور دکھائی جائے گی۔

اچھے کلوز اپ دینے والی خواتین ٹی وی کے ڈراموں میں اپنی قسمت کے طفیل چانس بھی حاصل کر سکتی ہیں۔

☆☆☆



☆ مسز خدیجہ جمیل......لاہور

کچھ دیر جلتا رہتا ہواؤں کے رُوبرو
گھر کے دیے سے اتنی مروّت نہ ہو سکی

☆ ایمن زرناب......کمالیہ

ایک ہمیں آوارہ کہنا، کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

☆ کائنات عبدالحلیم......میر پور خاص

تمہارے غم سے جب اپنوں کی آنکھیں نم نہیں اکبر
تو پھر یہ پوچھتے کیوں ہو کہ بیگانوں پہ کیا گزری

☆ غزالہ طاہر......سرگودھا

اسی میں خوش ہوں میرا دُکھ کوئی تو سہتا ہے
چلی چلوں گی جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے
میرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

☆ ارم کمال......فیصل آباد

بات اتنی ہے کہ اِک موڑ پہ رستہ بدلا
دو قدم ساتھ چلا وہ بھی ہزاروں کی طرح
بادباں کھولے جو میں نے تو ہوائیں پلٹیں
دور ہوتا گیا اِک شخص کناروں کی طرح

☆ لائبہ کائنات......نیو کیمپس لاہور

وہ مجھ کو دیکھ کے برستا تھا بادلوں کی طرح
میں زخم، زخم تھا پر پھر بھی اعتدال میں تھا

☆ نازیہ نزی ...... نوشہرہ کینٹ

میری آنکھوں میں نمی بڑھ رہی ہے
پھر بھی پیاسے اور تشنہ کام ہیں ہم

☆ عنبر وسیم......گوجرانوالہ

رستہ کہاں سورج کا کوئی روک سکا ہے
ہوتی ہے کہاں رات کے زنداں میں سحر بند

نرگس تسیم......صوابہ موہڑہ

تری جدائی سے چھائی ہوئی ہے تاریکی
رہِ وفا کے مسافر تجھے خبر بھی ہے

☆ امینہ مشیر......نئی دہلی

اثر کرے نہ کبھی موسموں کی بے رحمی
خدا رکھے میرے خوابوں کا یہ شجر باقی

☆ صائمہ سجاد بخش......کوہاٹ

روشن ہے تنہائی جب سے یہ معلوم ہوا
میرے لیے اپنی پلکوں پر تم بھی دیپ جلائی ہو

☆ عرشیہ جنید......کراچی

میں فنا ہو گیا افسوس وہ بدلا بھی نہیں
میری چاہت سے بھی سچی رہی نفرت اس کی

☆ صبا سجاد......دبئی

یونہی نہیں بہار کا جھونکا بھلا لگا
تازہ ہوا کے، یاد پرانی بھی ساتھ ہے

☆ نگہت غفار......کراچی

وہ جو نکلا ہے سکوں ڈھونڈنے صحراؤں میں
کیوں نہ اس کو دلِ وحشی میں جگہ دی جائے

☆ نیلوفر خان......بہارہ کہو

یہ بوند بوند سی بارش کسی کی یادوں کی
میرے یقین کا کچا مکاں گرائے گی

☆ نگہت آصف......اسلام آباد

ہم شہرِ بے وفا میں وفا ڈھونڈتے رہے
حیرت میں اِک جہاں ہے کہ کیا ڈھونڈتے رہے
لمحوں میں کر گیا تھا جو برباد بستیاں
ہم مدتوں وہ دستِ قضا ڈھونڈتے رہے

☆ ایمان چوہدری......فیصل آباد

مجھے آج کل اسی پتھر کی ہے تلاش
جو لوگ اکثر دل پر رکھ کر کسی کو بھول جاتے ہیں

☆ممتاز خانم......کراچی
بارش کی دعاؤں میں نمی آنکھ کی مل جائے
جذبے کی کبھی اتنی رفاقت بھی بہت تھی
کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

☆راحیلہ مہر علی شاہ......گاؤں آما خیل
پہلی سی بات جذب محبت میں اب کہاں
وہ پھیرلے جو اپنی نظر مجھ کو اس سے کیا
میں بھی بدل کے دیکھ لوں اپنا مکاں کہیں
بدلے اگر وہ راہ گزر مجھ کو اس سے کیا

☆جبیں نیاز......ملتان
عزم راسخ ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

☆رفعت محمد یونس......ملتان
ہے میرے چاروں طرف بھیڑ گونگے بہروں کی
کسے خطیب بناؤں کسے خطاب کروں
یہ زندگی جو مجھے قرض دار کرتی رہی
کہیں اکیلے میں مل جائے تو حساب کروں

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ
تصور تیرا جو مجھے چھو جائے
میری ہر سانس سے تیری خوشبو آئے
یہ کس موڑ پہ لے آئی ہے جستجو
پانی میں عکس میرا ہو اور نظر تو آئے

☆مسز فرح امجد......ٹاؤن شپ لاہور
تبسم سے کہو ہونٹوں تک نہ آنے پائے
ہم نے تو اس سے کب کی عداوت کرلی

☆کرن کمال......فیصل آباد
وہ مسکرائیں تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے
وہ ہونٹ، ہونٹوں پہ رکھ دے اگر دمِ آخر
مجھے گماں ہے کہ آئی قضا ٹھہر جائے

☆نائمہ تحریم......کراچی
بے درد زمانے کو ہے ہنس دینے کی عادت
ہر اک سے بیانِ دردِ کی روداد نہ کرنا
پھر اشک بہانے کی اجازت بھی نہ ہوگی
دل خون بھی ہوجائے تو فریاد نہ کرنا

☆عروج نیازی......ڈی آئی خان
ضرورت توڑ دیتی ہے غرورِ بے نیازی کو
نہ ہوتی کوئی مجبوری تو ہر بندہ خدا ہوتا

☆ثوبیہ ظہور......ضلع اٹک
نہ گھر ہی یاد ہے اب تو نہیں نہ اپنا پتا
تیری تلاش میں نکلے تو کھو دیا خود کو

☆رفعیہ ابدالی......کراچی
ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر
درخت مل کے نہاتے ہیں تیز بارش میں
اور ابر دور سے تصویر کھینچ لیتا ہے

☆صائمہ ساجد......کوئٹہ
روز تاروں کی نمائش میں خلل پڑتا ہے
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے
اُن کی یاد آتی ہے اے سانس ذرا آہستہ چل
دل کے دھڑکنے سے عبادت میں خلل پڑتا ہے

☆نادیہ عرفان......اسلام آباد
آدمی زینۂ افلاک پہ چڑھ سکتا ہے
اور کچھ چاہے تو کچھ اور بھی بڑھ سکتا ہے
دل کو آئینہ کے مانند اگر صاف رکھے
لوحِ محفوظ کی تحریر بھی پڑھ سکتا ہے

☆عالیہ آغا......لندن
ایک انسان ہے اور اس کی ہزاروں قسمیں
کوئی مروباہ، کوئی گرگ، کوئی ضیغم ہے

☆☆☆



آسان ران روسٹ

اشیا: بکرے کی ران یا دستی (اضافی چربی صاف کرلیں) نمک، حسبِ ذائقہ۔ پیاز، دو عدد (درمیانی باریک کاٹ لیں) پسا گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ سرکہ، ایک پیالی۔ دہی، ایک پیالی۔ لہسن، ادرک، کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: ران کو صاف کر کے خشک کرلیں اور پھر سرکے میں ڈبو کر دو سے تین گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پیاز گولڈن کر کے چورا کریں اور دہی، نمک، گرم مسالا اور لہسن، ادرک کے پیسٹ کے ساتھ خوب پیس لیں۔ ران کو سرکے سے نکال کر خشک کرلیں اور اس پر یہ آمیزہ اچھی طرح لیپ دیں بلکہ کانٹے کی مدد سے گود دیں۔ دو گھنٹے کے بعد اوون میں بیک کریں یا ایک بڑے دیگچے کے اندر اسٹینڈ پر رکھ کر اور دو جگ پانی ڈال کر ڈھکن بند کر کے درمیانی آنچ پر رکھ دیں۔ ایک گھنٹا پکائیں اور پانی خشک کرلیں چیک کرلیں کہ گوشت گل گیا ہو تو اتارلیں۔ مزیدار روسٹ تیار ہے۔

مرسلہ: کلثوم عباس، کراچی

بھنی کلیجی چینی طریقے سے

اشیا: بکرے کی کلیجی، آدھا کلو۔ کارن فلور، ایک کھانے کا چمچ۔ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ۔ پانی، آدھا کپ۔ سرکہ، ایک کھانے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ چینی، آدھا چائے کا چمچ۔ ہری پیاز، بارہ عدد۔ (باریک لمبی کاٹ لیں) سیاہ مرچ، حسبِ پسند۔

ترکیب: کلیجی کو دھو کر باریک، باریک لمبائی کے رخ Strips کاٹ لیں۔ اس پر سوکھا کارن فلاور، سرکہ، سویا ساس اور چینی لگا کر رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے کلیجی کو فرائی کرلیں۔ کٹی ہوئی ہری پیاز بھی شامل کردیں۔ چند منٹ پکائیں۔ نمک اور کالی مرچ آخر میں چھڑک کر اتارلیں اور گرم، گرم پیش کریں۔

مرسلہ: منیزہ نعیم، راولپنڈی

پشاوری کڑاہی

اشیا: گوشت، آدھا کلو۔ ٹماٹر، ایک پاؤ۔ نمک، حسبِ پسند۔ دھنیا، کٹا ہوا۔ ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کالا زیرہ، ایک چوتھائی چائے کا چمچ۔ کالی مرچ، پسی ہوئی، حسبِ پسند۔ دہی، دو کھانے کے چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ لال مرچ پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچ۔ پیاز، ایک عدد (باریک کاٹ لیں) ادرک، لہسن پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ ہرا دھنیا، آدھی گڈی۔ گرم مسالا، پسا ہوا ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: کڑاہی میں دہی، گرم مسالا اور ہرا دھنیا کے سوا تمام اجزا ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں جب گوشت گل جائے تو اس میں گرم مسالا ڈالیں اور مزید پندرہ منٹ تک پکائیں پھر دہی ڈالیں اور آخر میں ہرا دھنیا ڈال کر دم پر رکھیں۔

مرسلہ: عمارہ خان، پشاور

پٹھانی کباب

اشیا: بیف قیمہ، آدھا کلو۔ چنے کا آٹا، چھ چائے کے چمچ۔ لال مرچ، ایک چائے کا چمچ۔ ٹماٹر، تین عدد۔ پیاز، تین عدد۔ لہسن، دس جوے۔ ادرک، ایک انچ کا ٹکڑا۔ انار دانہ، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا، آدھی گڈی۔ نمک، حسبِ ضرورت۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ تیل، فرائی کے لیے۔

ترکیب: قیمہ باریک پیس لیں۔ ادرک، لہسن، گرم

مسالا، چنے کا آٹا، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا اور انار دانہ ایک ساتھ گرائنڈ کرلیں۔ اب اس مکسچر کو قیمے میں مکس کرویں اور بیضوی شکل کے کباب بنالیں۔ ایک بڑا پین لیں اسے پانی سے آدھا بھرلیں پھر اس کے ڈھکن کے اطراف کپڑا لپیٹ کر اسے مضبوطی سے بند کر کے چولھے پر رکھ کر پانی ابلنے دیں۔ جب دھواں نکلنے لگے تو ڈھکن کے کپڑے پر کباب رکھ کر اوپر ایک ڈش الٹ دیں تاکہ کباب دھواں بھاپ میں پک جائیں۔ جب کباب اچھی طرح تیار ہو جائیں تو پین کو آگ پر سے اتار لیں۔ اب ایک فرائی پین میں تیل گرم کر کے ان کبابوں کو فرائی کرلیں پھر ان کبابوں کو ایک سرونگ پلیٹ میں نکال کر کٹے ہوئے ٹماٹر، پیاز اور انار دانے کے ساتھ سرو کریں۔

مرسلہ: تحسین عباس عابدی، حیدرآباد

میکسیکن ڈش

اشیا: تیل، چھ کھانے کے چمچ۔ درمیانی پیاز، دو عدد۔ (موٹی موٹی کٹی ہوئی) ادرک، ایک انچ کیوب (چھیل کر موٹی موٹی کٹی ہوئی) خشک لال مرچیں، چار سے چھ عدد۔ لہسن، دو بڑے جوے (چھیل کے کچلے ہوئے) تازہ ہری مرچیں، ایک تا دو (لمبائی میں کٹی ہوئی) زیرہ، پسا ہوا تین کھانے کے چمچ۔ دھنیا، پسا ہوا ایک کھانے کا چمچ۔ سرخ مرچ، (پسی ہوئی) آدھا یا ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی، (پسی ہوئی) ایک چائے کا چمچ۔ بکرے کی ران یا دستی کا گوشت، ایک کلو۔ (چربی نکال کر آدھا انچ کے کیوبز میں کاٹا ہوا) گرم پانی، 175 ملی لیٹر یا 6 اونس (محلول) گرم مسالا ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: پھر درمیانی آنچ پر دی گئی مقدار میں سے تین کھانے کے چمچ کے برابر تیل گرم کرلیں اور پیاز، ادرک، لہسن اور ہری مرچوں کو بھونیں یہاں تک کہ پیاز نرم ہو جائے۔ اس میں آٹھ یا دس منٹ لگیں گے۔ تاہم چمچ چلاتے رہیں۔۔۔ آنچ سے اتار کر ٹھنڈا ہونے دیں۔ اس دوران درمیانی آنچ پر باقی ماندہ تیل گرم کریں۔ کچلے ہوئے لہسن اور ہری مرچوں کو بھونیں یہاں تک کہ لہسن کا رنگ سنہرا ہو جائے۔ نصف ٹماٹر ڈالیں۔ چمچ چلا کر ایک تا دو منٹ پکائیں۔ زیرہ، دھنیا، پسی ہوئی مرچ اور ہلدی ڈالیں اور آنچ کو کم پر لے آئیں اور چھ تا آٹھ منٹ پکائیں اور زیادہ تر چمچ چلاتے رہیں۔ گوشت ڈالیں اور آنچ ہلکی ہی رکھیں۔ چمچ چلا کر بھونیں یہاں تک کہ گوشت کا رنگ بدلنے لگے۔ (اس میں پانچ تا چھ منٹ لگیں گے) پانی ڈال کر گوشت ایک مرتبہ ابال لیں پھر ڈھانپ کر تیس منٹ تک آہستہ آہستہ پکائیں الیکٹرک بلینڈر یا فوڈ پروسیسر میں بھنی ہوئی پیاز کا آمیزہ ڈالیں اور باقی ٹماٹر ڈالیں۔ یکجان ہونے تک ملالیں اور اسے گوشت میں ڈال کر پکالیں۔ نمک ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ پین کو ڈھانپ کر مزید 35 سے 40 منٹ پکائیں یا جب تک گوشت گل نہ جائے پھر چمچ چلا کر گرم مسالا ملائیں اور آنچ سے اتار لیں۔ اسے خشک چاول کے ساتھ بھی کھاسکتے ہیں۔

مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

کریم کوکٹیل

اشیا: فریش کریم دو پیکٹ۔ دودھ، 1/2 لیٹر۔ چینی پسی ہوئی 6-8 کھانے کے چمچ۔ کارن فلور، دو کھانے کے چمچ۔ اسٹرابیری جیلی، ایک پیکٹ۔ بنانا جیلی، ایک پیکٹ۔ فروٹ کوکٹیل، ایک ٹن۔ ڈرائی فروٹ، حسب ذوق۔

ترکیب: فریش کریم کو ٹھنڈا کر کے بیٹ کرلیں۔ اسٹرابیری اور بنانا جیلی بنا کر سیٹ کرلیں۔ دودھ میں چینی ڈال کر ابالیں۔ کارن فلور تھوڑے سے دودھ میں گھول کر، ابلتے ہوئے دودھ میں ملا کر پکائیں اور پھر ٹھنڈا کرلیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس میں پھینٹی ہوئی کریم فولڈ کریں۔ پھر فروٹ (بغیر سیرپ کے) اور جیلی بھی ڈالیں اوپر سے نٹس سے گارنش کر کے جیلی سے ڈیکوریٹ کریں۔

مرسلہ: جبیں نیاز، ملتان

بالوں کے متعلق
ضروری معلومات

بال وہ بھی سر کے نہایت اہمیت کے حامل ہیں، یہ جسمانی حسن ہے جبکہ کالی گھٹائیں چھٹ جائیں اور چمکدار سطح (ٹنڈ) کی صورت میں سامنے ہو یا پھر سیاہ بدلی کے اوٹ سے کبھی، کبھی سفیدیاں جھلکنے لگیں۔ اس وقت انسان خصوصاً خواتین کا دل چاہتا ہے کہ کسی بھی علاج اور ٹوٹکے سے یہ عمل روک لیا جائے اور بادل کی کالی بدلی کبھی نہ چھٹے مگر ہائے رے افسوس ہزار ہا ترقی کے باوجود سفید بال نہ تو مستقل طور پر کالے ہوئے اور نہ ہی دوبارہ سر پر بہار آئی۔

بالوں کو تندرست، چمک دار، گھنے، صحت مند اور خوب صورت رکھنے کے لیے ضروری ہے انہیں جسم سے پوری غذا ملتی رہے اور ان کی مکمل نگہداشت کی جا رہی ہو۔ بال سیٹ کرنا یا اسٹائل بنوانا بالوں کی خوب صورتی میں اضافے کا باعث نہیں ہوتا بلکہ آپ کو صرف ایک نئی لک دیتا ہے۔ ایک کمزور صحت شخص خوب صورت بالوں کا مالک نہیں ہوسکتا۔

بالوں اور جلد کے امراض میں قابلِ ذکر مرض سر کی خشکی یعنی dandruff ہے، بقراط کی یہ چیز جلد سے رسنے والی ایک چکنی رطوبت Moist ہے جو جلد کی سطح پر جمع ہو کر جسم کی گرمی سے فوراً ہی خشک ہو کر بھوسی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کنگھا کرنے اور انگلیاں پھیرنے پر یہ پپڑی کی شکل میں جھڑنے لگتی ہے۔ تمام جلد کی طرح سر کی جلد میں بھی کچھ ایسے خاص غدود پائے جاتے ہیں جو یہ چکنی رطوبت بناتے ہیں، یہ قدرتی امر ہے اس سے جلد خشک نہیں ہوتی اور موسم کی شدت اور دیگر مسائل اثر انداز نہیں ہوتے۔ بعض حالات میں یہی رطوبت زیادہ بہنے لگتی ہے۔ اکثر تو پیشانی اور بھویں بھی متاثر ہو جاتی ہیں۔ اس کا سبب غیر معیاری اور غیر متوازن غذا اور نیند کی کمی ہے۔ زیادہ مرغن غذائیں اور مرچ مسالا جات نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحت کے اصولوں اور طریقوں سے ناواقفیت اور عدم توجہی بھی اس کا بڑا سبب ہے۔ آج کل کے نت نئے شیمپو اور صابن بالوں کی قدرتی کھٹاس کو کاٹتے ہیں، جس سے یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں کبھی حکما اور اطبا بالوں کو آملے، ریٹھے، سیکا کائی، ہڑ، بیڑا، ماش کی دال، بیری کے پتے، دہی، سرسوں کی کھلی، وغیرہ سے مساج اور دھونے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

فی زمانہ تیل لگانے کا رواج دم توڑ چکا ہے۔ ایسے میں بال کیسے لمبے کیے جائیں اس کے لیے عرض ہے کہ ریٹھے، آملے سے بہتر کوئی نسخہ نہیں۔ ایک تو کچھر لگانے کی بنا پر کنگھا کرنے کا رواج ہی ختم ہو گیا ہے۔ انگلیوں سے بال برابر کیے اور گول کر کے کچر لگا لیا۔ کنگھا یا برش کرنے سے سر کا دورانِ خون تیز ہوتا ہے اور بالوں کو غذا ملتی ہے۔ صاف بالوں میں تیل لگانا فائدہ مند ہے۔ نہ کہ ہفتہ بھر کے میلے بالوں میں تیل لگایا اور فوراً نہا لیے۔ آپ آملہ، ریٹھے، سیکا کائی ہم وزن لے کر رات بھر کے لیے بھگو دیں۔ صبح نتھار کر اس پانی سے سر دھولیں ہفتے میں تین دن یہ عمل کریں۔ غذا میں آئرن، سبز پتوں والی سبزیاں شامل کریں۔

☆☆☆



بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ فریدہ فری......لاہور

سوال: کہتے ہیں کہ سانپ کا ڈسا پانی نہیں مانگتا......اور انسان کا ڈسا؟

جواب: ہر چیز مانگتا ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ارم کمال......فیصل آباد

سوال: رانی کو نوکرانی کب بننا پڑتا ہے؟

جواب: جب بادشاہ سلامت بھی گھر میں غلام کی حیثیت رکھنے لگتے ہیں۔

☆ فرح امبر......لاہور

سوال: آج کل گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کا فیشن جڑ پکڑ رہا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اب مائیں نہ اپنی اولاد کی دوست ہیں اور نہ ہی اولاد اپنے والدین پر بھروسا کر رہی ہیں تو سب من مانی کر رہے ہیں۔

☆ صائمہ سجاد بنگش......کوہاٹ

سوال: نکتہ چینی کرنے والوں کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ان سے کم، کم ملا جائے۔

☆ فرخندہ جعفری......گجرات

سوال: انسان کی عقل گھاس چرنے کب جاتی ہے؟

جواب: جب وہ اپنے آپ کو زیادہ عقل مند اور دوسروں کو بے وقوف سمجھنے لگتا ہے تب......

☆ مریم کاشف......حیدرآباد

سوال: غبارے سے ہوا کیسے نکلتی ہے؟

جواب: سوئی چبھو کر خود دیکھ لو۔

☆ ناظمہ تحریم......ملیر کراچی

سوال: لگائی بجھائی کیسے کی جاتی ہے؟

جواب: کسی بھی غیبت کے شامیانے میں جا کر دیکھ لو۔ درجنوں طریقے چند منٹوں میں معلوم ہو جائیں گے۔ (توبہ)

☆ فرحت احمد......بن قاسم، کراچی

سوال: ہم دونوں same date پر گئے مگر لوگوں کو فکر پڑ گئی حالانکہ میں لاہور اور وہ ملتان گئے تھے؟

جواب: اور اس کے بعد مل کر آپ دونوں کہاں پہنچے۔

☆ یاسمین کنول......پسرور

سوال: غریب انسان کیسے امیروں کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

جواب: ہر حال میں اللہ کا شکر کرے اور کبھی کسی سے مقابلہ بازی نہیں کرے۔

☆ گلناز گل......ملتان

سوال: کیا آپ نے کبھی اندھیرے میں کالی بلی پکڑی ہے؟

جواب: میں تو اجالے میں بھی بلیاں نہیں پکڑا کرتی۔

☆ پروین افضل شاہین......بہاول نگر

سوال: ایک راز کی بات بتاؤں، کسی کو بتایئے گا نہیں، انہوں نے جب مجھے پہلی بار دیکھا تو ......بتائیں کیا ہوا تھا؟

جواب: وہ بے اختیار رونے لگے تھے اور مارے خوف کے ان کی گھگی علیحدہ بن گئی تھی۔

☆ رفیعہ ابدالی......کراچی

سوال: آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے؟

جواب: آپ کی ساری سچی باتیں ان کو پتھروں کی طرح زخمی جو کر گئیں۔

☆ نازیہ نزی..... نوشہرہ کینٹ

سوال: مہینے کے آخر میں ایک پرابلم نہ ہو..... وہ کیا؟

جواب: بن بلائے مہمانوں کا دھرنا نہ ہو۔

☆ مصباح رضا سعید..... فیصل آباد

سوال: شادی کے کچھ عرصے بعد یہ شوہر قہر برساتی نظروں سے کیوں دیکھا کرتے ہیں؟

جواب: وہ چاہتے ہیں کہ بیوی ان کے اشاروں پر ناچے اور جب وہ رک جاتی ہے سانس لینے کے لیے تو ان کی نظریں بھی آگ اگلتی زبان کی طرح ہو جاتی ہیں۔

☆ مس ردا اقبال..... اوکاڑہ

سوال: میرے آنگن میں خوشیوں کی بہار کب آئے گی؟

جواب: بہار کا سیزن فروری سے اپریل، مئی تک رہتا ہے، انشاء اللہ خوب صورت پھول کھلیں گے۔

☆ مسز کمال..... فیصل آباد

سوال: یہ مرد حضرات غصے میں زکوتا جن کیوں بن جاتے ہیں؟

جواب اب وہ چڑیل تو بننے سے رہے، ہاں مصیبتے بھی نہیں بن سکتے۔

☆ فردوس شہزادیہ..... لاہور

سوال: شیر تو جنگل میں دہاڑتا ہے اور شوہر؟

جواب: اور شوہر اپنے جنگل میں منگل دہاڑ کر کیا کرتا ہے۔

☆ حمنیٰ قندیل..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: ایک اور ایک گیارہ کب ہوتے ہیں؟

جواب: جب بھی برابر کی پارٹیوں کی کسی سے ٹھن جائے..... تو وہ ایک اور ایک گیارہ کے بجائے ایک اور ایک، ایک سو ایک بھی بن جاتی ہیں۔

☆ رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

سوال: فیس بک نے ایسا کیا کر دیا جناب کہ بوڑھے بھی جوان ہو گئے؟

جواب: اس بارے میں مجھے معلوم نہیں کیونکہ رائٹرز تو بوڑھے ہو بھی جائیں تو ان کے قلم ہمیشہ جوان رہتے ہیں۔

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

سوال: دال میں جب کالے کے بجائے لال، لال نظر آنے لگے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

جواب: یہی کہ لال دوپٹا پہننے کا وہ وقت آ گیا ہے کہ تھا جس کا انتظار..... وہ بس آنے ہی والا ہے۔

☆ فرحانہ پروین..... پنجاب

سوال: باجی، آپ اس وقت کیا کر رہی ہیں؟

جواب: اس وقت میں گہری نیند سو رہی ہوں اور اچھے اچھے خواب بھی دیکھ رہی ہوں۔

☆ فرح ناز..... تلہ گنگ

سوال: پہلے تو لوگ چاند تارے توڑنے کے دعوے کرتے تھے مگر اب.....؟

جواب: کم از کم اس معاملے میں جھوٹ نہیں بولتے کہ جھوٹ ہر معاملے کم بولا جا رہا ہے جو یہاں پر بھی بولیں۔

☆ صوفیہ بانو..... پنجاب

سوال: باجی چالاک بجن کو کیسے رام کروں کہ وہ میری ڈگڈگی پر ناچے؟

جواب: یاد رکھنا بجن بندر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ جوتے کھا کر رام ہوا کرتا ہے، بجن ہو یا دشمن، محبت سے ہی سب اپنے بنا کرتے ہیں۔

☆ راحت نسرین..... سندھ

سوال: ان سے بات کر کے سر میں درد کیوں ہوتا ہے، کن سے..... آخر؟

جواب: وہ لوگ جو بلا تکان اور بلاوجہ تقریر کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اپنی بات کے دوران دوسرے کی بات بھی نہیں سنتے، ان کی باتیں سن کر واقعی درد ہوتا ہے اور اس میں پڑھے لکھے، جاہل سب برابر ہیں۔

☆☆☆

پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں



شگفتہ مزاج اینکر

شگفتہ یاسمین اور ان کے خوش اخلاق ہم سفر

ڈاکٹر محمد شاہد قادری سے خوب صورت گفتگو

معزز قارئین! ہماری خواہش اور کوشش یہی ہوتی ہے کہ پاکیزہ کے خاص نمبر کی مناسبت سے خاص تحریریں آپ کی نذر کریں۔ سالِ رواں کے ''دلہن نمبر'' کے لیے حسبِ روایت کئی دلہنوں سے سر دے کرنے کے بجائے محض ایک دلہن رانی اور ان کے دولھے راجا ''پاکیزہ کے مہمان'' بنے ہیں۔ باشعور، من موہنی صورت والی سادہ طبیعت، خوش اخلاق، شگفتہ مزاج، ملنسار اور اپنی عمدہ عادات سے سب کو اپنا

گرویدہ بنانے والی ہماری دلہن رانی شگفتہ یاسمین پر یہ شعر صد فیصد صادق آتا ہے کہ

اس کی باتیں کہ گلِ لالہ سے شبنم ٹپکے
سب کو اپنانے کا اس شوخ کو جادو آئے

سحر انگیز شخصیت کی مالک شگفتہ نے ایم اے فیشن ڈیزائننگ، ایم بی اے مارکیٹنگ اور ای ایم بی اے مینجمنٹ کی اسناد حاصل کی ہوئی ہیں۔ ایف ایم ۱۰۷ کی آر جے ہیں، چند ٹی وی ڈراموں میں اداکاری کے جوہر بھی دکھا چکی ہیں۔ فیشن کنسلٹنٹ اور فٹنس انسٹرکٹر ہیں۔ آج کل چینل میٹرو ون کے مقبول پروگرام ''بزم شاعری'' کی میزبان ہیں۔ اس سے پہلے اسی چینل پر مارننگ شو بھی بڑی کامیابی سے کر چکی ہیں۔

شگفتہ کی خوش رنگ زندگی میں دھنک رنگ بھرنے والے دولہے راجا یعنی ان کے ہم سفر ڈاکٹر محمد شاہد قادری ڈاکٹر آف فزیوتھراپی ہیں۔ اسپورٹ فزیشن اور فٹنس ایکسپرٹ بھی ہیں۔ ان شعبوں میں ڈاکٹر شاہد کی مہارت لائقِ ستائش ہے۔ مختلف ٹی وی چینلو پر ڈاکٹر شاہد نے بحیثیت فزیوتھراپسٹ اور فٹنس ایکسپرٹ کے شوز بھی کیے ہیں۔ یہ بھی اپنی ہم سفر کی طرح بہت محفل پسند، خوش مزاج اور خوش اخلاق ہیں۔ خود خوش رہنا اور اوروں کو خوش رکھنا اچھا لگتا ہے۔ تو آیئے قارئین کرام ہم اپنے سوالوں کا آغاز پہلے شگفتہ یاسمین سے کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو کب اور کہاں دیکھا؟

شگفتہ یاسمین ❖......ٹی وی چینل پر۔

پاکیزہ ✧......آپ نے صاحب جی کا انتخاب کس بنیاد پر کیا؟

شگفتہ یاسمین ❖......ذہنی ہم آہنگی...... اور یہ بات کو سمجھنے والے انسان ہیں۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد وہ کون سا پل تھا جب اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوا؟

شگفتہ یاسمین ❖......ولیمے کا دن تھا میرے ابا کی طبیعت خراب تھی شاہد نے مجھے پارلر بھیج کر خود ابا کو سنبھالا تھا۔

پاکیزہ ✧......اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

شگفتہ یاسمین ❖......ویسے تو دونوں جانب سے کوئی مشکلات نہیں آئیں۔

پاکیزہ ✧......ملن کب ہوا؟

شگفتہ یاسمین ❖......2011ء میں نکاح ہوا تھا اور 2012ء میں رخصتی۔

پاکیزہ ✧......نکاح اور رخصتی کی درمیانی مدت میں تحائف کا تبادلہ ہوا؟

شگفتہ یاسمین ❖......یقیناً تحائف کا تبادلہ ہوا۔ کبھی کپڑے اور اکثر جیولری، بیگز وغیرہ آتے رہتے تھے اور پھر موقع کے لحاظ سے بھی تحائف ملتے تھے۔ میں زیادہ تر شاہد کو پرفیوم دیتی تھی اور کبھی ٹی شرٹ بھی دیتی تھی۔

پاکیزہ ✧......شادی میں کس کی طرف زیادہ ہلا گلا ہوا تھا؟

شگفتہ یاسمین ❖......مایوں مہندی کا فنکشن مشترکہ تھا تو دونوں جانب ہی خوب ہلا گلا تھا۔ ہمارے یہاں رتجگا بھی ہوا تھا۔

پاکیزہ ✧......مہندی میں سالیوں کو کتنا نیگ ملا؟

شگفتہ یاسمین ❖......دس ہزار۔

پاکیزہ ✧......کس روز آپ کو دولہا میاں زیادہ اچھے لگے؟

شگفتہ یاسمین ❖......دونوں دن ہی اچھے لگ رہے تھے لیکن شادی والے دن ان کا الگ ہی روپ تھا شیروانی میں بہت معصوم سے لگ رہے تھے موصوف اور پگڑ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے اچھی اور سب سے بُری رسم کون سی تھی؟

شگفتہ یاسمین ❖......نکاح کے بعد جب دولہا اسٹیج پر آتا ہے تو دولہا دلہن ایک دوسرے کو انگوٹھی

پہناتے ہیں جو نکاح کی انگوٹھی کہلاتی ہے۔ یہ رسم مجھے بہت اچھی لگی اور بری تو نہیں کہہ سکتے لیکن رسم کے وقت جو سب ہی مٹھائی کھلا رہے ہوتے ہیں اس سے گلا بہت متاثر ہوا تھا۔

پاکیزہ ✧......رُونمائی میں کیا ملا؟

شگفتہ یاسمین ❖......انگوٹھی۔

پاکیزہ ✧......میاں جی سے اپنی بات منوانے کا مؤثر طریقہ کیا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖......پیار سے بات کریں اور بات لاجیکل بھی ہو تو مان جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

شگفتہ یاسمین ❖......آج تک اپنا ذاتی کام خود کہہ کر نہیں کروایا مگر میں اپنی خوشی سے ان کے کام کرتی ہوں۔ ویسے شرٹ پریس کی تھی میں نے شاہد کی۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تفریحی مقام پر گئے؟

شگفتہ یاسمین ❖......پنڈی، گلگت وغیرہ گئے تھے۔

پاکیزہ ✧......تنہائی میں آپ ان کے ساتھ کس مقام پر جانا پسند کریں گی؟

شگفتہ یاسمین ❖......لانگ ڈرائیونگ پر۔

پاکیزہ ✧......تفریح کے لیے سینما یا تھیٹر کا انتخاب کرنا پڑے تو آپ دونوں کا انتخاب کیا ہوگا؟

شگفتہ یاسمین ❖......سینما۔

پاکیزہ ✧......یہ بتائیں کہ آپ لوگ ایک دوسرے کی سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں؟ اور کیا خاص اہتمام ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖......جی بالکل یاد رکھتے ہیں۔ سالگرہ سے ایک دن پہلے سالگرہ کی تاریخ شروع ہوتے ہی رات بارہ بجے ایک دوسرے کے لیے کوئی نہ کوئی سرپرائز ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......شادی کی یادگار سالگرہ کون سی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖......شادی کی تیسری سالگرہ بہت یادگار رہی۔ ہم نے بہت بڑا انتظام کر کے سب کو مدعو کیا تھا، سنگر بھی آئے تھے، باربی کیو کروایا تھا اور بہت بھرپور سالگرہ منائی تھی۔

پاکیزہ ✧......ایک دوسرے کو تحائف کے لیے دونوں کسی خاص موقع کے منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟

شگفتہ یاسمین ❖......ہم کسی خاص موقع کا انتظار نہیں کرتے۔ مارکیٹ میں جب بھی کوئی چیز اچھی لگے ایک دوسرے کے لیے لے آتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......اب تک صاحب کی جانب سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟ اور کیوں؟

شگفتہ یاسمین ❖......ایک ہینڈ بیگ دیا تھا جو بہت جاذبِ نظر ہے۔

پاکیزہ ✧......شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖......بڑے سکون سے ساتھ دیتے ہیں بیزار نہیں ہوتے۔

پاکیزہ ✧......بھاؤ تاؤ کون کرتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖......مجھے بارگیننگ کرنی نہیں آتی۔ شاہد بہت اچھی کرتے ہیں۔ بلکہ مجھے تو اس معاملے میں بولنے ہی نہیں دیتے کہ تم بول کر گڑبڑ کر دیتی ہو۔

پاکیزہ ✧......کسی وجہ سے صاحب جی شاپنگ پر نہ جا سکیں تو آپ کی شاپنگ پر بھروسا کر لیں گے؟

شگفتہ یاسمین ✧...... ہم اکٹھے ہی شاپنگ کرتے ہیں۔ اگر فیملی ممبر کے ساتھ نکل گئی تو بھروسا تو کر لیتے ہیں لیکن یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتے ہیں تم نے ضرور مہنگا خریدا ہوگا۔



پاکیزہ ✧......آپ نے سب سے پہلے کون سی فرمائش کی تھی؟

شگفتہ یاسمین ✧...... عموماً میں فرمائشیں نہیں کرتی لیکن جب مری گئے تھے تو تب میں نے کہا تھا کہ ہم مال روڈ ضرور جائیں گے۔ (اتنی سی فرمائش!)

پاکیزہ ✧......اچھا خصوصاً کون سی فرمائش کرتی ہیں؟ اور کتنی فرمائشیں پوری ہوئیں؟

شگفتہ یاسمین ✧......قلفی کھانے چلو۔ ویسے میری فرمائشیں چھوٹی، چھوٹی اور قابل عمل ہوتی ہیں۔ زیادہ ڈیمانڈنگ نہیں ہوں۔ اس لیے جو کرتی ہوں وہ فوراً پوری ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧......میاں صاحب کا سب سے مہنگا اور سب سے سستا شوق کون سا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧...... جھینگے کی بنی ڈشز بہت پسند ہیں خاص کر جھینگا کڑاہی، فش بہت شوق سے کھاتے ہیں اور سب سے سستا شوق دس روپے کی آئس کریم۔

پاکیزہ ✧......کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخیل؟

شگفتہ یاسمین ✧......شاہ خرچ میں بہت ہوں شاہد بخیل ہرگز نہیں لیکن سمجھداری سے خرچ کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......زیادہ تر میں ہی بناتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......شوہر صاحب کو کبھی اس بجٹ سے اختلاف ہوا؟

شگفتہ یاسمین ✧...... میں بناتی ہی اتنا اچھا بجٹ ہوں کہ اختلاف کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ (شرارتی لہجہ)

پاکیزہ ✧......کون زیادہ رومینٹک ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧...... دونوں ایک جیسے ہی ہیں بلکہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

پاکیزہ ✧ ......موسیقی کیسی پسند ہے؟ کون سا گیت اکثر گنگناتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......رومینٹک گانے بہت پسند ہیں......عجیب داستاں ہے یہ کہاں شروع کہاں ختم...... اور...... پیار سے پکارلو جہاں ہو تم...... اکثر و بیشتر گنگناتی ہوں۔

پاکیزہ ✧ ......محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتی ہیں یا رویّہ ہی کافی ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ...... ہمارے رویے ہی محبت کا اظہار کررہے ہوتے ہیں، درمیان میں لفظوں سے بھی اظہار ہو جاتا ہے لیکن عموماً رویے ہی محبت ظاہر کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......مشاغل میں کتنی مطابقت ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ...... جہاں تک اسپورٹس ایکٹویٹیز کی بات ہے تو اس میں ہمارے درمیان بہت مطابقت ہے لیکن شاہد کو شاعری سے قطعاً دلچسپی نہیں۔

پاکیزہ ✧ ...... بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آرہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......ہم سیدھا بارش میں نہانے جائیں گے۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کی مصروفیت کب صاحب جی پر گراں گزرتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......جب شاہد گھر پر موجود ہوں اور میں گھریلو امور میں مصروف، تب۔

پاکیزہ ✧ ......تاخیر سے گھر آنے پر میاں جی کیا بہانہ بناتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......کوئی بہانہ نہیں اگر دیر ہو سکتی ہے تو پہلے ہی فون کر کے بتا دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کو ریکارڈنگ میں غیر معمولی تاخیر ہو جائے تو صاحب جی کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......اگر فون کردوں کہ وقت لگے گا تو مسئلہ نہیں اور اگر کام میں فون کرنا بھول جاؤں

تو ناراض ہو جاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے ریڈیو اور ٹیلی وژن پروگراموں پر جانبداری سے رائے دیتے ہیں؟ غیر جانبداری سے یا خاموشی اختیار کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......نہ صرف غیر جانب داری سے رائے دیتے ہیں بلکہ جہاں کوئی غلطی یا کمی محسوس کرتے ہیں اس کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں ساتھ ہی مناسب مشورہ بھی دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......آپ کے شوہر آپ کی صلاحیتوں کا فراخدلانہ اعتراف کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......یقیناً کرتے ہیں اور ستائش کے ساتھ کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧ ......مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے، آپ کے میاں جی اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......شرافت کا مظاہرہ اس حوالے سے کرتے ہیں کہ ڈرتے نہیں لحاظ رکھتے ہیں اور ہم نے کبھی ڈرانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

پاکیزہ ✧ ......آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے صاحب کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......میں روتی بہت کم ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ کبھی اس نوعیت کا جھگڑا ہوا بھی نہیں کہ آنسو نکل پڑیں۔ اپنی بات منوانے کے لیے بھی کبھی میں نے یہ حربہ استعمال نہیں کیا لیکن اگر کسی بات پر آنسو آجائیں میری آنکھوں میں تو وہ شاہد سے برداشت نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ✧ ......گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖ ......میرے حساب سے گھر کا ماحول بنانے میں مرد کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ باہر سے جب مرد خراب موڈ میں واپس آتا ہے تو گھر پر اس کا اثر نظر آتا ہے۔ شاہد کبھی خراب موڈ میں گھر واپس


Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !
i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First.
All Done
Liked
Message
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
See new posts at the top of News Feed
Default
See posts as usual
Unfollow



نہیں آتے، باہر کی ٹینشن باہر ہی چھوڑ آتے ہیں گھر پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔

پاکیزہ ✧......شدید بھوک کے عالم میں صاحب جی کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......اگر کھانا تیار نہیں تو جو بھی کھانے کی چیز ہے وہی لے آؤ۔ ویسے بھی میں ایمرجنسی فوڈ تیار رکھتی ہوں اس لیے مسئلہ نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی ڈش کون سی بنائی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی میاں جی کو پریشان کر دیتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......بریانی بہت پسند آئی تھی۔ اب بھی اکثر فرمائش کرتے ہیں۔ ایسی کوئی ڈش نہیں بنائی ہاں اگر کبھی کھانے میں نمک کم ہو تو کہہ دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✧......ہاتھ بہت بٹاتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......دونوں وقت کی پابندی پسند کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......صاحب کی زیادہ پسندیدہ اور ناپسندیدہ عادت کون سی ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکتے اور کسی بات پر روٹھ بھی جلدی جاتے ہیں اور بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ خاموشی مجھے بہت کھلتی ہے۔

پاکیزہ ✧......صاحب جی کی کون سی بات بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......شاہد کی ہر دم چہرے پر سجی رہنے والی مسکراہٹ بہت بھلی لگتی ہے اور جو کبھی خاموش ہو جاتے ہیں تب مجھے یہ غیر معمولی بات بہت پریشان کر دیتی ہے۔

پاکیزہ ✧......وہ آپ کی اور آپ ان کی کون سی

خوبی کی سب سے زیادہ معترف ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖...... بہت سادہ نیچر کی ہے اور سیدھی بات کرتی ہے۔ شاہد سخت محنتی انسان ہیں۔

پاکیزہ ✧...... یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟ اور صلح کس کی جانب سے ہوئی؟

شگفتہ یاسمین ❖...... انہوں نے فون نہیں کیا تھا جب لڑائی ہوئی تھی کہ مجھ سے تو کہتے ہیں کہ اگر میں نے فون نہیں کیا تو تم نے خود کیوں نہیں کیا۔ صلح ہمیشہ میری جانب سے۔

پاکیزہ ✧...... آپ کے شوہر صاحب ذوق ہیں آپ کو منانے کے لیے کبھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟

شگفتہ یاسمین ❖...... شاعری سے سخت چڑ ہے اور گنگناتے بھی نہیں۔ ایک گانا شاہد کو بہت پسند ہے۔ چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو جب مجھے منانا ہو تو موبائل پر لگا کر اسپیکر آن کر دیتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... کس کے غصے کا گراف زیادہ بلند ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... میرا...... مجھے بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... کتنے عرصے پر محیط ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... حد سے حد دس منٹ اس سے زیادہ نہیں۔

پاکیزہ ✧...... صاحب جی کو غصہ آئے تو آپ کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... میں خاموشی سے کمرے سے چلی جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی کامیابی سے گزاری جاسکتی ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... باہمی اتفاق اور سمجھداری سے کامیاب ازدواجی زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ اب باہمی اتفاق کو آپ سمجھوتا کہہ لیں جو دونوں ہی کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... دونوں کی ذمے داری ہے کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... شوہر کے دل پر راج کرنے کے لیے فرمانبرواری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... بھئی فرمانبرداری تو ہم اپنے ابا کی کر لیتے ہیں۔ میاں کے ساتھ تو شیئر کا رشتہ ہوتا ہے سو میاں کے دل میں راج کرنے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والوں کی عزت کریں، کبھی ان کے والدین اور دیگر افرادِ خانہ کی برائی نہ کریں، ہر وقت ان کی شکایات نہ کریں۔ بالخصوص ان کے والدین کی۔ کیونکہ اس طرح میاں دور ہو سکتا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے ماں باپ جڑ ہیں جب جڑ سے الگ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ پھل پھول نہ سکے گا۔ ان باتوں پر عمل کیجیے اور جی بھر کے راج کیجیے کہ دل کسی اور کا نہیں اپنے میاں کا ہے۔

پاکیزہ ✧...... میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... جب دونوں میں سے ایک مشکل میں ہو اور دوسرا اس کا ساتھ دے۔

پاکیزہ ✧...... گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ❖...... باہمی اتفاق اور ذہنی مطابقت سے فیصلہ ہوتا ہے۔ ایک دوسرے پر فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

پاکیزہ ✧...... شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کی زندگی میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

شگفتہ یاسمین ❖...... شادی سے پہلے تمام پریشانیاں خود ہی جھیل لیتی تھی اب زندگی بہت آرام دہ ہوگئی ہے۔ کیونکہ اب میں شاہد سے پریشانیاں بانٹ لیتی ہوں۔ اب زندگی میں سکون بہت محسوس ہوتا ہے



کہ شادی کے بعد میری طبیعت میں بہت ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ (ماشا اللہ)

پاکیزہ ✧......مثل مشہور ہے ''پیا جسے چاہے وہی سہاگن'' دلہن کے لیے پیا کا چاہنا ہی کافی ہے یا گھر والوں کا بھانا اور چاہنا بھی اہم ہے؟ آپ کا تجربہ کیا بتاتا ہے؟

شگفتہ یاسمین ✧......دونوں ہی کا چاہنا بہت اہم ہے۔ گھر والوں کے بھانے اور چاہنے سے میاں کی چاہت اور بڑھ جاتی ہے اور گھر میں رونق بھی رہتی ہے۔

پاکیزہ ✧......اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنا دیا جائے تو سب سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گی اور کون سا کالعدم قرار دیں گی؟

شگفتہ یاسمین ✧......فیصلہ بلا اختیار ایک ہونا چاہیے......مجرموں کو پکڑ کر چھوڑ دینا ثبوت ملنے کے باوجود۔

پاکیزہ ✧......اگر آپ کو وزیر بہبودیِ نسواں اور اطفال بنایا جائے تو ان کی بہتری کے لیے اولین اقدام کیا ہوگا؟

شگفتہ یاسمین ✧......خواتین اور بچوں کی صحت اور خواتین اور بچوں کے لیے بنائے گئے قوانین میں آسانیاں فراہم کروں گی۔

پاکیزہ ✧......پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

شگفتہ یاسمین ✧......میاں بیوی، سرخ و سیاہ، Abaya کلون، ٹھنڈا موسم، رات اور صبح سویرے کا وقت بہت پُرسکون ہوتا ہے۔ افغانی پلاؤ، تمام تہوار، فٹ بال۔

پاکیزہ ✧......مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

شگفتہ یاسمین ✧......وعدے کوئی نہیں کیے بلکہ خوشی ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے ہیں۔

پاکیزہ ✧......باعتبارِ مجموعی اپنے شریکِ حیات کو کیسا پایا؟ کیا شاہد صاحب جیون ساتھی کے معیار اور تصور پر پورے اترے؟

شگفتہ یاسمین ✧......ایک اچھا انسان، تعاون کرنے والا اور ساتھ دینے والا اور جب یہ اوصاف ہوں تو معیار پر تو پورے اتریں گے۔

پاکیزہ ✧......اپنے شریکِ حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گی؟

شگفتہ یاسمین ✧......میں نے تم پر بھروسا کیا اس لیے نہیں کہ تم میرے شوہر ہو۔ تم پر بھروسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک اچھے شوہر میں جتنی بھی کوالٹیز ہونی

چاہئیں وہ تم میں موجود ہیں۔

اب جناب بات کریں گے شگفتہ کے دولھا ڈاکٹر محمد شاہد قادری سے

پاکیزہ ✧......شگفتہ صاحبہ کو پہلی مرتبہ کب اور کہاں دیکھا تھا؟ تب پہلا تاثر کیا تھا؟

محمد شاہد قادری ✧......پہلی مرتبہ ٹی وی پر دیکھا کمپیئرنگ کرتے ہوئے اور اس کے بعد چینل پر ملاقات ہوئی۔ پہلی نظر میں اچھی لگی اور دلنشیں ہو گئیں اور پھر گھر والی بن گئیں۔

پاکیزہ ✧...... انتخاب کس بنیاد پر اور کتنے عرصے بعد کیا؟

محمد شاہد قادری ✧......ملاقات پر احساس ہوا کہ ہمارے درمیان بہت ذہنی ہم آہنگی ہے تقریباً چھ ماہ بعد شگفتہ کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد وہ ایک پل جب اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہوا؟

محمد شاہد قادری ✧......اس وقت جب امی کی طبیعت خراب تھی اور شگفتہ نے ایک اچھی بہو ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

پاکیزہ ✧......اپنی پسند کو گھر والوں کی پسند بنانے میں کن مراحل سے گزرنا پڑا؟

محمد شاہد قادری ✧......گھر والے تو پہلے ہی فیور میں تھے۔ بڑے بھائی نے کہا تھا کہ ”زندگی تمہیں گزارنی ہے اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس کے ساتھ خوش رہ سکتے ہو تو کر لو شادی۔“

پاکیزہ ✧......مہندی میں سالیوں کو کتنا نیگ دیا تھا؟

محمد شاہد قادری ✧ جناب دس ہزار۔

پاکیزہ ✧......شادی کی سب سے اچھی اور سب سے بری رسم کون سی تھی؟

محمد شاہد قادری ✧......اچھی رسم دودھ پلائی کی اور بری رسم مسلسل مٹھائی کھلانے کی۔

پاکیزہ ✧......آپ کو دلہن پر کیسا لباس اچھا لگتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✧......سرخ رنگ کا اور شرارہ ہو تو کیا بات ہے۔

پاکیزہ ✧......شادی، ولیمہ میں سے کس روز آپ کی دلہن زیادہ اچھی لگ رہی تھیں؟

محمد شاہد قادری ✧......شادی، ولیمہ دونوں ہی دن بہت اچھی لگی تھیں لیکن نکاح والے دن جو روپ تھا وہ الگ ہی تھا۔ غضب کی پیاری لگ رہی تھیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کو اپنی بیگم کس لباس میں گریس فل لگتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧......ساڑی میں۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد آپ نے بیگم سے اپنا کون سا کام سب سے پہلے کروایا تھا؟

محمد شاہد قادری ✧...... کوئی کام نہیں کروایا۔ شگفتہ نے اپنی خوشی سے شرٹ پریس کی تھی۔

پاکیزہ ✧......شادی کے بعد بیگم نے وہ پہلی ڈش کون سی بنائی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش تھی جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ کو پریشان کر دیتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✧......بریانی بہت پسند آئی تھی۔ اب بھی اکثر فرمائش کرتا ہوں۔ ایسی کوئی ڈش نہیں بنائی ہاں اگر کبھی کھانے میں نمک کم ہو تو کہہ دیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧......شدید بھوک کے عالم میں آپ کا ردِعمل کیا ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✧...... باہر سے کھانا لے آؤ یا کچھ بھی دے دو۔ عموماً شگفتہ ایمرجنسی فوڈ تیار رکھتی ہے۔

پاکیزہ ✧......بیگم کی بنائی ہوئی کون سی ڈش شوق سے کھاتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧......افغانی پلاؤ۔

پاکیزہ ✧......گھر کے کاموں میں بیگم کا ہاتھ



بناتے ہیں یا کام بڑھاتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧...... ہاتھ بٹا کر کام سمیٹ لیتا ہوں۔

پاکیزہ ✧...... ایک دوسرے کی سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧...... ابھی تک تو یاد رکھتے ہیں ابھی اتنا زیادہ وقت نہیں گزرا ہے ناں۔ انشاء اللہ آئندہ بھی یاد رکھیں گے۔

پاکیزہ ✧...... اب تک بیگم کی جانب سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟

محمد شاہد قادری ✧...... گھڑی۔

پاکیزہ ✧...... ایک دوسرے کو تحائف کے لیے دونوں کسی خاص موقع کے منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہا دے دیا؟

محمد شاہد قادری ✧...... جب جی چاہا جو چیز پسند آگئی لے لی اور دے دی۔

پاکیزہ ✧...... بیگم کا سب سے سستا اور سب سے مہنگا شوق کون سا ہے؟

محمد شاہد قادری ✧...... مہنگا شوق تو کوئی نہیں ہے سستا سا شوق ہے قلفی کھانے کا۔

پاکیزہ ✧...... بیگم کی کتنے فیصد فرمائشیں پوری کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧...... اب تک جتنی بھی فرمائشیں کیں ساری ہی قابلِ عمل تھیں تو پوری بھی ہو گئیں۔

پاکیزہ ✧...... شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کا کتنا ساتھ دیتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ✧...... بھرپور کہ شاپنگ ہم مل کر کرتے ہیں۔

س: بھاؤ تاؤ کون کرتا ہے؟

محمد شاہد قادری ✧...... وہ تو میں ہی کرتا ہوں اس معاملے میں شگفتہ بہت اناڑی ہے۔

پاکیزہ ✧...... کسی وجہ سے شاپنگ پر نہ جاسکیں تو بیگم کی شاپنگ پر بھروسا کریں گے؟

محمد شاہد قادری ✧...... یقیناً کیونکہ شگفتہ کی پسند اچھی ہے۔ لیکن دام کم نہیں کرواتیں۔

پاکیزہ ✧...... کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخیل؟

محمد شاہد قادری ✧...... شگفتہ ماشاء اللہ بہت کھلے ہاتھ کی ہیں، میں بخیل ہرگز نہیں مگر پیسہ ناسمجھی سے خرچ نہیں کرتا۔

پاکیزہ ✧...... گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟ آپ کو کبھی اس بجٹ سے اختلاف ہوا؟

محمد شاہد قادری ✧...... شگفتہ ہی بناتی ہیں کہ گھر شگفتہ چلاتی ہے کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ وہ خوش اسلوبی نے گھر چلا رہی ہے۔

پاکیزہ ✧...... مشاغل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... 80%

پاکیزہ ❖...... بارش ہو رہی ہو اور ٹی وی پر کرکٹ میچ آرہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

محمد شاہد قادری ❖...... بارش سے بھرپور لطف اٹھائیں گے۔

پاکیزہ ❖...... محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں یا رویہ ہی کافی ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... میری نظر میں رویہ لفظوں سے زیادہ اہم اور پاورفل ہوتا ہے محبت کی مضبوطی کے لیے لیکن کبھی کبھار لفظی اظہار میں بھی حرج نہیں۔

پاکیزہ ❖...... موسیقی کیسی پسند ہے؟ کون سا گیت اکثر گنگناتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖...... دل کو چھو لینے والی۔ گنگناتا تو نہیں ہوں۔ چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو شگفتہ کو موبائل کا اسپیکر آن کر کے سناتا ہوں۔

پاکیزہ ❖...... بیگم گھر کو کتنا وقت دیتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖...... چیزوں کو اپنے حساب سے ترتیب دیتی ہے۔ چیزوں کو آرگنائزڈ کر کے چلتی ہے۔ اپنی بیرونی مصروفیات کی وجہ سے گھر کو تباہ نہیں کرتی۔

پاکیزہ ❖...... بیگم کی مصروفیت آپ پر کب گراں گزرتی ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... جب میں گھر پہ ہوں اور شگفتہ کام میں مصروف ہو۔ تب مجھے بہت برا لگتا ہے میں یہی کہتا ہوں کہ یہ کام میری غیر موجودگی میں نمٹایا کرو۔

پاکیزہ ❖...... معروف بیوی کا شوہر بننے کا تجربہ کیسا رہا؟

محمد شاہد قادری ❖...... غیر معروف تو ہم بھی نہیں۔ بہت اچھا لگتا ہے۔

پاکیزہ ❖...... یاد ہے شادی کے بعد پہلی لڑائی کب اور کس بات پر ہوئی تھی؟

محمد شاہد قادری ❖...... دیر سے گھر آنے پر میں نے فون نہیں کیا تھا تب لڑائی ہوئی تھی اس شکوے کے ساتھ کہ مجھ سے تو کہتے ہیں کہ اگر میں نے فون نہیں کیا تو تم نے خود کیوں نہیں کیا۔

پاکیزہ ❖...... آپ کی بیگم صاحبِ ذوق ہیں آپ کو منانے کے لیے کبھی شاعری یا ترنم کو ذریعہ بنایا؟

محمد شاہد قادری ❖...... نہیں اس کے ایک میسج پر بات ختم ہو جاتی ہے یا پھر جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ اسپیکر آن کر کے موبائل سے چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو سنوا دیتا ہوں۔

پاکیزہ ❖...... آپ کو غصہ آئے تو بیگم کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... خاموش ہو جاتی ہے۔ اس وقت جواب نہیں دیتی بلکہ کمرے سے باہر چلی جاتی ہے۔

پاکیزہ ❖...... آپ کے درمیان عموماً کن باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں پر۔

پاکیزہ ❖...... مشہور ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ اس حوالے سے کتنی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖...... شرافت کا مظاہرہ میں ڈر کر نہیں کرتا کہ یہ رشتہ خوف کا نہیں باہمی عزت اور لحاظ کا ہے جو میں شگفتہ کی کرتا ہوں۔

پاکیزہ ❖...... آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے شگفتہ آپ کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کرتی ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖...... اللہ کا بڑا کرم ہے شگفتہ بات بے بات رونے دھونے والی نہیں ہے بلکہ سمجھداری کے ساتھ مسئلے کا کامیاب حل نکال لیتی ہے۔

پاکیزہ ❖...... کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی کامیابی سے گزاری جا سکتی ہے؟

محمد شاہد قادری ❖...... اگر ذہنی ہم آہنگی ہو تو

سمجھوتے کی نوبت ہی نہ آئے۔

پاکیزہ ✧ ...... گھر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمے داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصہ دار ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... دونوں کی ذمے داری ہے کہ گھر دونوں کا ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب قائم ہوتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... جب وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی طاقت بن جائیں۔

پاکیزہ ✧ ...... شریکِ حیات کے دل میں گھر بنانے کے تین سنہرے اصول کون سے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... عزت کریں، محبت کریں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کر کے دل میں جگہ بنالیں۔

پاکیزہ ✧ ...... گھر میں کس کے فیصلے کو حتمی سمجھا جاتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... جو بات درست کرے اس کو تسلیم کیا جاتا ہے صنفی بنیاد پر کسی کو کسی پر برتری نہیں دی جاتی۔

پاکیزہ ✧ ...... گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کی ہمسفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... بہت اہم ہے کہ شگفتہ بہت پیار اور سمجھداری سے کام لیتی ہے، شکی اور جھگڑالو طبیعت کی نہیں ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کی زندگی میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... شادی سے پہلے بے پروا تھا چونکہ اب فیملی کو لے کر چلنا ہے تو ذمے داری خود بخود آگئی۔

پاکیزہ ✧ ...... شوہر کے دل میں راج کرنے کے لیے فرمانبرداری ہی کافی ہے یا اور کوئی ہنر بھی اختیار کیا جاسکتا ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... میاں کے ساتھ، ساتھ اس سے وابستہ رشتوں سے باعزت محبت اور بروقت خوش ذائقہ کھانے کھلا کر۔

پاکیزہ ✧ ...... بیگم کی کون سی بات بہت خوشی دیتی ہے اور کون سی پریشان کردیتی ہے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... شگفتہ خوش رہے تو خوشی ہی خوشی ہے جب یہ خاموش ہو جائے تو مجھے پریشانی ہوتی ہے کہ ہر دم ہنسنے بولنے والی خاموش کیوں ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... بااعتبارِ مجموعی اپنی شریکِ حیات کو کیسا پایا؟ آپ کے قائم کردہ جیون ساتھی کے معیار اور تصور پر شگفتہ کتنے فیصد پوری اتریں؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... بہت ساتھ دینے اور نباہنے والی پایا ہے سچ تو یہ ہے کہ ایک سو ایک فیصد پوری اتری ہے۔

پاکیزہ ✧ ...... پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، کھیل کون سے ہیں؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... ماں، سرخ و سیاہ، پرفیوم Brut، صبح کا سہانا وقت، اسپورٹس سے متعلق تمام کتابیں، جھینگا اور اس سے بنی ہر ڈش، عید، بقرعید دونوں، فٹ بال۔

پاکیزہ ✧ ...... اگر آپ کو اس ملک کا صدر بنا دیا جائے تو سب سے پہلے کون سا قانون نافذ کریں گے اور کون سا کالعدم قرار دیں گے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... تعلیمی نظام اور معیار کی بہتری کے لیے قانون نافذ کروں گا اور خواتین کی آڑ میں امتیازی سلوک کو ختم کروں گا۔

پاکیزہ ✧ ...... اپنی شریکِ حیات کے لیے کوئی پیغام دیں گے؟

محمد شاہد قادری ❖ ...... جب میں نے تم کو پہلی مرتبہ دیکھا تو تم نے میرے دل کو چھوا اور اس دن پہلی مرتبہ میرا دل تمہارے لیے دھڑکنا شروع ہوا میرے دل کی ہر دھڑکن میں تم موجود ہو۔ (بہت خوب)

☆☆☆



روحانی مشورے

ادارہ

بچوں کی شادی کے لیے خصوصی عمل

☆ اگر کسی شخص کے بیٹے یا بیٹی کی شادی نہ ہوتی ہو اور وہ چاہے کہ اچھی جگہ اور جلدی ہو جائے تو وہ 21 روز تک عشاء کی نماز کے بعد تین ہزار تین سو تیرہ مرتبہ سورۂ یٰسین کی آیت نمبر (36) کا ورد کرے اور اول و آخر درود ابراہیمی گیارہ، گیارہ بار پڑھے۔

ہر دعا کے اول و آخر درود ابراہیمی پڑھنا مستحب ہے۔ لڑکے، لڑکی کا صدقہ بھی دیتے رہا کریں۔

☆ اگر شادی میں بے انتہا رکاوٹیں ہوں تو روزانہ ہر نماز کے بعد دو سو بائیس مرتبہ یَا اَللّٰہُ یَا لَطِیْفُ یَا رَحِیْمُ پڑھتے رہیں۔ انشاء اللہ دعا مستجاب ہوگی۔ اپنی اولاد کے ساتھ دوسروں کی اولاد کے لیے بھی دعا گو رہیے۔

ڈپریشن سے نجات

آج کل ہر شخص ڈپریشن کا شکار نظر آتا ہے۔ نفسا نفسی کے اس دور نے لوگوں کو بیمار سا کر دیا ہے۔ کہیں تنہائی نے مار رکھا ہے تو کہیں سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی لوگ اپنے آپ کو تنہا اور مظلوم سمجھتے ہیں اور بعض پریشانیاں اتنا طول پکڑ جاتی ہیں کہ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ ایسے میں درود شریف کثرت سے پڑھیں۔ اگر آپ کو شوگر نہیں ہے تو اصلی شہد کی بوتل پر 41 مرتبہ سورۂ فاتحہ اول و آخر درود شریف پڑھ کر دم کر دیں اور صبح نہار منہ اور رات کو سوتے وقت تین بار درود ابراہیمی پڑھ کر ایک، ایک چمچ شہد کھا لیا کریں۔ آپ کے حالات خواہ کیسے بھی ہوں مگر روزانہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنے کی عادت ڈالیں۔ آپ کو از خود ایک طمانیت سی محسوس ہوگی۔ اس کے ساتھ، ساتھ کھانے میں نمک کم کر دیں اور اپنے بیڈ روم میں نیلے رنگ کا استعمال بڑھا دیں۔ تین ماہ میں آپ کو از خود محسوس ہوگا کہ ڈپریشن اور خواہ مخواہ کی ذہنی پریشانیاں اڑن چھو ہو گئی ہیں۔ انشاء اللہ! اور سب سے ضروری یہ ہے کہ اپنی سوچ کو مثبت بنائیں اور دوسروں کی طرف سے اپنے دل میں خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا نہ کریں۔

بھول کی عادت

نسیان یا بھولنا عادت بھی اور یہ ایک بیماری بھی ہے۔ بڑھاپے میں تو اکثر لوگ اس بیماری کا شکار نظر آتے ہیں۔ مگر ان دنوں بہت سی جوان بچیاں اور لڑکے بھی اس بیماری کا شکار نظر آتے ہیں۔ اس کے لیے بہت آسان سا وظیفہ ہے۔ نماز فریضہ پڑھنے کے بعد اپنا سیدھا ہاتھ سر پر رکھ کر گیارہ بار یَا قَوِیُّ پڑھ لیا کریں۔ دن میں جب بھی پانی پئیں اپنے گلاس کے پانی پر بے شک ایک مرتبہ ہی سہی مگر سورۂ فاتحہ دم کر کے پئیں۔ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ، پہلا کلمہ، تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھنا اپنی عادت بنا لیں۔ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت نسیان کے مرض سے بچاتی ہے۔

رویوں کی تلخی ختم کرنے کے لیے

جب بھی پانی پئیں، ایک بار یَا وَدُوْدُ پڑھ کر دم کر کے پئیں۔ جب تک آپ کے رویے کی تلخی ختم نہ ہو جائے یہ عمل جاری رکھیں، میٹھی غذائیں بڑھا دیں اور نمک کم کر دیں۔ اس کے ساتھ، ساتھ سلام کو بڑھائیں، یعنی ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے میں آپ پہل کریں، بزرگوں کی دعائیں لیں اور روزانہ کم از کم ایک تسبیح درود شریف کی ضرور پڑھیں۔ بزرگان دین اور اولیا کرام کے حالات زندگی و واقعات پر مبنی کتب کا مطالعہ کریں۔ آج کل تو بچوں کے حساب سے بھی یہ کتب دستیاب ہیں۔

چہرے کی چھائیاں

یہ مسئلہ لڑکیوں کا بھی ہے اور بڑی عمر کی خواتین کا

بھی ان کے چہرے پر بدنما چھائیاں ان کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ وہ بازاری طرح، طرح کی کریمیں لگا کر اپنی اسکن کو مزید خراب کر لیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لڑکیاں احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پیاری بیٹیو! سب سے پہلے آپ نماز کی باقاعدگی کیجیے یا کم از کم اتنا تو ضرور کیجیے کہ آپ کا کوئی دن ایسا نہ گزرے جس میں آپ نے کسی وقت کی بھی کوئی نماز نہ پڑھی ہو۔ یاد رکھیے نماز پڑھنے والے کے چہرے پر نور ہوتا ہے۔ اور دوسری ایک خاص بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ جب بھی آپ شیشے میں اپنی شکل دیکھیں درود شریف پڑھیں۔ اگر آپ کو پڑھنا یاد نہیں رہتا تو ڈریسنگ ٹیبل کے اوپر لکھ کر چپکا دیں۔ درود شریف کی برکت سے چہرے کی کشش میں اضافہ ہوتا ہے۔ اب علاج کی جانب آ جائیں چھ عدد دیسی انڈے اچھی طرح ابال لیں، ان کی سخت سی زردیاں علیحدہ کر لیں اور مسلسل فرائی پان میں ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنا بھونیں کہ زردیوں کا پانی خشک ہو جائے اور زردیاں سرخی مائل ہو جائیں۔ خیال رہے کہ ان کو جلنا نہیں چاہیے جب یہ ٹھنڈی ہو جائیں تو ان میں تقریباً ایک پاؤ اصلی شہد ملا کر کسی چیز سے اچھی طرح گھوٹیں کہ پیسٹ سا بن جائے۔ پھر باوضو ہو کر تین سو تیرہ مرتبہ یا اَللّٰہُ یا جمیلُ پڑھ کر دم کر دیں اور اس کریم کو اپنے فریج میں رکھیں۔ یہ خراب نہیں ہوگی۔ رات کو سوتے وقت اسی پیسٹ سے پورے چہرے کی اچھی طرح دائروں میں مالش کریں اور اس کے ساتھ ایک گلاس نیم گرم دودھ میں ایک چمچ شہد ڈال کر پئیں۔ صرف دو ماہ کے اس عمل سے آپ کے چہرے کی چھائیاں دور ہو جائیں گی۔ مگر آپ نے گھڑی دیکھ کر ہر ایک گھنٹے کے بعد ایک گلاس پانی ضرور پینا ہے، چاہے آپ کو پیاس لگے یا نہ لگے۔

ہڈیوں کا ڈھانچا نہ رہیں

اکثر لوگ اس قدر دبلے ہوتے ہیں کہ ہڈیوں کا ڈھانچا دکھائی دیتے ہیں تب وہ لوگوں کے سامنے آنے جانے سے احتراز کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ دبلے ہیں تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، موٹا ہونا کوئی مشکل بات نہیں۔ بس بیمار نہیں ہونا چاہیے۔ اچھی صحت کا راز خوشی میں ہے۔ آپ خوش ہو کر دال بھات بھی کھائیں گے تو وہ آپ کے جسم کو لگے گا اور فکروں میں گھرے ہوئے، پریشانیوں میں الجھے ہوئے بہترین غذا بھی کھائیں تو جسم کو لگتا نہیں ہے۔ آپ خوش ہو کر ہر چیز کھائیں۔ خاص طور پر دیسی گھی میں بنا ہوا ماش کی دال کا حلوا صبح نہار منہ کھائیں۔ ماش کی دال کا حلوا اسی طریقے سے بنتا ہے جیسے چنے کی دال کا حلوا، یہ حلوا بے شک تھوڑا سا ہی کھائیں مگر صبح شام ضرور کھائیں۔ رات کو سوتے وقت ایک چمچ اصلی شہد اور ایک دودھ کا گلاس لازمی لینا ہے۔ ہاں! رات کو سوتے وقت چاروں قل، آیت الکرسی اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنے اوپر ضرور دم کریں۔ صرف تین ماہ بعد اپنی صحت کا موازنہ کر کے دیکھیے۔ ڈھانچا غائب ہو چکا ہوگا۔ بلکہ ایک توانا وجود سامنے ہوگا۔

سیاہ ہونٹ

بعض خواتین کے ہونٹ بالکل سیاہ ہوتے ہیں جو ان کے چہرے پر بہت بدنما لگتے ہیں۔ لپ اسٹک لگانے سے وہ اس خامی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں مگر خامی بہرحال خامی ہوتی ہے جس کا تدارک کرنا چاہیے اور وجہ جاننی چاہیے کہ ہونٹ سیاہ کیوں ہو رہے ہیں۔ کبھی کبھی غیر معیاری لپ اسٹک بھی اس کا سبب بنتی ہے۔ ویسے زیادہ انڈے، گرم مسالے، بازار کے کھانے، چٹ پٹی اور باسی اشیا اور فریج میں کافی دن کی رکھی ہوئی چیزیں مسلسل کھانے سے معدے میں تعفن شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہونٹ کالے ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر کے وٹامن اے اور وٹامن ڈی کی ادویات کا استعمال بھی کریں۔ اس کے ساتھ موسم کی سبزیاں اور پھل خوب استعمال کریں۔ دن میں بھی رات کو سوتے وقت بالائی میں لیموں کا عرق، زعفران اور ذرا سا شہد یکجا کر کے ہونٹوں پر لگائیں اور ایک گھنٹے بعد دھولیں اور یا نُورُ گیارہ مرتبہ پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکیں اور پورے چہرے پر اپنے ہاتھ پھیریں۔ عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

☆☆☆

شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تا کہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تا کہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

بچی کا قد

صائمہ رمضان.........حیدر آباد

میں آپ کی بہت پرانی قاریہ ہوں اور بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں، آپ نے بہت سے لوگوں کے مسئلے حل کریں ہیں اسی طرح سے میری بچی کا مسئلہ ہے۔ برائے مہربانی اس کا قد بڑھنے کے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

جواب۔ بچوں کا قد خاندان کے زیر اثر ہوتا ہے یعنی ماں کا خاندان اور باپ کا خاندان اور پھر بچی کی ساخت۔ بہر حال بچی کو 6 ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Baryta Carb-30، Calc-Pos-30 کے 5,5 قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا کپ پانی ڈال کر دیں۔ بچی کو اچھا ماحول، متوازن غذا دیں اور اچھل کود والے گیمز کھلائیں۔

چہرے پر دانے اور تل وغیرہ

سکینہ جمیل.........بہاولپور

میرے چہرے پر بہت موٹے موٹے دانے نکل آتے ہیں، پیپ والے، خون بھی نکل آتا ہے، اور نشان بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال بھی ہیں، چہرے پر براؤن تل بھی ہیں، بہت زیادہ۔ مجھے بہت شدید پیاس لگتی ہے، نیند میں بھی بہت آتی ہے، زبان خشک ہو کر چپک جاتی ہے، مجھے پیشاب کا بھی مسئلہ ہے بار بار آتا ہے۔ میرے منہ سے بدبو آتی ہے جس کی وجہ سے کسی سے بات کرتے وقت شرمندگی اٹھانا

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اکتوبر 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

پڑتی ہے، میری نظر بھی کمزور ہے، میرے سر کے بال بہت گرتے ہیں، بال سفید بھی ہو گئے ہیں، خشک اور بے رونق بھی ہیں، بالوں میں خشکی بھی ہے، مجھے اکثر زکام بھی ہو جاتا ہے، بلغم والی کھانسی ہو جاتی ہے۔ میں ان بیماریوں کی وجہ سے شدید ڈپریشن کا شکار ہوں، پلیز میری ان بیماریوں کا علاج ضرور بتائیں، کون سی بیماری کی کون سی دوا ہے یہ ضرور بتائیں، اور دوا کتنے ماہ کھانی ہے اور طریقہ کار بھی ضرور بتائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ اللہ آپ کو ترقی دے۔ (آمین)

جواب۔ بی بی، آپ سب سے پہلے جلد از جلد HbA1C کا ٹیسٹ کرائیں، مسائل یقیناً آپ کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ صحیح علاج کے لیے صحیح تشخیص کی ضرورت ہے۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Bry-30، Mercor-30، Calc-Sul-30، Syzigium-3x، Ruta-30 ہر شیشی میں سے 7,7 قطرے آدھا گلاس میں پانی ڈال کر دن میں چار مرتبہ لیں۔ رپورٹ کے ساتھ حال بتائیں۔

پہلے سے فرق ہے

فرح خان .... ملیر، کراچی

آپ نے مجھے جو دوائیں دی تھیں وہ میں نے ایک ماہ استعمال کیں۔ مارچ کے شمارے میں آپ کا جواب ملا تھا۔ ہاتھوں کی کمزوری کم ہے پہلے سے الحمدللہ مگر گلٹیاں تھوڑی نرم ہو گئی ہیں اور سے ویسے ہی بڑھ رہے ہیں، تل مسوں میں تبدیل ہو رہے ہیں، قبض بھی رہتا ہے۔ آنکھوں میں دھبے ہیں، جلن بھی ہو رہی ہے۔ ہاتھوں پیروں کی رگیں پھولی ہوئی ہیں، ابھی پچھلے دو ماہ سے الٹے ہاتھ میں اچانک ایسا محسوس ہوتا ہے کوئی نس کھینچ رہا ہے پھر کچھ سیکنڈز میں ٹھیک ہو جاتا ہے، جیسے جب لیٹتی ہوں تو کندھے سے کہنی تک درد ہونے لگتا ہے۔ نسوں میں کھنچاؤ تو دن میں کسی بھی وقت ہو جاتا ہے پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ ناخن بھی خراب ہو رہے ہیں۔ پیٹ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کے لیے بھی آپ مجھے کوئی اچھی دوا بتائیے، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔ بالوں

کی سفیدی اور لیکوریا میں بھی کمی ہے۔ گھر میں بھی زیادہ کھڑے رہنے سے بہت درد ہو جاتا ہے۔

جواب۔ محترمہ ان ہی ادویات کو مزید دو ماہ جاری رکھیں۔ ساتھ میں Thuja-30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔ 2 ماہ بعد مکمل کیفیت کے ساتھ حال بتائیں۔

اور دوسرا مسئلہ میری بیٹی کا ہے۔ اس کا قد 5 فٹ ہے۔ چہرے پر اور زیادہ دانے اور وائٹ ہیڈز بڑھ گئے ہیں۔ لیکوریا بھی ہے۔ کبھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، سست رہتی ہے۔ پہلے پڑھائی میں بہت اچھی تھی مگر اب اس میں بھی دل نہیں لگتا، بھول جاتی ہے۔ اب پیپر ہیں مگر یاد نہیں کر پا رہی اس کے لیے بھی دوا بتا دیں۔

قد بڑھانے کے لیے ضروری ہے ماں اور باپ کا قد اور ان کے خاندان کا قد دیکھا جائے، بچی کی غذا اور کھیل کود پر بھی دھیان دیں۔ بازاری اور اشتہاری ادویات سے پرہیز کریں۔ بچی کو کوئی بیماری ٹانسلز Mumps تو نہیں ہیں، کم از کم چھ ماہ تک دوائی کھلائیں، ہر ماہ قد دیکھا جائے، لیکوریا کی تفصیل لکھیں کب کیوں اور کیسا ہوتا ہے، خون کی کمی Hb% چیک کرائیں، صبح ناشتا دوپہر کا کھانا، رات کا کھانا کیا اور کتنا لیتی ہیں؟ ٹی وی اور نیٹ کو کتنا وقت دیتی ہیں؟ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Baryta Carb-30، Calc-Sul-30 اور Ptk-45 استعمال کرائیں۔

ماہانہ ایام کی بے قاعدگی

کوثر یاسمین .... تلہ گنگ

ڈاکٹر صاحب میں اپنی بیٹیوں کا مسئلہ لے کر حاضر ہوں، ان کے ساتھ ایام کا مسئلہ ہے، بڑی کی عمر 16 سال اور چھوٹی کی عمر 15 سال ہے، دونوں کو کبھی دو ماہ، کبھی تین ماہ مینسز ہوتے ہیں، ہر ماہ بعد نہیں ہوتے۔ بڑی بیٹی کے upper lips والی جگہ پر بہت بال ہیں۔ ایسے جیسے مونچھیں ہیں۔ وہ Upper lips بنواتی نہیں ہے کہ یہ گناہ

ہے۔ براہ مہربانی کوئی دوا تجویز کریں۔ دونوں کے لیے کتنے ماہ دوا لینی ہے یہ بھی بتائیں۔

جواب۔ بچیوں کو متوازن غذا دیں جس میں دودھ اور فروٹ بھی شامل ہوں۔ کھیل کود بھی کرائیں، ورزش بھی انتہائی ضروری ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کرائیں۔ Megnesium Phos Pentarkan Ptk-60 ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں، ساتھ Oleumm jec3x Pulsatilla-30 کے 5, 5 قطرے آدھا کپ پانی دن میں 3 مرتبہ دیں۔ 4 ماہ کے بعد دوبارہ حال بتائیں۔

پیریڈز اور لیکوریا

بشریٰ عثمان .... لاہور

مجھے ایک عرصے سے لیکوریا کی شکایت ہے۔ میری تیسری پریگنینسی میں لیکوریا کی شکایت شدید ترین رہی اور کسی بھی علاج سے فرق نہیں پڑا، زچگی کے بعد بھی لیکوریا کی شکایت ختم نہیں ہوئی۔ چہرے پر گالوں کی ہڈیوں کے اوپر اور ناک پر براؤن تلوں کی طرح کی چھائیاں پڑ گئی ہیں جو کہ بہت بری لگتی ہیں۔ بار بار نزلہ زکام کی شکایت ہوتی ہے، گلا مسلسل خراب رہتا ہے۔ پچھلی سردیوں میں مجھے ہر مہینے نزلہ زکام ہوتا رہا اور گلے میں شدید خراشیں اور درد ہوتا رہا، غصہ بہت آتا ہے، طبیعت میں چڑچڑا پن اور بیزاری آ گئی ہے۔ برداشت کی بھی بہت کمی ہے۔ کچھ بھی کھا لوں پیٹ میں گیس بہت ہوتی ہے۔ نیند بھی بہت کم آتی ہے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑ گئے ہیں اور بال بھی سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے بواسیر کی بھی شکایت ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے اچھی سی ہومیو پیتھک دوا تجویز فرما دیں۔

جواب۔ متوازن غذا کا خیال رکھیں، ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں دن میں 3 مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ دیں۔ Avena Sativa Q کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ دیں، 3 ماہ بعد حال بتائیں۔

شوہر کا مسئلہ

اس کے علاوہ میں اپنے شوہر کا ایک مسئلہ بیان کر رہی ہوں۔ میرے شوہر کو پیشاب کی .... شکایت ہے۔ جس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ کئی دفعہ علاج کروایا لیکن وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ تنگ آ کر اب کوئی بھی علاج نہیں کرواتے، مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔ اور یہ بھی کہ کتنا عرصہ استعمال کرنی ہے، بہت نوازش ہوگی۔

جواب۔ مایوسی کفر ہے، شفا من جانب اللہ ہے۔ ہمیں نہیں پتا کہ اس میں شفا کب اور کیسے ملے گی؟ لہٰذا صحیح مستند معالج سے علاج اور دوا کرتے رہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دوا Hepar Sul-30 اور Merc.Cor-30 کے 5,5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گلاس پانی میں دیں۔ ان کا UrineD/R کرا کر رپورٹ ہمیں ضرور بھیجیں۔

جسم پر بال اور منہ کے چھالے

عاصمہ عمران .... چیچہ وطنی

میں پاکیزہ میں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ گزشتہ پانچ سال سے پیریڈ بہت ڈسٹربڈ ہیں، کبھی 3 کبھی 4 ماہ بعد، لیکن گزشتہ دو سال سے بغیر دوائی کے نہیں آتے۔ ہربل یا ہومیو پیتھک دوا لیتی ہوں۔ گردوں میں بھی درد ہوتا ہے، گیس بہت بنتی ہے پیٹ میں۔ گلے میں انفیکشن بھی رہتا ہے۔ منہ اندر سے ہر وقت چھلا رہتا ہے۔ مرچ مصالحہ بالکل نہیں کھا سکتی۔ دودھ بالکل نہیں پیا جاتا، ریشہ بن جاتا ہے، چاہے گرم چاہے ٹھنڈا، وزن کسی طرح کم نہیں ہوتا ہر کوشش کی۔ ہر طرح کا پرہیز کرتی ہوں لیکن روز بروز صحت گرتی جا رہی ہے۔ رنگت بہت صاف تھی لیکن اب رنگ بھی سیاہ پڑ گیا ہے۔ چہرے سمیت پورے جسم پر موٹے کالے بال نکل آئے ہیں، ہر وقت اسٹریس رہتا ہے، غصہ اور رونا بہت

آتا ہے اپنی حالت پر۔ کہیں آجا نہیں سکتی ان باتوں کی وجہ سے۔ چکر بہت آتے ہیں۔ نیند بھی نہیں آتی اور نسوانی حسن کم ہوتا جارہا ہے۔ برائے مہربانی جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب۔ واک کیا کریں، متوازن غذا لیں، دوسری تمام دوائیں بند کر دیں جب تک مکمل ٹھیک نہ ہوں، conceive کرنے کی کوشش بھی نہ کریں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Ferrum Pentarkan Ptk-45 کی 2 گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Magnesium-Phos Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ Oleum jecoris-30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ 3 ماہ بعد حال بتائیں اور شوہر کے متعلق بتائیں ان کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔

بیٹے کا مسئلہ

ایک مسئلہ میرے بیٹے کا بھی ہے، اسے بھی دودھ موافق نہیں آتا جب بھی کیلا، چاول دودھ وغیرہ لے تو ریشہ ہو جاتا ہے۔ زبان پر زخم ہو جاتے ہیں۔ ابھی 6 سال کا ہے ابھی تو دودھ ضروری ہے اس کے لیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے، دوا ایسی ہو جو میرے سارے مسئلوں کو حل کر دے اللہ کے حکم سے۔

جواب۔ بچے کو ہی دیں، اس کی تمام دوائیاں بند کر دیں۔ متوازن خوراک دیں، انڈے، ٹافیاں، پنیر، چاکلیٹ بالکل نہ دیں، کولڈ ڈرنکس بھی استعمال نہ کریں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Merc.sol-30، Borax-30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ دیں، 15 دن بعد دوبارہ حال لکھیں۔

گردن اور سر کا درد

ماہ رخ مرزا.......... چکوال

بچپن سے گردن اور سر میں درد رہتا تھا۔ ذہنی امراض کے ڈاکٹر کے پاس گئی تو انہوں نے اینٹی ڈپریشن دیا۔ پریشانیوں میں بھی کافی رہی، اب میں چاہتی ہوں، ان ادویات سے نجات حاصل کروں۔ برائے مہربانی ہومیو پیتھک کی کوئی ایسی دوا تجویز کریں جس سے سر کا درد، اعصابی دباؤ نہ ہو اور پرسکون نیند آجائے، اس کے علاوہ خارش کی بھی تکلیف ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو ٹھیک کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی دوائی میرے لیے بہترین ثابت ہوگی۔

جواب۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc-Carb-30، Gelsemium-30، Rhustox-30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ جبکہ Passiflora Pentarkan Ptk-66 کے 15 قطرے ایک گھونٹ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

بچوں کی پیدائش کے بعد پیٹ کا بڑھنا

رابعہ.......... حیدرآباد

میں پاکیزہ ڈائجسٹ کی مستقل قاری ہوں۔ ہر مہینے لوگوں کو آپ کی دوا سے شفایاب ہوتے دیکھتی ہوں۔ اس دفعہ اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ میرا وزن پہلے کم تھا، جب سے سیزر سے بچے ہوئے ہیں، پیٹ اور کولہے بہت بھاری ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے برا محسوس ہوتا ہے۔ ڈائٹنگ کرنے اور واک زیادہ کرنے سے لیکوریا ہو جاتا ہے۔ مجھے قبض بھی رہتا ہے۔ ایسی دوا تجویز کریں جس سے میرا وزن کم ہو جائے۔ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔

جواب۔ غذا میں میٹھی چیزیں، شربت، کولڈ ڈرنکس بالکل بند کر دیں، اسی طرح تلی ہوئی بھنی ہوئی چیزوں کا استعمال بھی نہ کریں، عام گھر کا کھانا، اسٹیم سے پکا ہوا گوشت، سبزیاں، فروٹ استعمال کریں، دہی کی بالائی بھی مفید ہے۔ واک ضرور کرتی رہیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Calc-Carb-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



دن میں 3 مرتبہ Phytolaca e baciss Q اور Fucus ves Q کے 10،10 قطرے آدھا گلاس پانی میں 3 مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

منہ سے بُو

طارق محمود..........اٹک

محترم ڈاکٹر صاحب ماہنامہ پاکیزہ ہمارے گھر میں گزشتہ 20 سال سے پڑھا جارہا ہے۔ دیگر سلسلوں کے ساتھ "ہومیو کلینک" بھی ہمارا پسندیدہ ہے۔ اب میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میرے منہ اور سانسوں سے ہر وقت انتہائی ناگوار بُو آتی ہے۔ خالی پیٹ اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب پیٹ بھرا ہو اور کچھ کھاؤں یا زیادہ میٹھا کھاؤں تو منہ اور گلا کڑوا، بدذائقہ ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھار قبض ہو جاتا ہے اور کبھی موشن 24 گھنٹوں میں چار پانچ مرتبہ حاجت کے لیے جانا پڑتا ہے۔ میرے لیے کوئی ایسی دوا تجویز کریں کہ میرا مسئلہ حل ہو جائے اور میرے منہ/سانسوں سے بدبو دور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

جواب۔ صبح نہار منہ صرف ایک گلاس پانی پئیں، پیٹ کو زیادہ نہ بھریں اور خالی بھی نہ چھوڑیں، دوپہر کو نماز ظہر اور کھانے کا وقفہ ہر صورت کریں، کھانے کو آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں جلدی کس بات کی ہے؟ تیز مرچ مصالحہ اور مرغن کھانے استعمال نہ کریں۔ اگر کرنا پڑے تو ساتھ دہی کا استعمال کریں، متوازن غذا استعمال کریں۔ رات کو کھانے کے بعد چہل قدمی ضرور کریں۔ کم از کم 15 منٹ، صبح فجر کے بعد 15 منٹ واک کا اہتمام کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Nuxvomica-30 اور Merc.sol-30 کے 5،5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ڈال کر ہر کھانے کے بعد صبح، دوپہر، رات لیں۔ دو ماہ بعد حال بتائیں۔

پراسٹیٹ غدود اور مثانے کا مسئلہ

اورنگی ٹاؤن..........کراچی

مجھے عرصہ دراز سے پراسٹیٹ غدود کا مسئلہ ہے اور کوئی 8 یا 9 سال سے شوگر اور بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔ پراسٹیٹ غدود اور مثانے کے لیے ہمیشہ ہومیو پیتھک ادویات استعمال کیں۔ ان ادویات کے استعمال کا فائدہ تو رہا لیکن عارضی طور سے۔ اب میں نے ایلو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع کیا ہے، انہوں نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے اور دوائیں دیں جو میں استعمال کر رہا ہوں، اس سے بھی کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا ہے۔ کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے۔ خاص شکایت یہ ہے کہ بار بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ دن میں ہر آدھا ایک گھنٹے بعد اور رات میں 6 سے 7 مرتبہ اٹھنا پڑتا ہے۔ صبح اجابت سے پہلے اور بعد میں بار بار پیشاب محسوس ہوتا ہے۔ کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مثانے میں کچھ اٹکا ہے اور خارج نہیں ہو رہا ہے۔ کچھ انتظار کے بعد تھوڑا سا خارج ہوتا ہے، کبھی کھل کر صاف آتا ہے، کبھی رک رک کر۔ کبھی پیشاب میں چبھن اور جلن بھی محسوس ہوتی ہے۔ ایک مہینے سے قبض کی کافی شکایت ہے۔

جواب۔ آپ کی رپورٹس کے مطابق شوگر کنٹرول میں نہیں، کیراٹینائن بارڈر پر ہے، پیشاب میں انفیکشن ہے، مثانے، گردوں اور پراسٹیٹ کی بھی پرابلمز ہیں۔ مجھ سے آ کر ملیں، ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی فی الحال Sabal Pentakaran Ptk-75 اور Syzigium jamboo Q اور Merc.cor-30 کے 10،10 قطرے ایک گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ لیں۔ واک ضرور کریں، کم از کم ایک گھنٹا شروع پندرہ منٹ سے کریں۔